



فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٠٩﴾
لَمَّا شَفَّاءَ الْعَمَى السَّوَالِجِ ﴿٢١٠﴾

أحسن الفتاوى

بجذف مكررات وتجزئة حجات فرائض مسائل غير مهمه

جلد ۳

(۱۸)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ

(وہ احد تقسیم کنندگان)

الحاج اہم سعید کرمی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

کتبہ دار فاریق سکول اردو



نام کتب ————— احسن الفتاویٰ
جلد ————— سوم
زیر اہتمام ————— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
ضخامت ————— ۵۵۲ صفحات
کتابت ————— منشی محمد فاروق سجاد آباد
تعداد ————— ایک ہزار
پریس ————— ایجوکیشنل پریس کراچی
طبع اول ————— سنہ ۱۴۰۱ھ
طبع یازدہم ————— ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پارک سناچوک کراچی



فہرست مضامین "احسن الفتاویٰ" جلد سوم

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|---|
| ۲۵ | لفظ "السلام" کہنے سے نماز سے خارج ہو گیا | ۱۳ | باب صفۃ الصلوۃ وما يتعلق بہا |
| " | بدون نماز سجدہ کا حکم | " | تکبیر تحریم کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی |
| ۲۶ | نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ مکروہ تحریمی ہے | " | زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے |
| " | درود میں "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے | ۱۴ | نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت |
| " | نماز سے خرچ بالا اختیار فرض ہو اور سلام واجب | ۱۶ | نیت میں غلطی کا حکم |
| ۲۸ | قومہ و جلسہ میں دعا و مآثور | ۱۷ | نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم |
| ۲۹ | گوںگان نماز کیسے پڑھے؟ | " | سوال متعلق بالا |
| " | درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے | ۱۸ | سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا |
| ۳۰ | تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے | " | بوقت تکبیر تحریم انگلیوں کی کیفیت |
| " | تشہد میں عقیدہ اشارہ کی کیفیت | ۱۹ | تکبیر تحریم ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے |
| ۳۱ | بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کی حد | ۲۰ | ٹوپی سے نماز پڑھنا |
| " | نماز میں قیام عورت پر بھی فرض ہے | " | سوال مثل بالا |
| ۳۲ | پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں | ۲۱ | سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ |
| ۳۳ | نماز کا فدیہ | " | اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے |
| " | سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ | " | قومہ جلسہ اور ان میں تعدیل واجب ہے |
| " | ثواب کی زیادتی پوسے حرم میں ہر عبادت پر ہے | " | توہم فساد کی بنا پر مغرب اور وتر |
| ۳۴ | مسجد نبوی میں پالیس نمازوں پر | " | کے اعادہ میں چار رکعات پڑھے |
| " | بشارت صرف مردوں کے لئے ہے | ۲۲ | مغرب یا وتر میں سجدہ سہونہ کیا تو |
| ۳۵ | کیا عورتوں کو گھر میں نماز کا وہی ثواب ملے گا | " | بوقت اعادہ کتنی رکعات پڑھے؟ |
| " | جو مردوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ملتا ہے؟ | ۲۳ | ہیئت رکوع میں مرد اور عورت میں فرق |
| " | مسجد نبوی میں پچیس نمازوں پر بشارت مقید بتسلسل ہے | ۲۴ | سوئے شخص کو نماز کے لئے جگانا |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|--|
| ۵۰ | بیٹھ کر نماز پڑھنے والا نظر گود میں رکھے | ۳۵ | حالت ولادت میں ادا نماز پر اشکال کا جواب |
| ۵۱ | قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں | ۳۶ | جماعت ہو جانے کے بعد فرض نماز مسجد میں نہ پڑھے |
| ۵۲ | دعائیں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ مستحب ہے | ۳۷ | نماز میں یاد نہیں ہا کہ کس نماز کی نیست کی تھی؟ |
| ۵۳ | سوال مثل بالا | ۳۸ | رکوع میں ٹخنے ملانا |
| ۵۴ | دعاء میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے | ۳۹ | سجدہ بقدر تسبیح واحدہ واجب ہے |
| ۵۵ | دعاء میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ | ۴۰ | نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ |
| ۵۸ | دعاء میں انگلیاں قبلہ رخ رکھنا مستحب ہے | ۴۱ | قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ |
| ۵۹ | دعاء کا مسنون طریقہ | ۴۲ | سہواً بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت { دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں؟ } تحقیق جملہ "ربنا لک الحمد" |
| ۶۹ | باب اشتراط التجوید | ۴۳ | تنگ وقت میں پیشاب یا پاخانہ کے { تقاضا کی وجہ نماز چھوڑنا جائز نہیں } |
| ۶۰ | قرارت میں صحت ادا کی { کوشش نہ کریگا تو نماز نہ ہوگی | ۴۴ | سجدہ نماز میں دعاء میت کی طرف سے اس کا بیٹھا نماز کا فدیہ ادا کر سکتا ہے نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے، |
| ۶۱ | قرارت فرض کی مقدار فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ واجب نہیں | ۴۵ | ۴۰۲ گرام چاندی کے برابر نقصان کا خطرہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے نماز میں قرارت حکایت ہے |
| ۶۲ | قرارت مسنونہ | ۴۶ | تہجد میں سلام انشاء کہا جاتا ہے |
| ۶۳ | فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی { تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے } فاتحہ اور سورت درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے | ۴۷ | سجدہ میں ٹخنے ملانا |
| ۶۴ | قرارت میں آواز کی مقدار | ۴۸ | مرد کیلئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے |
| ۶۵ | دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا | ۴۹ | سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے |
| ۶۶ | ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا | ۵۰ | |
| ۶۷ | ایک سورت دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھنا | ۵۱ | |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|--|
| ۸۷ | سوال مثل بالا | ۷۷ | فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور |
| ۸۸ | سنت نفل کی سب کعات میں سورت ملا نا واجب | ۷۸ | رفع یدین میں مذاہب ائمہ کی تفصیل |
| ۸۹ | رسک نفل | ۷۹ | مزدورت زیادہ بلند آواز سے قراءت جائز ہے |
| ۱۰۵ | الارشاد الی مخرج الضاد | ۷۹ | فادخل فی عبادی میں "فی" چھوٹ گیا |
| ۱۶۳ | نیل المرام بالتزام السکوت عند قراۃ الامام | ۷۹ | جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟ |
| ۲۵۷ | فاتحہ الکلام فی القراۃ خلف الامام | ۷۹ | منفرد جہری نمازوں میں قضاء کرے |
| ۲۵۷ | باب الامامۃ والجماعۃ | ۷۹ | تو قراءت میں جہر کا اختیار ہے |
| " | جماعت فجر کے وقت سنتیں پڑھنا | ۸۰ | جہری نماز کی قضاء دن میں |
| " | نوافل یا سنتیں پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو جانا | ۸۰ | باجماعت کی جگہ تو جہر واجب |
| ۲۵۸ | فرض پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو گئی | " | سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا |
| ۲۵۹ | قضاء نماز پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو گئی | ۸۱ | عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں |
| " | لنگڑا چلنے پر قادر ہو تو اس پر جماعت واجب ہے | " | سورۃ زلزال میں خیرا کی جگہ شرا |
| " | نایبنا کی امامت | " | پڑھنے سے نماز ہو جائے گی |
| ۲۶۰ | ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت | " | بروز جمعہ فجر میں سورۃ سجدہ پڑھنا |
| ۲۶۱ | سوال مثل بالا | ۸۲ | آمین آہستہ کہنا افضل ہے |
| ۲۶۲ | ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کر لی تو بھی ڈاڑھی | " | سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے |
| " | پوری ہونے تک اس کی امامت مکروہ ہے | ۸۳ | بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قراءت کرے |
| " | صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں | ۸۴ | فاتحہ کا کچھ حصہ سر پڑھنے کے بعد |
| ۲۶۳ | امام مسافر نے چار رکعات پڑھیں | ۸۴ | بیت امامت کر لی تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے |
| ۲۶۳ | تو مقیم مقتدی کی نماز نہ ہوگی | ۸۵ | امام فاتحہ کا کچھ حصہ آہستہ پڑھ گیا |
| ۲۶۳ | امام راتب احق بالامامۃ ہے | " | تو اس کا اعادہ نہ کرے |
| " | غیر معذور کی اقتداء معذور سے جائز نہیں | " | نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا |
| " | رکوع و سجدہ پر قادر کی اقتداء عاجز جائز نہیں | ۸۶ | تجوید قرآن کی مقدار فرض |
| ۲۶۵ | متوضیٰ کی اقتداء متیمم سے جائز ہے | " | وقف لازم کی شرعی حیثیت |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|--|
| ۲۸۲ | ملازم کے لئے ترک جماعت جائز نہیں | ۲۶۵ | مسح کرنے والی کی امامت جائز ہے |
| " | مریض ریح کو ترک جماعت جائز ہے | " | بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے |
| ۲۸۳ | جماعت مسجد میں عورتوں کی { | " | امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے |
| " | شرکت مکروہ تحریمی ہے { | ۲۶۶ | تعداد رکعات میں مقتدیوں کے اختلاف کا حکم |
| " | پیشاب یا پاخانہ یا بھوک کی شدت { | ۲۶۸ | بل تجب الاعادة بل من سہا خلف الامام |
| " | کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے { | ۲۶۹ | لنحی کی امامت |
| ۲۸۴ | صرف نامحرم عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے | ۲۷۰ | امام کے سلام اول کے بعد اقتدار صحیح نہیں |
| " | اذان کے بعد مسجد میں اکیلے نماز پڑھ کر چلے جانا | " | مقتدی کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا |
| " | مسجد دور ہونے کی وجہ سے ترک جماعت | ۲۷۱ | غیر مسجد میں بدن عذر اقامت جماعت بدعت ہے |
| ۲۸۵ | سوال مثل بالا | " | امام کی نماز میں کراہت سے { |
| " | خصی کی امامت | ۲۷۵ | مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی { |
| ۲۸۶ | امام سنتیں ادا کرنے سے قبل نماز پڑھا سکتا ہے | " | امام کو جس حالت میں پائے شریک ہو جائے |
| " | امام کا اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا | ۲۷۶ | خنثی کی امامت صحیح نہیں |
| " | مسجد کی بالائی منزل میں جماعت کرنا | " | خنثی کا مقام بچوں کی صف کے پیچھے ہے |
| ۲۸۷ | رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ | " | رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کا حکم |
| ۲۸۸ | رشوت خور کی امامت | ۲۷۷ | سوال مثل بالا |
| " | ٹیل وٹرن دیکھنے والے کی امامت | ۲۷۸ | مقتدی تعدد اولیٰ میں کھڑا ہو گیا |
| " | ایسے شخص کی امامت جس کے ہاں شرعی پردہ نہ ہو | " | عرصہ دراز تک امامت کے بعد اقرار کفر |
| ۲۸۹ | مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے قبل امام اٹھ گیا | ۲۷۹ | عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ امام کافر ہے |
| ۲۸۹ | سوال مثل بالا | ۲۸۰ | بچوں کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنا |
| " | بدعتی کی امامت | " | مقتدی کے نغمہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی |
| ۲۹۰ | اصفرار سے قبل جماعت قائم { | ۲۸۱ | مقتدی کے تشہد یا درود سے { |
| " | نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ سکتا ہے { | " | قبل امام نے سلام پھیر دیا { |
| ۲۹۱ | مقتدی نے قصد تشہد نہ پڑھا | ۲۸۲ | شافعی اور الحادیث کی امامت |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|---|
| ۲۹۹ | مقتدی ایک مرد اور ایک بچہ { ہو تو صفت بندی کیسے کریں؟ | ۲۹۱ | موردی عقائد رکھنے والے کی امامت |
| ۳۰۰ | شرع میں ایک مقتدی تھا حائضہ میں اور آگے | ۲۹۲ | تضار پڑھے بغیر جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا |
| ۳۰۲ | امام پر متعین وقت کا اہتمام لازم ہے | ۲۹۳ | بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لئے ترک جماعت |
| ۳۰۳ | وارثوں کو حصہ نہ دینے والے کی امامت | ۲۹۴ | امام کا وسط محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے |
| ۳۰۴ | جو امام حروف کے صحیح مخارج پر قادر نہ ہو | ۲۹۵ | امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے |
| ۳۰۵ | بنک کے ملازم کی امامت | ۲۹۶ | سوال مثل بالا |
| ۳۰۶ | حنبل امام نے قصر نہ کیا تو مقتدی { کی نماز واجب الاعدادہ ہو | ۲۹۷ | سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت |
| ۳۰۷ | ایسے شخص کی امامت جس کے ذمہ قضا نماز ہو | ۲۹۸ | امام کے تقرر میں اہل صلاح { کی کثرت رائے معتبر ہے |
| ۳۰۸ | امام کے ذمہ وتر کی قضا ہو | ۲۹۹ | ولد الزنا کی امامت |
| ۳۰۹ | مقتدی نے امام کی تکبیر تحریم ختم ہونے سے { پہلے تکبیر ختم کر لی تو اس کی نماز نہیں ہوگی | ۳۰۰ | امام کے پیچھے مؤذن کی جگہ متعین کرنا جائز نہیں |
| ۳۱۰ | کسی فرد کے لئے جماعت میں تاخیر جائز نہیں | ۳۰۱ | امام رکوع و سجدہ مختصر کرے |
| ۳۱۱ | فصل مانع اقتدار | ۳۰۲ | پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی امامت |
| ۳۱۲ | سوال مثل بالا | ۳۰۳ | امام پر مقتدیوں کی بے احتیاطی کا اثر پڑتا ہے |
| ۳۱۳ | شرائط اختلاف | ۳۰۴ | انعامی بونڈ رکھنے والے کی امامت |
| ۳۱۴ | امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا | ۳۰۵ | وضو ٹوٹنے کی وجہ سے صفت سے { نکلے تو یہ خلا کیسے پُر کیا جائے؟ |
| ۳۱۵ | کرفیو کی حالت میں مسجد جانا | ۳۰۶ | صف کا خلا پُر کرنے کے لئے نمازی { کے سامنے سے گزرنا جائز ہے |
| ۳۱۶ | امام کے لئے تحمید افضل ہے | ۳۰۷ | مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی |
| ۳۱۷ | امام کے لئے تائین مسنون ہے | ۳۰۸ | نابالغ مقتدی سے جماعت کا ثواب مل جائیگا |
| ۳۱۸ | لفظ "السلام" امام سے پہلے ختم کرنا مکروہ ہے | ۳۰۹ | صرف عورت یا بچہ مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو |
| ۳۱۹ | عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے | ۳۱۰ | نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والے کی امامت |
| ۳۲۰ | امام نماز فجر میں قنوت کی بجائے خاموش رہا | ۳۱۱ | |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|---|
| ۳۴۱ | نیل السعادة بالاعتدال في الصلوة المعادة | ۳۱۳ | مسافر پر مقیم امام کے اتباع میں { |
| ۳۵۳ | المشكلة لمسألة المحاذاة | | چاروں رکعات نسرخص ہیں { |
| ۳۶۷ | انصراف الامام الى جهة الانام | ۳۱۴ | آنے والے کے لئے قرائت یا رکوع لمبا کرنا |
| ۳۷۵ | باب المسبوق واللاحق | " | جگہ کی تنگی کی وجہ امام کا وسط میں کھڑا ہونا |
| " | مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹ گیا | " | ظہر، مغرب، عشاء کے بعد امام کا مقتدیوں { |
| " | امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے | " | کی طرف رخ کرنا خلاف سنت ہی، { |
| ۳۷۶ | مسبوق کے بیٹھتے ہی امام قعدۃ اولی سے اٹھ گیا | ۳۱۵ | دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے { |
| " | مسبوق نے امام کے ساتھ قعدۃ اخیرہ نہ کیا | " | مسجد کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں { |
| ۳۷۷ | مسبوق باقی نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟ | " | شافعی امام کی اقتدار میں رفع یدین نہ کرے |
| ۳۷۸ | امام پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گیا تو مسبوق کیا کرے؟ | ۳۱۶ | مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے قبل امام اٹھ گیا |
| ۳۷۹ | امام قعدۃ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا، مسبوق نے { | ۳۱۷ | امام قعدۃ اولی چھوڑ کر اٹھ گیا تو { |
| | اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہو گئی { | | مقتدی پر اس کا اتباع لازم ہے { |
| ۳۸۰ | لاحق کی نماز پوری ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا | " | امام قعدۃ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا { |
| ۳۸۱ | مسبوق امام کے قعدۃ اخیرہ میں تشہد کے بعد کیا پڑھے؟ | " | تو مقتدی اس کا اتباع نہ کریں { |
| " | مدرک و مسبوق کے لئے شمار کا حکم | " | امام مسافر قعدۃ اولی کے بعد کھڑا { |
| ۳۸۲ | مسبوق امام کی سری قرائت کے ساتھ شمار پڑھ سکتا ہے؟ | " | ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟ { |
| ۳۸۳ | تین رکعات کا مسبوق قعدۃ اولی کب کرے؟ | ۳۱۸ | لنگڑے کی امامت |
| " | لاحق نے اتباع امام کے بعد فوت شد نماز پڑھی | ۳۱۸ | بتلون والے کی امامت |
| ۳۸۴ | لاحق فوت شد نماز مع سنن آداب ادا کرے | ۳۱۹ | بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے کی امامت |
| | رسالہ | ۳۲۰ | مقتدی کی قنوت ختم ہونے سے قبل امام رکوع میں چلا گیا |
| ۳۸۵ | القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر | " | بھجیر اول میں شرکت کی حد |
| ۳۹۸ | باب مفسرات الصلوة والمکروہات | | رسائل |
| " | سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانے کا حکم | ۳۲۱ | الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ |
| ۳۹۹ | نماز میں ستر کھل جانے کا حکم | ۳۲۹ | امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|--|
| ۴۱۳ | لہسن یا پیاز کھا کر گھر میں بھی نماز مکروہ ہے | ۴۰۹ | تحقیق مسئلہ بالا |
| ۴۱۴ | نماز میں بیڑی، سگریٹ، نسوار { جیب میں رکھنا جائز نہیں ہے | ۴۰۲ | نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنے کا حکم |
| ۴۱۴ | نماز میں چلنا | ۴۰۳ | باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوگی |
| ۴۱۶ | نماز میں بلا ضرورت کھجلا نا مکروہ تحریمی ہے | ۴۰۴ | چست لباس میں نماز مکروہ ہے |
| ۴۱۷ | مسلسل تین بار کھجلا نا مفسد نماز ہے | ۴۰۵ | مرد کو نماز میں ٹخنے ڈھانکنا |
| ۴۱۸ | عمل کثیر کی تعریف | ۴۰۶ | ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا |
| ۴۱۹ | نماز میں دونوں ہاتھوں سے ٹوپی سر پر رکھنا | ۴۰۷ | ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا |
| ۴۲۰ | حالت نماز میں سانپ مارنا | ۴۰۸ | دو رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لی |
| ۴۲۱ | نماز میں لاجول پڑھنا | ۴۰۹ | فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا |
| ۴۲۲ | سینما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے | ۴۱۰ | سلام اول کے بعد نمازی کے سامنے گزرنا جائز ہے |
| ۴۲۳ | مصلیٰ کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی | ۴۱۱ | نماز میں ڈکار آنا |
| ۴۲۴ | نماز میں ہنسنا | ۴۱۲ | آستینیں چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے |
| ۴۲۵ | ایسے پلاسٹک پر نماز جسکی نخلی جانب نجس ہو | ۴۱۳ | سجد میں جلتے وقت کپڑی سمیٹنا مکروہ تحریمی ہے |
| ۴۲۶ | اللہ اکبار کہنا | ۴۱۴ | آدھی آستین کے گرتے میں نماز مکروہ نہیں |
| ۴۲۷ | سلام علیکم کہنا | ۴۱۵ | رد مال و عقال سدل میں داخل نہیں |
| ۴۲۸ | کتا یا عورت سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی | ۴۱۶ | نمازی کے سامنے بیٹھا ہو شخص اٹھ کر جاسکتا ہے |
| ۴۲۹ | تصویر والے مکان میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الادرہ ہے | ۴۱۷ | نمازی کے سامنے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے؟ |
| ۴۳۰ | ارضِ مخصوبہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے | ۴۱۸ | رد مال یا چھڑی کو سترہ بنانا |
| ۴۳۱ | نماز میں مرد کا پاؤں عورت کے سر سے لگنے کا حکم | ۴۱۹ | بوقت ضرورت سترہ کی مختلف صورتیں |
| ۴۳۲ | ٹائی کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے | ۴۲۰ | مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرتا |
| ۴۳۳ | حرام آمدنی سے خریدے ہوئے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے | ۴۲۱ | فساد وضو کے عذر سے نمازیوں کے سامنے سے گزرتا |
| ۴۳۴ | حرام آمدنی سے خریدے ہوئے قالین پر نماز مکروہ تحریمی ہے | ۴۲۲ | مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا |
| ۴۳۵ | چوری کے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے | ۴۲۳ | نمازی کا عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم |
| ۴۳۶ | | ۴۲۴ | ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|---|
| ۴۳۲ | پہلی رکعت میں سورۃ ناس پڑھ لی | ۴۳۰ | پیشانی پر کپڑا ہونے کی حالت میں سجدہ |
| ۴۳۳ | پہلی رکعت میں سورۃ ناس شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے | ۴۳۱ | قضا حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہے |
| " | دوسری رکعت میں اوپر کی سورۃ شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے | " | نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا |
| ۴۳۴ | ایک سورت سے دوسری کی طرف انتقال | ۴۳۲ | گدے پر سجدہ کا حکم |
| " | نماز میں خلافت ترتیب قرار ت مکروہ ہے | " | نماز میں غیر عربی میں دعاء مکروہ ہے |
| ۴۳۵ | قرآن دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے | ۴۳۳ | نماز میں بلا قصد کوئی لفظ نکل جانا |
| " | قرار ت میں فاحش غلطی کی پھر صحیح کر لیا تو نماز ہو گئی | " | انفرادی نماز میں عورت کی محاذاة مکروہ ہے |
| " | سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا | ۴۳۴ | شرائط صحت بنا |
| ۴۳۶ | سوال مثل بالا | ۴۳۵ | سوتے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا |
| ۴۳۷ | اشقی کی بجائے اتقی پڑھ گیا | " | نماز میں بضرورت گرتے درست کرنا مکروہ نہیں |
| " | دوسری رکعت کے اطالہ مکروہہ کی مقدار | ۴۳۶ | نماز میں چادر کندھے سے گر جائے |
| ۴۳۹ | باب الوتر والنوافل | " | نماز میں تہبند درست کرنا |
| " | قنوت وتر میں کوئی دوسری دعاء پڑھنا | ۴۳۷ | مسجد میں چٹائی کی ٹپا رکھنا اور ان کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی |
| " | تکبیر قنوت چھوٹ جانے کا حکم | " | بارش کی وجہ سے نماز توڑنا |
| ۴۵۰ | دعاء قنوت کا تکرار | ۴۳۸ | نماز میں کھنکھارنا |
| " | دعاء قنوت سے ترک یا تکرار | " | سہواً اسلام پھیر کر دوسری نیت باندھ لی |
| " | پانچوں نمازوں میں سنتیں حلیت ثابت ہیں | ۴۳۹ | نماز سے فراغت کے بعد وضو میں شک کا حکم |
| ۴۵۲ | سنت مؤکدہ و نفل ایک سلام سے پڑھنا | " | کھاد والی گھاس پر نماز پڑھنا |
| ۴۵۳ | دو رکعت نفل میں قعدہ کے بعد سہواً اکھڑا ہو گیا | " | ریح روک کر نماز پڑھنا |
| " | قنوت ترک کیا ساتھ قنوت نازلہ ملانا | ۴۴۱ | پاک کپڑا نہ ہو تو ناپاک میں نماز پڑھ لے |
| ۴۵۴ | وتر میں دو شہید کا ثبوت | " | نماز میں چھینک پر الحمد للہ کہنا |
| ۴۵۵ | جماعت وتر کی رمضان کے ساتھ تخصیص | " | کسی کی چھینک پر نماز میں یرحمک اللہ کہنا |
| " | سنن نوافل کیلئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے | ۴۴۲ | مسائل زلۃ القاری |
| ۴۵۶ | سوال مثل بالا | " | دو رکعتوں کی قرار ت کے درمیان ایک چھوٹی سورۃ چھوڑنا مکروہ ہے |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|--|------|--|
| ۴۸۲ | سوال متعلق بالا | ۴۵۶ | قبلیہ سنت مؤکدہ چھوٹ گئیں تو { وقت کے اندر قضاء سنت مؤکدہ ہی} |
| " | تحتیہ الوضوء کا وقت اعضا خشک ہونے سے قبل ہی | ۴۵۷ | وتر کے بعد فرض کا فساد معلوم ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں |
| " | بیٹھنے سے تحتیہ المسجد ساقط نہیں ہوتا | " | وتر کے بعد معلوم ہوا کہ فرض میں سجدہ سہو نہیں کیا |
| ۴۸۳ | تحتیہ المسجد قتی نمازوں کے تھا مخصوص نہیں | ۴۵۸ | فرض صحیح نہ ہو تو بعد الی سنت دوبارہ پڑھے |
| " | دن میں ایک بار تحتیہ المسجد سنت مؤکدہ ہی | " | فرض یا تراویح منفرد پڑھنے والے کی جماعت میں شرکت |
| " | تحتیہ المسجد کے قائم مقام تسبیحات | ۴۶۰ | فرض اور وتر میں امام مختلف ہو تو کراہت نہیں |
| ۴۸۴ | چار رکعت نفل نماز تیسری رکعت پر توڑ دی | " | جماعت فجر کے وقت سنت پڑھنا |
| " | قبلیہ سنتیں چھوٹ گئیں تو بعد یہ کے بعد پڑھے | ۴۶۱ | سنت فجر ایسی جگہ پڑھنا جہاں قرات امام سنائی دے |
| ۴۸۵ | جمعہ کی قبلیہ سنتیں گئیں تو کس وقت پڑھے؟ | " | نفل کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا |
| " | نماز جمعہ کے بعد تعداد رکعات | ۴۶۲ | سوال مثل بالا |
| ۴۸۶ | نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے | ۴۶۳ | وتر کا آخری قعدہ بھول گیا |
| ۴۸۷ | سنن جمعہ کی نیت | ۴۶۴ | سنت فجر کی چار رکعتیں پڑھ لیں |
| " | اپنے ذمہ بطور جرمانہ نفل واجب کرنا | ۴۶۵ | اشراق، چاشت، اوامین کی رکعات |
| ۴۸۸ | تکبیر قنوت واجب نہیں | ۴۶۶ | دو رکعت سنت مؤکدہ اوامین میں داخل ہیں |
| " | تکبیر قنوت میں رفع یدین کا ثبوت | ۴۶۷ | اشراق، چاشت اور تہجد کے اوقات |
| ۴۹۰ | سنت غیر مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں درود و دعاء { اور تیسری رکعت میں شمار پڑھنا اولیٰ ہے} | ۴۶۸ | نوافل کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ ہی |
| " | سنن فرائض کے درمیان فصل | ۴۶۹ | سنت فجر کی قضاء |
| ۴۹۱ | صلوۃ التسلیم میں دوسری اور چوتھی رکعت کی طریقیہ میں تکبیر کی | ۴۷۰ | سوال مثل بالا |
| " | صلوۃ التسلیم کے قنوت میں ہاتھ باندھنا مسنون ہی | ۴۷۱ | استحارہ کی حقیقت |
| ۴۹۲ | نفل پڑھتے ہوئے صبح ہو گئی | ۴۷۲ | نماز کسوف عصر کے بعد مکروہ ہے |
| " | مکروہ وقت میں شروع کئے ہوئے نفل کا حکم | ۴۷۳ | نماز مغرب قبل تحتیہ الوضوء تحتیہ المسجد کا حکم |
| ۴۹۳ | دو تین افراد نے نفل کی جماعت شروع { کی، بعد میں زیادہ شریک ہو گئے} | ۴۷۴ | صبح صادق کے بعد تحتیہ الوضوء تحتیہ المسجد جائز نہیں |
| | | " | تحتیہ الوضوء و تحتیہ المسجد کی تفصیل |

| صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان |
|------|---|------|--|
| ۵۱۶ | سامع کی اجرت | ۴۹۳ | تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں |
| " | نابالغ سامع کو صفت اول میں کھڑا کرنا | ۴۹۴ | رکعتوں میں شک کی صورت میں قنوت مکرر پڑھے |
| ۵۱۷ | فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعتیں شرکت صحیح نہیں | " | نماز اشراق کا ثبوت |
| " | تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شریک ہونا | ۴۹۵ | چار رکعت نفل کی نیت باندھے دو رکعت واجب ہوئیں |
| " | ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں | " | دعاء قنوت کا حوالہ |
| ۵۱۹ | تراویح کے بعد دعا | " | نفل میں سجدہ سہونہ کیا تو اعادہ واجب ہے |
| " | دوسو رتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم | ۴۹۶ | وتر کا فدیہ بھی واجب ہے |
| ۵۲۰ | مسجد سے باہر تراویح کی جماعت | " | قنوت کے بعد درود پڑھنا افضل ہے |
| " | قضاء نمازوں کے لئے تراویح چھوڑنا جائز نہیں | " | ناپاک کپڑے میں پڑھے ہوئے |
| " | بدون سامع قرآن سنانا | " | نوافل کا اعادہ واجب نہیں |
| ۵۲۱ | شبینہ کا حکم | ۴۹۷ | وتر تراویح سے پہلے پڑھے تو ان کا اعادہ واجب نہیں |
| ۵۲۲ | سوال مثل بالا | " | فرض پر نفل کی بناء مکر وہ ہے |
| " | مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم | " | فرض اور سنت کے درمیان تبلیغ کرنا |
| ۵۲۳ | ایک امام کا دو جبکہ تراویح پڑھانا | " | رسالہ |
| " | سامع کے لئے جبکہ کی تعیین | ۴۹۹ | اعدل الانظار فی الشفع بعد الایثار |
| ۵۲۴ | قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے | " | فصل فی التراويح |
| " | تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے | ۵۰۸ | تراویح میں بقعہ ختم کرنا ۵۰۸ ، سوال مثل بالا |
| " | فرض منفرد پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے | ۵۰۹ | تراویح میں سورہ اخلاص کا تکرار |
| ۵۲۵ | عورتوں کے لئے قبل تراویح سنت مؤکدہ ہے | ۵۱ | چار رکعت تراویح میں قعدہ اولی بھول گیا تو درود ہوئیں |
| " | تراویح میں نابالغ کی اقتدار صحیح نہیں | ۵۱۱ | سوال مثل بالا |
| ۵۲۶ | بیٹھ کر تراویح پڑھنا | ۵۱۲ | تراویح سہواً چار رکعات پڑھ لیں |
| " | ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں | " | ایک قعدہ سے تین رکعت تراویح |
| " | رسالہ | ۵۱۴ | قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام ہے |
| ۵۲۷ | لمعات المصابیح فی رکعات التراويح | ۵۱۵ | بوقت ختم قرآن امام و مؤذن کو کچھ دینا |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب صفۃ الصلوٰۃ وما يتعلق بہا

تبیخیر تحریم کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی :

سوال :- زید نے تبخیر تحریم کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لئے اور ہاتھ باندھ کر پھر زبان سے پوری نیت کر کے تعویذ و تسمیہ فاتحہ و قرأت پڑھ کر نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں ؟ اور سجدہ سہو بھی لازم آئے گا یا نہیں ؟ اور تکبیر اولیٰ باطل ہوگئی یا وہی کافی ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب :

تبخیر تحریم ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے، اس لئے زید کی نماز نہیں ہوئی، اور اگر تبخیر تحریم ختم ہونے سے قبل دل میں نماز کی نیت کر لی تھی تو اگرچہ نیت قلبی کی وجہ سے نماز کی ابتداء صحیح ہوگئی مگر بعد میں نیت کے الفاظ کہنے سے نماز فاسد ہوگئی، قال فی الدر المختار ولا عبۃ بنیۃ متأخوۃ عنہما علی المذہب، وقال فی رد المحتار لان الجزء الخالی عن النیۃ لا یقع عبادۃ فلا ینبئ الباقی علیہ وفي الصوم جوزت للضررۃ بمعنی حتی لو نوى عند قوله الله قبل اكبر لا یجوز لان الشرع یصح بقوله الله فكانت نوى بعد التكبير حلیۃ عن البدائع، رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۷، قلت هذا الفرع مبنى على غير الظاهر من المذهب لما قررہ البشائر والمحشى فی بیان تألیف الصلوٰۃ ان المذہب لا یصیر شارعا بان الله فقط ونص الشرع ولا یصیر شارعا بالمبتدأ فقط كالله وبأكبر فقط هو المختار فلو قال الله مع الامام وأكبر قبله أو أدرك الامام راكعاً فقال الله قائماً وأكبراً كعالم یصح فی الاصح رد المحتار ص ۳۸۸ ج ۱، فقط والله تعالى اعلم، ۳ رزی قعرہ ۸۶

زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے :

سوال :- ہمارے دیار میں یہ عام رواج ہے کہ نماز جنازہ اور عیدین کی نماز شروع ہونے سے قبل ایک آدمی زور زور سے اُن کی نیتیں فارسی زبان میں کہتا جاتا ہے اور لوگ اس سے تلقین تعلیم

پاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہی الفاظ کہتے ہیں اور اسی نیت سے اپنی نماز شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تقریباً اکثر عوام اُن کی نیت خود یاد نہیں کرتے ہیں کہ وقت پر وہ بتایا جائے گا، اگر کوئی امام اس طرح سے نیت کو باواز بلند نہ کہے اور اس تلقین سے منع کرے تو اس کو مطعون جاہل کہا جاتا ہے، حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ کی نماز اس نے پڑھائی ہی نہیں، ایسی صورت میں اس رواج یافتہ عمل کے متعلق کیا کہا جائے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے دیار میں بہت ہی رواج پا چکا ہے، اسی پر جنازہ کی نماز کی صحت کو موقوف سمجھا جاتا ہے، اگر یہ مسئلہ احسن الفتاویٰ میں آجائے تو مناسب ہے،

الجواب باسم ملہم الصواب

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے، اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں کہ: ”نماز جنازہ یا نماز عید امام کے ساتھ پڑھتا ہوں“ لمبی چوڑی نیت جو مشہور ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے، لہذا آپ کے ہاں مروج طریقہ کو ضروری سمجھنا اور صحت نماز کو اس پر موقوف قرار دینا بلاشبہ بدعت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۵ھ

نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت:

سوال: التللفظ بالنیۃ فی الصلوة کے مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں، بانہ مستحب وقیل سنۃ وقیل بدعة ثم جعل بعضهم بدعة حسنة وبعضهم بدعة سيئة، تقریباً ہمارے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام شارحین و محققین کا میلان فلا عبوة بہ کا معلوم ہوتا ہے، مثل محقق ابن الہمام وغیرہ، مولانا عبدالحی لکھنوی، اور ملا علی قاری نے بھی عدم ثبوت کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی عہد رسالت اور زمان مشہودہ بالخیر تک اس کے ثبوت کا قائل نہیں، مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے وكذلك استحسن العلماء بل بعضهم في نية الصلوة النطق باللسان مع ارادة قلبية والحال انه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا عن اصحابه الكرام ولا عن التابعين العظام في النية النطق باللسان لا في رواية صحيحة ولا في رواية ضعيفة بل كانوا يكبرون للتحريمة عقب القيام فيكون النطق بدعة وقالوا ان ذلك بدعة حسنة ويقول هذا الفقيران هذه البدعة رافعة للفرص فضلاً

عن السنۃ فان اکثر الناس یکتفون علی هذا التقدير بالنطق باللسان یعنی من غیر استحضار النیۃ بالجنان ومن غیر مبالاة بالغفلة القلبیۃ عن هذا الشأن فحینئذین یكون فرض من فرائض الصلوٰۃ وهو النیۃ القلبیۃ متروکاً بالکلّیۃ ویقتضی الی فساد الصلوٰۃ (مکتوبات الامام الربانی، ص ۱۶۰ ج ۱ المکتوب السادس الثانون والمائة) جب سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ثبوت عدم کی وضاحت ملتی ہے، اور اجاریث مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ ما احدث قوم بدعة الرفع مثلها من السنۃ، (الجامع المصغیر، للسلوطی، ص ۲۳۱ ج ۲) تو اس کو بدعت کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟ نیز اس میں ستیت، استحباب، کراہت اور بدعت وغیرہ کے سب اقوال کی موجودگی میں جب سنت ہونے کی نفی تصریح فقہاء سے ثابت ہے، اور یہ عمل دائر بین الجائز والبدعہ ہے تو کیا بدعت کے قول کو ترجیح نہ ہوگی، کما صرح بہ الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ، نیز استحباب اگر اجتماع عزیمت کی وجہ سے ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے تو مجتہد الف تانی کے قول کے بموجب اس سے اجتماع عزیمت تو کیا ہوتا انتفاء جزء عظم لازم آ رہا ہے، یعنی عموماً ارادۃ قلبیۃ یا اس جانب دھیان و فکر باقی ہی نہیں رہتا، اور اگر استحباب کی دلیل احسان علماء ہے تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہونا چاہئے، نیز بصورت جواز اگر اس کو کوئی ضروری سمجھے تو کیا حکم ہے؟ بینوا باللیل والبرہان اجرکم الرحمن،

الجواب باسم ملہم الصّواب

بدعت شرعیہ اس لئے نہیں کہ اس کو مقصود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ذریعہ مقصود سمجھا جاتا ہے، دھوا حضاراً لقلب، اور جس امر کو محض ذریعہ کے درجہ میں رکھا جائے اس پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی، کالمدارس العربیۃ وما فیہا من الامور المحدثۃ، البتہ اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بلاشبہ بدعت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ یہ معین احضار قلب ہی یا کہ مغفل قلب ہے اس میں قول اول راجح معلوم ہوتا ہے ۵

ذکر آرد فکر را در اہستہ ساز ۶ ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز
علاوہ ازیں صحت صلوٰۃ کے لئے اتنا استحضار کافی ہے کہ کسی کے اچانک دریافت کرنے پر فوراً بتائے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

نیت میں غلطی کا حکم:

سوال :- اگر نماز کی نیت کرتے وقت ظہر کی بجائے عصر یا عشاء وغیرہ کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا چار رکعت کی بجائے دو رکعت کہہ گیا، اور قصر کی نیت کرنی تھی لیکن پوری نماز (چار رکعت) کے الفاظ زبان سے نکل گئے، یا چار رکعات کی بجائے قصر کی نیت کر لی، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ دل میں صحیح وقت اعداد رکعات اور قصر یا پوری نماز کی نیت تھی صرف زبان سے الفاظ ان کے خلاف نکل گئے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی یہی الفاظ نکلے اور دل میں بھی یہی خیال اور نیت تھی، تو کیا ایسی صورت میں نماز شروع کرنے کے بعد نیت کی تصحیح کر سکتے ہیں یا نیت توڑ کر دوبارہ صحیح نیت کی جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نیت صرف ارادہ سے ادا ہو جاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہو جائے تو بھی نماز ہو جائے گی، نیت قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتلے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے، قلبی نیت میں بھی نفل، سنت اور تراویح میں کسی قسم کی تعیین کی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ فرض اور واجب میں صرف اتنی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کے فرض ہیں یا عصر کے، اور واجب میں یہ کہ وتر ہیں یا نذران میں بھی دن اور تعداد رکعات کی نیت ضروری نہیں، بلکہ اس میں قلبی نیت کی غلطی بھی مضر نہیں، قال فی الذروا لمعتبر فیہا عمل القلب للانتم للارادة فلا عبرة للذکر باللسان ان خالف القلب لانیۃ الا اذا عجز عن احضارہم اصابته فیکفیه اللسان مجتبیٰ وهو ای عمل القلب ان یعلم عند الارادة بداهۃ بلا تأمل ائی صلوۃ یصلیٰ فلو لم یعلم الا بتأمل لم یجز، وفي الشامیۃ (قوله ان خالف القلب) فلو قصد الظہر وتلفظ بالعصر سہوا اجزاء کما فی الزاہدی قہستانی اھ (قوله ان یعلم عند الارادة الخ) قال الزیلعی وادناہ ان یرید بحیث لو سئل عنہما ا ممکنہ ان یجیب من غیر فکر اھ (رح المختار ص ۳۸۶ ج ۱) وفي التوہد کفی مطلق نية الصلوۃ لنفل وسنة وتراویح ولا بد من التعیین عند النية لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد رکعاتہما، وفي الشرح لحصولہا ضمنا فلا یفصل لخطائی عدھا (رح المختار ص ۳۹۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربيع الآخر ۱۴۰۹ھ

نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم :

سوال : اگر کوئی شخص بوقت ظہر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے، درمیان ہی میں یاد آنے پر پھر سنتوں کی نیت دل میں کر لے تو یہ سنت ادا ہونگی یا فرض یا نماز از سر نو ادا کی جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر کے فرض پڑھتا ہو اور بھول کر بجائے فرض کے سنت کہہ گیا ہو درمیان میں یاد آنے پر ارادہ بدل لے کہ مجھے فرض ادا کرنے ہیں تو یہ فرض ادا ہو جائیں گے یا نہیں؟ یا از سر نو فرض پڑھنا پڑیں گے جبکہ ظہر کی سنت پہلے ادا کر چکا ہو۔

اسی طرح کوئی شخص وتر پڑھتا ہو نیت کرتے وقت بجائے وتر کے سنت کہہ گیا ہو اور دعاء قنوت کے وقت یاد آیا تو اس نے وتروں کا ارادہ دل میں کر لیا تو یہ وتر ہو گئے یا دوبارہ ادا کریں خواہ وتر تنہا پڑھ رہے ہوں یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں فرض صحیح ہو گئے سنت بعد میں پڑھے مگر نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں اس لئے اگر دل میں سنت مؤکدہ پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوگی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رذی قعدہ سنہ ۱۴۱۹ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : جناب کا تحریر کردہ فتویٰ صادر ہوا شکریہ، فتویٰ ہذا میں یہ امر مبہم رہ گیا کہ اپنے فرمایا کہ نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں، اس لئے اگر دل میں سنت پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے لیکن فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۸ ج ۴ میں مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بجائے سنتوں کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے اور یاد آنے پر دل ہی دل میں سنتوں کی نیت کر لی تو نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟ جواب : نیت توڑ کر پھر سے سنتوں کی نیت باندھ لے اور دوبارہ تکبیر بنیت سنت کہے۔ رجل افتح المكتوبة فظن انها تطوع فصلى على نية التطوع حتى فرغ فالصلوة هي المكتوبة ولو كان الامر بالعكس فالجواب بالعكس الخ والنية بدون التكبير ليس بمخرج (عالمگیری کسوری

الفصل السابع في النية ص ۶۱ ج ۱ و ص ۶۲ ج ۱)

الجواب باسم ملہم الصواب

۲ اگر نماز سے قبل زبان و قلب میں اختلاف پایا جائے تو قلب کی نیت کا اعتبار ہے، زبان کی غلطی معتبر نہیں، اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد دل سے نیت بدلے تو یہ معتبر نہیں، عزیز الفتاویٰ کی تحریر کا یہی مطلب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۷ رذی قعدہ

سنت کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں؛ کوئی شخص اگر اس طرح نماز کی نیت کرتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو عربی میں کس طرح نیت کرنی چاہئے؟ زید کہتا ہے اگر اس طرح نیت کرے تو شرک لازم آتا ہے، اور زید عالم بھی ہے،

صحیح کی دو رکعت سنت نماز کی نیت یہ ہے: نَوَيْتُ أَنْ أُصَلِّيَ لِلَّهِ تَعَالَى رَكْعَتَيْنِ صَلَوةَ الْفَجْرِ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ تَعَالَى مُتَوَجِّهًا إِلَى جِهَةِ الْكُعْبَةِ الشَّرِيفَةِ اللَّهُ أَكْبَرُ

الجواب باسم ملہم الصواب

نیت کے لئے اتنے طویل الفاظ کی ضرورت نہیں، دل کی نیت کافی ہے، زبان سے نیت کرنا چاہئے تو فرض نماز کے لئے صرف اتنے الفاظ کافی ہیں کہ ظہر یا عصر کے فرض پڑھتا ہوں، نہ رکعات کی تعیین ضروری نہ دن کی، اور نہ وقتی فرض کہنے کی ضرورت، اور واجب میں صرف دتر یا نذر کی نیت کافی ہے، سنت اور نفل کی نیت میں سنت یا نفل کہنے کی بھی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، مجہد اگر کسی نے نیت میں سنت رسول اللہ کے الفاظ کہ دیئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو شرک بتانا جہالت ہو، اس لئے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہو کہ یہ نماز سنت سے ثابت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵، محرم ۱۳۹۳ھ

بوقت تکبیر تحریم انگلیوں کی کیفیت:

سوال: تکبیر تحریم کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں بھلی رکھے یا ملا کر؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تکبیر تحریم کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے، انگوٹھوں کو کانوں کی نو سے لگائے، اور پتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے، قال فی التنویر و سنتہا رفع الیدین للتحریمة ونشر الاصابع، وفي الشرح ای ترکہا بحالہا وفي الشامیة (قولہ ای ترکہا بحالہا) قال فی الحلیة ظن بعضهم انه اراد بالنشر تفريج الاصابع وهو غلط بل اراد به النشر عن الطی، یعنی یرفعہما منصوبتین لا مضموئین حتی تكون الاصابع مع الکف مستقبلة للقبلة ثم لا یخفی انه لا متوقف السنة علی ضم الاصابع اولاً بل لو كانت منشورة غیر متفرجة کل التفريج ولا مضومة کل الضم ثم

رفعہما کذلک مستقبلًا بہما القبلة فقد اتی بالسنة ۴۸ (رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۱)
 وفي التنوير ورفع يديه ماسًا بآبهما مية شحشي اذنيہ وقال الشارح هو المراد
 بالمحاذاة لانها لا تتيقن الا بذلك ويستقبل بكفيه القبلة وقيل خديه (رد المحتار)
 فقط والله تعالى اعلم
 ۱۲ جمادی الاولی ۱۲۸۶ھ

تکبیر تحریم ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے:

سوال :- تکبیر تحریم کے ساتھ ہاتھ اٹھائے یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا توجروا
 الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں:-

- ① ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے،
- ② ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے، رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتداء کرے اور اس کے
 ختم پر تکبیر ختم کرے،

③ ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے یہی رائج ہے، قال فی العلائیۃ ورفع
 ید یدہ قبل التکبیر وقیل معہ فی الشامیۃ الاول نسبہ فی المجموع الی ابی حنیفۃ
 ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وفی غایۃ البیان الی عامۃ علمائنا وفی المبسوط الی
 اکثر مشایخنا وصححہ فی الہدایۃ والثانی اختارہ فی الخانیۃ والخلاصۃ والتحفة
 والبدائع والمحیط بان یبدأ بالرفع عند بداءتہ التکبیر ویمتد بہ عند ختمہ
 وعزاه البقالی الی اصحابنا جمیعًا ورجعہ فی العلویۃ وثمة قول ثالث وهو انہ
 بعد التکبیر والکل مروی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام وما فی الہدایۃ اولی کما
 فی البحر والنہر ولذا اعتمدہ الشارح فافہم (رد المحتار ص ۴۵۱) فقط والله تعالیٰ اعلم
 ۴ صفر ۱۲۸۹ھ

ٹوپی سے نماز پڑھنا:

سوال :- زید کہتا ہے کہ ٹوپی سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ٹوپی ثیاب بذلہ
 سے ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟

بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

زید کا قول صحیح نہیں، کیونکہ اگر لڑکھٹا تو ٹوپی کا ثیاب بذلہ سے ہونا مسلم نہیں، ثیاب بذلہ اس لباس کو کہا جاتا ہے جس سے انسان مجلس میں آنے جانے میں عار سمجھتا ہو، اگر کوئی شخص ٹوپی پہن کر مجلس میں آتا جاتا ہو اس کے لئے ٹوپی ثیاب بذلہ سے نہیں، ثانیاً ثیاب بذلہ میں نماز مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، کما فی الشامیۃ (قوله وصلوته فی ثیاب بذلہ) قال فی البحر وفسرہا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولای ذہب الی الا کابرو الظاہرات الکراہۃ تنزیہیۃ (مرآۃ المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- ٹوپی سے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب منه الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر فی مکروہات الصلوة وصلوته حاسراً ای کاشفاً رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما للاہانۃ بما فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتما افضل وقال فی الشامیۃ وفی الدر عن التاترخانیۃ والظاہرات ان افضلیۃ اعادتما حیث لم یقصد بترکہما التذلل علی مامر (شامیۃ ج ۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلا تکاسل برہنہ سر نماز پڑھنے میں بھی کراہت نہیں تو ٹوپی سے پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ نہ ہوگا، نیز "لو سقطت قلنسوتہ الخ" پر شارح کا ٹوپی سے نماز پڑھنے پر کراہت کا حکم نہ لگانا عدم کراہت پر بین دلیل ہے، لان السکوت فی معرض البیان بیان، جن عبارات سے کراہت معلوم ہوتی ہے وہ اس شخص پر محمول ہیں جو ٹوپی سے مجلس میں آتا جاتا ہو اور اسے ثیاب بذلہ سے سمجھتا ہو،

مختلف روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف ائمہ کا ٹوپی سے نماز پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے وضع ابواسحق قلنسوتہ فی الصلوة ورفعهما بخاری (۱۵۹) کان القوم یسجدون علی العمامۃ والقلنسوة (بخاری ص ۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک میں پر رکھنا واجب ہے :

سوال :- ایک شخص نماز پڑھتے وقت سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر نہیں رکھتا اس غرض سے کہ پیشانی پر داغ نہ پڑ جائے، اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے، لہذا اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا، قال فی الشامیۃ فی فصل فی بیان تألیف الصلوۃ الی انتہاء ہا تحت (قوله و وضع اکثرہا واجب الخ) اختلف هل الفرض وضع اکثر الجبهة أم بعضها وإن قل قولان أحدهما الثاني نعم وضع اکثر الجبهة واجب للمواظبة والیضا تحت (قوله كما حررناہ فی شرح الملتقى) فالاشبه وجوب وضعہما معاً ای الجبهة والانیف) وکراہۃ ترک وضع کل تحریراً الخ (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۸ھ

قومہ وجلسہ اور ان میں تعدیل واجب ہے :

سوال :- قومہ وجلسہ اور تعدیل ارکان سنت ہے یا واجب؟ اور سہو ترک کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

راجح قول وجوب کا ہے، لہذا سہو ترک کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا، قال فی الشامیۃ ومقتضى الدلیل وجوب الطمانینۃ فی الاربعۃ ای فی الركوع والسجود فی القومۃ والجلوس وجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بین السجدة ین للمواظبة علی ذلك کلہ وللأمر فی حدیث المسی صلوۃ ولما ذکرہ قاضی خان من لزوم السجود والسہو بترك الرفع من الركوع ساهیاً الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۸ محرم ۱۴۴۸ھ

توہم فساد کی بناء پر مغرب اور وتر کے اعادہ میں چار رکعات پڑھے :

سوال :- توہم فساد کی بناء پر حسیٹاً قضاء صلوۃ سے متعلق درمختار باب النوافل میں صلوۃ علی الدابة سے چند سطور پہلے یہ عبارت ہے : وما نقل ان الامام قضی صلوۃ عند فان صح فقول کان یصلیٰ الوتر والمغرب اربعاً بثلاث قعدات الخ، اس میں شبہ ہے کہ اگر

مغرب کی پہلی نماز صبح ہے تو اعادہ میں چار نوافل میں سے تیسری رکعت پر قعدہ کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہونا چاہئے، اور اگر پہلی نماز صبح نہیں ہوئی بلکہ اعادہ صبح ہے تو ایک تو تیسری رکعت کے بعد تاخیر سلام کی وجہ سے سجدہ سہو ہونا چاہئے، دوسری کہ رکعت رابعہ نفل ہوگی، اور نفل شروع کرنے کے بعد شفع واجب ہو جاتا ہے تو اس کا تدارک کیسے ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

سجدہ سہو عمد میں نہیں ہوتا، اس لئے مذکورہ صورتوں میں اس کے وجوب کی کوئی وجہ نہیں، اور نوافل میں بعد الشروع اتمام شفع تب واجب ہوتا ہے کہ نوافل کو قصداً شروع کریں، اور صورت مذکورہ اس میں داخل نہیں، قال فی شرح التنویر ولو سہما عن القعود الا خیر عاد ما لم یقید ہا بسجدة وان قید ہا تحول فرضہ نفلاً برفعه وضم سادسة ولو فی العصر والفجر ان شاء لاختصاص الکراہة والالتزام بالقصد، وفي الشامية رقبہ لاختصاص الکراہة الخ، جواب عما قد یقال ان النفل بعد العصر الفجر مکروہ وفي غیرہما وان لم یکرہ لکن یجب اتمامہ بعد الشروع فیہ فکیف قلت ولو بعد العصر والفجر وقلت انه مخیر ان شاء ضم والا فلا والجواب انه لم یشرع فی ہذا النفل قصداً او ما ذکرته من الکراہة ووجوب الالتزام خاص بالنفل قصداً، والیضا فی الشرح ولا عہدۃ لوقطع فی الحاشیۃ ای لا یلزمہ القضاء ولو لم یضم وسلم لانه لم یشرع بہ مقصود اکما مرّ رحمہ اللہ، باب سجدۃ السہو، باب النوافل میں بھی لزماً نفل شرع فیہ قصداً مقیداً بالقصد ہے، مطلقاً ہر شروع سے لزوم کا حکم نہیں دیا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۲۲، رجب ۱۳۵۸ھ

مغرب یا وتر میں سجدہ سہو نہ کیا تو بوقت اعادہ کتنی رکعات پڑھے؟

سوال :- مغرب یا وتر میں سجدہ سہو واجب ہوا، مگر سجدہ نہ کیا، تو بوقت اعادہ تین رکعات

مہ فیہ انه ان دارم علی النفل المشرع بغیر قصد یجب اتمامہ ایضا اما عدم الوجوب ففی سورۃ نفضہ فی الحال کذا فی الشامیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ والجواب ان الدوام یوجب الالتزام لانه یدل علی الالتزام وھما لیس کذا لکن لا یرید الالتزام الجدید بل اراد جبر النقصان والخروج عن العہدۃ ۱۲ امنہ

پڑھے یا کہ چار؟ بینوا بالبرہان اجرکم الرحمن،

الجواب منہ الصدق الصواب

اگر وقت کے اندر اعادہ کیا تو تین رکعات ہی پڑھے، کیونکہ اعادہ واجب ہی، اور اگر بعد از وقت اعادہ کیا تو یہ اعادہ صاحب بحر کے نزدیک مستحب ہی واجب نہیں، اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ چار رکعت تین قعدت کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ توہم فساد کے وقت اعادہ کا حکم ہے، مگر شامیہ باب قضاء القوائت ج ۱ ص ۶۸ میں قبل از خروج وقت یا بعد از خروج، بہر کیف اعادہ کے وجوب کو ثابت کیا ہے، یہی بحث واجبات الصلوۃ اور باب سجود السہو میں بھی ہے، پس قول مختار کی بناء پر بہر حال اعادہ میں تین رکعت ہی پڑھے، غرضیکہ اس کا مدار وجوب اعادہ وعدم وجوب بہا پر ہے، بعض نے جو اس کا مدار یہ قرار دیا ہے کہ صلوۃ واجب الاعادہ میں صلوۃ اولی فرض ہے یا ثانیہ "یہ صحیح نہیں، کیونکہ اگر صلوۃ اولی کو فرض تسلیم کیا جائے تب بھی صلوۃ معادہ جبر نقصان کے لئے واجب تو ضرور ہے، اور وجوب تثلیث کے منافی نہیں، (کما فی الوتر) لہذا چار رکعات کی حاجت نہیں، صلوۃ اولی کی فرضیت کے قائلین کا یہ مطلب نہیں کہ صلوۃ ثانیہ محض نفل ہے، شرح التویر میں ہے: والمختار انہ جابر للاول لان الفرض لا یتکرر و فی الشامیة ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السہو الخ معلوم ہوا کہ صلوۃ ثانیہ سجدہ سہو کی طرح جابر اور واجب ہے، بلکہ شامی نے باب قضاء القوائت ص ۶۹ میں تصریح کی ہے کہ جو فرق صلوۃ اولی سے سقوط فرض کا قائل ہے وہ صلوۃ ثانیہ بھی فرض ہی کہتا ہے، پوری تفصیل شامیہ میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

ہیئت رکوع میں مرد اور عورت میں فرق؛

سوال :- ما قولکم رحمکم اللہ هل تفارق المرأة الرجل فی ہیئۃ رکوع الصلوۃ

ام لا؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق الصواب

بینہما فرق ذکرہ الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کما قال فی الشامیة تحت رقلہ
ولیسق ان یلصق کعبیہ، ہذا کلمہ فی حق الرجل اما المرأة فتحنی فی الركوع یسیراً

عورت رکوع میں مردوں کی طرح پشت کو برابر نہ کرے بلکہ کچھ انحناء کرے زیادہ نہ جھکے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر گھٹنوں پر رکھے، مردوں کی طرح انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو بکڑے نہیں اور گھٹنوں کو قدرے جھکائے اور کہنیوں کو پہلوؤں سے ملائے ۱۲ منہ

ولا تفرج ولكن تضم وتضع يديهما على ركبتيهما وضعا وتحني ركبتيهما ولا تجافي عن يديها لان ذلك استرلها وفي شرح الوجيز الخنثى كالمراة اه، (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱) فقط والله تعالى اعلم
۱۲ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

سوتے شخص کو نماز کے لئے جگانا:

سوال :- سوتے ہوئے آدمی کو نماز کے وقت جگانا واجب ہر یا نہیں؟ نیز جب نماز کا وقت شروع ہو جائے تو اس وقت سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو سوتے ہوئے شخص کو جگانا واجب ہے، البتہ اگر یہ شخص مریض ہو اور جگانے سے تکلیف کا خطرہ ہو تو جگانا واجب نہیں، نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد سونا اس شرط سے جائز ہے کہ نماز فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو، خود بیدار ہو جانے کا یقین ہو یا کوئی بیدار کر نوالا موجود ہو، وقت نماز سے قبل سونا بہر کیف جائز ہے، قال فی الحد لا یجب انتباہ النائم فی اول الوقت ویجب اذا ضاق الوقت نقل البیری فی شرح الاشباہ عن البدائع من کتب الاصول وقال لم نرہ فی کتب الفروع، فاغتنمہ ام، قلت لکن فیہ نظر لتصریحہم بانہ لا یجب الاداء علی النائم اتفاقا کیف یجب علیہ الانتباہ رروی مسلم فی قصة التعریس عن ابی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی فی النوم افریط الی قوله) انہ بنومہ قبل الوقت لا یكون مؤخرًا وعلیہ فلا یأثم واذالم یأثم لا یجبا انتباہہ اذ لو وجب لکان مؤخرًا لہا وانتباہ بخلاف اذ انام بعد دخول الوقت ویمكن حمل ما فی البیری علیہ (رد المحتار ص ۳۳۲ ج ۱ باب المواقیب) و فی صوم السامیة ومثل اکل الناسی النوم عن صلوۃ لان کلامہما معصیۃ فی نفسہ کما صرحا انہ یکرہ السہر اذا خاف فوت الصبح لکن الناسی او النائم غیر قادر فسقط الاثم عنہما لکن وجب علی من یعلم حالہما تذکیر الناسی وایقاظ النائم الا فی حق الضعیف عن الصوم موحمة لہ (رد المحتار ص ۱۰۶ ج ۲) رروی انہ علیہ السلام دخل المسجد فرأی نائما فقال یا علی تبہ لیتوضأ فایقظہ علی ثم قال علی یا رسول اللہ انک سباق الی غیرہ فلم لمرتبہ قال لان ردة علی کفر و ردة علیک لیس بکفر ففعلت ذلك لتخف جنايتہ لو ابی رتفسیر

۲۸ شوال ۱۲۸۵ھ بحری

کبیر ص ۶۲۹ ج ۸، سورة القد، فقط والله تعالیٰ اعلم

لفظ السلام کہنے سے نماز سے خارج ہو گیا؛

سوال :- کیا فرماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ نماز سے خروج کے لئے السلام علیکم کہنا واجب ہے تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

علیکم سے قبل ہی ستر السلام کا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے، لسانی واجبات الصلوۃ من شرح التنویر ولفظ "السلام" مرتین والثانی واجب علی الاصح برہان، دون علیکم وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی مشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ وفی رد المحتار رقلہ وتنقضی قدوة بالاول، ای بالسلام الاول، قال فی التجنیس الاما اذا فرغ من صلوۃ فلما قال "السلام" جاء رجل واقتدی به قبل ان يقول "علیکم" لا یصیر دخلاً فی صلوۃ لان هذا سلام رد المحتار ص ۲۳۶، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰/ محرم ۱۳۸۶ھ

بدون نماز سجدہ کا حکم؛

سوال :- شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیلئے کہ خارج نماز میں سجدہ تلاوت کے سوا اور کسی قسم کا سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز نماز کے بعد سجدہ کی کراہت فقہاء نے لکھی ہو کیا وہ تسبیحات فاطمہ کے بعد سجدہ کرنے کو بھی شامل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ وسجدة الشکر مستحبة وبہ یفنی لکنہا تکرہ بعد الصلوۃ لان الجهلة یعتقدنہا سنة او واجبة وكل مباح یؤدی الیہ فمکروه، وفی الشامیۃ وہی لمن تجددت عنده نعمة ظاهرة او رزقه اللہ تعالیٰ مالاً او ولدًا او اندفعت عنه نقمة ونحو ذلك يستحب له ان یسجد للہ تعالیٰ شکرًا رقلہ لکنہا تکرہ بعد الصلوۃ، الضمیر للسجدة مطلقاً قال فی شرح المنیۃ آخر الكتاب عن شرح القدوری للزاهدی اما بغیر سبب فلیس بقربة ولا مکروه (الی قولہ) وحاصلہ ان مالیس لها سبب لا تکرہ مالہم یؤد فعلہا الی اعتقاد الجهلة سنیتہا کالتي يفعلہا بعض الناس بعد الصلوۃ الخ (رقلہ فمکروه) الظاہر انہا

تحریمیۃ لانہ یدخل فی الدین مالم یس منه ط (رد المحتار، ص ۳۱، ج ۱)
عبارات باللہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :-

- ① سجدہ شکر کو اگرچہ بعض نے مکروہ لکھا ہے مگر مفتی بہ قول پر یہ صریح اس وقت مستحب ہی جب کسی خاص نعمت جدیدہ کا ظہور ہوا، بدون اس کے مستحب نہیں، اگرچہ مکروہ بھی نہیں،
- ② سجدہ دعاء وغیرہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کی عادت نہ کرے، اور سنت یا مستحب نہ سمجھے اور عوام کے لئے فساد عقیدہ کا باعث نہ ہو،

③ نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدہ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، نماز کے بعد کی تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر بھی اس مقام پر سجدہ جائز نہیں، کیونکہ :-

④ — حدیث میں ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی جب تک اس مقام پر رہتا ہے اور کوئی امر نماز کے خلاف نہیں کرتا اس وقت تک وہ گویا نماز میں ہی ہے،

⑤ — اگر سہواً کوئی نماز کا رکن چھوٹ گیا اور اس حالت میں یاد آگیا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس رکن کو ادا کر کے سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے،

⑥ — عزت میں بعد التسبیحات کو بھی بعد الصلوٰۃ ہی سمجھا جاتا ہے،

⑦ — مواضع اجابت دعاء میں دعاء بعد الصلوٰۃ بھی ہے، اور تسبیحات فاطمہ کے بعد ہونے والی دعاء کو بالاتفاق دعاء بعد الصلوٰۃ ہی شمار کیا جاتا ہے،

⑧ — علت یہی یعنی خطرۃ فساد اعتقاد سجدہ بعد التسبیحات میں بھی موجود ہے،

⑨ — عوام کا معمول جس کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ فرمایا ہے یہ ہے کہ تسبیحات کے بعد سجدہ کرتے ہیں، نماز کے بعد فوراً سجدہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گیا،

غرضیکہ نماز کے بعد جب تک اسی مقام اور ہیئت پر قائم ہے اُس وقت تک کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز نہیں، البتہ اگر کوئی شخص کبھی خلوت میں نماز کے بعد سجدہ کرے مگر عادت نہ کرے، اور اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے تو جائز ہے، پس نماز کے بعد جواز سجدہ کے لئے تین شرائط ہیں :-

① خلوت ہو کہ اسے کوئی عامی شخص نہ دیکھ رہا ہو،

② اس کی عادت نہ بنائے،

③ اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے یعنی بعد نماز سجدہ کرنے میں دوسرے اوقات کی بنسبت زیادہ ثواب

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۲۸۶ھ

نہ سمجھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- نماز کے بعد متصل ہی یا کچھ وقفہ سے یا علاوہ نماز کے سجدہ میں دعاء مانگنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی صورت میں ہاتھ کس طرح رکھے جائیں؟ جس طرح دعاء مانگتے وقت عموماً رکھے جاتے ہیں رکہ ہتھیلی اوپر کی طرف رہتی ہے، یا جس طرح سجدے میں رکھے جاتے ہیں (رکہ ہتھیلی زمین کی جانب رہتی ہے) بینوا توجروا

الجواب سلام ملہم الصواب

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۃ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، دوسرے حالات میں دعاء کے لئے سجدہ جائز ہے، مگر اس کا التزام بدعت ہے، (تفصیل مسئلہ بالا میں ملاحظہ ہو، مرتب) سجدہ میں دعاء کے وقت ہتھیلی زمین کی طرف رکھنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

درود میں "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف اللہم صل علی محمد کہنا افضل ہے یا اللہم صل علی سیدنا محمد کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے، قال فی الذر و ندب السیادة لان زیادة الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فهو افضل من ترکہ ذکرة الرملی الشافعی وغیرہ وقال المحشی (قوله ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحہ علی منہاج التووی ونصہ الا فضل الاتیان بلفظ السیادة کما قالہ ابن ظہیرۃ وصرح بہ جمع وبہ اُفتی الشارح لان فیہ الاتیان بسا امرنا بہ و زیادة الاخبار بالواقع الذی هو ادب فهو افضل من ترکہ ام (الی قولہ) وانہ یأتی بجمع ابراہیم علیہ السلام، (رد المحتار، ص ۹، ۱۰، ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۳۸۶ھ

نماز سے خروج بالا اختیار فرض ہو اور سلام واجب:

سوال :- خروج بوضع المصلیٰ کا کیا حکم ہے؟ نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے یا سنت؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملهم الصواب

خروج بصنعہ فرض ہے، وجوب کا قول بھی ہے، مگر قول اول رائج ہے، اور لفظ "سلام" سے خروج واجب ہے، قال فی رد المحتار وقد انتقل لعلامة الشرنبلالی للبردعی فی رسالته المسائل البہیة الزکیة علی الاثنی عشریة بانه قد مشی علی افتراض الخروج بصنعہ صاحب الهدایة وتبعہ الشرح وعامة المشایخ وأكثر المحققین والامام النسفی فی الوافی والکافی وکنز وشرحہ وامام اهل السنة الشیخ ابو منصور الماتریدی (رد المحتار، ص ۳۱۸ ج ۱) وفی واجبات الصلوۃ من اللہ المختار ولفظ السلام مرتین (رد المحتار، ص ۳۳۶ ج ۱)، واضح رہے کہ سلام اول میں صرف لفظ السلام کہنے سے نماز سے فراغت ہو جاتی ہے، مگر سلام ثانی بھی واجب ہے، فقط والله تعالیٰ اعلم

قومہ و جلسہ میں دُعا، مآثور:

سوال :- قومہ اور جلسہ کے اندر دُعا پڑھنا کیسا ہے؟ نیز فرائض اور نوافل میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بیدنوا توجروا

الجواب سلام ملهم الصواب

قومہ اور جلسہ میں دُعا، مآثور پڑھنا مستحب ہے، فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے، قال فی الشامیة قال ابو یوسف سألت الامام ایقول الرجل اذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللهم اغفر لی قال یقول ربنا للحمد وسکت ولقد احسن فی الجواب اذ لم یکن عن الاستغفار، نہروغیرہ اقول بل فیہ اشارۃ الی انه غیر مکروه اذ لو کان مکروها لکنی عنہ کما ینہی عن القراءة فی الركوع والسجود وعدم کونه مستونا لاینا فی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی ان یندب الدُعا بالمغفرة بین السجدةین خروجاً من خلوات الامام احمد لا بطلان الصلوۃ بترکہ عامداً ولم ار من صرح بذلك عندنا لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، (وبعد اسطر) عن الحلیة علی انه ان ثبت فی المکتوبۃ فلیکن فی حالة الانفرد او الجماعة والمأمونون محصونون لا یتقلون بذلك کما نص علیہ الشافعیة ولا ضرر فی التزامہ وان لم یصرح به مشایخنا (رد المحتار، ص ۳۴۲ ج ۱)

فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ

گوں گا نماز کیسے پڑھے؟

سوال :- گوں گا اور بہرا جو کہ مادر زاد بہرا ہے نہ بات کر سکتا ہے نہ سن سکتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا

الجواب سلام ملہم الصواب

گوں گا تکبیر تحریم اور قرات کے لئے زبان ہلائے، بعض نے اس کو فرض قرار دیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زبان ہلانا فرض نہیں ہے مستحب ہی، قال فی الدرر لا یلزم العاجز عن النطق کاخرس و امی تحریک لسانہ و کذا فی حق القراءة هو الصحيح لتعذر الواجب فلا یلزم غیرہ الا بدلیل فتکفی النیۃ (الی قولہ) ثم فی الاشباہ فی قاعدة التابع تابع فامفتی بہ لزومه فی تکبیرہ و تلبیۃ لا قراءۃ و فی الشامیۃ قول عبارة الاشباہ علی ما رأیتہ فی عدۃ نسخ و متاخر ج امی عن القاعدة الاخرس یلزمہ تحریک اللسان فی تکبیرہ الافتتاح و التلبیۃ علی القول بہ و اما بالقراءة فلا علی المختار اھ و فی بعض النسخ علی مفتی بہ بدل قولہ علی القول بہ والاولی احسن لموافقہا لہذا ذکرہ صاحب الاشباہ فی بحرہ عند قولہ فرضہا التجرۃ حیث نقل تصحیح عدم الوجوب فی التحریمۃ و جزم بہ فی المعیط و لکن یتحتاج الی الفرق بین التحریمۃ و التلبیۃ فانہ نص محمد علی انہ شرط فی التلبیۃ و قال فی المعیط یتحب کما فی الصلوۃ کذا فی شرح لباب المناسک ثم قال قلت فینبغی ان لا یلزمہ فی الحج بالاولی لان القراءة فرض قطعی و التلبیۃ امر ظنی (رد المختار، ص ۲۵۰ ج ۱) فقط والله تعالی اعلم

۸ شوال ۹۶ھ

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے:

سوال :- زید نے نماز میں درود شریف قصداً نہ پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے نماز ہو گئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، کیونکہ درود شریف پڑھنا سنت ہی، اور سنت کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۃ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہذا جلدی کی صورت میں بھی

اللہم صل علی محمد تک پڑھ لینا چاہئے، قال فی الدرر سنۃ فی الصلوٰۃ ومستحبۃ فی کل اوقات الامکان وفی الشامیۃ (قولہ سنۃ فی الصلوٰۃ) ای فی قعود اخیر مطلقاً وکن فی قعود اول فی النوافل غیر الرواتب تأمل وفی صلوٰۃ الجنائزۃ (رد المحتار ص ۲۸۳ ج ۱)، وفی سنن الصلوٰۃ من الذر ترک السنۃ لایوجب فساداً ولا سہواً بل اساعۃ لو عامداً غیر مستخف وفی الشامیۃ فلو غیر عامد فلا اساعۃ ایضاً بل تنذیب اعادۃ الصلوٰۃ کما قد منہ فی اول بحث الواجبات (رد المحتار ص ۱۷۲ ج ۱) ونصہ ہنا کہ اقول وقد ذکر فی الامداد بحثاً ان کون الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ لا ینع ان تكون الاعادۃ منذ بترک السنۃ ام ونحوہ فی القہستانی بل قال فی فتح القدیر والحق التفصیل بین کون تلك الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الاعادۃ وتنزیہہ فتستحب (رد المحتار ص ۱۷۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۷ صفر ۱۳۸۸ھ

تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اشارہ بالتبایہ کرنا کیسا ہے، سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اشارہ بالمبسم مستحب ہے، محیط میں اسے سنت لکھا ہے، مراد سنت غیر مؤکدہ ہے، کما فی شرح التنویر وفی العینی عن التحفۃ الاصح انہما مستحبۃ وفی المحيط سنۃ وفی رد المحتار ویکن التوفیق بانہما سنۃ غیر مؤکدۃ (رد المحتار ص ۲۸۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳ محرم ۱۳۹۰ھ

تشہد میں عقد اشارہ کی کیفیت:

سوال :- تشہد میں انگلی کے اشارہ کے وقت انگلیوں کا حلقہ کس طرح بنایا جائے؟ نیز اشارہ

کے بعد انگلی اسی حالت پر ہے یا گرا دی جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنایا جائے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفی القہستانی وعن اصحابنا جمیعاً انہ سنۃ فیخلق ابہامہ الیمنی ووسطا ملتقاً رأسہ برأسہا یشیر بالتبایہ ام (رد المحتار ص ۲۸۵ ج ۱) اشارہ کے بعد کی کیفیت

کے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "یضعہا" کے الفاظ ہیں، اس سے انگلی کو بالکلیہ گرا دینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکا دینا مراد ہے، مراح بہ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لروایۃ ابی داود والنسائی رافعاً اصبعہ السبابة وقد حناها شیئاً ای اما لہا رتزیین العبارة بتحسین الاشارة لعلی القاری، ص ۸، امداد الفتاویٰ میں اس سے متعلق مفصل بحث ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳ محرم ۱۲۹۹ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کی حد:

سوال:- فی کتاب نفع المفتی والسائل صلی التفل قاعد افکیف یرکم فیہ؟
المستحب ان یرکم بحیث یحاذی جہتہ قد ام رکبتیہ، نقلہ الشامی عن حاشیۃ
الفتاویٰ عن البرجندی، اس کی صورت کیسی ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عبارت مذکورہ کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے سامنے قبلہ کی طرف اتنی نیچے جھک جائے کہ گھٹنوں کے برابر ہو جائے، یعنی گھٹنوں اور پیشانی کا فاصلہ زمین سے برابر ہو، مگر علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ در میں ابوالسعود سے اور حاشیہ مراقی الفلاح میں حموی سے یحاذی جہتہ رکبتیہ نقل کیا ہے، قدام کا لفظ نہیں، جس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ جبہ گھٹنوں کے اوپر کی سیدھ میں آجائے، مزید بریں علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ رکوع میں اتنا نہ جھکے کہ سجدہ کے قریب ہو جائے، ونصہ فی الحموی فان رکع جالساً ینبغی ان یحاذی جہتہ رکبتیہ لیحصل الركوع ۵۱، ولعل مرادہ انحاء الظہر عملاً بالحقیقة لانه یبالغ فیہ حتی یكون قریباً من السجود رطحاوی علی المراقی، ص ۱۲۵، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ ذی قعدہ ۱۲۹۹ھ

نماز میں قیام عورت پر بھی فرض ہے:

سوال:- عورتیں عموماً بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں، یا کھڑی ہو کر شروع کرتی ہیں مگر دوسری رکعت میں بیٹھ جاتی ہیں، اگر فرض کی یا واجب کی نمازوں کی ایک رکعت بیٹھ کر پڑھ لی تو نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ یا سجدہ سہو سے تلا فی ہو جائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ادا نہیں ہوئی، اور سجدہ سہو سے بھی تلا فی نہ ہوگی، اس لئے کہ فرض اور واجب بلکہ

سنتِ مؤکدہ میں بھی قیام مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے، قال فی رد المحتار تحت رد قولہ وسنة فجر فی الاصح عن الحلیۃ فلو صلی التراویح قاعداً بلا عذر قیل لا تجوز قیاساً علی سنة الفجر فان کلامہما سنة مؤکدة وسنة الفجر لا تجوز قاعداً من غیر عذر باجماعہم، کما ہو فی رایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کما صرح بہ فی الخلاصۃ فکذا التراویح وقیل یجوز والقیاس علی سنة الفجر غیر تام فان التراویح دونہا فی التاکید فلا تجوز التسویۃ بینہما فی ذلك قال قاضی خان وهو الصحیح ام رد المحتار ص ۲۴۲ ج ۱ عورتوں کی اس جہالت کا علاج اور ان میں صحیح مسئلہ کی اشاعت مردوں پر فرض ہے، ورنہ نماز صحیح نہ ہونے کے عذاب میں یہ بھی شریک ہوں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مستنون نہیں:

سوال:- ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟
بینوا وجرؤا

الجواب باسم ملہم الصواب

سنتِ طریقہ یہ کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہو اس لئے ہاتھ پہلے رکھنا چاہو تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں، تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے گھٹنوں میں نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ واضعاً رکبتیہ ثم ید یہ) ویضع الیمنیٰ منہما اولاً ثم الیسریٰ کما فی القہستانیٰ لکن الذی فی الخرائن واضعاً رکبتیہ ثم ید یہ إلا ان یعسر علیہ لاجل خفت او غیرہ فیبدأ بالیدین ویقدم الیمنیٰ ام ومثله فی البدائع والتاترخانیۃ والمعلج والبحر وغیرہا ومقتضاہ ان تقدم الیمنیٰ انما ہو عند العذر والداعی الی وضع الیدین اولاً وانہ لا تیامن فی وضع الرکبتین فہو الذی یشہر لعسر ذلك، (رد المحتار ص ۲۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ محرم ۱۲۹۱ھ

نماز کا فدیہ:

سوال :- ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں ذمہ رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں، اس میں گنہگار یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں چار کے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲/۳۲ کلو گرام گندم ہے، انہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں، مگر نقد دینا افضل ہے، قال فی العلائقہ وما لم ينص عليه كذا وخبر يعترف به القيمة (الی قولہ) ودفع القيمة ای الذراہم افضل من دفع العین علی المذہب المفتی بہ، جوہرۃ وبعث عن الظہیریۃ۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ای الذراہم) ولعلہ اقتصر علی الذراہم تبعاً للزیلعی لبيان انہا افضل عند اسادة دفع القيمة لان العلة فی افضلیۃ القيمة كونہا اعون علی دفع حاجة الفقیر (رحمہ المحتار ص ۸۲ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ صفر ۱۴۰۹ھ

سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ:

سوال :- آپ نے فرمایا تھا کہ قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے وقت سیدھا نیچے جانا چاہئے، اس کی قدے تفصیل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سجدہ کی طرف جاتے وقت کمر بالکل سیدھی رکھنا چاہئے، گھٹنے زمین پر رکھنے سے پہلے کمر میں خم نہ آنے پائے، اگر تھوڑا سا بھی جھکا تو رکوع میں تکرار لازم آئے گا، قال فی الشامیۃ ویخبر للسجود قائماً مستویاً لا منحنيّاً ثلاثاً یزید رکوعاً اخری یدل علیہ ما فی التاترخانیۃ لوصلی فلما تکلم فذکر انہ ترک رکوعاً فان کان صلی صلوۃ العلماء الا تقیاء اعادة وان صلی صلوۃ العوام فلا لان العالم التقی ینحط للسجود قائماً مستویاً والعامی ینحط منحنيّاً وذلك رکوع لان قلیل الانحناء محسوب من الركوع اه تأمل رحمہ المحتار ص ۱۶۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، (مزید تحقیق تتمہ میں ہے) ۱۴ شعبان ۱۴۰۹ھ

ثواب کی زیادتی پورے حرم میں ہر عبادت پر ہے:

سوال :- مسجد حرام میں فرض نماز پڑھنے کا ثواب کیا مسجد حرام ہی میں ہو یا حد و حرم کے پورے

علاقہ میں کسی اور مقام پر بھی نماز ادا کرنے سے اتنا ہی ثواب ملتا ہے؟ نیز کیا یہ ثواب صرف نماز کے لئے ہی یا تمام عبادات کے لئے بھی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ثواب کی یہ زیادتی پورے حرم میں ہے، اور ہر عبادت کے لئے ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حرم میں مسجد اور غیر مسجد دونوں جگہ نماز کا ثواب برابر ہے، بلکہ مسجد حرم کی نماز مسجد غیر حرم کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے، اور حرم میں غیر مسجد کی نماز غیر حرم میں غیر مسجد کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے، قال فی رد المحتار وقال شیخ ولی الدین العراقی ولا یختص التضعیف بالمسجد الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل یشمل جمیع ما زید فیہ بل المشہور عند اصحابنا انہ یعم جمیع مکة بل جمیع حرمہا الذی یحرم صیدہ کما صححہ النووی (رد المحتار ص ۱۱۶ ج ۱) ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شفاء الغرام للسید القاضی وجاءت احادیث تدل علی تفضیل ثواب الصوم وغیرہ من القربات بمکة الا انہا فی الثبوت لیست کاحادیث الصلوٰۃ فیہا ام (رد المحتار ص ۲۰۳ ج ۲) وقال الرافعی ان حسنات الحرم کل حسنة بمائة الف حسنة کما قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما نقلہ السندی عن الحموی عن ابن العباد (التحریر المختار ص ۸۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب ۱۲۹۲ھ

مسجد نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت صرف مردوں کے لئے ہے:

سوال :- حدیث میں جو مسجد نبوی میں جو چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت آئی ہے، کیا یہ فضیلت صرف مردوں ہی کے لئے ہے یا عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا جس طرح مسجد حرام کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے کیا اس طرح مدینہ منورہ میں بھی مسجد نبوی کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے برارت کی بشارت صرف مردوں کی فرض نماز باجماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ

کیا عورتوں کو گھر میں نماز کا وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ملتا ہے؟
سوال :- کیا عورتوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنے میں وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو ان دونوں مسجدوں میں ادا کرنے سے ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تضعیف اجر پورے حرم مکہ کے لئے ہے، لہذا مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گذری، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں تضعیف اجر کی فضیلت مردوں کے ساتھ مختص ہی عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے پر یہ اجر نہیں، معہذا مسجد کی نسبت گھر میں ادا کرنے پر زیادہ ثواب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

مسجد نبوی میں چالینس نمازوں پر بشارت مقید بتسلسل ہے؟
سوال :- کیا مردوں کو فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ چالینس نمازیں مسلسل اور باجماعت مسجد نبوی میں ادا کی جائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ من صلی فی مسجدی اربعین صلوۃ لا تقوۃ صلوۃ کتب لہ براءۃ من النار وبراءۃ من العذاب وبراءۃ من النفاق لا یموت الا^{سط} رجم الفوائد، ص ۵۳۳ ج ۱، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چالینس نمازیں مسلسل اور باجماعت ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے برائت کی بشارت ہے، مطلقاً ایک ہزار تک تضعیف اجر کے لئے چالینس نمازوں اور ان میں تسلسل کی قید نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

حالت ولادت میں ادار نماز پر اشکال کا جواب:

سوال :- اگر عورت بچہ جنم رہی ہے کچھ حصہ باہر ہے کچھ اندر ہے، تو اس حالت میں نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ حالت حیض و نفاس میں نماز معاف ہوتی ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے، بچہ کا جب تک اکثر حصہ باہر

نہیں آیا، اس وقت تک عورت نہ حالت حیض میں ہو نہ نفاس میں، لہذا نماز معاف نہ ہوگی، وضو یا تیمم کر کے اشارہ سے نماز پڑھے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو قضا کرے، قال فی التَّوْبِ وَالنَّفَاسِ دَمٌ يَخْرُجُ عَقِبَ وَلَدٍ وَفِي الشَّرْحِ أَوْ أَكْثَرَهُ وَلَوْ مَقْطَعًا عَضُوًّا أَعْضُوًّا لَا إِذْلَهُ فَمَتَوَضَّأَ أَنْ قَدَرَتْ أَوْ تَتِمَّمُ وَتَوَعَّى بِصَلَاةٍ (رد المحتار ص ۱۲۶، ۱۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ ربیع الآخر ۹۴ھ

جماعت ہو جانے کے بعد فرض نماز مسجد میں نہ پڑھے؛

سوال :- جماعت تو ہو گئی، اب اگر مسجد میں نہ جائے اور فرض نماز گھر میں ادا کرے، تو کیا مسجد سے کم ثواب ملے گا یا برابر؟ زید کہتا ہے، گھر میں ایک نماز کا اور مسجد میں جا کر تنہا پڑھے تو ۲ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، تو کیا زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت چھوڑنا گناہ ہے، اور فرض نماز مسجد میں جا کر اکیلے پڑھنے میں ترک جماعت کے گناہ کا اظہار ہے، جو ناجائز ہے، اس لئے جب جماعت ہو جائے تو فرض نماز کے لئے مسجد میں نہیں جانا چاہئے کثرت ثواب کا جو وعدہ ہے وہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۴ھ

نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی؟

سوال :- ایک شخص کو حالت نماز میں یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کس وقت کی نماز کی اور کتنی رکعات کی نیت کی تھی؟ نہ زبان سے کہنا یاد ہے اور نہ دل میں نیت کرنا یاد ہے، یوں ہی غفلت کی حالت میں نماز شروع کر دی تھی، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ بینوا اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی نماز کی نیت تو کی ہو مگر یہ یاد نہ رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی، تو دو رکعت پوری کر لے، اور یہ نماز نفل ہو جائے گی، اور اگر نیت کی ہی نہیں تھی تو نماز میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، لہذا ازہر نو نیت کر کے نماز شروع کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ ذیقعدہ ۹۴ھ

رکوع میں ٹخنے ملا نا:

سوال :- درمختار میں ہے کہ رکوع میں مردوں کو ٹخنے ملا لینا مسنون ہے، شامی سے بھی

اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا اسی وقت سے قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لئے کہ یہ کلیات ذیل کے خلاف ہے:-

- ① مردوں کے لئے رکوع و سجود میں تجافی۔
- ② پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رہنا، الصاق کعبین سے انگلیاں قبلہ رخ نہیں رکھتیں،
- ③ نماز میں بلا ضرورت حرکت نہ کرنا،

مندرجہ بالا کلیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اور بالاتفاق مسلم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں: فرأینا السنة جاءت عن النبي صلى الله عليه وسلم بالتجافي في الركوع والسجود واجمع المسلمون على ذلك فكان ذلك من تفريغ الاعضاء، (شرح معانی الآثار ص ۱۷۰)

کلیات مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاق کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اور نہ جمہور فقہاء نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اس لئے بندہ شروع ہی سے قولاً و عملاً اس کے خلاف رہا ہے، مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں بحوالہ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل و مفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

ومنہ الصاق الکعبین ذکرہ جمع من المتأخرین وجمہور الفقہاء ثم یدکر وہ ولا اثر له فی الکتب المعترۃ کالہدایۃ وشرحها التہامیۃ والعنایۃ والبناۃ والكفایۃ وفتح القدیر وغیرہا والکنز وشرحہ للعینی وشرح النقایۃ لالیاس زادہ والبرجندی والشمسی وفتاویٰ قاضیخان والبرزانیۃ وغیرہا واما الذین اوردوه فی ذکرہ الزاہدی حیث قال فی المجتبى برمزبط یسن فی الركوع الصاق الکعبین واستقبال الاصابع القبلة ونقله عنه القہمستانی فی جامع الرموز فی شرح الخلاصۃ الکیدانیۃ والحلبی فی الغنیۃ وابن نجیم فی البحر وتلمیذہ التہرتاشی فی منہ الغفار

واقروه وذكره صاحب النهرو صاحب الدر المختار على سبيل الجزم لكن لم يبين أحد
منهم المراد من الصاق الكعبين وقال خير المتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد
السندی المدنی فی طوابع الانوار شرح الدر المختار قوله والصاق كعبيه أي حالة
الركوع قال الشيخ الرضوي مع بقاء تفريجه ما بين القدمين قلت لعله أراد من الصاق
المحاذاة وذلك بان يحاذي كل من كعبيه الآخر فلا يتقدم أحدهما على الآخر وظاهر لفظ
الشارح يقتضي اللصوق ونفي التفريج ولذا قال السيد أحمد هذا أي الصاق كعبيه أن
تيسر له ورأيت كلاماً للشيخ محمد حيات السندی يقتضي اثبات سنية التفريج
ونفي سنية الصاق انتهى كلامه، وقال أيضاً في موضع آخر من الطوابع يسن في حال
الركوع كما في المجتبى وزاد أبو السعود في السجود أيضاً أن يلصق كعبيه قال الشيخ أبو الحسن
السندی في تعليقه على الدر المختار هذه السنة أنها ذكرها من ذكرها من المتأخرين
تبعاً للمجتبى وليس لها ذكر في الكتب المتقدمة ولم يرد في السنة على ما وقفنا عليه
وكان بعض مشايخنا يرى أنه من أوهام صاحب المجتبى وكأنهم توهموا مقاور دان
الصحابة كانوا يهتمون بسد الخلل في الصفوف حتى يضمنوا الكعب والمناكب لا يخفى
أن المراد ههنا الصاق كل كعب صاحبه لا كعبه مع الكعب الآخر انتهى كلام الشيخ
قلت لقد دارت هذه المسئلة في سنة أربع وثمانين بعد الألف المائتين
بين علماء عصرنا فاجاب أكثرهم بأن الصاق الكعبين في الركوع والسجود ليس بمسنون
ولا اثر له في الكتب المعتمدة والقول الفيصل أن يقال إن كان المراد بالصاق الكعبين
أن يلزق المصلي أحدي كعبيه بالآخرى ولا يفرج بينهما كما هو ظاهراً عبارة الدر المختار
والنهر وغيرهما وسبق إليه فهم المفتي إلى السعود أيضاً فليس هو من السنن على الأصح
كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أن الأولى للمصلي أن يجعل بين قدميه نحو
أربعة أصابع ولم يذكروا أنه يلزقهما في حالة الركوع أو السجود وقال العيني في
البناءة نقلاً عن الواقعات ينبغي أن يكون بين قدمي المصلي قد أربع أصابع اليد لأنه
أقرب إلى الخشوع والمراد من قوله عليه الصلوة والسلام الصقوا الكعب بالكعب
اجتماعهما انتهى، فهذا صريح في أن المسنون هو التفريج مطلقاً ولا لقيد بحالة
القيام وإن المراد بالصاق الكعب بالكعب الوارد في الخبر غير الزايم ما يؤيد ما أخرجه

ابوداؤد وصححه ابن خزيمة وذكره البخاري تعليقاً عن النعمان بن بشير قال رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه وفي رد المحتار نقلاً عن فتاوى سمرقند ينبغي ان يكون بين القدمين مقدار اربع اصابع وما روى انهم الصقوا الكعب بالكعب اريد به الجماعة انتهى، وان كان المراد به محاذاة احد الكعبين بالآخر كما ابدع العلامة السدي فهو مرفق ولا بعد في حمل الا لصاق على المحاذاة فانه جاء استعماله في القرب ويؤيد عدم سنية الزاق الكعبين بالمعنى الاول اى ترك التفريق بينهما انه يلزم فيه تحريك احدى الكعبين الى الاخرى وتحريك عضو في الصلوة من غير ضرورة ليس بجائز عندنا حتى ان منهم من لم يجوز رفع السبابة في التشهد لهذه العلة ومنهم من لم يجوز رفع اليدين عند الركوع لهذه العلة والظاهر ان حمل كلامهم على المعنى الثانى اولى من جملة على المعنى الاول على انه من ادعاهما حسناً المجتبى فاحفظ هذا التحقيق فانه من النفائس المختصة بهذا الكتاب وقل من تنبه عليه من العلماء الا من شاء الله ان يتنبه (سعاية، ص ۱۸۲ ج ۲)

امداد الفتاوى کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے ونسبت زاهدی در نافع کثیر فوائدہ نویشتہ اندوان کان اماماً جلیلاً فی الفقه لکنہ متساهل فی نقل الروایات ایضاً هو معتزلی الاعتقاد وحنفی الفروع قال صاحب رد المحتار فی تنقیح الفتاوی العامدیة فی کتاب الاجازة الحاوی الزاهدی مشہور بنقل الروایات الضعیفة ولہذا قال ابن وہبان وغیرہ انہ لا عبرة بما یقولہ الزاهدی مخالفاً لغيرہ رآمد اذ الفتاوی ص ۱۴۹ ج ۱)

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاهدی کے تخطیہ کی نسبت ان کے قول کی تاویل بہتر ہے، مجتبیٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصاب القبلہ کا ذکر بتین دلیل ہے کہ الصاق سے ان کی مراد وہی ہے جو سعایہ میں علامہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کی گئی ہے، یعنی کعبین میں محاذاة، اس لئے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہو سکتیں،

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاة تو حالت قیام میں بھی مسنون ہے، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا؟

اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالت قیام میں مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حالت رکوع میں پاؤں پر نظر پڑتی ہے، اس لئے اس سنت کی تعمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے،

ان توجیہات کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصاب القبلة کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کعبین میں محاذ اذہ کی بھی کر لی جائے،
فقط والله تعالى اعلم

۶ رمضان ۱۲۹۸ھ

سجدہ بقدر تسبیح واحدہ واجب ہے؛

سوال :- سجدے میں کتنی دیر ٹھہرنا فرض ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً سجدہ فرض ہے، اور ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے، اور تین تسبیحات کی مقدار سنت مؤکدہ ہے، فی واجبات الصلوة من العلائق وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الركوع والسجود وکن فی الرفع منہما الخ (مختار ص ۲۳۲ ج ۱)
فقط والله تعالى اعلم

۲۸ رمضان ۱۲۹۸ھ

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ؛

سوال :- نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرمادیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں، اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیاں کے ساتھ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں، اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مردوں کے لئے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں، اور سینے پر ہاتھ باندھیں، قال العلماء رحمہمہ اللہ تعالیٰ و وضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ أخذ ارسغہا بخنصرہ و اہمامہ هو المختار و تضع المرأة والخنثی الکف علی الکف تحت شد یمہا، وقال ابن عابد رحمہ اللہ تعالیٰ ای یخلق الخنصر والاہمام علی الرسغ ویسبط الاصاب الثلاث کسافی

شرح المذنیہ ونحوہ فی البحر والنہر والمعراج والكفاية والفتح والسرائح وغيرها وقال فی البدائع ویعلق ابہامہ وخصرہ وبنصرہ ویبسط الوسطی والمسبحة علی معصمہ و تبعہ فی الحلیۃ ومثله فی شرح الشیخ اسمعیل عن المجتبی (قوله تحت ثدیہا) کذا فی بعض نسخ المذنیۃ وفی بعضہا علی ثدیہا قال فی الحلیۃ وكان الاولی ان یقول علی صدہا کما قالہ الجہم الغفیر لا علی ثدیہا وان کان الوضع علی الصدر قد یستلزم ذلك بان یقع بعض ساعد کل ید علی الثدی لکن ہذا الیس هو المقصود بالافادۃ (رد المحتار ص ۲۵۴) فقط واللہ تعالی اعلم

۱۲ صفر ۹۸ھ

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال :- نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ بیذا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے، اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا، کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں سنت ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وینبغی ان یکون بینہما مقدار أربع اصابع الید لانہ اقرب الی الخشوع، لکن اروی عن ابی نصر الدبوسی انہ کان یفعلہ کذا فی الکبریٰ (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۱) وفی التنبیہ ولستقبل بالحراف اصابع رجلیہ القبلة ویکرہ ان لم یفعل وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی التجنیس لصاحب الهدایۃ وقال الرملی فی حاشیۃ البحر ظاہرہ انہ سنۃ وبہ صرح فی زاد الفقیر (رد المحتار ص ۲۰۰ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

(چار انگل فاصلہ رکھنا مستحب شرعی نہیں تفصیل تتمہ میں ہے۔) ۲ ذیقعدہ ۹۹ھ

سہوا بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں؟

سوال :- امام تیسری رکعت پر سہواً بیٹھ گیا، مگر لقمہ ملنے پر کھڑا ہو گیا، اس قیام کے وقت تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا کہ سجدہ سے اُٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علماء اس میں اختلاف کر رہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال میں تکبیر کا تعدد منقول نہیں اس لئے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر

سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہے کہ اختتام انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لئے دوسری تکبیر کہے، امید کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے، بینوا توجروا،

الجواب یا سسم ملہم الصواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدہ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے اس لئے یہ انتقال اول و ثانی میں فصل ہوگا، اور دو انتقال مستقل ہونگے، لہذا ہر انتقال کے لئے تکبیر مستقل ہوگی، اور اگر جلسہ خفیفہ ہو جو موجب سجدہ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا، لہذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لئے یہ دلیل معقول نہیں کہ پہلی تکبیر خلاف سنت ہے، اس لئے کہ جدید تکبیر بھی خلاف سنت ہوگی، کیونکہ اس کی ابتداء سجدہ سے نہوض کی ابتداء سے نہیں ہوئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

تحقیق جملہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ:

سوال :- رکوع سے اُٹھ کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اُٹھ کر رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ پڑھنے میں یہ یہ فضیلت ہے، اور فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لئے کرتے ہیں، اُس دن سے آؤ کا اضافہ کر دیا، لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بہتر ہے یا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، براہ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب یا سسم ملہم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں :- ① اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ② اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ③ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ④ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم، قال فی العلائق وافضلہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، ثم حذف الواو ثم حذف اللهم فقط، وقال ابن عابدین وبقی رابعة وھی حذفہا والاربعة فی الافضلیۃ علی ہذا الترتیب کما افادہ بالعطف بثم (م المختار ص ۲۶۴) حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا جن کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے وہ کلمات یہ ہیں: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ اَکْثَرُ اَطِیْبًا مَّا رَکَّاهُ (سواہ البخاری) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا روائض میں نہیں

پڑھنا چاہئے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰۔ اربع الاول ۹۷ھ

تنگ وقت میں قضا حاجت کے تقاضا کی وجہ سے نماز چھوڑنا جائز نہیں:

سوال :- ایک شخص کو تقاضا قضا حاجت کا سخت ہے، مگر ادھر نماز کا بالکل آخری وقت ہے، اب اگر وہ آدمی قضا حاجت کے لئے جاتا ہے تو نماز فوت ہو جائے گی اور اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو پیٹ میں سخت تکلیف و بوجھ ہوتا ہے، اب ایسے شخص کو کیا کرنا چاہئے، یعنی اسی بوجھ و تکلیف کے ساتھ نماز ادا کرے یا رفع تکلیف کر کے بعد میں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس حالت میں ترک جماعت تو جائز ہے مگر نماز کا ترک جائز نہیں، لہذا اگر قضا ہونے کا خطرہ ہو تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے، اور فرائض و واجبات پر اکتفا کرے، سنتیں چھوڑ دے، نماز کے اندر کی سنتیں بھی چھوڑ سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰۔ اشوال ۹۸ھ

سجدة نماز میں دعاء:

سوال :- مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اتي نہیت ان اقرأ القرآن راكعاً او ساجداً فامّا الركوع فعظموا فيه الرب واما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن ان يستجاب لكم اس حدیث سے نماز کے سجدة میں دعاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیا احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے کہ نماز کے سجدة میں دعاء افضل ہے، اگر نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الحدیث المذکور واما السجود فاجتهدوا فی الدعاء فی حقیقۃ وھو ظاہر او حکماً کما فی سبحان ربی الاعلیٰ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۱۲) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وقد ورد خیر الدعاء دعاء یوم عرفة وخیر ما قلت انا والنبیون من قبل لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیر، رواہ مالک والترمذی

وأحمد وغيرهم شرح النقاية للقارى، وقيل لابن عيينة هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلى الله عليه وسلم دعاء فقال الثناء على الكريم دعاء لأنه يعرف حاجته فتح، قلت يشير بهذا إلى خبر من شغله ذكرى عن مسألتي أعطيتة أفضل ما أعطى السائلين ومنه قول أمية بن أبى الصلت في مدح بعض الملوك :-

أذكر حاجتي أم قد كفاني : ثناؤك أن شمتك الحياء
إذا انتفى عليك المرأ يومًا : كفاه من تعرضه الثناء

(در المختار ص ۱۹۰ ج ۲)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حدیث میں سجدہ کی تسبیحات، ہی کو دعاء فرمایا گیا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ تسبیحات کے بعد دعاء کرے، احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں تسبیحات کے بعد دعاء نوافل میں کرے فرائض میں نہیں، البتہ فرائض منفرداً پڑھ رہا ہو یا جماعت میں مقتدیوں پر ثقیل نہ ہو تو فرائض میں بھی درست ہے، قال فی العلائیة وکذا الایاتی فی رکوعہ وسجودہ بغیر التسبیح علی المذهب وما ورد محمول علی النقل قال ابن عبدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رقولہ محمول علی النقل) ای تہجداً وغیرہ، خزائن، وکتب فی ہامشہ فیہ مراد علی الزیلعی حیث خصہ بالترجہ اھ، ثم الحمل المذکور صرح به المشايخ فی الوارد فی الركوع والسجود وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة و قال علی اذہ ان ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الانفراد والجماعة والمأمون محصورون لا یتثقلون بذلک کما نص علیہ الشافعیة ولا ضرر فی التزامہ وان لم یصرح به مشایخنا فان القواعد الشرعیة لا تبو عنه کیف والصلوة والتسبیح والتکبیر والقراءة کما ثبت فی السنۃ اھ، (در المختار ص ۱۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۲ محرم ۱۴۹۹ھ

میت کی طرف سے اس کا بیٹا نماز کا فدیہ ادا کر سکتا ہے:

سوال :- میرے والد کا انتقال ۱۴۱۳ھ میں کراچی میں ہوا تھا، مجھے یاد ہے کہ بیماری کے دوران ان کی کچھ نمازیں قضاء ہو گئی تھیں، انھوں نے قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا تھا، تو کیا ہم لوگ ان کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے ان کی قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں؟ اور اگر ادا کریں تو پھر کس حساب سے؟ یعنی ۱۴۱۳ھ کے صدقہ فطر کے ریٹ سے

یا شہداء کے صدقہ، فطر کے ریٹ سے؟ بینوا تو جروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کر سکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں، اس لئے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے، جب فدیہ ادا کریں گے اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۱۴۰۹ھ

نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہذا اس سے احتراز کرنا چاہئے، البتہ قعدہ یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے، قال فی العلانیۃ ویکبر للہوض علی صدور قد میہ بلا اعتماد و قعود استراحة ولو فعل لا بأس وفي الشامية (قوله بلا اعتماد الخ) ای علی الارض قال فی الکفایۃ اشار بہ الی خلاف الشافعی فی موضعین احد ہما یعتمد بیدہ علی رکتیہ عندنا وعندہ علی الارض والثانی الجلوس الخفیفۃ قال شمس الاثمة الخلو انی الخلاف فی الافضل حتی لو فعل کما مذہبنا لا بأس بہ عند الشافعی ولو فعل کما ہو مذہبہ لا بأس بہ عندنا کذا فی المحيط، (رد المحتار ص ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳

رمانے میں یہ لاگت کیا ہوگی؟ بینوا تو جروا،

الجواب بسلام ملہم الصواب

بقدر درہم نقصان ہو یا ہو تو نماز توڑ دینا درست ہے، درہم = $\frac{1}{4}$ شہہ = ۲۰۲ گرام چاندی، چاندی کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ہر زمانہ میں اس وقت کی قیمت لگائی جائے گی، قال شارح التنبیہ ویباح قطعہا لنحو قتل حیۃ وندۃ دابة و فورقہ و روضیاع ما قیمتہ درہم لہ اولغیرہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ (بقولہ و فورقہ) الظاہر انہ مقید بما بعدہ من فوات ما قیمتہ درہم سواء کان ما فی القدر لہ اولغیرہ رحمۃ رقولہ و ضیاع ما قیمتہ درہم، قال فی مجمع الروایات لان مادونہ حقیر فلا یقطع الصلوة لاجلہ لکن ذکر فی المحيط فی الکفالة ان الحبس بالذانی یجوز فقطع الصلوة اولی و ہذا فی مال الغیر و اما فی مالہ لا یقطع والاصح جوازہ فیہما اھ و تمامہ فی الامداد والذی مشی علیہ فی الفتح التقیید بالدرہم (رحم المختار ص ۶۱۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

نماز میں قرات حکایت ہے :

سوال : نماز میں قرآن مجید حکایت پڑھا جاتا ہے یا کہ انشاء بیتواتہ جروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز میں قرآن مجید حکایت پڑھا جاتا ہے بدلائل ذیل

① قرآن کریم کا وہ حصہ جس میں قصص و اخبار ہیں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز ہو جائیگی، حالانکہ اس میں انشاء کا امکان ہی نہیں۔

② قرآن کریم کے ایسے جمل انشائیہ جن کا مخاطب اس وقت موجود نہیں، مثلاً یا مریم، یا یحییٰ، یوسف، یا ایہا النبی، یا ایہا المدثر وغیرہ پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ انشاءات محض حکایت پڑھے جاتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نماز میں صیغہ خطاب بجائے حکایت کے بنیت مخاطب کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی کما سیأت

③ قرآن کے جمل دعائیہ یا تسبیح و تہلیل یا تسمیہ یا سورہ فاتحہ کو اگر حکایت نہ پڑھا بلکہ انشاء دعا یا تسبیح و تہلیل کی نیت سے پڑھا تو یہ جمل قرآنیت سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے جنب و حائضہ کو اس قصد سے پڑھنے کی اجازت ہے حالانکہ تلاوت کی نیت سے صرف تسمیہ پڑھنے کی بھی اجازت

نہیں، کافی الشامیہ - اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز بہر کیف حکایت ہی پڑھا جاتا ہے۔

(۴) قال فی التنویر فی بیان ما یجوز بالحديث الاکبر وتلاوة قرآن بقصدہ - وفي الشرح حتی لو قصد بالفاتحة الشفاء فی الجنابة لم یکره الا اذا قرأ المصلی قاصدا الشفاء فانها تجزیه لانها فی محلها فلا یتغیر حکمها بقصدہ وفي المحاشیة (قوله حتی لو قصد) تفریع علی مضمون ما قبلہ من ان القرآن یمخرج عن القرآنیة بقصد غیرہ (قوله فلا یتغیر حکمها) وهو سقوط واجب القراءة بها (رد المحتار ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر سورہ فاتحہ انشاء پڑھی تو بھی اس کی نیت معتبر نہیں۔ غرضیکہ قرآن مجید کے جمل خبریہ و اکثر جمل ندائیہ میں تو انشاء کا احتمال ہی نہیں۔ اور جن جمل ندائیہ میں انشاء نداء و خطاب کا احتمال ہے ان کو بقصد انشاء پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی کما سیأتی۔ باقی دعا، ثنا، تسبیح وغیرہ کے جملوں میں اگرچہ انشاء کا احتمال ہے مگر بقصد انشاء یہ جمل قرآنیت سے نکل جاتے ہیں کما مر۔

(۵) قال فی شرح التنویر و کذا یفسد ما کل ما قصد بها الجواب کأنه قیل امع الله الله فقال لا اله الا الله او ما مالک فقال الخیل والبغال والحمیر او من این جئت فقال و بئر معطله وقصر مشید او الخطاب کقوله لمن اسمہ یحییٰ او موسیٰ یا یحییٰ خذ الكتاب بقوة او و ما تلک بمیمینک یا موسیٰ مخاطباً لمن اسمہ ذلک او لمن بالباب ومن دخله کان امناً وفي الشامیة (قوله او الخطاب الخ) هذا مفسد بالاتفاق وهو ما ورد نقضاً علی اصله ابی یوسف رحمہ الله تعالیٰ فانه قرآن لم یوضع خطاباً لمن مخاطبه المصلی وقد اخرجہ بقصد الخطاب عن کونه قرآناً وجعله من کلام الناس۔ (رد المحتار جلد ۱)

البتہ حدیث اذا قال العبد الحمد لله، رب العالمین قال الله تعالیٰ حمد فی عبدی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھتے وقت انشاء بھی ملحوظ ہے بالکلیہ متروک نہیں۔ حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز شان جلالی کا مظہر ہے، بارگاہ الہی میں انسان حمد و ثنا پیش کرنے کے بعد صراط مستقیم پر ثابت رہنے کی توفیق طلب کرنے کے لئے درخواست پیش کرتا ہے۔ اسی لئے امام کی قرأت مقتدین کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ درخواست پیش کرنے والا ایک ہی شخص ساری جماعت کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے اور سلام و آداب دربار ہر شخص پر لازم ہوتے ہیں، غرضیکہ صلوٰۃ میں قرآن مجید حکایت پڑھا جاتا ہے مگر سورہ فاتحہ میں انشاء بھی ملحوظ ہے۔ اصل مقصد اس میں بھی تہادیت قرآن ہی ہے بقولہ تعالیٰ

فاقرؤا ما تیسر من القرآن،

البتہ قرأت کو اس لحاظ سے انشاء کہا جاسکتا ہے کہ قاری اپنی طرف سے انشاء قرأت کرتا ہے، قرأت غیر کی حکایت نہیں کرتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرة ربيع الآخر سنة ۱۴۴۰ھ

تشہد میں سلام انشاء کہا جاتا ہے :

سوال : نماز میں السلام علیک ایھا النبی انشاء پڑھا جاتا ہے یا حکایت ؟ بینواتوجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

السلام علیک ایھا النبی بلکہ پورا تشہد انشاء پڑھا جاتا ہے۔ قال فی شرح التنویر و یقصد بالفاظ التشهد معانیها مرادة له عليه وجه الانشاء كأنه یحیی الله تعالیٰ ویسلم علی نبیہ وعلی نفسه واولیائہ لا الاخبار عن ذلك، ذکرہ فی المجتبیٰ وظاہرہ ان ضمیر علینا للحاضرين لاحکایۃ سلام اللہ تعالیٰ وفي الشامية (قوله لا الاخبار عن ذلك) اعی لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منه صلی اللہ علیہ وسلم ومن ربہ سبحانہ ومن الملائکۃ علیہم السلام وتام بیان القصة مع شرح الفاظ التشهد فی الامداد فراجعہ (قوله لاحکایۃ سلام اللہ تعالیٰ) الصواب لاحکایۃ سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ط (رد المحتار ج ۱)

قرأت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاء پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقت صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی تو نہ اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت لہذا صرف السلام علیک ایھا النبی کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربار سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنیکا دستور ہے۔ اس لئے مصلی التحیۃ للہ والصلوٰۃ والطیبۃ کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ پھر یکایک خیال آتا ہے کہ یہ قرب الہی و مناجاة بالرب صرف سید الکوین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود معبود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے تو بسیاختہ مصلی اپنے محسن اعظم ومنعم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا، اس لئے کہ صلوٰۃ و سلام بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے جیسا کہ خط میں صیغ خطاب صرف اس لئے لکھے جاتے ہیں کہ خط مخاطب تک پہنچے گا۔ مخاطب رو برد موجود نہیں ہوتا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - غرة ربيع الآخر سنة ۱۴۴۰ھ

سجدہ میں ٹخنے ملانا :

سوال : مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیحدہ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے، وفی صحیح ابن حبان عن عائشہ رضی اللہ عنہا الرضی بین العقبین فی السجدة ای ضمہما واكثر الناس عنہ ہذا اغافلون (العرفۃ الشذی ص ۱۳۵) اسکے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اعلام السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفانج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث اولہ فقد تے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان معی علی فراشی فوجدتہ ساجدا راسا عقبیہ مستقبلا باطرافہ اصابعہ القبلة رواہ ابن حبان فی صحیحہ باسناد حسن (التلخیص للحبیر ص ۹۸ ج ۱) وللنسائی وقد سکتے عنہ وهو ساجد وقد ما منصوبتان الحدیث، (نسائی ص ۱۶۶ ج ۱)

عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع بسط ظہرہ واذا سجد وجہ اصابعہ قبل القبلة فتفانج (یعنی وسع بینہ رجلیہ ۱۲ منہ) رواہ البیہقی (التلخیص للحبیر ص ۹۸ ج ۱) قلت احتج بہ الحفاظ ابن حجر بعد ما ضعف رواۃ الدارقطنی عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسکتے عنہ فهو حسن او صحیح عنہ (اعلام السنن ص ۱۳۸ ج ۲)

بصورت تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے،

تطبیق :

حدیث اول میں رص بین العقبین تقریب پر محمول ہے، کما حمل علیہ العلامة الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث ضم الکفین فی الدعاء -

خود اسی حدیث میں حمل علی تقریب پر دو قرائن بھی ہیں، ایک استقبال الاصابہ القبلة، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں رص بین العقبین کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہو سکتیں، مزید برآں اس میں بلا ضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح :

حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع و سجود میں سنت تجانی کے مطابق ہے وکفی بہ مرحجاً، وبهذا

رحم الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الركبتین فی الركوع علی حدیث تطبیق، نیز

نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیونکہ بلا ضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔
قال صلی اللہ علیہ وسلم رفع مصلیٰ یعبثہ بلحیثۃ لو خشم قلبہ لسکون جوارحہ۔

یہ بحث تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۃ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں صرف ابوالسعود سے نقل کر کے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور سعایہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل و مدلل تردید فرمائی ہے، احسن الفتاویٰ میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں سعایہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۴ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ
مرد کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے :

سوال : ایک صاحب نے دورانِ تقریر فرمایا کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے جائیں نہ زیرِ ناف نہ بالائے ناف، بلکہ ٹھیک ناف کے اوپر باندھے جائیں، ہاتھ باندھنے کی صحیح ترکیب کیا ہے؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کے لئے ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔ قال فی العلانیۃ ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرقۃ اخذ رسغہا بمنصرہ واجہامہ ہوا المختار (رد المحتار ص ۴۵۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ رجب سنہ ۱۴۰۹ھ
سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے :

سوال : رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اُٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مزید دو قباحتیں ہیں۔

① عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

② قوم سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹپکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جاتا ہے، لہذا یہ عادت سبب ترک سنت ہونی کی وجہ سے قابلِ احتراز ہے۔

(مزید تحقیق تہ ہے) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا نظر گود میں رکھے :

سوال : جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو وہ قنات کی حالت میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا قعدہ کی

طرح گو و میں نظر رکھے؟ بعض کا خیال ہے کہ سجدہ کی جگہ نظر ہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، کلیہ کا مقتضی یہ ہے کہ گود میں نظر رکھے، اس لئے کہ نظر ایک جگہ جانے سے یکسوئی میں اعانت مقصود ہے، اس مقصد کے لئے جس حالت میں جس مقام پر نظر رکھنا سہل تھا اسی کو متعین کر دیا گیا ہے، بیٹھنے کی حالت میں گود میں نظر رکھنا سہل ہے اسی لئے قعدہ میں یہ حکم دیا گیا، لہذا بیٹھ کر قرات کی حالت میں بھی گود ہی میں نظر رکھنا چاہیئے، بالفرض سہولت کے سوا کوئی اور حکمت ہو تو بھی یہی کہا جائے گا کہ بحالت قعدہ گود میں نظر رکھنے کی جو حکمت ہے وہی بحالت قعود قرات میں بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں :

سوال : قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں، لائنہ قیام لہ قرار دہیہ ذکر مسنونہ ولذا قالوا بوضع الیدین فی قنوت الوتر وقنوتہ صلوۃ التسبیح، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۹ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

دعا میں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ مستحب ہے :

سوال :- دعا میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھ آپس میں ملا کر رکھے جائیں یا کچھ فاصلے سے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ امداد الفتاویٰ میں ملا کر رکھنا لکھا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا میں ہاتھ سینے تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا افضل ہے، فی الباب الرابع من کراہیۃ الہندیۃ والافضل فی الدعاء ان یسط کفہ ویكون بینہما فرجة وان قلت ولا یضع احدی یدہ علی الاخری فان کان فی وقت عن راو برد شد ید فاشار بالمسبحۃ قام مقام بسط کفہ والمستحب ان یرفع یدہ عند الدعاء بحدیثہ کذا فی القتیۃ (عالمگیریہ ص ۱۳۱/۸ المطبوعۃ الکبریٰ الامیریۃ بمصر)۔ امداد الفتاویٰ میں ضم الکفین فقہ حنبلی کی کتاب شرح المقتنع سے نقل کیا ہے، ونصہ وتكون یداه مضمومتین لہاروی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا ضم کفہ و

جعل بطونہما یلی وجہہ وضعفہ فی المراءب، اس روایت کی بناء پر اگر کوئی ضم الکفین کی فضیلت کا قول کرے تو اس کی گنجائش ہے، ادویوں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کہ ضم سے مراد تقریب ہے جو نرجہ قلیلہ کے منافی نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- کیا دعاء کے وقت دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے یا کشادہ رکھا جائے؟ اس سے متعلق مولانا محمد جمل صاحب رسالہ آداب الدعاء میں فرماتے ہیں:

”علامہ طحاوی نہر الفائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں فی النہر من فعل کیفیتہ المستحبۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت، اور اس کے آگے علامہ موصوٰف حصین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دعاء کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے اور انگلیوں کا رخ بجانب قبلہ ہونا چاہیے، فی شرح الحصن والظاہر ان من الالادب ایضاً ضم الیدین وتوجیہ اصابعہما نحو القبلة، اور آگے فرماتے ہیں کہ باہم ملانا افضل اور بہتر ہے، اور اگر معمولی کشادگی رکھی جائے تو بھی جائز ہے، اور امام شعرانی لوائح الانوار ص ۲۹ پر فرماتے ہیں، آسمان کی طرف دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ دربار خداوندی سے معنوی عطیات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ ایک ذریعہ ہے، پس دونوں کو باہم اس قدر ضم کیا جائے جس طرح پانی پینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملاتا ہے“ (رسالہ آداب الدعاء، ص ۴۰)

اس کے بعد ناکارہ نے بعض کتب حدیث دیکھیں، مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الدعوات کی فصل ثالث میں حدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ یقول ان رفعکم ایدیکم الخ کے ذیل میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں: وقد ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدعاء یوم عرفۃ جمع بین کفیه وجعلہما مقابل صدرہ کاستطعم المسکین (مرقاۃ المصابیح ص ۴۷ ج ۵) لیکن اس کی کوئی سند نہیں لکھی، احقر نے مجمع الزوائد دیکھی تو اس میں حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد حافظ نور الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: رواہ الطبرانی فی الاوسط وفيہ الحسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ وهو ضعیف، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ ج ۵ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں: ان الضعیف حجة فی الفضائل اتفاقاً ۱۱

نیز حسب ذیل احادیث سے بھی ضم یدین عند الدعاء کی تائید ہوتی ہے: عن انس بن مالک

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیه بعرفۃ ید عوف قال اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم هذا الا بتمال ثم حاصت الناقة ففتح احدی یدیه فاخذها وهورا رفع الاخری رواه البزار والطبرانی فی الاوسط بنحوه الا انه قال فرفع یدیه فسقط زمام الناقة فتناولہ ورفع یدیه وزاد هذا الا بتمال والتفتت ورجال البزار رجال الصحیح غیر احمد بن یحیی الصوفی وهو ثقة ولكن الاعمش لم یسمع من انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد، ص ۱۶۹ ج ۱۰)

وعن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع قوم اکفہم الی اللہ عز وجل یسئلونہ شیئاً الا کان حقاً علی اللہ ان یضع فی یدیمہ ما سألوہ قلت له حدیث فی السنن غیر هذا رواه الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح (حوالہ بالا) اور وہ تمام احادیث بھی ضمیمہ یدین کی مؤید ہیں جن میں مسح یدین علی الوجہ بعد الدعاء اور نزول برکت سماویہ وانوار الہیہ کا ذکر ہے،

نیز عقلاً بھی حق کو ضمیمہ یدین میں تواضع وانکساری محسوس ہوتی ہے، اس کے برخلاف فرجہ بین الیدین میں تکلف معلوم ہوتا ہے، نیز فرجہ بین الیدین کی تائید میں احقر کو ابھی تک کوئی حدیث نہیں ملی،

امید ہے کہ حضرت والا اپنے محاکمہ اور تحقیق انیق سے احقر کو مطلع فرمائیں گے، بڑا کرم واحسان ہوگا، جزاکم اللہ احسن الجزاء،

الجواب بسلام ملہم الصواب

رسالہ آداب الدعاء میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت مذکورہ حاشیہ دُر میں ہے یا کہ مراقی الفلاح کے حاشیہ میں، اس لئے دونوں کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑا، طحاوی علی الدر المختار میں تو کوئی ایسی عبارت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ طحاوی علی مراقی الفلاح میں موجود ہے، مگر اس کے کسی جز سے بھی بوقت دعاء ضمیمہ الیدین کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس فرجہ بین الیدین کے استجاب کو ترجیح ثابت ہوتی ہے، پوری عبارت ملاحظہ ہو: وفي النهر من فعل کیفیتہ المستحبة ان یكون بین الکفین فرجة وان قلت وان لا یضع احدی یدیه علی الارض فان کان لا یقدر علی رفع یدیه لعذر او برد فاشار بالمسبحة اجزاء ام لکن فی شرح الحصن الحصین والظاهر ان من الادب ایضاً ضم

الیدین وتوجیہ اصابعہما نحو القبلة وفي شرح مشکوٰۃ ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم
یوم عرفة جمع بین کفہ فی الدعاء وان ارید بالضم فی الکلام القرب التام لا ینافی
وجود الفرجة القلیلة واما قوله جمع بین کفہ لا ینافیہ الا ان المعنی جمع بینہما فی
الرفع ولا یفرق احدہما بہ (طحاوی علی المراقی، ص ۱۷۳)

رسالہ آداب الدعاء کی عبارت میں دوسرا تسامح یہ ہوا ہے کہ ضم الیدین کے استحباب کو حصین
کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت حصین حصین کی نہیں بلکہ شرح الحصین کی ہے، ممکن ہے
کہ یہ نسخ کا سہویا کاتب کی غلطی ہو،

علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الحصین کی عبارت کو نہر کے جزئیہ سے تطبیق دینے کی جو
صورت بیان فرمائی ہے بندہ نے بعینہ ہی وجہ تطبیق مورخہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ کے محررہ فتویٰ
میں قنیہ کے جزئیہ اور شرح المقنع کی عبارت میں تحریر کی تھی، فذلہ الحمد علی توفیقہ لموافقة
الاکابر،

لواقع الانوار تلاش کی گئی لطائف المنن کے حاشیہ پر دستیاب ہوئی، مستقل نہیں ملی، اس لکڑ
حوالہ میں لکھا ہوا صفحہ نمبر کارآمد نہ ہوا، سرسری تلاش سے عبارت مذکورہ دستیاب نہ ہوئی، اگر اعتماداً
اس عبارت کا وجود واقع الانوار میں تسلیم کر لیا جائے تو مؤلف کی طرف سے طحاوی کے جزئیہ کی طرح
اس میں بھی عبارت کے فہم میں یا نقل میں تسامح کا احتمال ہے، علاوہ ازیں امام شعرانی شافعی ہیں
اس لئے ان کا قول احناف کے لئے حجت نہیں، ممکن ہو کہ عند الشوافع ضم الیدین افضل ہو، جیسا کہ
شرح المقنع سے عند الحنابلہ بھی ضم الیدین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، احناف کی مندرجہ ذیل کتب
میں استحباب فرجہ کی تصریح موجود ہے،

① در مختار فصل فی بیان تألیف الصلوٰۃ،

② قنیہ کا جزئیہ شامیہ فصل تألیف الصلوٰۃ اور عالمگیریہ کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے،

③ شامیہ میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر اعتماد فرمایا ہے،

④ عالمگیریہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے،

⑤ النہر الفائق کی عبارت اوپر طحاوی کے حوالہ سے گزر چکی ہے،

⑥ علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہر کے جزئیہ کے خلاف شرح مشکوٰۃ کی روایت اور شرح الحصین کی

عبارت ذکر فرمانے کے باوجود نہر کے جزئیہ کو ترجیح دی ہے،

④ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ حصن حصین کے حاشیہ میں حصن حصین کی شرح الحرز الثمین لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیقات اس قدر کثرت سے لائے ہیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ الحرز الثمین کو بالاستیعاب نقل فرمایا ہے، معہذا اس موقع پر الحرز الثمین کی عبارت کی بجائے قنیہ کا جسزنیہ ذکر فرمایا ہے، جس میں مندرجہ کا استحباب مذکور ہے،

یہاں کتب فقہ کا استقراء نہیں کیا گیا، ممکن ہو اور بھی کئی کتب میں یہ حکم موجود ہو، طحاوی نے شرح مشکوٰۃ سے جو روایت نقل کی ہے یہ بعینہ مشکوٰۃ کی شرح مرقاة لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں شرح مشکوٰۃ سے مرقاة اور شرح المحسن المحصین سے الحرز الثمین مراد ہے، الحرز الثمین دستیاب نہ ہو سکی، اگر واقعہً اس میں ضم الیدین مذکور ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ احتاف رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں ضم الیدین کا ذکر ہے، علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی تائید "القرب التام" کر کے اختلاف عبارت کو رفع فرمادیا ہے، بالفرض شرح المحسن کی عبارت کو اس کے ظاہر ہی پر رکھا جائے تو اس سے احتاف میں سے صرف ایک فرد کا تفرد ثابت ہوگا، بہر حال شرح المحسن کی عبارت یا مؤول عن الظاہر ہے یا اس میں تفرد ہے، اسی لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے حصن حصین کے حاشیہ میں اس کی بجائے قنیہ کا جسزنیہ ذکر فرمایا،

رجوع الی الحدیث:

رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں، معہذا برائے تسکین خاطر خام بقدر ضرورت تحریر ہے؛

① شرح مشکوٰۃ کی روایت،

اس کا جواب علامہ طحاوی رحمہ اللہ سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محض تائید ہی نہیں بلکہ متبادر مطلب یہی ہے، اس لئے کہ سوال کے لئے ایک ہاتھ پھیلانے اور ایک ہاتھ سے اخذ عطا معمول ہے، اس کے پیش نظر دعاء میں بھی اس کا مظنہ تھا، اس کو رفع کرنے کی غرض سے "جمع بین کفینہ" کے الفاظ لائے گئے، چنانچہ انہی الفاظ کی بنا پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کراہتہ افراد کا فتویٰ دیا ہے، کما قد مناعن العلامة الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن النہر،

مرقاۃ کے الفاظ "کاستطعم المسکین" کی شرح عنقریب آرہی ہے،

② روایۃ البزار والطبرانی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ،

آپ نے اس روایت میں "ففتح احدی یدیہ" سے استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ الفاظ شرح مشکوٰۃ

کی روایت میں تاویل مذکور کی تائید کر رہے ہیں، الفاظ مذکورہ کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی مہار تھامنے کے لئے ایک ہاتھ بڑھایا اور دوسرا ہاتھ دعا کے لئے بدستور اٹھارہا، اس سے ثابت ہوا کہ دعا میں اصل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، اکتفا علی الواحد بحالت عذر ہے، لہذا ”جمع بین کفینہ“ میں جمع فی الرفع مراد ہونا ظاہر ہے،

(۳) فی روایۃ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان حقاً علی اللہ ان یضع فی یدہم ماساً ثوفاً، ودیگر احادیث متعلقہ مسح الیدین علی الوجہ بعد الدعاء ونزول برکات السماویۃ والانیار الالہیۃ،

ان احادیث میں ضم الیدین کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، وضع فی الید کنایہ ہے اعطاء سے، اسی طرح رفع الیدین کا استطعام الطعام اور مسح علی الوجہ سے صرت تمثیل مفسر رہے، امور ذیل پر غور کرنے سے اس حقیقت کے سمجھنے میں مزید سہولت ہوگی،

① دعاء بلا رفع الیدین کی صورت میں بھی یقیناً برکات و انوار عطا ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ صرف ہاتھوں ہی میں دیتے ہیں تو اس حالت میں ظرت ہی موجود نہیں،

② ہاتھوں کا ظرت اُن کی عطا کی نسبت بہت چھوٹا ہے، بالخصوص جس کے ہاتھ بھی چھوٹے ہوں وہ تو بہت ہی خسارہ میں رہے گا،

③ بوقت دعاء ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رہنا چاہئے، اس حالت میں ہتھیلیاں تقریباً سیدھی رہیں گی، اس لئے ظرت میں امساک طعام کی صلاحیت بہت کم ہو جائے گی، بالخصوص جبکہ منظوف سیال ہو، کما زعم الشعرائی رحمہ اللہ تعالیٰ، گویا ظرت کا صرف تلا موجود ہے، دیواریں نہیں،

④ دعاء شروع کرنے کے بعد ہاتھوں کا ظرت تو فوراً ہی پُر ہو جائے گا، اس لئے فوراً ہی منہ پر من لینا چاہئے، ورنہ ہاتھ بھر جانے کے بعد منظوف گرنے لگے گا، بلکہ منظوف سیال ہے تو تھوڑی دیر کے بعد وہ ویسے ہی ہاتھوں سے بہہ جائے گا،

اپنا ایک قصہ یاد آگیا، ایک بار مجھے نماز جنازہ پڑھانے کو کہا گیا، میں نے دیکھا کہ میت کی چارپائی پر سے چادر زمین تک لٹکا کر چارپائی کے نیچے کا خلا بند کر دیا گیا ہے، میں نے وجہ دریافت کی تو اس کی حکمت یہ بتائی گئی کہ دعاء چارپائی کے نیچے سے نہ نکل جائے،

ان امور پر توجہ کرنے سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ رب کریم کی عطا صرف ہاتھوں کے ساتھ

خیں نہیں اور نہ ہی ان کے یہ سقاء اللیل والنتہار اور ید اہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء کی شان کے یہ لائق ہے کہ وہ صرف سائل کے ہاتھوں کے ظرف کے برابر ہی عطا کریں، لہذا رفع الیدین سے مقصد صرف تشبہ بالسائل ہے نہ کہ عطاء کی حفاظت،

بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہے تو عطاء کثیر کے لینے اور اٹھانے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کے درمیان لازماً منہ رکھنا پڑتا ہے، اس لئے کہ عطاء کثیر اگر سیال یا جامد فیتہ ہو تو وہ کسی بڑے برتن میں ڈال کر دی جائے گی، اور اگر جامد غیر فیتہ ہو مثلاً بکرا مسلم وغیرہ تو اس کا حجم کافی بڑا ہوگا، دونوں صورتوں میں ہاتھوں کو کشادہ رکھنا پڑے گا، ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ ہونے پر جو اشکال تھا اس صورت میں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ بڑے حجم کی چیز کو اٹھاتے وقت ہاتھوں کو چلو نہیں بنایا جاتا، بلکہ ہاتھ تختی کی طرح سیدھے رہتے ہیں، یہ سب کچھ آپ کے زعم کے مطابق لکھ دیا ہے درنہ حقیقت وہی ہے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہی نہیں،

فرجہ بین الیدین سے متعلق ممکن ہے کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی صریح حدیث ہو ورنہ کم از کم کسی حدیث سے استنباط تو ضرور کیا ہوگا، ان حضرات کے فیصلے ہوائی تیر نہیں ہوتے،

حاصل یہ کہ بوقت دعا، فرجہ بین الیدین مستحب ہے اور ضم الیدین کی بھی اجازت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غزوة ربيع الآخر ۱۴۰۸ھ

دعا میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے؛

سوال :- دعا مانگتے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف رکھی جائیں یا اوپر آسمان کی طرف، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے، قال العلّاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی بسط

ید یہ حذاء صدرہ نحو السماء لانہما قبلۃ الدعاء ویكون بینہما فرجة (المختار ص ۴۴۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

دعا میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؛

سوال :- دعا مانگتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟ بعض کندھوں تک بتاتے ہیں

اور بعض سینے تک، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح درست ہے، قال شارح التثویر رحمہ اللہ تعالیٰ فیبسطین یہ حدیث صدقہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کذا روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنیتۃ عن تفسیر السمارۃ المختار ص ۴۲، وفي المراقی رافعی ایذہم حدیث الدعاء الصدق و بطونہا مما یلی الوجه، قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ الذی فی الحصن الحصین شرحہ ان یرفعہما حدیث متنبیہ باسقاط کفہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء ام قال بعض الافاضل ولانفاۃ بینہما لان المراد ان لا یجعل بطونہما جہۃ الارض التفاوت فی متدرج الرفع قلیل، کما یشیر الیہ ما فی ابی داؤد عز ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لمسئله ان ترفع یدیک حدیث متنبیہ اودونہما رطلًا و علی الاقوال فقط واللہ تعالیٰ اعلم
الربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

دعائے انگلیاں قبلہ رخ رکھنا مستحب ہے :

سوال :- کیا دعائے انگلیاں قبلہ رخ رکھنا سنت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مستحب ہے، کما نقل الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح الحصن الحصین،
الطحطاوی علی المراقی ص ۴۲ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
الربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

دعائے مسنون طریقہ :

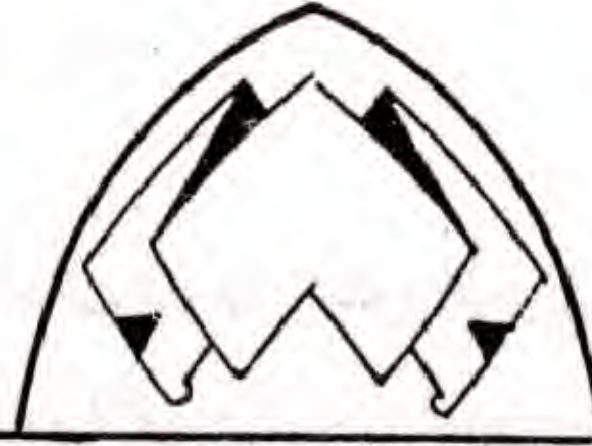
سوال :- سنت کے مطابق دعائے مانگنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ جس کے مطابق دعائے کرنے سے قبول ہو، وضاحت سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

باوضو قبلہ رود زانو با دست بٹھکراہستہ خشوع و خضوع سے دعائے کرنے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء مثلاً الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین پھر درود شریف پھر دعائے پہلے اپنے لیے پھر الدین کے لیے پھر سب متوکلین کیلئے پوری امت کو دعائے میں شامل کئے بغیر دعائے ناقص ہوتی ہے، دعائے کا ہر مضمون بار بار دہرایا جائے، کم از کم تین بار تکرار کیا جائے دعائے کے درمیان بار بار درود شریف پڑھا جائے، یا ارحم الراحمین، یا ذا الجلال والاکرام سے پکارا جائے، آخر میں درود شریف کے بعد سبحان رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین پڑھ کر آمین پر دعائے ختم کی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
الربیع الآخر ۱۴۰۱ھ



عليهم السلام وسنة الخلفاء الراشدين المهديين بمسكوتها وعصمتها بالتواضع والافتخار



زُبْرَةُ الْكَلِمَاتِ

في

حُكْمِ الدُّعَاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

فرائض کے بعد دعا

سوال : فرائض کی جماعت کے بعد دعائے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، بعض علماء سرے سے اس دعا ہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد فوراً نوافل کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیئے۔ بعض اس دعا میں رفع یدین کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جو رفع یدین کے قائل ہیں انکا عمل مختلف ہے۔ بعض ستراً دعا کرتے ہیں۔ اور اکثر ائمہ مساجد بلند آواز سے طویل دعائیں کرتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ ان میں سے شرعی نقطہ نگاہ سے صحیح طریقہ سنت کے مطابق کیا ہے؟ بیسوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دعا بعد الفرائض سے متعلق اولاً احادیث اور عبارات فقہ ذکر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

احادیث :

① عن انس رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلوة يقول اللهم الهي والله ابراهيم واسحق ويعقوب والله جبرئيل وميكائيل واسرافيل اسألك ان تستجيب دعوتي فاني مضطر وتعصم في ديني فاني مبتلى وتبالي برحمتك فاني مذنب وتنفي عني الفقر فاني متمسك الا كان حقاً على الله ان لا يرد يديه خابثتين وفي اسناده عبد العزيز بن عبد الرحمن بن مقل (عمل اليوم والليلة لابن السني

② عن الاسود العامري عن ابيه رضي الله تعالى عنه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا الحديث بعاه ابن ابي شيبة رجمو الفتاوى بهامش الخلاصة ص ۱ ج ۱ - امداد الفتاوى ص ۵۹ ج ۱ - نقاش مرغوبة ص ۳ اس حوالہ کی تحقیق ضمیمہ میں ہے۔

③ وقال المحافظ السيوطي في فض الوعاء في احاديث رفع اليدين في الدعاء اخبر ابن ابي شيبة قال حدثنا محمد بن يحيى الاسلمي قال رأيت عبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنهما ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل ان يفرغ من صلوة فلما فرغ منها قال له ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته رجاله ثقات اه (فض الوعاء للسيوطي)

④ عن الفضل بن عباس رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

الصلوة مثني مثني تشهد في كل ركعتين وتخشم وتضرع وتمسك يديك يقول
ترفعهما الى ربك مستقبلاً ببطونها وجهك وتقول يا رب يا رب من لم يفعل ذلك فمى كذا
وكذا، رواه الترمذي والنسائي وابن خزيمة في صحيحه ورجاله ثقات (اعلاء السنن ص ٣٦٣ ج ٣)

⑤ اخرج عبد الرزاق عن النبي صلى الله عليه وسلم اى الدعاء اسمع اى اقرب الى
الاجابة قال شطر الليل الاخير وادبار المكتوبة وصححه عبد المحق وابن القطان (مصنف عبد الرزاق)
⑥ ذكر الامام المحدث ابو الربيع في كتاب مصباح الظلام عن النبي عليه الصلوة والسلام
انه قال من، كانت له الى الله حاجة فليسا لها دبر صلوة مكتوبة ام (مصباح الظلام)

⑦ عن ابى امامة رضى الله تعالى عنه قال قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال
جوف الليل الاخر ودبر الصلوات المكتوبات، اخرجه الترمذي وقال حسن (فتح الباري ج ١١)
⑧ اخرج الطبراني من رواية جعفر بن محمد الصادق قال لا بعد المكتوبة افضل من

الدعاء بعد النافلة كفضل المكتوبة على النافلة (المواهب للقسطاني نقلاً عن الحافظ ابن حجر)
⑨ عن ابى امامة رضى الله تعالى عنه قال ما دنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم
في دبر صلاة مكتوبة ولا تطوع الا سمعته يقول اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي كلها
اللهم العشى واجبرني واهدني لصالح الاعمال والاخلاق انت انا لا يهدي لصالح الاعمال
ولا يصرف سيئها الا انت وروى النسائي وغيره اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي
عصمة واصلح لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اعوذ برضاك من سخطك واعوذ
بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا
ينفع ذا الجح منك الجح وروى ابو داود اذا انصرف من المغرب فقل اللهم اجرني
من النار سبع مرات اذا قلت ذلك ثم مت من ليلتك كتب لك جوار منها واذا
صليت الصبح فقل كذا ان مت من يومك كتب لك جوار منها (ابن السني)

⑩ عن عطاء بن مروان عن ابيه ان كعباً رضى الله تعالى عنه حلف له بالله
الذي فلق البحر لموسى انا لنجد في التوراة ان داود نبى الله صلى الله عليه وسلم
كان اذا انصرف من صلوة قال اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته لي عصمة واصلح
لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اللهم افنى اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك
بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا

يتفع ذا الجد منك الجد قال وحد شئ كعب ان صهيبا حدثه ان محمدا صلى الله عليه وسلم كان يقولهن عند الصرافة من صلاته (نسائي)

(١١) عن معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ بيدي يومئذ قال يا معاذ والله اني لاحبك فقال معاذ يا بني انت واهي يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وانا والله احبك فقال اوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلوة ان تقول اللهم اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك قال واوصى بذلك معاذ الصنائجي واوصى الصنائجي ابا عبيد الرحمن الحبلي واوصى ابو عبد الرحمن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وقال الذهبي في التلخيص على شرطهما (مستدرک ج ١) واخرجه ابوداؤد والنسائي وصححه ابن حبان -

(١٢) عن المغيرة بن شعبه رضى الله تعالى عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من الصلوة وسلم قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد ولفظ البخاري في كتاب الاعتصام انه صلى الله عليه وسلم كان يقول هذه الكلمات دبر كل صلوة وفي كتاب الصلوة في دبر كل صلوة مكتوبة ،

(رواه البخاري ومسلم وابوداؤد والنسائي)

(١٣) عن انس رضى الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى وفرغ مسح بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذي لا اله الا هو الرحمن الرحيم اللهم اذهب عني الهم والحزن (رواه الطبراني والبخاري)

(١٤) عن انس رضى الله تعالى عنه قال ما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنا الا قال حين اقبل علينا بوجههم اللهم اني اعوذ بك من كل عمل يخزيني واعوذ بك من كل صاحب يؤذيني واعوذ بك من كل عمل يلحقني واعوذ بك من كل فقر يشينني واعوذ بك من كل غنى يطغيني (رواه البزار وابوي)

(١٥) عن علي رضى الله تعالى عنه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا سلم من الصلوة قال اللهم اغفر لي ما قدمت وما اخرت وما اسهرت وما اعدت وما اسرفت وما انت اعلم به مني انت المقدم والمؤخر لا اله الا انت (رواه ابوداؤد)

(١٦) عن ثوبان رضي الله تعالى عنهما النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن ينصرف من صلوة استغفر ثلاث مرات ثم قال اللهم أنت السلام الخ (رواه ابوداؤد)

(١٧) عن زيد بن ارقم رضي الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلوة اللهم ربنا ورب كل شيء انا شهيد انك الرب لا شريك لك اللهم ربنا ورب كل شيء انا شهيد انك العباد كلهم اخوة اللهم ربنا ورب كل شيء اجعلني مخلصاً لك واهلي في كل ساعة من الدنيا والآخرة يا ذا الجلال والإكرام اسمع واستجب الله الأكبر الله الأكبر الله نور السموات والأرض الله الأكبر حسبى الله ونعم الوكيل الله الأكبر (رواه ابوداؤد والنسائي وأحمد)

(١٨) عن عقبة بن عامر رضي الله تعالى عنه قال امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اقرأ بالمعوذات دبر كل صلوة (رواه ابوداؤد)

(١٩) في مسند الإمام أحمد وسنن ابن ماجه وكتاب ابن السني عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى الصبح قال اللهم اني اسألك علماً نافعاً و عملاً متقبلاً ورزقاً طيباً (كتاب الاذكار للنووي)

(٢٠) وبعد صلواتي الصبح والمغرب ايضاً قبل ان يتكلم اللهم اجرني من النار سبع مرات رواه ابوداؤد والنسائي وابن حبان (الحصن الحصين للجزري)

(٢١) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما فاذا فرغت فانصب يقول فاذا فرغت مما فرض عليك من الصلوة فاسأل الله وارغب اليه والنصب له (تفسير ابن جرير طبري)

(٢٢) عن انس رضي الله تعالى عنه قال دخل النبي صلى الله عليه وسلم على ام سليم (التي قوله) ثم قام الى ناحية من البيت فصلى غير المكتوبة فدعا ام سليم واهلها الحديث (رواه البخاري)

(٢٣) عن عبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنهما النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر الصلوات لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لا حول ولا قوة الا بالله لا اله الا الله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن الجميل لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون (رواه مسلم)

(٢٤) عن عبد الرحمن بن غنم رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من

قال قبل ان ينصرف ويثنى رجليه من صلوة المغرب والصبح لا اله الا الله وحده لا شريك له الخ
عشر مرات الخ (رواه احمد)

(۲۵) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى الصبح وهو ثاب رجليه يقول سبحان الله
ومجده واستغفر الله انه كان توابا سبعين مرة ثم يقول سبعين بسبعمائة الحديث -

(رواه الطبرانی في الكبير)

اوپر کی تین حدیثوں میں حمد و ثنا کا بیان ہے جو افضل ترین دعا ہے -

قال صلى الله عليه وسلم خير الدعاء دعاء يوم عرفة وخير ما قلت انا والنبيون من قبلي لا اله
الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير رواه مالك والترمذي و
احمد وغيرهم شرح النقاية للقاري وقيل لابن عيينة هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلى الله عليه
وسلم دعاء فقال الشاء على الكريم دعاء لانه يعرف حاجته فتم قلت يشير بهذا الى خير من
شغله ذكرى عن مسألتي اعطينة افضل ما اعطى السائلين ومنه قول امية بن ابی الصلت
في مدح بعض الملوك -

اذا ذكر حاجتي ام قد كفاني ثناؤك ان شيمتك الحياء
اذا اثنى عليك المرء يوما كفاه من تعرضك الشناء

(رد المحتار ص ۱۹ ج ۲)

(۲۶) ان الله تعالى كره لكم ثلاثا اللغو عند القرآن ورفع الصوت في الدعاء والتخصر
في الصلوة (عنه) عن يحيى بن كثير مرسل (الجامع الصغير ص ۱۷)

عبارات فقه

حنفيه :

(۱) اذا دعابالدعاء المأثور جمها وجمهم معه القوم ايضا ليتعلموا الدعاء لا بأس به واذا

تعلموا حينئذ يكون الجهر بدعة (هندية ص ۵۳ - بزازية بهامش الهندية ص ۴ ج ۲)

(۲) واعظيدعو كل اسبوع بدعاء مسنون جهرا لتعليم القوم وبخافته القوم اذا تعلم

القوم خافت هو ايضا وان جهر فهو بدعة (بزازية على هامش العالمكيرية ص ۲۲ ج ۲)

(۳) ويستحب للامام (الى) وان يستقبل بعده الناس (الى) ثم يدعون لانفسهم

وللمسلمين رافعي ايديهم ثم يمسحون بها وجوههم في آخره (نور الايضاح)

(۴) قال العلامة الشاہ محمد انور قدس سرہ نعم اصل سنتہ الدعاء يحصل بغير رفع اليدين ولذا قل النقل في الرفع بعد الصلوة وانما الرفع كما في السنة تحصل سنته به وبغيره فلا سبيل الى تبيد من رفع ولا الى تجهيل من ترك واما الامور المحدثه من عقد صورة الجماعة للدعاء بجماعة الصلوة والانكار على تاركها ونصب امام ثم اتمام به فيه وغير ذلك من قلة العلم وكثرة الجهل والجاهل اما مفرد او مفرد والله الموفق للصواب
(النفائس المرغوبة للمفتي كفاية الله رحمه الله ۳)

مالكيه

(۵) كره مالك رضي الله عنه وجماعة من العلماء لائمه المساجد والجماعات الدعاء بعد الصلوات المكتوبة جهرا للحاضرين الخ (امداد الفتاوى ص ۵۶۶ ج ۱)
(۶) وقد اكثر الناس في هذه المسألة اعفى دعاء الامام عقب الصلوة وتأمين الحاضرين على دعائه وحاصل ما انفصل عنه الامام ابن عرفة والغبريني ان ذلك ان كان على نية انه من سنن الصلوة وفضائلها فهو غير جائز وان كان مع السلامة من ذلك فهو باق على حكم اصل الدعاء والدعاء عبادة شرعية فضلها من الشريعة معلوم عظمه (امداد الفتاوى ص ۵۶۶ ج ۱) شافعيه :

(۷) في فتح المعين مع المتن ويسن ذكر ودعاء ستر عقبها اي الصلوة اي يسر الاسرار بها المنفرد ومأموم وامام ليريد تعليم الحاضرين ولا تأمينهم لدعائه بسماعه

(امداد الفتاوى ص ۵۶۸ ج ۱)

(۸) في شرح العباب لابن حجر وفتاواه الكبرى ويسن للمصلي اذا كان منفردا او مأموماً كما في المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوة اكثار ذكر الله تعالى والدعاء ستر للاخيار الصحيحة لكن قال الاسنوي الحق ان يسن للامام ان يختصر في الذكر والدعاء بحضرة المأمومين فاذا انصرفوا طول (امداد الفتاوى ص ۵۶۸ ج ۱) حنابلة :

(۹) قال الشيخ المنصور بن ادريس الحنبلي في شرح الاقناع مع المتن يسن ذكر الله والدعاء والاستغفار عقب الصلوة المكتوبة (الى ان قال) ويدعو الامام بعد فحرو

عہ سیاق عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں "او اماما" کا لفظ ارہ گیا ہے۔ ۱۲ رشید احمد

عصر بحضور الملئکۃ فیہما فیثومنون علی الدعاء فیکون اقرب للاجابة وکذا یدعو بعد غیرہما من الصلوات لان من اوقات الاجابة اذ بارالمکتوبات (الی قولہ) ویکبرہ للامام استقبال القبلة بل یتقبلہ المؤمنین لما تقدم انہ ینحرف الیہم اذا سلم ویلم الدعاء فی الدعاء ویکبرہ ثلاثاً لانہ نوع من الاحاح والدعاء سراً افضل منہ جہراً لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً لانہ اقرب الی الاخلاص قال یکبرہ رفع الصوت بہ فی الصلوۃ وغیرہا الاحاج فان رفع الصوت لہ افضل لحديث افضل الحج العجم والنجم۔

(امداد الفتاویٰ صفحہ ۵۷ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات و عبارات سے امور ذیل ثابت ہوئے :

① فرائض کے بعد ادعیہ و اذکار و روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ سے ثابت ہیں۔ حضرات فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظہر، غروب اور عشر میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہو جائے، تاخیر مکروہ ہے، ان کے ہاں روایات مذکورہ کی دو توجہیں ہیں :

① یہ روایات فجر و عصر سے متعلق ہیں۔

② فرائض کے بعد کی سنن و نوافل کا حکم فرائض کے جبر نقصان کے لئے ہے، اسلئے یہ ملحق بالفرائض ہیں، لہذا دیر المکتوبات سے مع الملتحقات مراد ہے، یعنی سنن و نوافل کے بعد۔ بہر کیف فرائض کے بعد ذکر و دعائے متعلق اس قدر روایات ہیں کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

③ دعا بعد الفرائض میں رفع یدین بھی ثابت ہے، اگرچہ اس سے متعلق بعض روایات میں ضعف ہے مگر اولاً فضائل میں عمل بالضعیف بھی جائز ہے۔ ثانیاً اسے دوسری روایت سے اعتضاد حاصل ہے۔ ثالثاً مطلق دعا میں رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کلیہ میں دعا بعد الفرائض بھی داخل ہے۔ (اس سے رجوع کی تفصیل ضمیمہ میں ہے)

④ دعا بعد الفرائض میں رفع یدین کے فاعل اور تارک میں سے کسی پر بھی اعتراض اور ملامت جائز نہیں۔ (العبارة الرابعة)

⑤ ظہر، مغرب اور عشر میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہو جائے، التہنئات السلام سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

⑥ دعا میں اخفاء بالاتفاق زیادہ افضل ہے اور اس صورت میں امید قبول زیادہ ہے۔

(۶) مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی موجودگی میں (انفراداً) مختصر دعا کرے جب مقتدی چلے جائیں تو طویل دعا کر سکتا ہے (العبارة الثامنة)
لیکن آجکل معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مقتدیوں کے سامنے تو بہت لمبی چوڑی دعائیں ہوتی ہیں مگر چوں بخلوت سے روند؟

(۷) دعا میں امام اور مقتدیوں کا آپس میں تعلق رکھنا خواہ دعا آہستہ ہی کریں اس کا کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔

(۸) امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے کی رسم خواہ سراً ہو یا جہراً بدعت ہے جو قلت علم و کثرت جہل سے پیدا ہوئی ہے اور جہال کی افراط ہے۔ (العبارة الرابعة والخامسة)

(۹) اگر امام اس نیت سے جہراً دعا کرتا ہے کہ لوگ دعا کے کلمات سُن کر یاد کریں تو اس میں کچھ حرج نہیں، جب لوگ دعا یاد کر لیں تو جہر بدعت ہے۔ (العبارة الاولى والثانية)

(۱۰) بعض مالکیہ نے فرض کے بعد امام کے ساتھ اجتماعی دعا کو اس شرط سے جائز کہا ہے کہ اس کو نماز کی سنن و فضائل میں سے نہ سمجھا جائے، اگر نماز کی سنن و فضائل میں شمار کیا جاتا ہو تو بالاتفاق جائز نہیں (العبارة السادسة)

یہ روایت خود صاحب مذہب امام مالک اور آپ کے اصحاب جہم اللہ تعالیٰ کی اس نص کے خلاف ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو کر فوراً اپنی جگہ سے ہٹ جائے (المذنبۃ ص ۱۲۴، الاعتصام للشافعی ص ۳۵۴، ۳۵۳)

(۱۱) شافعیہ کے ہاں امام کا جہراً دعا کرنا خلاف سنت ہے، البتہ مقتدیوں کی تعلیم یا تائید مقصود ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ اس کو مسنون سمجھنے کا خطرہ نہ ہو (العبارة السادسة والسابعة)
عبارت ثانیہ و تاسعہ سے دعائیں امام اور مقتدیوں کا آپس میں رابطہ رکھنا ثابت نہیں ہوتا۔

دعا، مروّج کا بحر یہ :

(۱) عوام اسے سنن صلوٰۃ میں سے سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) اس کا اس قدر التزام ہونے لگا ہے کہ تارک کو ہدف ملامت بنایا جاتا ہے۔ اگر کوئی امام اس طریقہ پر دعا نہ کرائے تو اسے امامت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

(۳) افتخار کی افضلیت پر اجماع کے باوجود جہر ہی پر اصرار کیا جاتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر نمازوں کے بعد عام مساجد میں دعا، کا مروّجہ طریقہ ختم کرنا چاہئے۔ اور علماء کو اس طرف زیادہ توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ شافعیہ بعض مالکیہ نے جو بعض شرائط سے اجازت دی ہے

نظاہر ہے کہ وہ بھی مقید بالسلامۃ من القباۃ المذکورۃ ہے، التزام کی وجہ سے تو امر مندوب و مستحب بھی واجب ترک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جس کا کوئی ثبوت ہی نہ ہو اور پھر اسے نماز کے متعلقات میں شمار کیا جانے لگے۔ اس لئے ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ جہر کی رسم کو تو بالکل ختم کر دیں اور اجتماعاً سرری دُعا سے متعلق بھی مقتدیوں کو یہ تبلیغ کرتے رہیں کہ یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں اس لئے اسکا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ ائمہ حضرات کبھی کبھار عملاً بھی اجتماعی دعائیں ناغہ کر دیا کریں تاکہ عوام کے ذہن سے اس طریقہ کی سنیت کا خیال نکل جائے، مگر عملی اقدام سے قبل بطریق احسن ملاحظت اور نرمی سے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سمجھائیں اور خوب ذہن نشین کرائیں تاکہ انتشار و فتنہ کی صورت پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۶۶ھ

الحاق:

روایات ذیل سے اجتماعی دُعا کے ثبوت کا اشتباہ ہو سکتا ہے؛

- ① من ادب الدعاء تأمین الداعی والمستمع، ص ۱۴، س (حصن حصین ص ۵)
 - ② قولہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکمما کے تحت کتب تفسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔
 - ③ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غزوہ احد میں اس طرح دُعا مانگی کہ پہلے ایک نے دُعا کی اس پر دوسرے نے آمین کہی، پھر دوسرے نے دُعا کی اس پر پہلے نے آمین کہی
 - ④ لا یجتمع ملائفید عو بعضہم ویؤمن بعض الا اجابہم اللہ (تلخیص الذہبی مع المستدرک ص ۳۲)
- ان روایات کا نماز کے بعد والی دُعا سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب اس صورت سے متعلق ہیں کہ کوئی شخص دُعا کر رہا ہو اتفاقاً کسی دوسرے نے سُن لی تو وہ اس پر آمین کہے، نماز کے بعد تو ہر شخص کے لئے موقع دُعا ہے، پھر ہر شخص کا مقصد الگ ہوتا ہے، ہر شخص اپنے مقصد کے لئے دعائیں مشغول ہوگا تو دوسرے کی دُعا پر آمین کیسے کہے گا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ پانچ بار علانیہ باجماعت نماز ادا فرماتے تھے، اگر آپ نے نماز کے بعد کبھی اجتماعی دُعا فرمائی ہوتی تو اس کو کوئی متنفس تو نقل کرتا، مگر ذخیرہ حدیث میں اس کا کہیں نشان نہیں ملتا، اگر اس کا استحباب تسلیم بھی کر لیا جائے تو التزام بہر صورت بدعت ہے، وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

(ضمیمہ تہم میں)

باب القراۃ والتجوید

قراۃ میں صحت ادا کی کوشش نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک شخص نماز میں قرآن مجید غلط پڑھتا ہو، اعراب میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، سمجھانے کے باوجود اصلاح نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ اس قسم کا معمولی غلطیاں مفسدِ صلوٰۃ نہیں، اس شخص کی اقتدار میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
بینوا تو حبروا،

الجواب منه الصد والصواب

اعراب کی غلطی اگرچہ عند المتأخرین مفسدِ صلوٰۃ نہیں، مگر بے احتیاطی اور بے پرواہی قرآن مجید غلط پڑھنا سخت گناہ ہے، قال اللہ تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا وَقَالَ الْعَلَّامَةُ الْجُزِّي وَالْأَخَذُ بِالتَّجْوِيدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ، مَنْ لَمْ يَجِدِ الْقُرْآنَ أَتَمًّا، جَوْشَخْصِ تَرَآنِ كِي حَرَكَاتٍ أَوْ حُرُوفٍ كَيْ مَسْتِيَّازٍ كَوْضُرُورِي نَهِيں سَمَجَّهَاتِ اس كَيْ خِيَالِ مِي تَرَآنِ كَا اَعْرَابِ أَوْ مَتَشَابِهَةِ الصَّوْتِ الْفَاظِ كَا تَعَدُّ فَضُولِ أَوْ بَاطِلِ هِيَ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ

الشع اگر صحت ادا کی کوشش نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، قال فی شرح التتویر وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهده اذا احتمل كالا م لا يؤم الامثلة ولا تصح صلوته اذا امكنه الاقتداء بمن يحسنه او ترك جهده الخ وفي الشامية (قوله دانما) اي في اناء الليل واطراف النهار فسادا م في التصحيح والتعلم ولم يعتد عليه فصلوته جائزة وان ترك جهده فصلوته فاسدة كما في المحيط وغيره الخ، (رد المحتار ص ۵۲۲ ج ۱)

جب ترکِ جہد کی صورت میں الشع کی نماز فاسد ہے حالانکہ یہ معذور بھی ہے، تو غیر معذور اگر صحت ادا کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ بے پرواہی کرتا ہے تو اس کی نماز بطریقِ اولیٰ صحیح نہ ہوگی، غرضیکہ

اگر کبھی اتفاقاً کوئی غلطی اعراب میں ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر بے احتیاطی وجہ سے پر واپسی کی وجہ سے قرآن مجید غلط پڑھتا ہے صحتِ ادا کی کوشش ہی نہیں کرتا تو نماز صحیح نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
، رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

قرارت فرض کی مقدار:

سوال: قرارت فرض کا ادنیٰ درجہ جس کے سوا نماز صحیح نہیں ہوتی کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

بعض نے اٹھارہ حروف کا قول نقل کیا ہے، مگر حسیا اس میں ہے کہ تیس حروف ہوں، قال العلامة فنون القراءة آية على المذهب هي لغة العلامة وعرضا طائفة من القرآن مترجمة أقلها سبعة أحرف ولو قد يقرأ كلم يلد إلا إذا كانت كلمة فالاسم عدم السبعة وان كثرها مراراً إلى قوله قرأ آية طويلة في الركعتين فالاصح الصحة اتفاقاً لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قال في الشامية (قوله فالاصح عدم الصحة) كذا في المنية وهو شامل لمثل مد هاتين ومثل من وقت دن، لكن ذكر في الحلية والبحرات الذي مشى عليه السبجاني في الجامع الصغير وشرح الطحاوي وصاحب البديع الجوازي مد هاتين عنده من غير حكاية خلاف (قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذا كان يزيد على ثلاث آيات قصار يصح على قولهما فعلى قول أبي حنيفة المكتفى بالآية أولى ح قال في البحر وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل إن يكون البعض يبلغ ما عِد بقراءته قارئاً عرفاً، وإيضافها لكن التعليل الأخير ربما يفيد اعتبار العد في الكلمات أو الحروف (إلى قوله) كقوله تعالى ثُمَّ نَظَرْتُمْ عَبَسَ وَبَصَرْتُمْ أَدْبَرُوا اسْتَكْبَرُوا قدرها من حيث الكلمات عشر ومن حيث الحروف ثلاثون راجع المختار ج ۵ ص ۵۲، وفي واجبات الصلوة من الشرح وضم أقصر سورة كالنثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار نَحَرْتُمْ نَظَرْتُمْ عَبَسَ وَبَصَرْتُمْ أَدْبَرُوا اسْتَكْبَرُوا كذا لو كانت

بعض دہل کلمات ضروری نہیں صرف تیس حروف کافی ہیں، کما فی الشامیۃ فی بیان کراہۃ الطالۃ الركعة

الثانیۃ علی الاولیٰ فالاعتبار عدد الحروف لا الكلمات ۱۲ منه

الآية أو الايتين تعدل ثلاثاً قصاراً، وفي الشامية أي مثل ثم نظراً وهي ثلاثون حرفاً لو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات لكن سيأتي في فصل يجهر الإمام أن فرض القراءة آية وإن الآية عرفاً طائفة من القرأت مترجمة أقلها ستة أحرف ولو تقديراً كَلِمٌ يَلِدُ إلا إذا كانت كلمة فالاصح عدم الصحة ومقتضاه أنه لو قرأ آية طويلة قدر ثمانية عشر حرفاً يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات متوالية على نظر القرآني مثل ثم نظراً ولا يوجد ثلاث متوالية أقصر منها الخ (رد المحتار ص ۲۲) وقال الراجح المتبادر من قوله ثلاثاً قصاراً الاكتفاء بعد الثلاث من الآية أو الايتين أن لم تكن الثلاث على ترتيب النظم القرآني واشتراط ذلك لا تدل عليه عبارة الحلبي إذ قوله تعدل ثلاث آيات قصار شاملاً لما إذا كانت على الوجه المشرع بأن تكون متوالية أولاً وثباته لا بد له من دليل فمع عدم رجوعه يعمل باطلاق عبارة الحلبي من الاكتفاء بالآية التي بلغت ثمانية عشر حرفاً لاقامة واجب القراءة والتحرير المختار ج ۱ ص ۵، فقط والله تعالى اعلم

۲۵ شعبان ۱۲۸۵ھ

فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ واجب نہیں؛

سوال :- فرض کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب منه الصدق والصواب

نماز ہو جائے گی، فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا مستحب ہی، ضروری نہیں، فقط بقدر تسبیح واحدہ قیام کافی ہے، قال فی شرح التنبیروہو مخیر بین قراءة الفاتحة وصحح العینی وجوبها وتسبیح ثلاثاً وسکوت قدرها وفي النهاية قدر تسبیحة فلا یكون مسیئاً بالسکوت علی المذهب لثبوت التخییر عن علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما وهو الصارف للمواظبة عن الوجوب فی الشامية تحت قوله (وصحح العینی وجوبها) لكن الاصح عدمه (قوله وفي النهاية قدر تسبیحة) وهو الیق بالاصول حلیۃ ای لان رکن القیام یحصل بها لما مر ان الرکنیۃ تتعلق بالادائی (رد المحتار ص ۲۲) فقط والله تعالى اعلم

۱۲ ربيع الاول ۱۲۸۵ھ

ترارة مستونہ:

سوال :- خالد کہتا ہے جو لوگ نماز میں طوال مفصل قصار مفصل اور اوساط مفصل کے بغیر اجزاء السور سے پڑھتے ہیں ان کی نماز خلاف سنت ہوتی ہے، چونکہ اجزاء السور سے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لئے خلاف سنت ہے، زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجزاء السور سے پڑھنا ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف کے باب القراۃ میں آیا ہے اور قاضی خاں نے بھی اجزاء السور سے پڑھنا حضور سے ثابت کیا ہے، جو فعل حضور سے ثابت ہو اس کو خلاف سنت کہنا جہالت ہے یا عناد ہوگا، آجکل علماء وغیر علماء کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طوال، اوساط اور قصار کی پابندی نہیں کرتے، کیا یہ سب حضرات نماز خلاف سنت ادا کر رہے ہیں؟ بینہ التجرؤ

الجواب باسم ملہم الصلوات

قال فی شرح التتویر ولین (فی الحضر) الامام ومنفرد ذکرہ الحلبي والناس عنه غافلون (طوال مفصل) من الحجرات الى اخر البروج (فی التجرد والنهرو) منها الى اخر لم يكن (اوساط) في العصر والعشاء، باقية (قصاره في المغرب) اي في كل ركعة سورة مما ذكر ذكره الحلبي وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى اي من الطوال والاوساط والقصار ومقتضا انه لانظر الى مقدار معين من حيث عدد الآيات مع انه ذكر في النهي ان القراءة من المفصل سنة والمقدار المعين سنة اخرى ثم قال وفي الجامع الصغير يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقد رابعين او خمسين واقتصر في الاصل على الاربعين وفي المجرود ما بين الستين الى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلوة والسلام، ويقرأ في العصر والعشاء خمسة عشر في الركعتين في ظاهر الرواية كذا في شرح الجامع لقاضي خان وجزم به في الخلاصة وفي المحيط وغيره يقرأ عشرين وفي المغرب خمس آيات في كل ركعة ام اقول كون المقروء من سور المفصل على الوجه الذي ذكره المصنف هو المذكور في المتون كالقدوري والكنز والمجمع والوقاية والتقاية وغيرها وحسب المقروء بعدد على ما ذكره في النهي والبحر مما علمته مخالف لما في المتون من بعض الوجوه كما نبه عليه في الحلبة فانه لو قرأ في الفجر او الظهر سورتين من طوال المفصل تزيد ان على مائة آية كالرحمن والواقعة او قرأ في العصر والعشاء سورتين من اوساط المفصل تزيد ان على عشرين او ثلاثين

ایہ کالغاشیۃ والفجر یکون ذلک، موافقا للسنۃ علی ما فی المتن لا علی الروایۃ الثانیۃ ولا تحصل الموافقة بین الروایتین الا اذا كانت السورتان موافقة للعدد المذكور وینزح علی ما مر عن النہر من ان المقدار المعین سنۃ اخرى ان تكون قراءۃ السورتین الزائدتین علی ذلک المقدار خارجۃ عن السنۃ الا ان یقتصر من کل سورۃ منہما علی ذلک المقدار مع انہم صرحوا بان الافضل فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامة فالذی ینبغی المصیر الیہ انہما روایتان متخالفتان اختار اصحاب المتن احداہما ویؤیدہ انہ فی متن الملتقی ذکر اولاً ان السنۃ فی الفجر حصراً اربعون ایۃ اوستون ثم قال واستحسنوا طوال المفصل فیہا و فی الظہر الخ ف ذکر ان الثانی استحسن فیترجم علی الروایۃ الاولی لتأییدہ بالاثار الوارد عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کتب الی ابی موسی الاشعری ان اقرأ فی الفجر والظہر بطوال المفصل و فی العصر والعشاء با وسط المفصل و فی المغرب بقصار المفصل قال فی الکافی وهو کالمروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان المقادیر لا تعرف الا سماعاً ام (رحمہ المختار ج ۱ ص ۵۰۵)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیت شراۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے، اور دوسری میں سور مفصل کو نہر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے، اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سور مفصل کی روایت عام متون کی ہے، اور یہی رائج ہے،

پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر جسزیر سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخر سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے، غرضیکہ مفصل سور پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ و منیہ میں شراۃ مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترک سنت یا استحباب اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام و اصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقققاً حال پر مبنی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله واختار فی البحر عدم التقدید الخ) والظاہر ان المراد عدم التقدید بمقدار معین لكل احد و فی کل وقت کما یفیدہ تمام

العبارة بل تارة يقتصر على ادنى ما ورد كاقصر سورة من طوال المفصل في الفجر واقصر سورة من قصار عند ضيق وقت او نحوه من الاعذار لانه عليه الصلوة والسلام قرأ في الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبى خشية ان يشق على امه وتارة يقرأ اكثر مما ورد اذا لم يسل القوم فليس المراد الغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا اقال في البحر عن البدائع والجملة فيه انه ينبغي للامام ان يقرأ أمقدار ما يخف على القوم ولا يتقل عليهم بعد ان يكون على التمام وكذا في الخلاصة اه (رجح المختار ص ۵۰۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۸/ محرم ۱۲۸۴ھ

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے؟
سوال :- کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ فرض نماز میں رکعتیں اولیتیں میں سورت نہ ملانی گئی ہو تو آخرین میں سترامہ کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر پہلی دو رکعتوں میں یا ایک میں سورت ملنا یا نہ رہا تو آخری رکعتوں میں دونوں میں یا ایک میں ملنا مستحب ہے، قال فی الدرر ولو ترک سورة اولی العشاء مثلاً ولو عنداً قرأها وجوباً وقیل ندباً مع الفاتحة جہراً فی الاخرین وفي الشامية ر قوله ولو عنداً، هذا ظاهر اطلاق المتن وبه صرح فی النہر ولم یعدہ الى احد وکانہ اخذه من الاطلاق والا فصیح الفتاویٰ والشروح يقتضی ان وضع المسألة فی النسيان تأمل افادۃ الخیر الرملی وقال تحت ر قوله وجوباً وقیل ندباً، والحاصل ان اختیار صاحب الفتح والبحر النہر النذب لانه صریح کلام محمد (رجح المختار ص ۵۰۰ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۸/ ربيع الاول ۱۲۸۶ھ

فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے؟

سوال :- سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں پڑھنے کو ترجیح دی ہے، مگر مستخلص میں نہ پڑھنے کو عبارت یہ ہے واما عند رأس کل سورة فلا یأتی بہ فی الصلوة عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یأتی بہما احتیاطاً والصحیح قولہما، بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب :- سنیت میں اختلاف ہے، اور عدم سنیت اناج ہے،

مگر اولویت میں کوئی اختلاف نہیں، لہذا بہشتی زیور کا مسئلہ صحیح ہے، قال فی شرح التتویر لا تسن بین الفاتحة والسورة مطلقاً ولو سريئة ولا تكرر اتفاقاً، وفي الشامية قوله لا تسن مقتضى كلام المتن ان يقال لا يسمى لكثرة عدل عنه لايهامه الكراهة بخلاف نفى السنية ثمان هذا قولهما وصححه في البدائع وقال محمد تسن ان خافت لا ان جهز بحر ونسب ابن الفياض في شرح الغزنوية الاول الى ابى يوسف فقط فقال وهذا قول ابى يوسف وذكر في المصنف ان الفتوى على قول ابى يوسف انه يسمى في اول كل ركعة ويخفيها وذكر في المحيط المختار قول محمد وهو ان يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة وفي كل ركعة وفي رواية الحسن ابن زياد انه يسمى في الركعة الاولى لا غيره وانما اختير قول ابى يوسف لان لفظة الفتوى اكد وابلغ من لفظة المختار ولان قول ابى يوسف وسط وخير الامور اوسطها كذا في شرح عمدة المصلين ام ما في شرح الغزنوية ووقع في النهر هنا خطأ وخلل في النقل ايضاً عن شرح الغزنوية فاجتنبه فانهم قوله ولا تكرر اتفاقاً، ولهذا اصرح في الذخيرة والمجتبى بانه ان سمي بين الفاتحة والسورة المقروعة سراً او جهراً كان حسناً عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى ورجحه المحقق ابن الهمام وقليدنه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آية من كل سورة، بحور، المختار ص ۱۳۵۸، فقط والله تعالى اعلم، ۸ ربيع الاول ۱۲۸۶ھ

قرارت میں آواز کی مقدار:

سوال :- بہشتی زیور میں ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ اتنی چپکے سے پڑھے کہ اپنی آواز خود اپنے کان کو نہ سنائی دے تو نماز نہیں ہوگی، تو کیا اتنی زور سے نماز پڑھنا کہ اپنے کان کو سنائی دے فرض ہے یا واجب، اگر غلطی سے بہت چپکے سے پڑھ لی پھر خیال آیا تو کیا سجدہ؟ سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حروف صحیح نکالے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ خود نہ سنے، قول اول پر عمل کرنے سے اکثر وہم پیدا ہو جاتا ہے، اور اکثر لوگ اسی وہم کی وجہ سے زور زور سے پڑھنے لگتے ہیں جس سے دوسروں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لئے میرے خیال میں دوسرے قول پر عمل کرنا چاہئے، فقط والله تعالى اعلم، ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ

دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا:

سوال :- ایک رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی، دوسری میں بھی سورۃ اخلاص پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

فرائض میں عمدًا ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں، قال فی العلائیۃ لا بأس ان یقرأ سورۃ ولعیید ہا فی الثانیۃ و فی الشامیۃ اذ انہ یکوہ تنزیہا، رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱، و فی العلائیۃ ولا یکرہ فی النقل شیء من ذلک رد المحتار ص ۵۱۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۷ شعبان ۱۴۲۸ھ

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا:

سوال :- فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں دو سورتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر قصداً یا سہواً پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملہم الصواب

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کر کے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، اور دو سورتوں کے درمیان ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر پڑھنا مکروہ ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں، خواہ قصداً ہو یا سہواً، اس سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، تحت قوله ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ، وهذا لو فی رکعتین اما فی رکعة فیکرہ الجمع بین سورتین بینہما سورۃ او سورۃ، (فتح)، و فی التارخانیۃ اذا جمع بین سورتین فی رکعة رأیت فی موضع انہ لا بأس بہ و ذکر شیخ الاسلام لا ینبغی لہ ان یفعل علی ما هو ظاہر الروایۃ اہ و فی شرح المنیۃ الاولیٰ ان لا یفعل فی الفرض، ولو فعل لا یکرہ الا ان یتراک بینہما سورۃ او اکثر رد المحتار ص ۵۱۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۳ شعبان ۱۴۲۸ھ

ایک سورت دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھنا:

سوال :- اگر ایک رکعت میں آدھی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا باقی حصہ پڑھا تو اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

بلاکراہت جائز ہے، البتہ درمیان میں ایک آیت چھوڑنا مکروہ ہے، دویا زیادہ آیات چھوڑنے میں کراہت نہیں، مگر خلافت اولیٰ ہے، قال فی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورة و یعیدھا فی الثانية وان یقرأ فی الاولى من محل وفي الثانية من اخر لو من سورة ان كان بينهما ایتان فاکثر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی النہر و ینبغی ان یقرأ فی الركعتین اخر سورة واحدة لاخر سورتین ام (قوله ولو من سورة الخ) واصل بما قبلہ ای لو قرأ من محلتین بان انتقل من اية الى اخرى من سورة واحدة لا یکرہ اذا کان بينهما ایتان فاکثر لکن الاولى ان لا یفعل بلا ضرر لانه یوہم الاعراض والترجیح بلا مرجح، شرح المنیة وانما فرض المسألة فی الركعتین (سداد المختار ص ۱۰۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ صفر ۱۳۹۹ھ

فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین میں مذاہب ائمہ کی تفصیل:

سوال :- امام شافعی، امام احمد، اور امام مالک یعنی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ امام کے پیچھے فاتحہ کے قائل تھے یا نہیں، اور رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے یا نہیں، اور کوئی امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام عظم، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جہری نمازیں قرآنہ خلف الامام جائز نہیں، البتہ ستری نماز میں امام مالک اور امام احمد کے ہاں مستحب ہی، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ ستری نماز میں سترارۃ فاتحہ خلف الامام واجب ہے، جہری نماز میں وہ بھی منع فرماتے تھے، شوافع کا خیال ہے کہ امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ آخر عمر میں جہر نماز میں بھی وجوب فاتحہ خلف الامام کے قائل ہو گئے تھے، مگر اولاً یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کا آخری قول کیا ہے؟ آپ نے کتاب الام میں منع فرمایا ہے، اس کتاب کو بعض نے کتب قدیمہ میں شمار کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کتاب الام آپ کی کتب جدیدہ میں سے ہے، کما صرح بہ السیوطی فی حسن المحاضرۃ ص ۱۲۲ ج ۱، والحافظ ابن کثیر فی البدایة والنهاية ص ۲۵۲ ج ۱، ثانیاً اگر قول منع کو قدیم بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے رجوع بصورت ایجاب فرمایا ہے یا بصورت استحباب یا جواز؟ تینوں

انوال ہیں، غرضیکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جہری نماز میں وجوب فاتحہ خلف الامام کا کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا، نیز آپ نے امام کے ساتھ قرأت کی اجازت نہیں دی، بلکہ سکنتات امام میں قرأت کے قائل ہیں، (رمضی لابن قدامہ ص ۶۰۹ ج ۱، تحفة الاحوذی ص ۲۵۷ ج ۱، فیض المبارکی ص ۲۷۱ ج ۲، تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲، کتاب القراۃ للیہمقی ص ۷۱، مختصر المزنی ص ۷۱ ج ۱، تنوع العبادات لابن تیمیہ ص ۸۷، فصل الخطاب للشیخ انور شاہ)۔

آمین، امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت کہنا افضل ہے، اور امام شافعی واحد رحمہما اللہ کے ہاں جہر مندوب ہے، (فیض الباری ص ۲۹۱ ج ۲، فتح الملہم ص ۲۹ ج ۲) اسی طرح رفع یدین بھی امام شافعی واحد رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحب ہے اور امام اعظم مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ترک رفع مستحب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ

ضرورت کے زیادہ بلند آواز سے قرأت جائز ہے:

سوال ۱۔ نماز کے اندر جہری سرارت، بآواز بلند قرأت پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهِمَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ط کا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا وجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے، البتہ جہر میں تکلف کرنا یا اتنا جہر کہ نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لئے باعث ایذا ہو، ناجائز ہے، فی الشامیۃ تحت (قوله فان زاد علیه اساء) وفي الزاھدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجة فهو افضل الا اذا اجمعت نفسه او اذی غیرہ، قمستانی (رد المحتار، ص ۱۷۹ ج ۱)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند سرارت فرماتے تو مشرکین سنکر برا بھلا کہتے تھے، اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قرأت کریں، تاکہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنیں اور مشرکین تک آواز نہ پہنچے، اس سے مطلقاً بلند آواز سے قرأت کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ رجب ۱۴۰۲ھ

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي مِمَّنْ فِيْ جَهَنَّمَ

سوال ۲۔ امام صاحب نے نماز میں فَادْخُلِي فِيْ عِبَادِي کی بجائے فَادْخُلِيْ جَهَنَّمَ پڑھ دیا،

کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی نساد نہیں آیا اس لئے نماز ہو گئی، فانتہ يجوز حذف اداة النطق لساناً

ادخلوا الجنة، فقط والله تعالى اعلم،

جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟ :

سوال :- اگر کسی کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے، سبحان اللہ یا الحمد للہ بجائے قراۃ

کے پڑھ لے، اور جلد سے جلد اس پر قرآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا فرض ہے، قرارت فرض کی مقدار

یاد کر لینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے، اور نہ سیکھنے میں سخت گنہگار ہوگا، مفتی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ صحیح ہے قال فی الہمدیۃ وفی

المبسوط الویری والآخرس والامتی الذی لایحسن شیئاً یصیر شارعاً بالذنیۃ ولا یلزم

التحریر باللسان کذا فی التبیین (عالمگیریہ، ص ۶۹ ج ۱) نو مسلم پر اس طرح پڑھی ہوئی

نمازوں کا اعادہ واجب نہیں البتہ اگر کوئی مسلمان ایسی غفلت میں رہا اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو

بطریق مذکور فوراً نماز شروع کرے، مگر بقدر ضرورت قرآن یاد کر لینے کے بعد ان نمازوں کو لوٹائے،

فقط والله تعالى اعلم

۲۲، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

منفرد جہری نمازوں میں قضا کرے تو قرارت میں جہر کا اختیار ہے :

سوال :- اگر کسی شخص کی جہری نماز قضا ہو گئی اب وہ شخص دن میں اُس قضا نماز کو منفرداً

ادا کرنا چاہتا ہے تو قرارت بالجہر کرے گا یا بالستر؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو جس طرح جہری نماز میں وقت کے اندر جہر و اخفاء دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح

جہری نماز کی قضا میں بھی اختیار ہے، قال فی الدر المختار ویخاف من المنفرد حتماً ای وجوباً

ان قضی الجہریۃ فی وقت المخافتۃ کان صلی العشاء بعد طلوع الشمس کذا ذکرہ

المصنف بعد عد الواجبات قلت وهكذا ذكره ابن الملك في شرح المنار من بحث القضاء على الاصح كما في الهداية لكن تعقبه غير واحد ورحموا تخيروه من سبق بركعة من الجمعة فقام يقضيها بخير (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۸) فقط والله تعالى اعلم،

غرة رجب ۹۷ھ

جہری نماز کی قضا دن میں باجماعت کی جائے تو جہر واجب ہے:

سوال :- اگر کسی جماعت کی جہری نماز قضا ہوگئی، اب وہ دن میں اس نماز کو ادا کرنا چاہے تو امام قرائت بالجہر کرے گا یا بالسیر؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئولہ صورت میں امام جہر واجب ہے، قال فی التویر ویجہر الامام فی الفجر واولی العشاءین اداءً وقضاءً وجمعة وعیدین وترادیح ووتر بعد ہار (رد المحتار ص ۲۹۷) فقط والله تعالى اعلم

غرة رجب ۹۷ھ

سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازوں میں مخصوص سورتیں پڑھنا جیسے فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص اور وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

فجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون و اخلاص اور وتر میں سورۃ اعلیٰ، کافرون، اور اخلاص پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ تکاثر کی کوئی وجہ تخصیص نہیں، معہذا اگر سورۃ غیر مأثورہ بغرض سہولت یا سورۃ مأثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، مگر اس کو لازم نہ سمجھے، اور کبھی کبھی ناغہ کر دینا بہتر ہے، البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے نادانق کو شبہ و جوب ہو سکتا ہے، اسی لئے فرائض کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۲ رجب ۹۷ھ

عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں:

سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں اُن پڑھوں کی اکثریت ہی، اور اُن پڑھوں کے سامنے جس طرح قرآن پاک تحریر ہے عین اسی طرح پڑھے تو صحیح سمجھتے ہیں، اگر روایت کے ساتھ مثلاً قل هو اللہ احد کو احد ن اللہ الصمد پڑھے تو امام صاحب پر وہ مقتدی اعتراض کرتے ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے، آیا اللہ الصمد جیسا کہ معروف ہے اسی طرح پڑھے یا کہ غیر معروف ن اللہ الصمد پڑھے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عوام میں غیر معروف طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے میں انتشار اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ زلزال میں خیراً کی جگہ شراً پڑھنے سے نماز ہو جائے گی:

سوال :- سورۃ زلزال میں خیراً کی جگہ شراً پڑھ لیا، بعد میں خیراً پڑھ لیا، اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نماز ٹوٹی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز درست ہو گئی، سجدہ سہو واجب نہیں، فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸، شوال ۱۳۹۷ھ

بروز جمعہ فجر میں سورۃ سجدہ پڑھنا:

سوال :- زید کہتا ہے کہ نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر پڑھنا مستحب ہی، عمرو کہتا ہے کہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ اور دوسری میں سورۃ دھر پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے، تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آجکل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اور اس کی اصلاح لازم ہے، قال فی الدرودیکرہ التعیین کالسجدۃ وھل آتی لفجر کل جمعة بل یندب

قراءتہما احیاناً وقال ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ وفي فتح القدير لان مقتضى الدليل
عدم المداومة لا المداومة على عدم كما يفعل حنفية العصر فيستحب ان يقرأ ذلك أحياناً تبركاً
بالمأثور فان لزوم الإيهام ينتفى بالترك أحياناً (الى قوله) وقيد الطحاوي الاسيحاب
الكراهية بما اذا رأى ذلك حتماً لا يجوز غيره أما لو قرأه للتيسير عليه أو تبركاً بقراءته
عليه الصلوة والسلام فلا كراهية لكن بشرط ان يقرأ غيرها أحياناً لئلا يظن الجاهل
ان غيرها لا يجوز (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۸) فقط والله تعالى اعلم،

۳ ربيع الاول ۱۲۹۸ھ

آمین آہستہ کہنا افضل ہے :

سوال : نماز باجماعت میں آمین اونچی آواز میں کہنا چاہیے یا آہستہ، ابو داود، ابن ماجہ
(بحوالہ ابن کثیر) میں اونچی آواز سے ثابت ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح جائز ہے، آہستہ کہنا افضل ہے، انفضلیت قرآن کریم اور حضرت شعبہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جو ترمذی میں ہے، فترآن کریم میں ارشاد ہے اذُعُوْا رَبَّكُمْ
تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، اس سے دعا کا اخفاء ثابت ہوا، اور آمین بھی دعا ہے، کما نقل الامام
البخاری عن عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ، حدیث شعبہ فترآن کریم کے مطابق ہے، اس لئے
اس کو اختیار کیا جائے گا، اور دوسری احادیث میں تاویل کر کے ان کو قرآن کریم سے تطبیق
دی جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ ربيع الاول ۱۲۹۸ھ

سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے :

سوال : ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف
کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے
دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، عن ابن جریر عن ابن ابی مدیکۃ
عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع
قراءته يقول الحمد لله رب العالمين، ثم يقف ثم يقول الرحمن الرحيم ثم يقف

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ، ص ۱۹۱، شمائل ترمذی، ص ۵۹۲) وفي كنز العمال عن ابی عثمان
النہدی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان
یقطع قراءتہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الی آخرہا، السلفی
فی انتخاب حدیث القراء، ورجالہ ثقات، (کنز العمال ص ۸۷ ج ۸)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ ثم لم یقرأ فیہ بابا القرآن
فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لا بی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انا نکون وراء الامام
فقال اقرأہ بہما فی نفسك فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ
تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبين عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد
الحمد للہ رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمدی عبدی واذا قال الرحمن الرحیم
قال اللہ اشئنی علی عبدی فاذا قال مالک يوم الدين قال مجدنی عبدی وقال
مرة فوض الی عبدی فاذا قال ایتاک نعبد وایتاک نستعین قال هذا بینی وبين عبدی
ولعبدی ما سأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقیم صل طالذین انعمت علیہم
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال هذا العبدی ولعبدی ما سأل (صحیح مسلم
ص ۱۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قراۃ کرے :

سوال :- اگر عین جمعہ کی جماعت کے وقت بارش ہونے لگے، امام صاحب کے علم میں یہ بتا
ہو کہ سینکڑوں نمازی مسجد کے صحن میں کھڑے بھیگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں کیا یہ اقرب
بسنّت نہ ہوگا کہ امام صاحب بہت چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائیں؟ بیدنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جی ہاں! قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فقد ظہر من کلامہ (الکمال)
انہ لا ینقص عن المسنون الا الضرورة کقراءتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمعوذین
لیکاء الصبئی (رد المحتار، ص ۵۲۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

فاتحہ کا کچھ حصہ سُرّ پڑھنے کے بعد نیتِ امامت کر لی تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے :

سوال :- منفرد جہری نماز سُرّ پڑھ رہا تھا، سورۃ فاتحہ کی قترارت کے درمیان کسی نے اس سے اقتدار کر لی اور اس نے بھی امامت کی نیت کر لی، تو اب سورۃ فاتحہ مشروع سے دوبارہ پھر پڑھے یا کہ دیں سے آگے جہر پڑھنا شروع کرے : بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے، بعض وجوبِ اعادہ کے قائل ہیں اور بعض رجوبِ عدمِ اعادہ کے، قولِ ثانی رائج ہے، لہذا اعادہ نہ کرے، بصورتِ اعادہ چونکہ قولِ رائج کی بناء پر ترک واجب عمداً کیا ہے، لہذا نماز واجب الاعادہ ہونا چاہئے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایسی صورت میں یہ فیصلہ مناسب نظر آتا ہے کہ نماز کا اعادہ افضل ہے، واجب نہیں، قال فی العلائقہ ولو ائتم بہ بعد الفاتحة او بعضها سراً اعادھا جہراً بحر لکن فی اخر شرح المنیۃ ائتم بہ بعد الفاتحة یجہر بالسورۃ ان قصد الامامۃ والا فلا یلزمہ الجہر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لکن الخ) استدلال علی قوله ولو ائتم بہ وهذا قول آخر وقد حکى لقوی القہستانی حیث قال ان الامام لو خافت ببعض الفاتحة او کلھا او المنفرد ثم اقتدی بہ رجل اعادھا جہراً کما فی الخلاصۃ وقیل لم یعد وجہ فیہا بقی من بعض الفاتحة او السورۃ کلھا او بعضها کما فی المنیۃ ام وعزانی القنیۃ القول الثانی الی الفاضل عند الجہار وفتاویٰ اسعدی ولعل وجهہ ان فیہ التعرّض عن تکرار الفاتحة فی رکعۃ وتأخیر الواجب عن محلہ وهو موجب لسجود السہر فکان مکروہا وهو اسهل من لزوم الجمع بین الجہر والاسرار فی رکعۃ علی ان کون ذلک الجمع شیعاً غیر مطرد لما ذکرہ فی اخر شرح المنیۃ ان الامام لو سہا فخافت بالفاتحة فی الجہریۃ ثم تذکر جہر بالسورۃ ولا یعید ولو خافت بأیۃ او اکثریتہا جہراً ولا یعید فی القہستانی ولا خلاف انہ اذا جہر باکثر الفاتحة یتیمہا مخافتہ کذا فی الزاہدی ام ای فی الصلوۃ السریۃ وکون القول الاول نقلہ فی الخلاصۃ عن الاصل کما فی البحر والاصل من کتب ظاہر الروایۃ لا یلزم منه کون الثانی لم ینذکر فی کتاب اخر من کتب ظاہر الروایۃ قد عوی انہ ضعیف روایۃ ودرایۃ غیر مسلمۃ، فافہم رد المحتار ص ۲۹۷، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام فاتحہ کا کچھ حصہ بہتر پڑھ گیا تو اس کا اعادہ نہ کرے:

سوال :- امام نے جہری نماز میں سورۃ فاتحہ کی کچھ آیتیں آہستہ پڑھ لیں، اس کے بعد یاد آگیا، یا کسی نے نغمہ دیا تو وہیں سے آگے جہراً قرات شروع کر دے، یا کہ سورۃ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہراً پڑھے، اگر سورۃ فاتحہ دوبارہ جہراً پڑھ لی تو کیا سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں بھی اختلاف دلائل کی دہی تفصیل ہے جو اوپر کے مسئلہ میں بیان ہوئی، اور رائج یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ کا اعادہ مکروہ ہے، اگر اعادہ کر لیا تو نماز کا اعادہ بہتر ہے، کما مرفی المسئلة السابقة، اگر مقدار ما تجوز بہ الصلوة (تیس حروف) بہتر پڑھ گیا تو سجدہ سہو واجب ہے، جو اعادہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعادہ جائز نقصان نہیں، فقط والله تعالى اعلم،

۷ شعبان ۱۴۰۸ھ

نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا:

سوال :- آجکل عام طور پر ائمہ مساجد نمازوں میں پوری سورت پڑھنے کی بجائے درمیان سے کوئی رکوع پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا کہ اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مردج دستور میں بڑی قباحت یہ ہے کہ نمازوں میں سنت کے مطابق مفصل سورتیں نہیں پڑھی جاتیں، حالانکہ یہ سنت ہے،

مفصل سورتوں کا جسز، پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ ایک سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں قرات کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس کے سوا دوسری صورتیں مثلاً اول سورت یا وسط سورت سے پڑھنا یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، قال فی شرح التویر لا بأس ان یقرأ سورة و یعیدھا فی الثانية، وان یقرأ فی الأولى من محل وفي الثانية من آخر ولو من سورة ان کان بینہما آیتان فاکثر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی النہر ویبغی ان یقرأ فی الركعتین آخر سورة واحدة لا آخر سورتین فانه مکروه عند الاکثر اھ، لکن فی شرح المنیة عن الخانیة الصحیح انه لا یکرہ، ویبغی ان یراد بالکراہة المنفیة التحریمیة، فلا ینافی کلام الاکثر ولا قول الشارح لا بأس تأمل

وتؤیدہ قول شرح المنیۃ عقب ما مَرَّ وَكَذَٰلِكَ الْقُرْآنُ فِي الْأُولَىٰ مِنْ وَسْطِ سُورَةٍ أَوْ مِنْ سُورَةٍ أَوْ لَهَا ثَمَّ قُرْآنٌ فِي الثَّانِيَةِ مِنْ وَسْطِ سُورَةٍ أُخْرَىٰ أَوْ مِنْ أَوَّلِهَا أَوْ سُورَةٍ قَصِيرَةٍ إِلَّا صَحَّ أَنَّهُ لَا يَكْرَهُ لَكِنِ الْأُولَىٰ أَنْ لَا يَفْعَلَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ أَمْ يَقُولُ وَلَوْ مِنْ سُورَةٍ الْخَامَةِ وَأَصْلُ بِمَاقِبِلِهِ أَيْ لَوْ قُرَأَ مِنْ مُحَلِّينَ يَأْنِ أَنْتَقَلَ مِنْ آيَةٍ إِلَىٰ أُخْرَىٰ مِنْ سُورَةٍ وَأَحَدًا لَا يَكْرَهُ إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا آيَتَانِ فَكَثُرَ لَكِنِ الْأُولَىٰ أَنْ لَا يَفْعَلَ بِلا ضَرُورَةٍ لِأَنَّهُ يُوْهِمُ الْأَعْرَاضَ وَالتَّرْجِيحَ بِلا مَرَجٍّ شَرَحَ الْمُنِيَّةُ وَأَنَّمَا فَرَضَ الْمَسْأَلَةُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ لِأَنَّهُ لَوْ أَنْتَقَلَ فِي الرُّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْ آيَةٍ إِلَىٰ آيَةٍ يَكْرَهُ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا آيَاتٌ بِلا ضَرُورَةٍ فَإِنْ سَمِعْتُمْ تَذَكُّرَ يَعُودُ مَرَاعَاةَ لَتَرْتِيبِ الْآيَاتِ شَرَحَ الْمُنِيَّةُ (رَجَّحَ الْمُحَرَّرُ ص ۵۱۰ ج ۱) فَقَطْ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ أَعْلَمُ
۲۳ رمضان ۱۲۹۸ھ

تجوید قرآن کی مقدار فرض:

سوال :- ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تجوید قرآن فرض ہے، بدون تجوید پڑھنا حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

حرکت متشابہ ظار، ضاد، ذال، زار، اور سین، صاد، ثار، اور تار، و طار میں فرق سیکھنا فرض ہے، تجوید کے دوسرے قواعد مثلاً اخفاء، اظہار، تفتیح و ترقیق وغیرہ کا سیکھنا مندوب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۸ھ

وقف لازم کی شرعی حیثیت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقف لازم نہ کرے، جیسے فَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ مَا إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ الْآيَةِ میں "قولہم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضع وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن کریم میں جہاں وقف لازم لکھا ہوتا ہے وہاں وقف کا لزوم صرف قرآن مجید کے لحاظ سے ہے، دلیہ شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقف لازم پر وقف کرنا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۶ رمضان المبارک ۱۲۹۸ھ

سوال مثل بالا :

سوال : قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لئے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماء اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاد ندوی نے تو وقف کر کے ان کے لئے رموز اوقاف وضع کئے ہیں گوانکی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاد ندوی سے پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لئے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ایضاح الوقف والابتداء للانباری متوفی ۳۲۸ھ الاکتفاء فی معرفة الوقف والابتداء لابن عمر الدانی متوفی ۳۲۴ھ الاہتداء فی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن الجذری، منار الہدی فی بیان الوقف والابتداء للاشمونی (یہ کتاب عام دستیاب ہے) المرشد للشیخ زکریا الانصاری یہ کتاب منار الہدی کے حاشیہ پر ہے، اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماء اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اور ان کے لئے رموز وضع کر کے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، انکے احکام اور انکے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے اپنی کتاب البرہان فی علوم القرآن ص ۳۵۲ اور ثانی الذکر نے الاتقان فی علوم القرآن ص ۸۹ میں لکھا ہے، وذہب ابو یوسف القاضی صاحب ابی حنیفۃ الی ان تقدیر الموقوف علیہ من القرآن بالتام والناقص والحسن والقبیح وتسمیۃ بذلک بدعة ومتعمد الوقف علی نحو مبتدع قال: لان القرآن معجز وهو للفظۃ الواحدة فکلہ قرآن وبعضہ قرآن وکلہ تام حسن وبعضہ تام حسن، حکى ذلك ابو القاسم برہان النحوی عنہ، جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاد ندوی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اور ان پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری اور واجب ہے تو حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں رد الطغیان فی اوقاف القرآن کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اسکو حل فرمائیں اور مفصل و مدلل باحوالہ جواب سے مستفید فرما کر شکر یہ کا

الجواب : حامداً ومصلیاً، اوقاف قرآن روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں، البتہ ان اوقاف پر ٹھہرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں لہذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دینا ضرور بدعت ہے، اسکی ساری تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ رد الطغیان فی اوقاف القرآن میں ہے جس میں حضرت نے روایات اور اجماع سے اوقاف قرآن پر ٹھہرنا ثابت کیا ہے اور جو آپ نے امام ابو یوسف کا قول پیش کیا ہے اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اسکی مخالفت کی مثلاً جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد خمس "یا" خ "اور ہر دس آیات کے بعد عشر" یا "ع" لکھا گیا تو علماء متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے، صحابہ و تابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا جس کو امت نے اپنے تعامل سے اختیار کر لیا ہو اور تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں وہ اب شاذ ہو چکی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے جہاں تک امام ابو یوسف کے مذکور قول کا تعلق ہے اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو بلکہ ان اوقاف کی مطابقت وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو، اس صورت میں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں کیونکہ امت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ انھوں نے ان اوقاف کو مطلقاً بدعت کہا ہو اس صورت میں چونکہ امت کا تعامل اسکے خلاف ہو گیا اس لئے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہو گا جو متروک ہو چکے ہیں لہذا تعامل امت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح

الجواب صحیح

احقر عبد الشکور

دارالافتار دارالعلوم کراچی، محمد تقی عثمانی، ۱۹ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ رشید احمد، یوم الترویہ ۱۴۲۸ھ

سنت و نقل کی سب رکعات میں سورت ملانا واجب ہے :

سوال : سنت اور نوافل میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورت ملانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا تو جودا

الجواب باسما ملہم الصواب

واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۴ رمضان ۱۴۲۸ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَوْلَا أَنِ اسْتَطَاعَ الْيَهُودُ أَنْ يَصْنَعُوا عَيْنَ الْفُلَانِ

الْأَرْضِ شَاد

إِلَى

مُخْرِجِ الْفَضَاد

لفظ ضاد کی تحقیق

سوال : لفظ ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور یہ ظار سے مشابہت رکھتا ہے یا ڈال سے یا ڈال سے؟ بینوا بالذلیل اجرکھ اللہ الجلیل۔

الجواب ومنہ الصّدر والصدّاب

ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ ڈال عربی زبان کا حرف نہیں۔ ضاد کی مشابہت ڈال یا ڈال سے بالکل نہیں۔ کیونکہ ضاد حروف رخوہ میں سے ہے جن میں جریان صوت لازم ہے اور ڈال حروف شدیدہ سے ہے جن میں جریان صوت ممکن ہی نہیں۔ دنیا بھر میں کوئی شخص بھی ضاد کو ڈال سے مشابہت دیکر اس میں جریان صوت نہیں کر سکتا، علم تجوید کے اصول کے مطابق یہی ایک دلیل کافی ہے جس کا جواب قیام قیامت تک ممکن نہیں۔ اس اصولی دلیل کے بعد دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کسی میں طاقت ہے تو ڈال میں جریان صوت کر کے دکھلائے ورنہ خط القتاد۔ اس کے باوجود چند ایسے دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ضاد کو ظار سے مشابہت ہے۔

① علم تجوید کی جملہ کتب میں ہے۔ لولا الاستطالة لكان الضاد عين الظاء

② فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد اور ظار میں اس قدر شدید مشابہت ہے کہ ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ قال فی الخانیۃ وان ذکر حرفاً مکان حرفی وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوة عند الكل وان كان لا يمكن الفصل بین الحرفین الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ فیہ قال اکثرهم لا تفسد صلوة۔

(خانیۃ علی ہامش العالمگیریہ ج ۱۲)

وفی شرح التنویر الامایشق تمییزہ كالصاد والطاء فاكثرهم لم یفسدوها (رد المحتار ص ۹۹ ج ۱)

③ صاحب القان و دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ ”وجوہ یومئذ ناظرۃ الی رہا ناظرۃ میں صنعت تجنیس ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ضاد اور ظار متشابہ الصوت ہوں۔

④ ضاد اور ظار میں فرق مشکل ہونے کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ ان میں فرق کر نیکی کوشش کرنا چاہیے۔ جزری میں ایسے الفاظ جن میں ضاد اور ظار ہیں جمع کر کے فرق کرنے کی تاکید کی ہے۔ مقامات میں بھی اس قسم کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔ امام غزالی کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ فرق

در میان ضاد و ظاء بجا آورد اگر نتواند روا باشد اورا حیار العلوم میں چھو بیٹھنے کے فوق بین الضاد والظاء۔
 (۵) قرآن مجید میں اختلاف قرارت کی وجہ سے اگر ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھا جاتا ہے تو عموماً یہ دونوں حرف متشابه الصوت ہوتے ہیں۔ مثلاً اھلنا الصراط المستقیم میں صا کی بجائے سین کی قرارت بھی ہے۔ ایسے ہی وما هو علی الغیب بضنیہ میں ظا کی قرارت بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ضاد اور ظا متشابه الصوت ہیں۔

(۶) کلام عرب میں ایسے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ ان میں ضاد کی جگہ ظا پڑھنے سے معنی نہیں بدلتے۔ قال العلامة الأوسى رحمه الله تعالى وقد جمع بعضهم الالفاظ التي لا يختلف معناها ضاداً وظاءً في رسالة صغيرة ولقد احسن بذلك فليراجع فانه مهم (روح المعاني ص ۳۰ ج ۳)
 (۷) متقدمین کے ہاں ضاد اور ظا کا رسم الخط بھی تقریباً ایک ہی جیسا تھا کما نقل الاوسى رحمه الله تعالى عن ابی عبیدة ان الظاء والضاد في الخط القديم لا يختلفان الا بزيادة رأس احداهما على الاخرى زيادة يسيرة قد تشبه (روح المعاني ص ۳۰ ج ۳)

(۸) اردو، سندھی، فارسی، پنجابی، انگریزی غرضیکہ دنیا کی ہر زبان میں ضاد کو ظا سے مشابہ بلکہ عین ظا پڑھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلماً اتم واحکم

۲ صفر سنہ ۱۴۲۲ھ، بحری

سوال مثل بالا :

سوال : لفظ ضاد ظا سے مشابہ ہے یا کہ دال سے۔ مولوی نے ایک تحریر میں لکھا ہے کہ ضاد کی مشابہت ظا سے نہیں، مدلل بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

ضاد کی مشابہت ظا سے ہے۔ کتب صرف، تجوید، تفسیر، فقہ اور فتاویٰ سب اس پر متفق ہیں۔ بعض کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شافعی (۲) رضی (۳) جابر دی (۴) فصول اکبری (۵) جزریہ (۶) شروح جزریہ (۷) منہاج (۸) نشر (۹) طیبۃ النشر (۱۰) تمہید (۱۱) رشمہ فیض (۱۲) شاطبیہ (۱۳) شرح قصیدہ امنیہ (۱۴) جہد المقل (۱۵) منہیۃ جہد (۱۶) رعایہ (۱۷) تفسیر کبیر (۱۸) اتقان (۱۹) کشاف (۲۰) عزیز (۲۱) حسینی (۲۲) بیضاوی (۲۳) حاشیۃ بیضاوی (۲۴) تفسیر المنار (۲۵) روح المعانی (۲۶) برہان (۲۷) تجنیس (۲۸) خلاصۃ الفتاویٰ

(۲۹) خزائن المفتین (۳۰) خزائن اکل (۳۱) حلیہ (۳۲) فتاویٰ نقشبندیہ (۳۳) عتابیہ (۳۴) تاتارخانیہ (۳۵) خزائن الروایات (۳۶) رسائل الارکان (۳۷) تہذیب (۳۸) جامع الروایات (۳۹) مفتاح الصلوٰۃ (۴۰) محاسن العمل (۴۱) البیان الجزیل (۴۲) احیاء العلوم (۴۳) کیمیائے سعادت (۴۴) زاد الآخرة (۴۵) فتاویٰ برہنہ (۴۶) مختار الفتاویٰ (۴۷) سمرقندی (۴۸) مجموعہ سلطانی (۴۹) بغیۃ المرتاد (۵۰) میزان (۵۱) حروف البحار (۵۲) وجیز کردری (۵۳) رسالہ نجم الدین (۵۴) ذخیرہ (۵۵) منیہ (۵۶) کبیری (۵۷) بزازیہ (۵۸) خانیہ (۵۹) عالمگیریہ (۶۰) خیرۃ (۶۱) فتح القدر (۶۲) درمختار (۶۳) طحاوی (۶۴) رد المحتار

چند روز ہوئے میرے پاس ایک صاحب مولوی کا فتویٰ لائے تھے اس میں جس قدر عبارات ہیں وہ سب ہمارے مسلک کی مؤید ہیں۔

۱۔ پر تفسیر السراج المنیر کی عبارت ہے کہ ضاد اور ظار میں فرق کرنے کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ اگر ان دونوں حرفوں میں تشابہ نہیں تو فرق کرنے کے لئے محنت کی کیا ضرورت؟ اسی عبارت کے آخر میں ہے۔ فان اکثر العجم لا یفرقون بین الحرفین اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ہے ان اکثر الناس خصوصاً العجم کا خلافاً الزمان الاول (لا یعلمون الفرق بینہما) (مجموعہ الفتاویٰ ص ۳۲ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اسلاف ضاد کو ظار پڑھتے تھے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلاف وال پڑھتے آئے ہیں غلط ہے۔

اس کے بعد جزیریہ کی عبارت پیش کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ ضاد اور ظار میں تمیز ضروری ہے یہ بھی تشابہ کو مستلزم ہے۔

۲۔ پر شامیہ کی عبارت ہے کہ ضاد ضعیفہ فہیح ہے۔ سو ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔ ازاں بعد شرح فقہ اکبر اور جامع الفصولین کی عبارات سے ثابت کیا ہے کہ ضاد کو ظار پڑھنا جائز نہیں اور عمداً پڑھنا کفر ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ بلا عذر پڑھنا جائز نہیں۔

۳۔ پر رد المحتار کی عبارت ہے ان جرئ علی لسانہ اولاً یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار وفي البرازیة وهو عادل الا قادیلے وهو المختار اور کتاب الاذکار للنووی کی عبارت ہے ولو قال ولا الظالین بالظاہر بطلت صلوٰۃ علی ارحم الراحمین الا ان یحجز عن الضاد بعد التعلیم فی عذر۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ضاد کے حقیقی مخرج پر عدم قدرت کی وجہ سے ضاد کی جگہ

ظاہر پڑھنا جائز ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

غرضیکہ تحریر مذکور من اولہ الی آخرہ ہماری مؤید ہے اس میں ضاد کی بجائے دال پڑھنے کے بارے میں ایک جزئیہ بھی نہیں۔ بوقت عذر ظاہر پڑھنے کے بارے میں عبارتیں ہیں، محرر نے ان عبارتوں کو تشابہ بالظاہر کی تردید اور تشابہ بالذال کی تائید میں پیش کیا ہے مگر حقیقت برعکس ہے۔

وكم من كاتب قولاً صحيحاً وألفه من الفهم السقيم

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ التقرؤ حکم

۱۴ شوال سنہ ۱۴۰۲ ہجری

سوال مثل بالا :

سوال ① آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضاد کو ظاہر پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی شامیہ کا حوالہ دیا۔ حالانکہ متشابہ حروف میں سے ایک کو دوسرے کی بجائے پڑھنے سے باوجود تغیر معنی کے نماز کا عدم فساد متاخرین کا مذہب ہے اور شامیہ نے مذہب متقدمین کو ترجیح دی ہے اور احوط کہا ہے۔

② اگر فساد و عدم فساد کی بنا پر تشابہ حروف و عدم تشابہ پر رکھی جائے تو غیر المخطوب پڑھنے سے عدم فساد اور دلا اللہ الین پڑھنے سے فساد کا حکم ہونا چاہئے تھا، حالانکہ کبیری وغیرہ میں حکم برعکس لکھا ہے۔

③ ضاد کو علی الاطلاق ظاہر پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح عبارت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں کیونکہ بعض قرار کو جب کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظاہر سنائی دیتا ہے۔ یہ عجیب توجیہ ہے۔ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب باسم ملہم الصواب

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شرح منیہ سے ضابطہ فساد صلوۃ یوں نقل فرماتے ہیں ان الخطأ اما في الاعراب اى الحركات والسكون ويدخل فيه تخفيف المشدود وقصر الممدود وعكسهما وفي الحروف بوضع حرف مكان آخر او زيادته ونقصه او نقل يمه او تأخيرها وفي الكلمات اوفى الجمل كذا لك اوفى الوقف ومقابله،

والقاعدة عند المتقدمين ان ما غير المعنى تغيرا يكون اعتقاده كضرايفسد في جميع ذلك سواء كان في القرآن او لا اما كان من تبدل الجمل مفصولا بوقف تام وان لم يكن التغير كذا لك فان لم يكن مثله في القرآن والمعنى بعيد متغير تغيرا فاحشا يفسد

ايضاً كهذا الغبار مكان هذا الغراب وكذا اذا لم يكن مثله في القرآن ولا معنى له كما لسائر
باللام مكان السرائر وان كان مثله في القرآن والمعنى بعيد ولم يكن متغيراً فاحشاً تفسد
ايضاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وهو الاحوط وقال بعض المشايخ لا تفسد لعموم
البلوى وهو قول ابي يوسف رحمه الله تعالى وان لم يكن مثله في القرآن ولكن لم يتغير به
المعنى نحو قيامين مكان قوامين فالخلاف على العكس فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغير
المعنى كثيراً وجود المثل في القرآن عنده والموافقة في المعنى عند هاتين القاعدتين المتقدمتين
واما المتأخرون كابن مقاتل وابن سلام واسماعيل الزاهد وابي بكر البلخي والهندوني
وابن الفضل والحلواني فاتفقوا على ان الخطأ في الاعراب لا يفسد مطلقاً ولو كان اعتقاده
كفر لان اكثر الناس لا يميزون بين وجوه الاعراب قال قاضي خاين وما قاله المتأخرون
اوسع وما قاله المتقدمون احوط وان كان الخطأ بابدال حرف بحرف فان امكن الفصل
بينهما بلا كلفة كالضاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على انه مفسد و
ان لم يمكن الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين فاكثرهم على عدم الفساد لعموم
البلوى وبعضهم يعتبر عسر الفصل بين الحرفين وعدمه وبعضهم قرب المخرج وعدمه ولكن
الفروع غير منضبطة على شيء من ذلك فالاولى الاخذ فيه بقول المتقدمين لانضباط قواعدهم
وكون قولهم احوط واكثر الفروع المذكورة في الفتاوى منزلة عليه اه ونحوه في الفتح وسيأتي
تمامه (رد المحتار ص ٥٩ ج ١)

ثم قال في شرح (قوله الاما يشق الخ) قال في الخاتمة والمخلاصة الاصل فيما اذا ذكر حرفا مكان
حرف وغير المعنى ان امكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد ولا يمكن الا بمشقة كالطاء مع
الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال اكثرهم لا تفسد اه وفي
خزانة الاكمل قال القاضي ابو عاصم انه تعمد ذلك تفسد وان جرى على لسانه او لا يعرف
التمييز لا تفسد وهو المختار حلية وفي البرازية وهو اعدل الاقارب وهو المختار اه وفي
التاريخانية عن الحاوي حكى عن الصغار انه كان يقول الخطأ اذا دخل في الحروف لا يفسد
لان فيه بلوى عامة الناس لانهم لا يقيمون الحروف الا بمشقة اه وفيها اذا لم يكن بين الحرفين
اتحاد المخرج ولا قرب الا ان فيه بلوى عامة كالذال مكان الضاد او الزاء المحض مكان
الذال والطاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ اه قلت فينبغي على هذا عدم الفساد

فی ابدال الناء سینا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا فانهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم
جدا كالدال مع الزاء ولا سيما على قول القاضی ابی عاصم وقول الصفار وهذا قول المتأخرین
وقد علمت انه اوسع وان قول المتقدمین احوط قال فی شرح المنیة وهو الذی صححه المحققون
وفرعوا علیه فاعمل بما تختار والاحتياط اولی سيما فی امر الصلوة التي هی اول ما يحاسب
العبد علیها (رد المحتار ص ۵۹۲ ج ۱)

ضابطہ متقدمین :

متقدمین کے ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر معنی میں ایسا تغیر واقع ہوا جسکا اعتقاد کفر ہے
تو یہ بہر کیف بالاتفاق مفسد ہے، اور اگر تغیر حد کفر تک نہیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں
وجود المثل فی القرآن و عدمہ پر مدار ہے اور طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع التغیر البعید
فی المعنی و عدمہ پر، وهو الراجح،

متقدمین کا یہ ضابطہ مطلق ہے جو بظاہر تبدیل حروف متشابهہ الصوت کو بھی شامل ہے مگر حروف
متشابهہ کے بارے میں متقدمین سے کوئی نص نہیں، بعض عبارات میں تبدیل الضاد بانظار کا بوقت
تغیر معنی مفسد ہونا طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مثلاً روح المعانی میں ہے واختلفوا
فی تبدیل احد اھما بالآخری هل یمتنع وتفسد به الصلوة ام لا، فقيل تفسد قیاساً ونقله
فی المحيط البرھانی عن عامة المشایخ ونقله فی الخلاصة عن ابی حنیفة و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ
(روح المعانی ص ۳۰ ج ۳)

اسی طرح خانیہ وغیرہ میں مفسد کو ظار یا ذال سے پڑھنا بنا بر مذہب متقدمین مفسد قرار
دیا ہے ان عبارات سے یہ مقصد نہیں کہ اسکا مفسد ہونا متقدمین سے منصوص ہے بلکہ مقصد
یہ ہے کہ ضابطہ متقدمین کی بنا پر یہ صورت مفسد ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ خانیہ سے
فروع مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، هذا ما ذكره قاضیخان من ابدال هذه الحروف
الثلاثة بعضها من بعض وكله مخرج على قواعد المتقدمين (کبریٰ ص ۲۵)

غرضیکہ حروف متشابهہ کی تبدیل کا حکم متقدمین سے منصوص نہیں، جب متأخرین نے اس پر
غور کیا کہ متقدمین کا قاعدہ حروف متشابهہ کو بھی شامل ہے یا نہیں تو متأخرین کا اس میں اختلاف
ہوا، بعض نے ضابطہ متقدمین کو عام قرار دیا اور اکثر نے حروف متشابهہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا،
اور یہی صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قیاساً فساد صلوة کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وقیل لا استحسنائاً ونقلہ فیہا عن عامۃ المشائخ کابی مطیع النبلخی ومحمد بن سلمۃ وقال جمع انہ اذا امکن الفرقۃ بینہما فتعمل ذلک وكان مما لیس فیہا ہذا وغیر المعنی فسدت صلاتہ والا فلا لعسر التمییز بینہما خصوصاً علی الجہر وقد اسلم کثیر منہم فی الصدرا الاول ولم ینقل حثہم علی الفرقۃ وتعلیمہ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ولو کان لازماً لفعلوہ ونقلہ وھذا ھو الذی ینبغی ان یعول علیہ ویفتی بہ (روح المعانی ص ۶۱ ج ۳۰)

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تفسیر کبیر میں ہے فتبت بما ذکرنا ان المشائخۃ بین الظاء والضاد شدیدۃ وان التمییز عسیر واذا ثبت ھذا فنقول لو کان ھذا الفرقۃ معتبرا لوقع السؤال عنہ فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او فی ازمنۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لا سیما عند دخول الجہم فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السؤال عن ھذہ المسألتہ علمنا ان التمییز بین ھذین الحرفین لیس فی محل التکلیف، اور بیضاوی شریف کے حاشیہ پر ہے ان اکثر الناس خصوصاً الجہر کانا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرقۃ بینہما اور محمد بن محمد الجزری تمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں فمنہم من یجعلھا ظاءً (الی قولہ) وھو اکثر الشامییین، وبعض اہل المشارق اور شیخ جمال حنفی مکی کے فتویٰ میں ہے کہ ضاد کو ظا، پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے، اور حاشیہ جہد المقل میں مسطور ہے فمنہم من یجعلھا ظاءً وھذا لیس بعجب،

(مجموعۃ الفتاویٰ ص ۳۴ ج ۲)

متقدمین کے زمانہ میں ضاد اور ظار کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا، کما نقل العلامة الأوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قول ابی عبیدۃ بان الظاء والضاد فی الخط لا یختلفان الا بزیادۃ رأس احدھا علی الآخری زیادۃ یسیرۃ قد تشتبہ (روح المعانی ص ۶۱ ج ۳۰)

عبادات بالا سے ثابت ہوا کہ متقدمین حروف متشابہہ کے فرق کا اہتمام نہ کرتے تھے ورنہ ایسے سوالات ضرور منقول ہوتے، متقدمین جب ضاد اور ظار میں فرق کے اہتمام ہی کو واجب نہیں سمجھتے تو تبدیلی سے فساد صلوٰۃ کا حکم متقدمین کی طرف منسوب کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ تک بھی عوام الناس ضاد اور ظار میں فرق نہ کرتے تھے، چنانچہ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۳۳ ج ۲ میں ایک سوال بایں الفاظ منقول ہے ”اس زمانہ میں اکثر لوگ (ض کو) مشابہ ذ اور ز کے پڑھتے ہیں“ علامہ آوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحوالہ خلاصہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حکم فساد نقل کیا ہے اگر اس کا منصوب ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے عہد پر محمول کیا جائے گا، زمان اول میں ضاد

اور ظار میں فرق کرنے کا اہتمام نہ تھا حتیٰ کہ دونوں کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا کما قد منا، اسمیٰ ایک حرف کی جگہ عمداً دوسرا پڑھنے کا قوی مظنہ تھا، اس کے پیش نظر طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمداً تبدیل کو مفسد فرمایا، اس پر مزید قرینہ یہ بھی ہے کہ خلاصہ کی عبارت مذکورہ میں تغیر معنی کا ذکر نہیں، پس بدول تغیر معنی کے تبدیل وہی مفسد ہو سکتی ہے جو عمداً ہو،

غرضیکہ متقدمین کے ضابطہ سے حروف متشابهہ بالخصوص ضاد اور ظار مستثنیٰ ہیں الا فی العمداً قال فی البرازیة ان تغیر المعنی ولیس مثله فی القرآن فسد ولا عبرة لقرب المخرج وانما العبرة لا تضاف المعنی عند ہما ولوجود المثل فی القرآن عندہ والاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفة كالصاد مع الطاء بان قرء الطاء الحات مکان الصالحات فسد عند الكل وان لم یکن الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد م السین والطاء مع التاء فالاکثر علی انہ لا یفسد لعموم البلوی واطلق البعض الفساد ان تغیر المعنی وقال القاضی ابوالحسن والبوعاصم ان تعد فسد وان جرى علی لسانہ او کان لا یعرف التمییز لا یفسد وهو اعدل الا قایل وهو المختار

(برازیة علی ہامش العالمگیریہ ص ۲۲)

اس عبارت میں پہلے ضابطہ متقدمین کا بیان ہے پھر والاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفة الخ ہے اس ضابطہ کی توضیح ہے -

(۲) کبیری کا جزئیہ،

قال فی الخانیة لو قرء غیر المغضوب بالطاء او بالذال تفسد صلوة ولو قرء الضالین بالطاء او بالذال لا تفسد صلوة ولو قرء الدالین بالذال تفسد صلوة (خانیة علی ہامش العالمگیریہ ص ۲۳) وفي غنية المستملی غیر المغضوب بالطاء والذال المعجمتین تفسد اذ لیس لہما معنی ولا الضالین بالطاء المعجمة والدال المهملة لا تفسد لوجود لفظہما فی القرآن وقرب المعنی لصحة تقلید ولا الظالین ای المستقرین فی الضلال والدالین ای القائلین هلے نذکم علی رجل الاية ولو قرأ بالذال المعجمة تفسد لبعدها لانه اسم فاعل ذل النخلة اذا وضع عندها علی المجردة لتحمله و لیس من الذلۃ اذ لم یستعمل الوصف منها علی فاعل بل علی فاعل (کبیری ص ۲۴) خانیہ کی عبارت کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ کبیری میں خانیہ سے نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، خانیہ میں ذال کو غیر مفسد اور دال کو مفسد قرار دیا ہے اور کبیری میں عکس ہو گیا ہے، کبیری میں یہ شروع خانیہ سے لی گئی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں وھذا فصل وهو بادل احد هذه الحروف الثلاثة اعنی

الضاد والطاء والذال من غیرہ فلنورد ما ذکرہ فی فتاویٰ قاضیخان من ہذا القبیل، پھر
جزئیات مذکورہ بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں ہذا ما ذکرہ قاضیخان من ابدال ہذہ
الاحرف الثلاثۃ بعضها من بعض وکلہ مخرج علی قواعد المتقدمین (کبیری ص ۴۵)

کبیری کے سوا اور کسی کتاب میں بھی دالین کا غیر مفسد ہونا مذکور نہیں، کبیری میں عدم فساد کی جو
تأویل بیان کی گئی ہے وہ بھی بہت بعید ہے کمالاً مخفی، نیز ضابطہ متقدمین کے مطابق دالین کا
غیر مفسد ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ضابطہ متقدمین غیر عمد کی صورت میں ہے اور آجکل لوگ عمداً
دال پڑھتے ہیں اس لئے عدم تغیر معنی کے باوجود دال پڑھنا مفسد ہوا۔

المغضوب میں ظار یا ذال پڑھنے کو متقدمین کے ضابطہ کے تحت مفسد قرار دینے کا جواب
اوپر گزر چکا ہے، یعنی حروف متشابہہ کی تبدیل ضابطہ متقدمین سے خارج ہے۔
ضابطہ متاخرین،

متاخرین کے ہاں اعراب کی تبدیل مفسد نہیں اگرچہ اسکا اعتقاد کفر و موجر و متشابہہ کی تبدیل
بھی مفسد نہیں، حروف متشابہہ سے متعلق متاخرین کا یہ فیصلہ ضابطہ متقدمین کے خلاف نہیں بلکہ
اس کی توضیح ہے، کما قد منا،

بعض متاخرین نے حروف متقاربتہ المخرج کی تبدیل کو بھی غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض نے
عموم بلوی کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاضی ابوالعاصم کا قول ”ان تعدل ذلک تفسد
وان جرى علی لسانہ اولاً یعرف التمییز لا تفسد“ نقل کر کے اس کے بارے میں حلیہ سے ”وہو
المختار“ اور برازیہ سے ”وہو اعدل الا قاولی وہو المختار“ نقل کیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم
ہوتا ہے کہ یہ مستقل قول ہے مگر بندہ کے خیال میں قاضی ابوالعاصم کا قول متاخرین کے قول کی
توضیح ہے کیونکہ یہ بہت بعید ہے کہ کوئی فقیہ عمداً تبدیل حروف کو بھی مفسد قرار نہ دے۔
ضاد کو دال پڑھنا،

ضاد اور دال میں نہ تشابہہ صوت اور عسر تمیز ہے اور نہ قرب مخرج، اگر کوئی ضاد کے
صیح تلفظ پر قادر نہیں تو اس سے متشابہہ ظار پڑھ سکتا ہے، لہذا ان قواعد کے تحت ضاد کو دال
پڑھنا مفسد ہوگا البتہ تیسرے قاعدہ ”عموم بلوی“ کے تحت یہ مسئلہ قابل غور ہے، عبارات
مذکورہ میں عموم بلوی کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سب میں حروف متشابہہ الصوت ہی کو

ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاف کو ہمزہ پڑھنے کی مثال بھی ذکر فرمائی ہے۔
 ہر کیف بظاہر عموم بلوی کا قاعدہ سب حروف کو عام ہے اور مسئلہ زیر بحث میں عموم بلوی ظاہر ہے
 اگرچہ نخرج سے عاجز ضاد کو ظار پڑھ سکتا ہے مگر غلبہ جبل کی وجہ سے عوام کی کثیر تعداد اس غلط فہمی
 میں مبتلا ہے کہ ضاد کا تلفظ دال مفخم کی طرح ہے اور وہ دال مفخم پڑھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ انھوں نے وہی
 لفظ ادا کیا ہے جو قرآن میں ہے، اس لئے ان کی نماز کو صحیح قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کما مر
 من قول ابی العاصم اولا یعرف التمییز لا تفسد، وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى روى
 عن محمد بن سلمة انه لا تفسد لان العجم لا يميزون بين هذه الحروف (الضاد والظاء والذال)
 وكان القاضي الامام الشهيد المحسن يقول الاحسن قیامی فی الجواب فی هذه الابدال المذكورة
 ان يقول المفتی ان جرى ذلك على لسانه ولم يكن مميّزاً بين بعض هذه الحروف وبعض ف
 كان في زعمه انه ادى الكلمة على وجهها لا تفسد صلوة وكذا اي مثل ما ذكر المحسن روى عن محمد
 ابن مقاتل وعن الشيخ الامام اسمعيل الزاهد وهذا معنى ما ذكر في فتاوى الحجة انه يفقه في
 حق الفقهاء باعادة الصلوة وفي حق العوام بالجواز كقول محمد بن سلمة اختياراً للاحتياط في
 موضعه والرخصة في موضعها (كبيري ص ۴۷)

یہ عبارات بھی اگرچہ حروف ثلاثہ (ضاد، ظار، ذال) سے متعلق ہیں مگر تعلیل ”لا یعرف التمییز“
 وكان في زعمه انه ادى الكلمة على وجهها ”عام ہے البتہ دال مفخم پڑھنے کی صورت میں صحت صلوة
 کے قول کے کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ دال عربی حرف نہیں،
 صحیح تلفظ سے عاجز کے لئے بذل جہد کا حکم :

متقدمین کے ہاں جو شخص کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو اس پر تصحیح کی کوشش میں
 لگا رہنا فرض ہے، جب تک صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو اس وقت تک اگر صحیح پڑھنے والے کی اقتدار پر قادر
 ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھے ورنہ غلط تلفظ کے باوجود اس کی نماز ہو جائے گی، اور اگر تصحیح کی کوشش
 چھوڑ دی یا صحیح پڑھنے والے کی اقتدار پر قدرت کے باوجود منفرداً نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگی،
 قال في العلائقية وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهدك دائماً كالألف فلا يؤم الا
 مثله ولا تصح صلوة اذا امكنه الا قد امكنه يحسنه او ترك جهلك او وجد قدر الفرض مثلاً لثغ
 فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الالتمس وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف في الح
 وفي الشامية (قوله دائماً) اي في اثناء الليل واطراف النهار فما دام في التصحيح والتعلم ولم يقد

علیہ فصلانہ جائزۃ وان ترک جہدہ فصلانہ فاسدۃ کما فی المحيط وغیرہ الخ (قوله حتماً) ای بذلاً حتماً فهو مفروض علیہ ط (قوله وکذا) من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف عطفہ علی ما قبلہ بناءً علی ان اللغۃ خاصۃ بالسنین والراء کما یعلم مما مر عن المغرب وذلک کالرہمن الرحیم والشیتان الرحیم والاملین وایاک نأید وایاک نستئین، السرات، انامت فکل ذلک حکمہ مما مر من بذل الجہد دائماً والا فلا تصح الصلاۃ بہ (رد المحتار ص ۵۲ ج ۱)

وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى وذكر في فتاوى الحجة ما يوافق قول صاحب المحيط فانه قال ما يجري على السنة النساء والارقاء الخطأ الكثير من اول الصلوة الى آخرها كالشيتان والاملين وایاک نأید وایاک نستئین، السرات، انامت فعلى جواب الفتاوى الحسامية ما داموا في التصحيح والتعلم والاصلاح بالليل والنهار ولا يطأو عمام لسانهم جازت صلاتهم كسائر الشروط اذا عجز عنها من الوضوء وتطهير الثوب والقيام والقراءة والركوع والسجود والقعود والتوجه اذا حصل العجز عنها فكذا هنا ما اذا تركوا التصحيح والجهد فسد صلاتهم كما اذا تركوا سائر الشروط (كبير ص ۲۵)

ان عبارات کی بنا پر ضاد کو دال پڑھنے والے کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ضاد کے نخرج کی تصحیح کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسے ظا پڑھے اور اس پر ہر شخص قادر ہے مگر متاخرین کے ہاں عموم بلوی سے متعلق جو عبارات گزری ہیں ان میں عموم بلوی کی صورتوں میں صحت صلوٰۃ کے لئے بذل جہد کی شرط نہیں، لہذا متاخرین کے اس قاعدہ کے تحت اگر کوئی ضاد کے صحیح نخرج پر قادر نہیں اور وہ تصحیح کی کوشش بھی نہیں کرتا مگر وہ اپنے زعم میں ضاد کا صحیح تلفظ دال مغنم کی طرح ہی سمجھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی کما قد منا، ضاد کو دال پڑھنے والے کی اقتدار

قال في شرح التنوير ولا غير الا لشئ بداعي بالالغ على الاصم كما في البحر عن المجتبى وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جہدہ دائماً حتماً كالامی فلا يؤم الامثله (الى قوله) هذا هو الصحيح المختار في حكم الالغ وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف، وفي السامية (قوله على الاصم) ای خلافاً لما فی الخلاصۃ عن الفضلی من انها جائزۃ لان ما یقولہ صار لغۃً لہ ومثله فی التاترخانیۃ وفي الظہیریۃ وإمامۃ الالغ لغیرہ تجوز وقیل لا ونحوہ فی الخانیۃ عن الفضلی وظاہرہ اعتمادہم الصحۃ وكذا اعتمدها صاحب الحلیۃ

قال لما اطلقت غير واحد من المشايخ من انه ينبغي له ان لا يؤم غيره ولما في خزانة الاكمل وتكره امامة الفأفاءه ولكن الاحوط عدم الصلحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومة تحفة الاقران وافق به الخیر الرملی وقال فی فتاواه الرابع المفق به عدم صحة امامة الاشع غیره ممن ليس به لشعة (رد المحتار ص ۵۲ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اصح واحوط تو یہی ہے کہ اشع سے غیر اشع کی اقتدا صحیح نہیں مگر ایک قول صحت کا بھی ہے، غلبہ جہل کی وجہ سے ضاد کو دال مخم پڑھنے والے کو بھی اشع پر قیاس کیا جاسکتا، لہذا اس سے دال خواں کی اقتدار تو بہر حال جائز ہے اور جو شخص اس جہالت میں مبتلا نہیں وہ دال خواں کی اقتدار نہ کرے، البتہ موقعہ ابتلا میں دال خواں کے پیچھے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے مگر اعادہ احوط ہے۔ یہ حکم جہل مرکب میں مبتلا دال خواں کا ہے، اگر "اضلہ اللہ علی علمہ" کے مطابق عناد ایا لوگوں کے خوف سے دال پڑھتا ہے تو نہ اس کی اپنی نماز ہوگی اور نہ ہی مقتدیوں کی (۳) ضاد کو علی الاطلاق ظار پڑھنے کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں، البتہ جو شخص ضاد کے مخرج پر قادر نہ ہو اسکے لئے ظار پڑھنے کی اجازت ہے۔ قادر علی المخرج کو عمد اظار پڑھنا جائز نہیں۔ خطاً پڑھا تو نماز ہو جائے گی۔ کیمیاء سعادت میں ہے، فرق درمیان ضاد و ظار بجا آورد اگر نتواند روا باشد۔ وفي الشامية عن خزانة الاكمل قال القاضي ابو عاصم ان تعد ذلك تفسد وان جرى على لسانه اولا يعرف التميز لا تفسد وهو المختار حلية وفي البزالية وهو اعدل الا قايلا وهو المختار (رد المحتار ص ۵۹۲ ج ۱)

باقی رہا یہ سوال کہ بعض قراہتے ہیں کہ ہم ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظار سنائی دیتا ہے سو اس میں اولاً یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ضاد اور ظار کے سماع اور صوت میں فرق بہت دشوار اور نہایت متعسر ہے۔ قال فی التفسیر الکبیر ان المشابهة بين الظاء والضاد شديدة وان التمييز عسير وفي جهد المقل الضاد والظاء والذال المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة ومتشابهة في السمع وايضاً فيه ويشبه صوتها (الضاد) صوت الظاء المعجمة بالضرورة وفي شرح الشاطبية ان هذه الثلاث متشابهة في السمع وايضاً في جهد المقل لتبوت التشابه وعسر التمييز بينهما (مجموعة الفتاوى ص ۳۲ ج ۲)

وفي الهندية وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء والظاد الخ وهكذا في شرح التنوير والشامية والخانية وفتح القدير والنهر الفائق وخزانة المفتين وخلاصة

الفتاویٰ وغیرہا۔ غرضیکہ جب ان میں فرق متعسر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فرق دہی سمجھ سکے گا جو اس فن میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ سین، ثار اور ذال، زار کے سماع اور صوت میں تجویبی فرق سمجھتا ہو، بلکہ ضاد اور ظار میں فرق کا سمجھنا سین اور ثار یا ذال اور زار میں فرق سمجھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کما هو ظاہر وثابت بالادلة المذكورة، لہذا یہ امر کوئی باعث تعجب نہیں کہ قاری فرق کر رہا ہو اور غیر ماہر فی الفن کو سنے میں کچھ فرق معلوم نہ ہو رہا ہو اور اگر سماع ماہر فی الفن ہونے کے باوجود فرق نہیں سمجھتا تو معلوم ہو کہ قاری قادر علی مخرج الضاد نہیں، اگرچہ مدعی قدرت کا ہو، اور غیر قادر کو ظار پڑھنے کی اجازت ہے۔ البتہ اگر سماع ماہر فی الفن ہے اور سماع کو یہ بھی یقین ہے کہ قاری ضاد کے اصل مخرج پر قادر ہے مگر عمداً باوجود قدرت علی المخرج کے محض عناداً ظار پڑھتا ہے تو ایسے قاری کی ناز واقعہً فاسد ہوگی مگر ایسے شخص کا وجود دنیا میں مشکل ہے جو کہ قدرت علی المخرج کے باوجود ضاد اور ظار میں فرق سمجھتے ہوئے بھی عمداً ظار پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلہ اتم وھکم حکم۔
غرة جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۵۵ھ یوم الجمعة

سوال مثل بالا :

سوال : لفظ ضاد مشابہت دال سے رکھتا ہے یا کہ ظار سے مفصلاً تحریر فرمائیں۔ مشہور ہے کہ علماء حجاز دال پڑھتے ہیں۔ بیٹو توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس سے متعلق عنقریب علماء حجاز کی طرف سے چند فتاویٰ موصول ہوئے ہیں، اس وقت انہی کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہر فتویٰ کا صرف ضروری اور بقدر کفایت حصہ تحریر کیا جاتا ہے۔
حضرت مولانا شیر محمد صاحب مدنی مہاجر مدینہ منورہ تحریر فرماتے ہیں :

شرح قصیدہ امنیہ میں ہے ، فلذلك اشتد شبهته وعسر التمييز واحتاج القاري في ذلك الى الرياضة لا اتصال بين مخزجها وفصحاء العرب يتلفظون بها بحيث يشبه صوتها صوت الظار كما في المجلد الاول من تفسير المنار للشيخ محمد عبد الله مفتي مصر انشا نجد اعراب الشام وما حولها ينطقون بالضاد فيحسبها السامع ظاء لشدّة قربها منها وشبهها بها وهذا هو المحفوظ عن فصحاء العرب الاولين۔

اس حرف میں اختلاف کی ابتداء اس وقت ہوئی جب عرب میں ممالک مختلفہ کی لونڈیاں آئیں ان کے آئندہ سوال کے جواب میں شرح قصیدہ امنیہ کی عبارت آرہی ہے کہ فصحاء عرب کے تلفظ ضاد کو سماع ظار سمجھتا ہے ۱۲ منہ

سے اولاد ہوئی تو اس حرف کی صحت میں خلل پیدا ہونا شروع ہوا۔ انھوں نے لغت قوم لیسے فی لغتہم
ضاد فاذا احتاجوا الى التکلم بها في لغتهم اعتصمت عليهم فربما اخرجوها طاء (اخراجهم اياها
من طرف اللسان واطراف الشيا وربما تكلفوا اخرجها من مخرج الضاد فلم يتأت لهم
فخرجت بين الضاد والطاء (شرح الشافعية)

مفتی سعد الشرح صاحب رامپوری فرماتے ہیں :

خواندن دال مہملہ یا زار بجائے ضاد نہ بدعتے ست امروزے اہل ہند بلکہ بعض اہل عرب
نیز از پیشتر دریں بلا مبتلا بوده اند۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :

من یخرجہ دالاً مہملۃ ومن یخرجہ لاماً مفتحۃ ومن یخرجہ طاء مہملۃ کالمضمر^{ال}
اس رسالہ پر علماء حرمین کی تقاریر بھی ہیں۔ یہاں دو تین مصری قاری آئے تھے انھوں نے
قرارت میں ضاد نہایت صحیح پڑھا۔ اکثر عرب مخرج صحیح سے نکالتے ہیں مگر صفت رخاوة ناقص کہ دیتے
جس کی وجہ سے دال شدیدہ کی طرح مسموع ہوتا ہے۔

قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی استاد الکمل جو اپنے بڑے بھائی قاری عبداللہ صاحب کے
ہمراہ سا لہا سال تک مدرسہ صولتشیہ میں عربوں کے بھی استاد رہے ہیں رسالہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں
فرماتے ہیں کہ ضاد میں جو رخاوت پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو یہ لحن خفی ہے انتقاً
تجوید السندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حسن بن ابراہیم الشاعر کا فتویٰ :

اقول وانا الفقیر الى رحمة ربہ القدیر حسن بن ابراہیم المدرس بالحرم النبوی ان
فہایۃ القول فی الضاد ہوا انها اقرب الى الطاء فقط کما فی الرعاۃ وجمہل المقلد وغیرہا واما
کون الضاد شبیہۃ بالذال او الغین فما سمعنا بہ قط ولا وجد فی کتاب فمن صلی خلفہ
امام یعتقد ذلک فصلا تہما باطلۃ واللہ علی ما نقول وکیل

کتبہ بیلہ راجی عفوریہ القادر

حسن بن ابراہیم الشاعر المدرس بالحرم النبوی بالمدینۃ المنورۃ

صاحب موصوف کا دوسرا فتویٰ :

اعلم وفقنی اللہ تعالیٰ وایاک للصواب قال الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ والضاد باستطالۃ

وخرج ممیز من الظاء فلا بد من اخراجها من مخرجها المعلوم بین القراء ضاذاً خالصاً و
قراءتها بالظاء لا يجوز الا اذا تعسر النطق هكذا اخذنا من مشايخنا ولا يجوز قراءتها بالدال
كذلك ان قصد ولا بغيره طاء او ظاء والله ولي التوفيق

کاتبہ حسن بن ابراہیم الشاع خاتم القراء والملاہم بالحرم النبوی

تحریراً ۴ صفر سنہ ۱۳۶۵ھ

اس فتویٰ پر مکہ و مدینہ کے دیگر مشاہیر علماء و قراء کے دستخط اور تقاریر بھی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۲ رذی الحجہ سنہ ۱۳۷۵ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا نَقُودُ الْقُدْرَةَ وَنَقُودُ الْعِلْمَ وَنَقُودُ الْحَيَاةَ

نَسِيلُ الْمُرَامِ

بِالتَّزَامِ السَّكُونِ عِنْدَ

قَرَارَةِ الْأَمَامِ

سوال : ہمارے قصبہ میں ایک صاحب اہلحدیث ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ امام کے پیچھے جو لوگ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نماز بالکل نہیں ہوتی وہ اس پر قسمیں بھی اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسی کوئی حدیث نہیں دکھا سکتا جس میں امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔

اس شخص نے شب و روز یہی شور مچا کر رکھا ہے اور ہر وقت سیدھے سادے نمازیوں کو بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ بے نمازیوں کو نمازی بنانیکی اس کو قطعاً کوئی فکر نہیں بس ہر وقت نمازیوں کو بہکانے اور ان کی نمازوں کو باطل قرار دینے کا مشغلہ کئی نمازی اس کے فتنے سے متاثر نظر آ رہے ہیں۔ جناب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر فرما کر ہم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر ہر زمانہ میں اختلاف چلا آیا ہے۔ اس قسم کے اور بھی سیکڑوں اجتہادی مسائل ہیں۔ ایسے مسائل جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے کی وجہ سے اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں مختلف فیہ ہیں ان میں خود مجتہدین کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ قوت دلیل کی بنا پر جو جانب راجح دکھائی دی اس کو اختیار فرمالیا مگر دوسروں پر کسی قسم کے اعتراض اور طعن و تشنیع سے زبان درازی ہرگز روا نہیں رکھی۔ اور نہ ہی اپنا اجتہاد کسی پر زبردستی مسلط کرنے کی کوئی کوشش فرمائی، بلکہ صرف اظہار رائے پر اکتفا فرماتے رہے کبھی بلا تحریر دلیل اور کبھی بتفصیل دلائل۔ اس سے ہمیشہ بے نیاز رہے کہ کوئی ان کی رائے کو قبول بھی کرتا یا نہیں۔ انھوں نے اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو نہ کبھی گمراہ قرار دیا اور نہ ہی انکی عبادات کے بطلان کا فتویٰ دیکر اُمت میں تخریب اور منافرت کی تخم ریزی کی۔

ان حضرات کا یہ عمل قرآن کریم کی ہدایت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ، اس میں اہل اجتہاد کو مسائل غامضہ میں دعوت فکر دی گئی ہے اس طرح ہر مجتہد کے فکر کی رسائی ہی اس کے لئے حق اور واجب العمل قرار پاتی ہے۔ مجتہد جس طرح مسائل غیر منصوصہ میں غور و فکر کر کے منصوص پر قیاس کے ذریعہ ان کا حکم معلوم کرتا ہے

اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن کے ادلہ متعارض ہیں ان میں تطبیق و ترجیح اور تباہی کے اصولوں کو زیر غور لا کر فیصلہ کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ کسی مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہوا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا نہ اس وقت ان میں سے کسی نے دوسرے پر اعتراض کیا اور نہ ہی بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے فعل پر نکیر فرمائی۔

غرضیکہ اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرتا تھا مگر دوسرے کے اجتہاد پر کوئی اعتراض نہ کرتا تھا۔ ان مجتہدین کے متبعین کا بھی یہی معمول رہا کہ وہ آپس میں دست بگریبان ہونیکی بجائے اپنے اپنے مقتداؤں کے اجتہاد کے مطابق عمل کرتے رہے، اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اباہر علماء نے مسائل اجتہادیہ کی تنقیح و تنقید اور ان کے مناشی و مبانی کی تنقیر و تفتیش کیلئے سیر حاصل بخشیں تحریر فرمائیں۔ اپنے دلائل کی تفصیل اور خصم کے دلائل کے جوابات کے لئے فاضلانہ مضامین لکھے مگر مخالف کی تفسیق و تضلیل اور تحقیر و تذلیل اور عبادات کو ضائع و باطل ٹھہرانے کی حماقت کسی نے نہیں کی۔ اور نہ ہی ان خالص علمی مباحث کو جو عوام کی فہم سے بہت بلند ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے لا کر عوام میں انتشار و فتنہ پیدا کرنے کا کوئی جواز نکالا۔

راقم الحروف نے صحیح بخاری کی تدریس میں اپنی عمر کا بہت طویل حصہ صرف کیا ہے۔ اس زمانے میں قرآن و حدیث کے بلند پایہ مضامین، حقائق و دقائق اور نزکات و لطائف کے مطالعہ کا شوق اور طلبہ حدیث کی استعداد و ضرورت کے مطابق انکے سامنے بیان کرنے کا معمول رہا مگر طلبہ کے اصرار کے باوجود مسائل اجتہادیہ پر زیادہ بحث و تمحیص سے ہمیشہ پہلو ہتی کرتا رہا۔ اولاً اسلئے کہ جن مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہے ان میں زیادہ بحث و مباحثہ ویسے ہی بے ضرورت اور دینی تقاضوں کی خلاف ورسی ثانیاً ان مسائل پر کافی سے زیادہ لکھا جا چکا ہے۔ ثالثاً اس دور میں دین میں نظریاتی اور عملی فتنے اس قدر کثرت اور شدت کے ساتھ ابھر رہے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مجتہد فیہ مسائل میں جزئی اختلافات میں پڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ ایک طرف مرزائیت، نچریت، اباحت، انکار حدیث اور دیندارانہ انجمن جیسے اعتقادی و ارتدادی فتنوں کی گھٹائیں چھا رہی ہیں

اور دوسری جانب بد اعمالی، علانیہ فسق و فجور اور بے حیائی کا سیلاب برق رفتاری سے بڑھ رہا ہے اور عوام سے گزر کر علماء و صلحا کے گھرانوں میں بھی داخل ہو چکا ہے جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی احساس اور دین کا درد ہو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا شتمہ بھر بھی خیال ہو وہ ان حالات میں جزئی اختلافات کو ہوا دیکر الحاد اور بے دینی کو مزید پھیلنے کا موقع دینا ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ مگر اس بارے میں فرقہ اہل حدیث کی اکثریت کا کردار جماعت اہل حدیث کی پیشانی پر کلنک ہے انکے اس رسوا کن اور اسلام دشمن کردار کی بدولت ان میں سے اہل فہم حضرات کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں مگر وہ اپنی اس بے لگام قوم پر قابو پانے سے عاجز ہیں۔

ان کی عقل پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو اتنی وسعت نظر کہ جواز اجتہاد کے لئے کوئی شرط ہی نہیں ہر شخص مادر زاد مجتہد ہے اور دوسری طرف اتنی تنگ نظری کہ اپنے اجتہاد کے سوا باقی سب کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی خصوصیات :

① اہل حدیث حضرات مسائل اجتہادیہ میں اپنے اجتہاد کو قطعی صحیح اور دوسروں کے اجتہاد کو قطعی غلط سمجھتے ہیں اور اس میں ان کو اس حد تک غلو ہے کہ گویا اپنی رائے کو معاذ اللہ وحی الہی گردانتے ہیں بخلاف دوسرے مجتہدین کے کہ وہ اپنی رائے کو وحی کی طرح قطعی نہیں سمجھتے بلکہ محض غلبہ ظن کا درجہ دیتے ہیں جس میں احتمال خطا بھی موجود ہے، چنانچہ وضوح خطا کے بعد وہ اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے ہیں، مگر دنیا میں کوئی اہل حدیث ایسا نظر نہیں آتا جس کو اپنے اجتہاد میں کبھی کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی ہوا ہو، غلطی کا اعتراف اور اپنے رائے سے رجوع تو بڑی بات ہے

② مجتہد فیہ مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و تبع تابعین ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف لازم بھی ہے اس لئے کہ مسائل اجتہادیہ کے استنباط میں اور تعارض ادلہ کے وقت تطبیق و ترجیح کے کلیات کے استعمال میں انسان کی عقل کو دخل ہے، ایک مجتہد کسی جزئیہ کو ایک کلیہ کے تحت لا کر اس کے جواز کا قول کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی جزئیہ کو کسی دوسرے کلیہ سے زیادہ منطبق سمجھ کر اسے ناجائز قرار دیتا ہے۔ کلیات کے ساتھ جزئیات کے انطباق میں اختلاف رائے سے بچنا محال ہے

چنانچہ اسی بنا پر ہم شب و روز ڈاکٹروں، انجینیئروں، وکیلوں اور حجوں میں اختلافات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مگر اہل حدیث حضرات کی رائے میں ہرگز اختلاف نہیں پایا جاتا، اس سے ثابت ہوا کہ ان کا عمل بالحدیث کا ڈھنڈورا اور براہ راست اجتہاد کا دعویٰ غلط ہے۔ درحقیقت یہ ایک مستقل فرقہ ہے جس کا ہر فرد اپنے اسلاف کی اندھی تقلید میں مبتلا ہے۔ اسکے ساتھ طرفہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کو حرام اور شرک بتاتا ہے۔

(۳) ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ اختلافی مسائل میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا چاہئے چنانچہ جس شخص نے خود اپنا حج نہ کیا ہو وہ مذہب حنفی میں دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے مگر چونکہ دوسرے بعض مذاہب میں یہ جائز نہیں اس لئے صرف اس دوسرے مذہب کی رعایت کی خاطر فقہ حنفی میں ایسے شخص کا حج بدل کے لئے جانا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر طواف کرنے والا بیت اللہ سے اتنا قریب چلے کہ اس کا بایاں ہاتھ شاذروان (بیت اللہ کی بنیاد) پر سے گزر رہا ہو تو مذہب حنفی میں طواف صحیح ہو جائے گا مگر محض دوسرے مذہب کی مراعات کے پیش نظر اس کو مکروہ فرماتے ہیں۔ کتب فقہ میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مگر اہلحدیث حضرات کا طریق کار نرالا ہے ان کے ہاں ایسے مسائل میں دوسرے مذاہب کے خلاف کرنا زیادہ اجر کا باعث ہے۔ چنانچہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ میں قربانی کا جواز مختلف فقیہ ہے اس لئے عبادت میں احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس تاریخ میں قربانی نہ کی جائے جو حضرات اسکے جواز کے قائل ہیں ان کے ہاں بھی افضل تاریخ دسویں پھر گیارہویں پھر بارہویں اور پھر تیرہویں ہے مگر اہلحدیث صرف دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے تیرہویں تاریخ میں قربانی کرنے کو افضل سمجھتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح اونٹ کی قربانی میں دس آدمی محض دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے شریک ہوتے ہیں ورنہ عبادت کی اہمیت کا مقتضی تو یہ تھا کہ اس میں احتیاط سے کام لیا جائے اور اونٹ میں سات سے زائد افراد شریک نہوں۔

ایک اور عجوبہ سماعت فرمائیں۔ آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا جواز مختلف فقیہ ہے، اس لئے احتیاط بہر حال اس میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہل حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بہت بڑا جہاد ہے چنانچہ کراچی میں انھوں نے اپنی مسجد کے استنجا خانے گرا کر از سر نو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں وجہ

دریافت کرنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔
الحمد لله الذی عافانا ممّا ابتلاکم بہ۔

(۴) اہل حدیث جزئی مسائل اختلافیہ کی اشاعت و تبلیغ میں بلکہ اپنے نظریہ کو پوری امت پر مسلط کرنے کی کوشش میں اس قدر مخبوط الحواس ہیں کہ نہ ان کو یہ ہوش آتا ہے کہ ان مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء بھی مختلف ہیں اور وہ اختلاف رائے کے باوجود ان کو بحث و مباحثہ کا موضوع نہیں بناتے تھے اور نہ ہی اس کا احساس ہوتا ہے کہ اس پُر فتن دور میں جبکہ اصول دین پر یورش ہو رہی ہے اور فسق و فجور کا سیل رواں رہے ہے دینی اقدار کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہائے جا رہا ہے۔ جزئی مسائل کو چھیڑ کر امت مسلمہ کو مزید ابتلا اور فتنے میں نہ ڈالیں اور آپس میں منافرت کی فضا پیدا کر کے لادینی قوتوں کے مزید بڑھنے کا باعث نہ بنیں، بلکہ ان فردعی اختلافات کو طاق نسیاں میں ڈال کر بے دینی کی بڑھتی ہوئی رو کو روکنے کے لئے سب یک صف ہو کر جہاد کریں۔

انصاف سے بتائیں کہ اہل حدیث نے سبائیت، مرزائیت، نیچریت اور اباحیت جیسے فتنوں سے اسلام کی حفاظت کے لئے کبھی کوئی نمایاں خدمت کی؟ یا فسق و فجور کے سد باب کے لئے کبھی کوئی کام کیا؟ ان کی تمام تر مساعی اور جہاد کا مصرت صرف فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین ہے یا پھر پوری امت مسلمہ بلکہ ائمہ دین تک کی تفسیق و تضلیل، کوئی شخص ڈاڑھی منڈاتا یا کٹاتا ہو، لباس خلاف شرع پہنتا ہو، سود کھاتا ہو، رشوت لیتا ہو، تصویر رکھتا ہو، رقص و سرود کا دلدادہ ہو، شراب پیتا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی اہل حدیث کی ملاقات ہو جائے تو وہ اس کو سب سے پہلے یہی تبلیغ کرے گا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، جو لوگ پڑھتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۵) جو شخص فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کی تبلیغ تندہی سے کرتا ہو اور ائمہ دین کے سب و شتم میں امتیازی شان رکھتا ہو وہ خواہ کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہو بلکہ کفریہ عقائد ہی کیوں نہ رکھتا ہو جماعت اہل حدیث میں مقبول ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں ”شہد شاہد من اہلہا“ کے تحت خود اہل حدیث عالم قاضی عبدالواحد خانپوری کی شہادت ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

”اس زمانے کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت
 ماجاء الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و
 روافض کے۔ یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے
 تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل بدعتی
 اہلحدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین
 کے۔ بعینہ مثل تشیع کے (الحی ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ
 تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف
 کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر حسب قدر الحاد و زنادقہ پھیلائیں کچھ
 پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کا ذب اہلحدیثوں میں ایک دفعہ رفع
 یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کو جتک کرے، مثل امام ابوحنیفہ
 رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے
 اور پھر حسب قدر کفر بدعتی اور الحاد اور زنادیقیت ان میں پھیلا دے بڑی
 خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چین بچیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ
 علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے
 سبحان اللہ ما أشبه اللیلۃ بالبلحۃ، اور سراسر اسکا یہ ہے کہ وہ مذہب
 عقائد اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر
 ہو گئے ہیں فافہم و تدبر“

(التوحید والسنۃ فی ذلہل الحاد والبدعۃ ”الملقب بہ“ اظہل کفر

ثناء اللہ بمجمیع اصول اُمنت باللہ ص ۲۶۲)

نفس مسئلہ سے متعلق بحث سے قبل یہ طویل تمہید پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ
 قارئین کو اسکا اندازہ ہو جائے کہ مذکورہ بالا حالات میں فاتحہ خلف الامام سے متعلق کچھ کہنے
 سننے کی زحمت یا کسی مدلل تحریر کے لئے خامہ فرسائی اور دماغی محنت کس حد تک مفید
 ہو سکتی ہے۔ بحث و تمحیص سے اہل فہم و اہل انصاف کی تفہیم مقصود ہوتی ہے مگر مندرجہ بالا
 خصوصیات کی حامل جماعت اہلحدیث سے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ کبھی تقریری یا تحریری
 دلائل بازی سے کسی فتنہ کو دبانا اور عامۃ المسلمین کے دین کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اگرچہ

اہل فتنہ سے قبول حق کی کوئی اُمید نہ ہو۔ مگر اسمیں الہم فالہم کے اصول کو ملحوظ رکھنا لازم ہے الحاد وارتداد جیسے تباہ کن فتنوں کی موجودگی میں فردعی مسائل پر بحث مباحثہ اور اسمیں وقت اور دماغ صرف کرنے کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ بعض مرتبہ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ فلاں صاحب نے کسی اہلحدیث کے بہرکانے سے فاتحہ خلف الامام شروع کر دی ہے آپ اُن کو سمجھائیں۔ میں نے جواب دیا کہ ان کو فاتحہ خلف الامام پڑھنے دیں میرے پاس ان کو سمجھانے کے لئے وقت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس کو خود سمجھنے کی فکر نہ ہو اسکو سمجھانا بیکار اور تصنیع وقت ہے۔ کئی بار کئی مادر زاد مجتہدین نے ان مسائل پر مجھ سے بات کر نیکی خواہش ظاہر کی مگر میں نے ہر دفعہ غدر کر دیا۔ وجہ وہی کہ اہم مسائل کے ہوتے ہوئے ان فردعی اختلافات کی طرف رُخ کرنا جائز نہیں۔ بالخصوص جبکہ مخاطب میں نہ صلاحیت ہو اور نہ ہی تحقیق حق مطلوب ہو، ایسی حالت میں بات کرنے سے کیا فائدہ؟ ایک دفعہ ایک مجتہدہ صاحبہ کو فاتحہ خلف الامام پر بحث کرنے کا جوش اُٹھا اور حدیث دانی کا بہت بڑا دعویٰ کیا، میں نے اُن سے دریافت کیا کہ صحیح بخاری کا نام کیا ہے؟ پس اجتہاد کا نشہ ہرن ہو گیا، کسی نے خوب کہا ہے ۵

الف کو کیل جانیں سب بچارے مگر دعویٰ ہے سب کا اجتہادی

فاتحہ خلف الامام سے متعلق اہلحدیث کے مسلسل غوغار کے باوجود میں نے اپنی عمر کے ستاون سال مکمل سکوت اور صبر کے ساتھ گزارے ہیں، ہمارے اکابر کی یہی شان ہی ہے مگر اب اہلحدیث نے اس سکوت سے فائدہ اٹھا کر یہ غلط پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے کہ احناف کے پاس کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہو یہ پروپیگنڈہ اس قدر تیز کر دیا گیا ہے اور عوام سے ایسی حدیث کا مطالبہ اتنی شدت سے کیا جانے لگا ہے کہ عامۃ المسلمین کا ناک میں دم کر دیا ہے عوام پریشان ہو کر مجھ سے دریافت کر رہے ہیں میں کس کس کو جواب دوں؟ اور خالص علمی تحقیق عوام کے دماغوں میں کس طرح اُتاروں؟ بالآخر بادل خواستہ قلم اُٹھانا ہی پڑا اور یہ طے کیا کہ بالاختصار دلائل کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت لکھ دوں آگے ہر شخص اپنے ظرف اور علمی استعداد کے مطابق اس سے منتفع ہو سکتا ہے۔ کم از کم کسی کو یہ کہنے کا موقع تو نہیں ملے گا کہ احناف کہ پاس کوئی حدیث نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم اور ہدایت صراط مستقیم عطا فرمائیں اور ہر قسم کے فتنوں

سے اپنی حفاظت میں رکھیں، آمین
عمل بالحدیث کی آڑ میں قرآن سے انحراف :

اہل حدیث عمل بالحدیث کے مدعی ہیں مگر قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ ایک مجتہد صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا ترک فاتحہ خلف الامام کے بارے میں کوئی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ امام کے پیچھے قرات کرنے سے قرآن میں ممانعت آئی ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ حدیث تو کوئی نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں نے ان صاحب کے جواب میں حدیث کی بجائے قرآن کا حوالہ اسلئے دیا کہ وہ مقدم ہے مگر اس پر سخت تعجب ہوا کہ وہ قرآنی ارشاد کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس کے مقابلہ میں حدیث ہی کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس احناف کا اصول یہ ہے کہ وہ پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اس کے بعد احادیث پر نظر فرماتے ہیں جو حدیث قرآن کریم کے مطابق ہو اس کو لے لیتے ہیں اور جو بظاہر قرآن سے متعارض نظر آئے اس کا کوئی ایسا مفہوم تلاش کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو دیکھئے قرآن کریم میں ارشاد ہے وَلَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ہمیں صاف حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو تم اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بالاتفاق قرات فاتحہ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب احادیث کو لیجئے کسی حدیث میں یہ حکم نہیں کہ امام کے ساتھ پڑھا کرو، ارشاد ہے اِنَّمَا جَعَلَ الْاِمَامَ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلَفُوا عَلَيْهِ فَادْرِكْ فَارْكَعُوا وَادْعُوا سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَادْعُوا لِحَمْدِكَ فَاسْجُدُوا۔ دوسری حدیث میں ہے لِيُؤْمِمَ اَحَدُكُمْ فَادْعُ الْاَكْبَرَ فَاَقَالَ غَيْرُ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا اَمِينَ الخ اس میں امام کے ساتھ سب افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر وَاِذَا قَرَأْتَ فَاقْرَأْ فَاَقْرَءُوا نہیں فرمایا بلکہ وَاِذَا قَرَأْتَ فَانصِتُوا فرما کر امام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرما دیا۔ احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی اس لئے کہ یہ سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کے علاوہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ دوسری احادیث کے ایسے معانی بیان فرمائے جن سے تضاد نہ رہے۔

اسی طرح آمین کے مسئلہ میں احناف نے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرمایا تو یہ ارشاد ملا، اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عطا رحمہ اللہ تعالیٰ

کا قول نقل فرمایا ہے کہ ”آمین دعا ہے“ اور قرآن کریم نے دعا کے اخفاء کا حکم دیا ہے۔ پس قرآن سے ثابت ہو گیا کہ آمین آہستہ کہی جائے اسلئے احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی جس میں آمین کا اخفاء مذکور ہے اور دوسری احادیث کو اس سے منطبق کیا۔

رفع یدین سے متعلق بھی قرآن کریم میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع اور سکون کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے وَالَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ قَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ اب احادیث ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مائے اراکم رافعی ایدیکم کاٹھا اذناں خیلۃ شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ، یعنی یہ کیا حرکت ہے کہ نماز میں اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو جیسے مست گھوڑے دم مارتے ہیں، نماز میں سکون سے رہو، کیسی زبردست تنبیہ ہے۔ بوقت سلام نماز ختم ہو رہی ہے جب اس وقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے تو نماز کے اندر بوقت رکوع رفع یدین کیونکر مناسب ہوگا؟ البتہ بکثیر تحریم چونکہ نماز میں داخل نہیں اس لئے اس وقت رفع یدین نماز میں حکم سکون کے خلاف نہیں۔ غرضیکہ اس مسئلہ میں بھی حکم قرآنی کے پیش نظر احناف نے ترک رفع یدین کی روایات کو ترجیح دی۔ اسی پر دوسرے مسائل کو قیاس کر لیا جائے کہ احناف سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرماتے ہیں پھر احادیث میں سے اس کو ترجیح دیتے ہیں جو نص قرآنی کے مطابق ہو۔

صحت حدیث کا معیار :

اہل حدیث یہ الزام لگاتے ہیں کہ احناف بعض مسائل میں صحیح حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ قابل غور یہ امر ہے کہ صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے؟ اہل حدیث تقلید کو ناجائز اور حرام بتانے کے باوجود اس باب میں ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ جس حدیث کو امام بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ صحیح کہہ دیں وہ صحیح ہے۔ اگر ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید جائز بلکہ ضروری ہے کہ بدوں اسکے کسی حدیث کی تصحیح نہیں کی جاسکتی تو ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کیوں جائز نہیں؟

ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث کی صحت و سقم پر کھنے کے جو اصول تحریر فرمائے ہیں وہ اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائے ہیں، ان پر کوئی وحی نہیں نازل ہوئی۔ اسی طرح ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تصحیح حدیث کے کچھ اصول مقرر ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں جن میں سے

مندرجہ ذیل دو اصول خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

- ① جو حدیث کتاب اللہ یا سنت مشہورہ سے زیادہ قریب ہوگی وہ راجح ہوگی۔
- ② حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو حضرات تفسیقہ میں معروف ہیں ان کی روایت غیر فقیہ کی روایت پر راجح ہوگی۔

اس ضروری توضیح کے بعد اب اصل مسئلہ قراءۃ الفاتحہ خلف الامام کی ممانعت سے متعلق دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

نصوص قرآنیہ :

- ① وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ، نَزَّلْنَاهُ نَزْلًا مُرْتَجِلًا ۚ
- اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نزول وحی کے وقت خود ساتھ نہ پڑھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کے وقت اس کو خاموشی سے سُننا اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس میں تفکر و تدبیر شرعاً مایور بہ ہے۔

- ② لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۚ إِنَّ وَعْدَنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ
- اس آیت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرمایا گیا حالانکہ یہاں حفظ قرآن کی غرض سے ساتھ پڑھنے کی ضرورت بھی تھی معنہ اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کا ذمہ خود لیکر خاموشی اور توجہ سے سُننے کا حکم فرمایا، اس سے قرآن کریم کے اس ادب کی کتنی سخت تاکید ثابت ہوتی ہے کہ قاری کے ساتھ خود پڑھنے کی بجائے اس کی قرات کو خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے سُننا جائے پھر ”تقرأ“ کی بجائے لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ فرما کر مکمل سکوت کی مزید تاکید فرمادی کہ زبان تک نہ ہلنے پائے، اس کے بعد تاکید در تاکید کے لئے مکرر فرماتے ہیں فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں فاستمع له وانصت (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱، طیبی ص ۳۳۳)
- اتباع کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے متبوع کرے اسی طرح تابع کرے، دوسرے خاموشی سے سُننا، آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قرات میں اتباع کے معنی ساتھ پڑھنے کے نہیں بلکہ خاموشی سے سُننا ہے، کیونکہ ساتھ پڑھنے سے تو منع کیا جا رہا ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسکی تفسیر ”فاستمع له وانصت“ سے فرمائی ہے

ہم آگے ایک حدیث پیش کریں گے۔ انا جعل الامام لیؤتم بہ الخ اتمام کے معنی ہیں

اتباع، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں قال البیضاوی وغیرہ الاثنان الاقتداء والاتباع ای جعل الامام اماماً ليقتدى به ويتبع (فتح الباری ص ۱۲۹ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی نہ بھی ہوتی تو بھی اس سے فاتحہ خلف الامام سے مانعت ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ رکوع اور سجدہ وغیرہ میں اتباع امام کے معنی یہ ہیں کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ یہ ارکان ادا کرے اور قرارت میں اتباع کے معنی یہ ہیں کہ خاموشی سے سنے کما مر،

③ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۴ - ۲۰۴) یہ آیت نماز میں سورہ فاتحہ سے متعلق نازل ہوئی ہے جس میں واضح ہدایت ہے کہ جب امام قرارت کر رہا ہو اس وقت مقتدیوں پر فرض ہے کہ امام کی قرارت کو سنیں اور خاموش رہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت قرارت خلف الامام سے متعلق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے چند حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) علامہ جمال الدین زلیعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قد اخرج البيهقي عن احمد رحمہ اللہ

تعالى قال اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (زلیعی ص ۲۳۲ ج ۱)

(۲) قال العلامة موفق الدين بن قدامة في المغنى قال احمد رحمه الله تعالى

الناس على ان هذا في الصلوة (الى قوله) وقال احمد في رواية ابى داود اجمع

الناس على ان هذه الآية في الصلوة (مغنى ص ۶۵ ج ۱)

(۳) قال العلامة شمس الدين بن قدامة قال احمد رحمه الله تعالى في رواية

ابى داود اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (شرح المقنع الكبير ص ۲ ج ۲)

(۴) قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى واخرج البيهقي عن الامام احمد رحمه الله

تعالى قال اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (فتح القدير ص ۲۲ ج ۱)

(۵) قال العلامة العلى القارى رحمه الله تعالى روى البيهقي عن احمد بن حنبل رحمه

تعالى انه قال اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة (شرح لقاية ص ۵ ج ۱)

(۶) غير مقلدین کے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں و ذکر احمد بن حنبل رحمه

تعالى الاجماع على انها نزلت في الصلوة وذكر الاجماع على انها لا تجب القراءة على

المأموم حال الجهل (فتاوى ابن تيمية ص ۱۲۳ ج ۲)

وقال ايضاً وقول لجهنم هو الصحيح فان الله سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون قال احمد رحمه الله تعالى اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۷۲)

(۷) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد پشاوری اپنی کتاب "اعلام الاعلام في القراءة خلف الامام" میں لکھتے ہیں، والاصح كونها في الصلوة لما روى البيهقي عن الامام احمد قال اجمعوا على انها في الصلوة (اعلام الاعلام ص ۱۹)

مذکورہ عبارت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیہقی کی روایت اجماع کو غیر مقلد عالم نے بھی تسلیم کر لیا ہے، لہذا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "مجھے امام بیہقی کی معرفۃ السنن والاشار اور کتاب القراءة میں یہ قول نہیں ملا۔" بیہقی کی روایت کو دیکھنے والی ایک جماعت ہے جن میں غیر مقلد اور غیر مقلدین کے امام بھی ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اگر مبارکپوری صاحب کو یہ روایت نظر نہیں آئی تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ ۵

واذا لم تر الهلال فسلم (اناس دأوه بالابصار)

عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، پھر یہ منطق بھی کیا عجوبہ ہے کہ بیہقی کی صرف دو کتابیں دیکھ کر فیصلہ سنا دیا کہ بیہقی نے یہ روایت نہیں کی، یہ استدلال کی کونسی قسم ہے کہ جو چیز دو کتابوں میں نہیں وہ بیہقی کی کسی کتاب میں بھی نہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل میں بیہقی متفق نہیں بلکہ موفق الدین ابن قدامہ شمس الدین ابن قدامہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی نقل ہیں کما مر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قول اجماع منقول ہے، ونصه لا خلاف انه نزل في هذا المعنى دون غيره (اوجز المسالك ص ۱۷۲)

ثبوت اجماع کے بعد اس آیت کے شان نزول سے متعلق مزید کسی روایت کی ضرورت نہیں، معہذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین ومن بعدہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشاد ملاحظہ ہوں

① صلی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فسمع اناساً یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما ان لكم ان تفهموا اما ان لكم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما امرکم اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن جریر ۹/۱۷۲)

② قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ في القراءة خلف الامام انصت للقرآن كما امرت فان في القراءة لشغلا وسيكفيك ذلك الامام (كتاب القراءة للبيهقي ص ۷۳)

③ عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

لعلکم ترجمون یعنى فی الصلوة المفروضة (کتاب القراءة للبيهقي ص ۳)

(۴) قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما المؤمن في سعة من الاستماع اليه الا في صلوة مفروضة او مكتوبة، او يوم جمعة او يوم فطر او يوم اضحى يعنى واذا قرئ القرآن الآية (کتاب القراءة ص ۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں، یہاں ہر ایک سے صرف دو روایتیں نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پہلی روایت میں ایک راوی محارب بن ہشام کے بارے میں ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ انکا نام عبدالرحمن بن محمد بن زیاد ہے جو انتہائی درجہ کے ضعیف ہیں۔

مگر ان صاحب کے یہ دونوں دعوے غلط ہیں اس سند میں عبدالرحمن بن محمد بن زیاد المحارب بن ہشام بلکہ یحییٰ بن یعلیٰ المحارب بن ہشام جو بالاتفاق ثقہ ہیں ان پر کسی نے بھی جرح نہیں کی، امام ابو حاتم اور حافظ ابن حبان نے انکی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۱۱)

عبدالرحمن بن محمد بن زیاد المحارب بن ہشام کو انتہائی ضعیف قرار دینا بھی غلط اور سراسر ظلم ہے، ان کے بارے میں اگرچہ مضطرب، کثیر الغلط، یحمہ وغیرہ الفاظ بعض نے کہے ہیں مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام ابن معین، نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابن سعد، ابن شاہین، بزار اور دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، عثمان بن ابی شیبہ اور ساجی نے صدق کہا ہے۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ طویل احادیث کے بڑے حافظ تھے، عجلی نے (جائزۃ فرمایا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۶ ج ۶)

تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کے بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کا نام بشیر بن جابر لکھا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے، مسند احمد بن حنبل ص ۳۸۲، مسند طیار ص ۱۵ اور صحیح مسلم ص ۳۹ ج ۲ میں ایک دوسری روایت کی سند میں یسیر بن جابر اور یہی صحیح ہے (نوی ص ۳۹ ج ۲، تجرید اسماء الصحابة للذہبی ص ۱۵۳، استیعاب ص ۱ ج ۱ و ص ۱۵۸ ج ۲)

یسیر بن جابر کی حافظ ابن حبان، ابن سعد اور امام عجلی نے توثیق کی ہے اور عموم بن شیبہ ان کو صحابی قرار دیتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۳۹ ج ۱۱) حافظ ابن عبدالبر نے بھی انکو صحابی کہا ہے (استیعاب ص ۱ ج ۱ و ص ۱۵۸ ج ۲)

دوسری حدیث کے ایک راوی عبد الوہاب ثقفی کے حافظہ میں آخر عمر میں کچھ فتور آگیا تھا لیکن اس زمانہ میں انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی (میزان الاعتدال ص ۱۶۱ ج ۲) تیسری حدیث کے ایک راوی عبد اللہ بن صالح کو ابن عدی نے مستقیم الحدیث قرار دینے کے باوجود لکھا ہے کہ یہ عمدًا جھوٹ نہیں بولتے مگر سند اور متن میں غلطی کر جاتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۲۵۶ ج ۵)

ابن عدی کی یہ جرح جمہور ائمہ حدیث کی تعدیل کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی، امام ابن معین، ابو حاتم، ابن حبان، عبد الملک بن شعیب، ابو زرہ، یعقوب بن سفیان اور مسلمہ ابن قاسم انکی توثیق فرما رہے ہیں۔ ابو ہارون انخریبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو صالح سے زیادہ اثبت کوئی نہیں دیکھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کے راوی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الادب المفرد اور جزر القراءۃ وغیرہ میں بھی ان سے تخریج کی ہے، امام حاکم اور ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے ان کی سند کو صحیح، قوی اور جید قرار دیا ہے۔

ابن القطان فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہیں ان پر کوئی ایسا الزام نہیں ثابت ہو سکا جسکی بنا پر انکی روایت کو غیر معتبر کہا جاسکے، البتہ یہ مختلف فیہ ہیں انکی حدیث حسن ہے۔

ان کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن نبیح ایک شریر شخص تھا جو آپکا پڑوسی تھا اسنے بلا وجہ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، (تہذیب التہذیب ص ۲۵۹، ۲۶۰ ج ۵،

تذکرہ ص ۳۵۶ ج ۱، مستدرک ص ۱۹۹ ج ۲، تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۸ ج ۳)

اس حدیث کے دوسرے راوی علی بن ابی طلحہ پر دو اعتراض کئے گئے ہیں ایک یہ کہ انکے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اشياء منکرات (میزان ص ۲۲۸ ج ۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع حاصل نہیں اسلئے یہ روایت منقطع ہے۔

۱ اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ وہ اشياء منکرات کا یہ مطلب نہیں کہ انکی روایت میں کوئی امر قاذح ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں یہ خرابی تھی کہ یہ خلیفہ کے مقابلہ میں خروج جائز سمجھتے تھے ولکن لہ رأى سوء یرى السیف میں اس کی تصریح ہے۔ وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ونقل البخاری من تفسیرہ روایۃ معاویۃ بن صالم عنہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیئا کثیرا فی التراجم وغیرہا ولکنہ لا یسمیہ یقول قال ابن عباس

اوید کر عن ابن عباس وقد وقفت على السبب الذي قال فيه ابو داود يرمى السيوف
(تہذیب التہذیب ص ۳۲ ج ۲) امام نسائی، امام ابو داود، ابن حبان اور محدث عجلی نے انکی
توثیق فرمائی ہے (میزان ص ۲۲۵ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳۳۹ ج ۲) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ
نے ان سے روایت کی ہے (صحیح مسلم ص ۲۶۵ ج ۱)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کے درمیان مجاہد بن جبر اور سعید بن جبیر کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اس لئے یہ سند
بلاشبہ صحیح ہے (میزان الاعتدال ص ۲۲۵ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳۳۹ ج ۲، فتح الباری ص ۳۳۳،
تفسیر اتقان ص ۱۸۸ ج ۱)

امام جعفر نخاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں علی بن ابی طلحہ کے اسی تفسیری صحیفہ
سے نقل کیا ہے (اتقان ص ۱۸۸ ج ۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری میں اور امام ابن جریر،
ابن ابی حاتم اور ابن المنذر وغیرہ بھی تفاسیر میں اسی صحیفہ سے نقل فرماتے ہیں (فتح الباری ص ۳۳۳)
غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں، اماروایت از
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطریق مختلفہ آمدہ اجود آہنا طریق معاویہ بن صالح از علی بن
ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما است، بخاری در صحیح خود اعتماد بر ہمیں طریق کردہ
پس بس (اکسیر فی صولہ التفسیر ص ۱۱)

چوتھی حدیث کے راوی مسکین بن بکیر الحارانی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام احمد اور ابو احمد
نے ان کو وہمی اور کثیر الخطا کہا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ انکا وہم وخطا صرف سعید بن عبد العزیز
سے روایت کے ساتھ خاص ہے۔ خود ابو احمد نے تصریح فرمائی ہے، ومن این کان مسکین
یضبط عن سعید (تہذیب التہذیب ص ۳۲ ج ۱) غیر سعید سے ان کی روایت میں کوئی وہم
نہیں چنانچہ امام احمد، ابن معین، ابن حبان، ابن عمار اور ابو حاتم نے انکی توثیق فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی
اور بھی کئی روایات ہیں علاوہ ازیں اسی قسم کی روایات حضرت ابو ہریرہ و عبد اللہ بن مغفل
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہیں۔

تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام :

حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں صحابی کی

تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے (مستدرک ص ۱۳ ج ۱) امام حاکم کی اپنی تحقیق بھی یہی ہے (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲) اکثر علماء تفسیر صحابی کو بحکم مرفوع قرار دیتے ہیں (البلائیۃ والنهائیۃ ص ۲۳ ج ۲) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تفسیر صحابی مرفوع ہے (تدریب الراوی ص ۶۵) علامہ جزائری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس صحابی نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہو اسکا کسی آیت کا شان نزول بتانا بحکم مرفوع ہے (توجیہ النظر ص ۱۶۵) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں وکذا حکم اقوالہم فی التفسیر فانہا اصول من اقوال من بعدہم وقد ذهب بعض اہل العلم الی ان تفسیرہم فی حکم المرفوع (الجنة فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنة ص ۹۶) و قال الحافظ ابن قیم تفسیر الصحابی حجة (زاد المعاد)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تفسیر میں بہت بلند مقام ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلمین قرآن میں سے اول درجہ عطا فرمایا ہے (صحیح بخاری ص ۵۳ ج ۱، مسلم ص ۲۹۳ ج ۲) اور فرمایا کہ ابن مسعود کی تحقیق اور عہد کو مضبوطی سے قائم رکھو (استیعاب ص ۳۵۹ ج ۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن مسعود علم کا انبار تھے۔ (استیعاب ص ۳۵۹ ج ۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کا انبار ہیں اور آپ کو تعلیم قرآن کے لئے اہل کوفہ کی طرف بھیجا (بغدادی ص ۱۴ ج ۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا ابن مسعود سے کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن مسعود ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کسی وقت حجاب نہیں فرماتے تھے (صحیح مسلم ص ۲۹۳ ج ۲) اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علانیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جسکا شان نزول کا مجھے علم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی اور میں کتاب اللہ کا اپنے سے بڑا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ نیز فرمایا کہ سب صحابہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کتاب اللہ کا ان سب سے بڑا عالم ہوں (صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۲، صحیح مسلم ص ۲۹۳ ج ۲) امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء راشدین سے بھی

کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں (مسلم ص ۲۹۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ معوذتین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے، مگر یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کل ما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ان المعوذتین وام القرآن لم یكونا فی مصحفہ فکذب موضوع لا یصح (محلی ص ۱۳ ج ۱) علامہ سیوطی فرماتے ہیں وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل لیس بصحیح (اتقان ص ۹ ج ۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح المہذب میں یہی فرمایا ہے۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ امر دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ یہ ابن مسعود پر افتراء ہے اور وہ اس سے بالکل بری ہیں (طبقات ص ۲ ج ۲)

فن تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد دوسرا درجہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب بصیرت بھی تفسیر قرآن میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے (صحیح بخاری ص ۴۳ ج ۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ان کو دین کا فہم اور قرآن کریم کی تفسیر میں مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد ص ۳۲۸ ج ۱) قال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص ۲۴۶ ج ۹) وصحہ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۹ ج ۸) وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابن عباس اعلم الناس بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (البدایۃ والنہایۃ ص ۳۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ دین کے امام، علم کا سمندر اور بہت بڑے عالم تھے (تذکرہ ص ۳۱) اس کے بعد ہم آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے شان نزول سے متعلق بعض تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات نقل کرتے ہیں۔ تفسیر قرآن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے، جمہور ائمہ کے ہاں تابعین کی تفسیر حجت ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۵۱ ج ۱) نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں وهکذا التفسیر للتابعی حجة (الجنة فی الاسوة المحسنة بالسنة ص ۹۶)

مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ :

تفسیر میں تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بالخصوص حضرت مجاہد بن جبر رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقام بہت بلند ہے، امام ذہبی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی امامت اور جلالت شان متفق علیہ خصیصہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے (تہذیب الاسماء ص ۱۸)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ائمہ مفسرین میں سے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص تلامذہ میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے (البدایۃ والنتہایۃ ص ۲۳۲ ج ۹) نیز فرماتے ہیں کہ مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ فن تفسیر کے مسلم امام ہیں، سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس مجاہد کی تفسیر پہنچ جائے تو پھر کسی اور کی حاجت باقی نہیں رہتی، مجاہد کے بعد سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن المسیب، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک ابن مزاحم وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۲ ج ۱) نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں ابن تیمیہ گفۃ اعلیٰ الناس بالتفسیر اہل مکہ کمجاہد، آگے ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ کی تفسیر پر کئی اعتماد کیا ہے (الاکسیر فی اصول التفسیر ص ۱۱)

اب مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایات ملاحظہ ہوں

⑤ ابن ابی نجیح حضرت مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فسمع قراءۃ فتی من الانصار فتزل و اذا قرئ القرآن الایۃ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۷)

⑥ ابو ہاشم سمعیل بن کثیر المکی مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ قال فی الصلوۃ (کتاب القراءۃ ص ۷)

⑦ حمید اعرج حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ قال فی الصلوۃ (کتاب القراءۃ ص ۷)

ہم مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ آپ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ اور بھی متعدد روایات اس مضمون کی ہیں۔

امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۷ میں فرماتے ہیں کہ مجاہد کی یہ روایت منقطع ہے اھمگر ابو زرہ ابو حاتم اور دارقطنی جیسے مشہور ائمہ حدیث منقطع اور مرسل میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ قال لعلاء الجزائری رحمہ اللہ تعالیٰ وقد اطلق المرسل علی المنقطع من ائمۃ الحدیث ابو زرۃ و ابو حاتم و الدارقطنی (توجیہ النظر ص ۲۳۳)

سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ : امام شافعی کو دوسرے تابعین کی مراسیل کی حجیت

میں کلام ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مراسیل کی طرح سعید بن المسیب کے مرسل کو وہ بھی حجت تسلیم کرتے ہیں (تدریب الراوی ص ۱۲) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ آپ کے مراسیل صحیح ترین ہیں (تدریب الراوی ص ۱۳) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کے تمام مراسیل صحیح ہیں (تذکرہ ص ۵۱) قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات (تدریب الراوی ص ۱۳) حاکم فرماتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح ترین مراسیل آپ کے ہیں (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲) امام بیہقی آپ کے مراسیل کو اصح المراسیل قرار دیتے ہیں (السنن الکبریٰ ص ۴۲ ج ۱) علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیب کا ہے (توجیہ النظر ص ۱۶) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق ہے، علمی فضیلت اور وہ تمام اعمال خیر میں اپنے سب معاصرین سے ممتاز تھے اور آپ کے تفوق اور برتری پر تمام علماء کا اتفاق ہے، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار تھے (تہذیب الاسماء ص ۲۲ ج ۱) حافظ ذہبی آپ کو اجلہ تابعین میں شمار کرتے ہیں (تذکرہ ص ۴ ج ۱) ابن حمار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ میں حدیث، فقہ، زہد، ورع، عبادات اور جملہ علمی و عملی کمالات جمع تھے (شذرات الذهب ص ۱ ج ۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ علی الاطلاق سید التابعین تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کو احد المتقین فرماتے تھے (البلائیۃ والنهایۃ ص ۹۹ ج ۹) امام بیہقی بن سعید فرمایا کرتے تھے کہ آپ سے جب کسی آیت کی تفسیر دریافت کی جاتی تھی تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تفسیر قرآن میں رائے کو دخل نہیں دیتے بلکہ صرف وہی کہہ سکتے ہیں جسکا ہمیں علم ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۶ ج ۱) آپ کی روایت درج ذیل ہے۔

⑧ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال فی الصلوۃ (کتاب القراءۃ ص ۵) اس روایت کی سند میں حماد بن سلمہ ہیں، ان کو علامہ ذہبی الامام، الحافظ، المحدث اور شیخ الاسلام جیسے القاب دے رہے ہیں (تذکرہ ص ۱۹ ج ۱) امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حماد بن سلمہ کے حق میں کچھ کہتا ہو فاتحہ علی الاسلام، یعنی اسکو منافق سمجھو (تذکرہ ص ۱۹ ج ۱) امام ابن معین سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں (تہذیب لہذیب ص ۲۲) نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں گویم حماد بن سلمہ امام ست تفرّدش مادام کہ در موش مانع از اصول نبود مضر نیست (بدور الاہلہ ص ۳۳) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی تغیر

اگیا تھا (تقریب ص ۱) مگر اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ثقہ رواۃ کی روایات کو معمولی نسیان کی وجہ سے رد کرنا صحیح نہیں، تفصیل کے لئے فتح المغیث ص ۱۱ ملاحظہ ہو۔ المیزان ص ۱ ج ۱، میزان الاعتدال ص ۲۳ ج ۲، ص ۲۵ ج ۲، اور بغدادی ص ۱۲ ج ۱۲ میں بھی وہم قلیل اور تغیر لیسیر کی وجہ سے ثقات پر اعتراض کرنے والوں پر سخت تردید اور شدید نیکر کی گئی ہے۔

اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں اسلئے انکا عنعنہ قبول نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے غیر مضر قرار دیا ہے۔ علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ سے ایسے مدلسین کی فہرست نقل فرماتے ہیں جنکی تدلیس صحت روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی منہم کان جلة اصحابہ لحدیث وائمة المسلمین کالحسن البصری وابی اسحق السبیعی و قتادة بن دعامة وعمر بن دینار وسليمان الاعمش وابی الزبیر وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة (توجیه النظر ص ۲۵) امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن مدلسین کی تدلیس مضر نہیں ان میں سے ابوسفیان طلحہ بن نافع اور قتادہ بن دعامہ بالخصوص قابل ذکر ہیں (معرفة علوم الحديث ص ۱۳) صحیحین میں قتادہ کی روایات عنعنہ کے ساتھ بہت کثرت سے ہیں ان کو صحیحین کی خصوصیت نہیں کہا جاسکتا اسلئے امام حاکم اور ابن حزم کا مذکورہ فیصلہ عام معرفۃ علوم الحديث ص ۱ میں سلیمان شاذکونی کا قول منقول ہے کہ اعمش اور قتادہ کی صرف یہی روایات معتبر ہیں جن میں سماع کی تصریح ہو، مگر ذرا لسان المیزان ص ۵ ج ۳ میں خود سلیمان شاذکونی کا تانا بانا بھی دیکھ لیں ائمہ حدیث نے اس کو یہ القاب دئے ہوئے کذاب، اضع احادیث، شرابی، یہودہ، نامراد، عدو اللہ، خبیث، لونڈے بازی سے متہم۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب طبقات المدلسین میں قتادہ کو مدلسین کے سرے طبقہ میں شمار کیا ہے جن کا عنعنہ قبول نہیں۔ مگر خود حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں قتادہ کی منعن روایات کو صحیح قرار دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۲ ج ۲ ملاحظہ ہو اور خود حافظ کا فیصلہ ہے کہ انکی نظر میں فتح الباری کی تحقیق زیادہ رائج اور قابل اعتماد ہے، طبقات المدلسین آپ کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے اور اس زمانہ کی تصانیف پر آپ خود مطمئن نہیں، بناچہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں ونقل عنہ انہ قال لست راضیا عن شیء من تصانیفی فی عملتها فی ابتداء الامر ثم لم یتھیأ لی من یجرہا معی سوی شرح البخاری و

مقدمتہ والمشتبہ والتہذیب ولسان المیزان وروی عنہ فی موضع آخر انہ اثنی علی شرح البخاری والتعلیق والنخبۃ (البدار الطالع ص ۸۹ طبع سنہ ۱۳۸۵ھ) اس سے ثابت ہوا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات المدلسین میں قتادہ کے عنعنہ کے بارے میں جو لکھا ہے بعد میں اس سے رجوع فرمایا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ :

⑨ منصور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فی الصلوۃ (کتب القراءۃ ص ۷۷)
امام المحدثین علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل جنکو ثقہ راوی نقل کریں بالکل صحیح ہوتے ہیں (تدریب الراوی ص ۱۲۳)

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جامع کمالات، عالم، بلند مرتبہ، رفیع المنزلہ، فقیہ، مأمون، عابد، زاہد، وسیع العلم، فصیح، بلیغ اور حسین و جمیل تھے (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۱)
علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا سمندر، فقیہ النفس، کبیر الشان، عظیم النظیر اور بلیغ التذکیر تھے (تذکرہ ص ۶۲ ج ۱) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء ص ۱۶ ج ۱) ابوبکر الہندی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک ایک سورت کی تفسیر اور اسکے شان نزول وغیرہ کا پورا علم حاصل نہ کر لیتے تھے اسوقت تک وہ آگے نہ بڑھتے تھے۔ (شذرات ص ۱۳ ج ۱) آپ فقہ کے بہت بڑے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے، (طبقات سعد ص ۱۱۱ قسم اول)
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو الامام الفقیہ المشہور احد التابعین الکبیر الاجلاء لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ علم و عمل اور اخلاص میں یکتا تھے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۶۹ ج ۹)
نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں حسن بصری و محمد بن القرظی و ابو العالیۃ الریاحی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ابن ہما قدما مفسرین ندو غالب اقوال ایشان متلفی از صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بودہ است (اکسیر ص ۱۱)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ :

⑩ یونس امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں قال لا یقرأ من وراء الامام فیما یجہر بہ الامام یکفہم قراءۃ الامام وان لم یسمعہم صوتہ ولكن یقرؤن فیما لا یجہر بہ

سرافی انفسہم ولا یصلح لاحد خلفہ ان یقرأ معہ فیما جہر بہ سرًا ولا علانیۃ قال اللہ
 واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (کتاب القراءة ص ۵۷) سری نمازوں
 میں قرأت خلف الامام کا حکم آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں صرف یہ مقصود ہے کہ امام
 زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی واذ قرئ القرآن الاية کا شان نزول نماز میں قرأت بیان فرماتے ہیں،
 امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زہری حدیث، تفسیر اور رجال کی توثیق میں
 امام ہیں (الرسالة للامام الشافعی ص ۶۷) حافظ ابن کثیر آپ کے بارے میں فرماتے ہیں احد
 الاعلام من ائمة الاسلام، تابعی جلیل واعلم الناس (البداية والنهاية ص ۳۹۳)
 امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانہ میں آپ سے بڑا حافظ حدیث، عالم اور احادیث کا جامع و مرتب
 اور کوئی نہ تھا (کتاب القراءة ص ۵۷) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم
 زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا، (تذکرہ ص ۹۹ ج ۱) عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ
 فرمایا کرتے تھے کہ اب زہری سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا (تذکرہ ص ۹۹ ج ۱)
 عمرو بن دینار فرماتے تھے کہ میں نے حدیث میں کسی کو آپ سے زیادہ النص نہیں دیکھا (تہذیب
 التہذیب ص ۴۸ ج ۹) ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم آپ کے سینہ میں
 محفوظ تھا (وفیات الاعیان ص ۴۵ ج ۱) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں آپ اپنے وقت میں سنت
 اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے، (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۴۵ ج ۲)

ابوالعالیۃ الریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ :

① ہاجر ابوالعالیہ ریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 اذا صلی قرأ فقرا أصحابہ فنزلت فاستمعوا لہ الاية فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم (کتاب القراءة ص ۵۷)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابوالعالیہ ریاحی کبار تابعین میں سے تھے، ابوالقاسم
 طبری فرماتے ہیں کہ آپ کی توثیق پر سب متفق ہیں (تہذیب الاسماء ص ۲۵ ج ۱) ابو بکر بن داؤد
 فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ابوالعالیہ سے بڑھ کر کوئی عالم قرآن نہ تھا
 (تذکرہ ص ۵۸ ج ۱) ابن سعد آپ کو کثیر الحدیث فرماتے ہیں (طبقات ابن سعد ص ۵۸ ج ۷)
 خود امام بیہقی تہذیبہ فی الصلوۃ والی حدیث کے سوا آپ کی باقی تمام احادیث کو صحیح تسلیم
 کرتے ہیں (السنن الکبریٰ ص ۱۴ ج ۱) امام عجبلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں

سے ہیں، امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ حدیث ضحک فی الصلوٰۃ کے سوا آپکی تمام احادیث درست ہیں، (تہذیب التہذیب ص ۲۸۵ ج ۳) مولیٰ طاش کبریٰ زادہ فرماتے ہیں کہ آپ کبار تابعین میں سے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال بعد اسلام لائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور آپ نے حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرآن کریم پڑھا ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین بار قرآن کریم سنایا تھا (مفتاح السعادة ص ۳۶۳، تہذیب التہذیب ص ۲۸۳) قال الذہبی اما اذا اسند ابو العالیۃ فحجة (میزان ص ۳۲ ج ۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ کا مرسل حجت نہیں مگر جمہور محدثین نے ذہبی کے اس قول کو قبول نہیں کیا اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اس کو نقل نہیں فرمایا۔

عبد بن عمیر و عطار بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ :

(۱۲) طلحہ بن عبد اللہ بن کریر : عبد بن عمیر اور عطار بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں انما ذلک فی الصلوٰۃ یعنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الآية (تفسیر ابن جریر ص ۱۱ ج ۹، تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ ج ۳)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ عبد بن عمیر عالم، واعظ اور کبیر القدر تھے (تذکرہ ص ۴۱ ج ۱) ابن معین، ابو زرہ اور ابن حبان آپ کو ثقہ لکھتے ہیں، عجل فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے اور آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے (تہذیب التہذیب ص ۶ ج ۶)

عطار بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ کو ذہبی مفتی اہل مکہ، محدث، القدوہ اور العلم لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۹۲ ج ۱) ابن حبان فرماتے ہیں کہ آپ فقہ، ورع اور فضل میں تابعین کے سردار ہیں حافظ ابن حجر آپ کو ثبت، حجة، امام اور کبیر الشان لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲ ج ۴) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ کبار، ثقات اور بلند پایہ تابعین میں سے تھے، دو سو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ، فقیہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے (البداية والنهاية ص ۳۰ ج ۹)

محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۱۳) ابو معشر محمد بن کعب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرات فرماتے تو آپ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ کے ساتھ قرات کرتے تھے اس پر سورہ اعراف کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا للآیۃ نازل ہوئی (کتاب القراءۃ ص ۷۷)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ علم وفقہ میں مدینہ منورہ کے فاضل ترین علماء میں سے تھے (تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۹) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ائمہ تابعین میں سے تھے (تہذیب الاسماء ص ۹ ج ۱ قسم اول) حافظ عجبی آپ کو ثقہ، صالح اور عالم قرآن فرماتے ہیں، ابن سعد آپ کو ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث فرماتے ہیں۔ یحییٰ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر قرآن میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا (البداۃ والنہایۃ ص ۲۲ ج ۶، تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۹) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ مفسر قرآن تھے (دولۃ الاسلام ص ۵۱ ج ۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر قرآن کے عالم، صالح اور عابد تھے (البداۃ والنہایۃ ص ۲۵ ج ۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بنو قریظہ میں ایک شخص پیدا ہوگا، فن تفسیر میں اسکی نظیر نہوگی، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پیشگوئی محمد بن کعب القرظی کے بارے میں ہے (البداۃ والنہایۃ ص ۲۲ ج ۶) مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم جیسا مفسر قرآن اور کوئی نہ تھا (تحفۃ الاحوذی ص ۴۱ ج ۱)

مبارکپوری صاحب نے روایت مذکورہ کے ایک راوی ابو معشر کی بعض محدثین سے تضعیف نقل کی ہے مگر امام احمد، ابن معین اور ابو زرہ جیسے جلیل القدر ائمہ نے آپ کی توثیق فرمائی ہے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ آپ سے بڑے بڑے ثقات نے روایت کی ہے، (میزان الاعتدال ص ۲۲۹ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۲۲ ج ۱۰) امام نعیم آپ کو کیس اور حافظ فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۲ ج ۱۰) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا ظرف تھے اور امام نسائی نے آپ سے احتجاج کیا ہے (تذکرہ ص ۲۱۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۱۹ ج ۱)

علاوہ ازیں جن محدثین نے آپکو ضعیف کہا ہے وہ بھی صرف روایت حدیث میں تضعیف کرتے ہیں۔ فن تفسیر میں آپ بالاتفاق مسلم امام تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، علی بن المدینی اور عمر بن علی الفلاس وغیرہم ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابو معشر کی تفسیر سے متعلق روایات بالخصوص وہ روایات جو محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہیں بلا چون و چرا صحیح اور معتبر ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۲۱) آپ کی روایت مذکورہ تفسیر کے بارے میں ہے اور محمد بن کعب سے ہے، اسلئے بالاتفاق صحیح اور معتبر ہے۔ اسی طرح آپ سے تاریخ کی روایت بھی بالاتفاق حجت ہے، امام خلیلی فرماتے ہیں وتاریخہ احتج بہ الأئمة وصنفوه فی الحدیث (تہذیب التہذیب ص ۲۲۲ ج ۱۰) جیسے محمد ابن اسحق کہ صرف احکام سے متعلق احادیث میں ضعیف ہیں مگر مغازی کے امام ہیں،
حجتہ المرسل:

آیت کریمہ کے شأن نزول سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے جو روایات اوپر نقل کی گئی ہیں یہ انکا اپنا خیال نہیں بلکہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یعنی انکی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شأن نزول بیان فرمایا ہے، تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق اوپر متعدد حوالوں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حکم مرفوع ہے، اسی طرح جمہور امت کے نزدیک تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفسیر بھی حکم مرفوع ہے اسلئے کہ جمہور محدثین و ائمہ دین مرسل کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ تمام تابعین اور انکے بعد دوسری صدی کے آخر تک تمام ائمہ حدیث بالاجماع جمیت مرسل کے قائل تھے۔ وقال ابن جریر اجمع التابعون بأسرہم علی قبول المرسل ولہ یأت عنہم انکارہ ولاعن احد من الائمة بعدہم الی رأس المائتین قال ابن عبد البر کانہ یعنی الشافعی ولہ من ردہ (توجیہ النظر للجزائری ص ۲۲۵، تدریب الراوی للسیوطی ص ۱۲، منیۃ الاملی للعلامة قاسم بن قطلوبغا ص ۲) وقال العلامة الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ والاحتجاج بالمرسل کان سنة متوارثة جرت علیہ الامة فی القرون الفاضلة حتی قال ابن جریر رد المرسل مطلقاً بدعة حدثت فی رأس المائتین اھما ذکرہ الباجی فی اصولہ وابن عبد البر فی التمهید وابن رجب فی شرح علل التریب (تانیب الخطیب ص ۱۵۲) واما العراسیل فقد کان یحجہ بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالك والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیہ (توجیہ النظر ص ۲۲۵) وكذا ذکر النواب صدیق حسن خان فی "الحطۃ فی ذکر الصحیح الستہ ص ۱۰۶"

نیز نواب صاحب فرماتے ہیں اعلال بار سال موجب ترک اونست زیرا کہ قبول مراسیل مذہب جمع از فحول علماء اصول ست (دلیل لطالب ص ۳۲۵)

حجیت مرسل کا سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے، آپ سے قبل قبول مرسل پر اجماع تھا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مرسل کو حجت قرار دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حجیت مرسل کا قطعاً انکار نہیں فرماتے بلکہ بعض شرائط کے ساتھ وہ بھی مرسل کو قبول فرماتے ہیں۔ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یقبل اذا اعتضد بسجیئہ من وجہ آخر یباین الطريق الاولیٰ مسنداً کان او مرسل (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۲) بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائے گا (حاشیہ شرح نخبہ)

وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ ومذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ان یحتج بہ ومذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ اذا انضم الی المرسل ما یعضدہ احتج بہ وذلك بان یروی مسنداً او مرسلًا من جهة اخرى او یعمل بہ بعض الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم واکثر العلماء (مقدمۃ النووی لشرحہ لصحیح مسلم ص ۱۶) امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں اذا کان المرسل من وجہین کل من الراویین اخذ العلم عن شیوخ اخر فہذا یدل علی صدقہ فان مثل ذلك لا یتصور فی العادۃ تماثل لخطأ فیہ وتعمد الکذب (منہاج السنۃ ص ۱۴ ج ۴) ایسے مرسل کی حجیت پر امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۱۲۳ میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد ص ۱۵۱ ج ۱ میں اور مبارکپوری نے ابکار المنن ص ۱۳۸ میں اتفاق نقل کیا ہے، نیز مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں، مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (تحقیق الکلام ص ۹ ج ۱) ہم اوپر بحوالہ تدریب الراوی ص ۱۲ تحریر کر چکے ہیں کہ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بہر حال حجت تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ کوئی دوسرا مرسل یا مسند اسکا مؤید نہ ہو۔

غرضیکہ آیہ کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے شأن نزول سے متعلق مذکورہ بالا مراسیل امام شافعی اور امام ابن تیمیہ کے شرائط کے مطابق ہیں اور بالاجماع حجت ہیں۔

ائمہ غیر مقلدین :

ائمہ غیر مقلدین بھی اس واضح حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی

جن کی کتاب القراءۃ پر غیر مقلدین کے مسلک کا مدار ہے فرماتے ہیں انا لانکر نزول هذه الآية في الصلوة اذ في الصلوة والخطبة كما ذهب اليه من ذكرنا قوله من سلف هذه الامة (جزء القراءۃ ص ۷)

وقال الشوكاني (ان عمومات القرآن والسنة قد دلت على وجوب الانصات والاستماع والتوجه حال قراءة الامام للقرآن (نيل الاوطار ص ۲۲ ج ۲)

وقال ابن تيمية الذين ينهون عن القراءة خلف الامام جمهور السلف والخلف ومعهم الكتاب السنة الصحيحة والذين اوجبوها فخذ يثام ضعفه الامة (تنوع العبادات ص ۸) وقال ايضا وقول الجمهور هو الصحيح فان الله سبحانه وتعالى قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون قال احمد اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة. (فتاوى ابن تيمية ص ۱۲۳ ج ۲)

نواب صاحب فرماتے ہیں این آیت دلالت نمی کند مگر بر منع قرارت در حال جهر امام بقرارت لقوله فاستمعوا واستماع نمی باشد مگر از برائے قرارت مجبور بهمانه برائے قرارت مخالفت (دلیل الطالب ص ۲۸)

اب ہم نص قرآنی میں فریق مخالف کی تاویلات رکیکہ بیان کرتے ہیں۔

① مبارکپوری کا تعنت :

مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام اور تحفۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب مؤمنین کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے جو تبلیغ کے وقت شور و غل مچایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر الکبیر جلد ۴ ص ۵ میں لکھا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر واقعی خطاب مؤمنوں کو ہوتا تو لعلکم کے لفظ کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ لفظ ترجمی کے لئے آتا ہے اور مؤمن بہر حال رحمت خداوندی کا مورد اور مستحق ہے مبارکپوری صاحب کی یہ تحقیق محض تعنت ہے اسلئے کہ ہم اوپر اجماع امت سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ نماز میں قرارت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام رازی :

اجماع امت کے خلاف امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال معتبر نہیں بالخصوص جبکہ آپ نے اس خیال کی تائید میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی، اگر آپ کوئی روایت نقل

فرماتے تو بھی وہ قابل اعتماد نہوتی اسلئے کہ ائمہ حدیث نے آپ کو عقلیات کا امام تسلیم کر نیچے
باوجود تفسیر و حدیث میں آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام رازی عقلیات کے مسلم امام ہیں
لیکن احادیث و آثار میں ان کا پایہ کمزور ہے اسی وجہ سے انکی تفسیر میں رطب و یابس
سبھی کچھ ہے (لسان المیزان ص ۲۲۶ ج ۴)

قال الامام السيوطي رحمه الله تعالى قال ابو حيان في البحر جمع الامام الرازي في
تفسيره اشياء كثيرة طويلة (حاجة لها في علم التفسير ولذلك قال بعض العلماء فيه كل
شيء الا التفسير لاتقان ص ۱۹ ج ۲) وقال المولى طاش كبرى زاده رحمه الله تعالى قال
ابن السبكي في طبقاته الكبرى اعلما شيخنا الذهبي ذكر الامام في كتاب الميزان في
الضعفاء وهذا امر لا محض له من وجوه اعلاها انه ثقة جبر من اجل الامة وادناها انك
رواية له وذكره في الرواة مجرد فضول وتعصب وتحامل تقشعر منه الجلود (الى قوله)
عمد الى امام من ائمة المسلمين وادخله في جماعة ليس هو منهم اعنى رواية الحديث فان
الامام لا رواية له (مفتاح السعادة ص ۴۲ ج ۱)

نواب صاحب فرماتے ہیں، مؤلف وے از علم حدیث بے خبر ست و در علوم کلام و فنون سیم
امام اہل زمان بعضے از اہل معرفت بعلوم کتاب و سنت گفتہ اند فیہ کل شیء الا التفسیر (اکسیر)
نیز فرماتے ہیں رازی از علم حدیث خبر ندارد (اکسیر ص ۱۱)

پھر لفظ "لعل" سے استدلال بھی عجیب ہے، جبکہ شاہی محاورہ میں یقینی وعدہ کے لئے
اسکا استعمال معروف ہے۔ قال العلامة عبد الله بن احمد الشافعي ولعل للترجي والاطماع
ولكنه من كريم فيجري مجرى وعدة المحتوم وفائه وبه قال سيبويه (مدارك التنزيل ص ۱۱)
اگر لفظ "لعل" مومنین کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں تو مندرجہ ذیل آیات کا کیا جواب ہوگا؟
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَاءَلُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۲۴-۲۵)

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲۴-۳۱)
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝ (۶۲-۱۰)

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر ہم ان مفسرین کے اقوال تحریر کریں جو اس آیت کا شأن نزول نماز قرار دیتے ہیں تو دفتروں کے دفتر سیاہ ہو جائیں مگر ہم نے شأن نزول سے متعلق صرف روایات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے بدوں روایت اقوال مفسرین ذکر کرنیکی نہ حاجت اور نہ ہی اتنی طویل فہرست کے نقل کرنے کی فرصت،

② مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں اس آیت کا شأن نزول خطبہ ہے جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۵۷ میں لکھا ہے لہذا اس آیت سے قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے (ابکار الملتن ص ۱۴۵)

یہ بھی امام بیہقی کا اپنا خیال ہے کسی ایک بھی صحیح روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اجماع امت اور صحیح روایات کے مقابلہ میں امام بیہقی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ خود مبارکپوری صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ امام بیہقی اگرچہ ایک مشہور محدث ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (تحقیق ص ۳۲ ج ۲)

امام بیہقی کا خیال خلاف اجماع اور بلا دلیل ہونے کے علاوہ اس لئے بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق جمعہ سلسلہ میں فرض ہوا ہے، بالفرض قول البعض کے مطابق مکہ مکرمہ ہی میں جمعہ کی فرضیت تسلیم بھی کر لی جائے تو اقامت جمعہ بالاتفاق مدینہ منورہ میں ہوئی ہے مکہ میں کوئی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ وقال الامام البغوی رحمہ اللہ تعالیٰ الاية فکیة والجمعة وجبت بالمدینة (معالم التنزیل علی هامش تفسیر ابن کثیر ص ۶۲ ج ۳) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد صاحب لکھتے ہیں، جو لوگ اس آیت کا شأن نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا حکم مدینہ میں ہوا ہے (اعلام الاعلام ص ۱۸۹)

اس سے عید کا خطبہ بھی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ نماز عید کا حکم بھی مدینہ منورہ

میں ہوا ہے (طبری ص ۱۲۸)

اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خطبہ جمعہ یا عید اس آیت کا شأن نزول ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز اس کا شأن نزول نہیں کیونکہ اسباب نزول میں تعدد جائز ہے کہا قال لشیخ عبد الرحمن بن الحسن (فتح المجید شرح کتاب التوحید ص ۱۵) مثلاً آیہ کریمہ

ولا تجھم بصلاتی ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک سبیلاً کاشان رول صحیح بخاری ص ۶۸۶،
صحیح مسلم ص ۱۸ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۱ ج ۱، مسند احمد ص ۲۱ ج ۱ اور مسند ابی عوانہ ص ۱۲۲ ج ۲
میں نماز بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند ابی عوانہ کے انہی مقامات میں اسکا شان نزول
دعا بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ جلیلہ :

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایسے واقعات کو جو کسی حکم
قرآنی کے تحت داخل ہوتے ہیں، اس آیت کاشان نزول بتا دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل شان
نزول کچھ اور ہوتا ہے مگر اس واقعہ کو محض شمول فی حکم کی وجہ سے شان نزول کہہ دیا جاتا ہے۔
مثلاً آج کئی چوری کرے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ آیت والسارق والسارقة فاقطعوا یدئیمہما
اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، قال الحافظ السيوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابن تیمیہ
قولہم نزلت ہذا الاية فی کذا یراد بہ تارة سبب النزول ویراد بہ تارة ان ذلک داخل
فی الاية وان لم یکن السبب کما نقول عنی بھذا الاية کذا (المی قولہ) وقال الزکشی فی لہرہا
وقد عرف من عادة الصحابة والتابعین ان احدهم اذا قال نزلت ہذا الاية فی کذا فانه
یرید بذلك انها تتضمن ہذا الحكم لان ہذا کانت السبب فی نزولہا فہو من جنس
الاستدلال علی الحكم بالایة لا من جنس النقل لما وقع (الاتقان ص ۳ ج ۱) وقال الشاہ
ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی البیاب الرابع من الفوز الکبیر وقسمے آن ست کہ معنی آیت
بعموم خود تمام ست بغیر احتیاج دانستن حادثہ کہ سبب نزول شدہ است وحکم عموم لفظ راست
نہ خصوص سبب را۔ قدما مفسرین بقصد احاطہ آثار مناسبہ بآں آیت یا بقصد بیان ما
صدق آل عموم آں قصہ را ذکر کردہ اند، ایں قسم را ذکر کردن ضرور نیست پیش ایں فقیر محقق
شدہ است کہ صحابہ وتابعین بسبب نزول آیت فی کذا می گفتند و غرض ایشان تصور یا
صدق آل آیت بود و ذکر بعض حوادث کہ آیت آن را بعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں
قصہ متقدم باشد یا متاخر، اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی، تمام قیود آیت را در گرفتہ شد یا
بعض آل را، واللہ اعلم، ازیں تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را دریں قسم دخلی ہست وقصص متعدّد
را آنجا گنجائش ہست، پس ایں نکتہ مستضر دار و حل مختلفات سبب نزول بادی غنایت می
توان نمود (الفوز الکبیر ص ۳۵) یہی تحقیق نواریہ بریق سن خالصاحب نے بھی نقل فرمائی ہے (اکسیر ص ۱۹)

پس جن حضرات نے آیہ کریمہ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کا شان نزول خطبہ جمعہ یا خطبہ عید بتایا ہے انکا یہی مقصد ہے کہ استماع و انصات کا حکم خطبہ کو بھی شامل ہے ، ان کے قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس آیت کا اصل شان نزول ہی خطبہ ہے لما قدمنا ان الایۃ مکیۃ والجمعة فرضت فی المدینۃ ،

غرضیکہ یہ آیت بالاجماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسکا مدلول اول نماز ہی ہے مگر بحکم علت خطبہ جمعہ وعید کو بھی شامل ہے ۔

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں بحالت اقتدار بلند آواز سے کلام کیا کرتے تھے اس سے ممانعت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ امام بیہقی نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے چار روایات نقل کی ہیں (کتاب القراءة ص ۷) امام بیہقی کا یہ دعویٰ اس لئے صحیح نہیں کہ ہم اسانید صحیحہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ عام کلام کے بارے میں ،

امام بیہقی نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ سب ضعیف اور معلول ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو پھلجی روایت : اس میں دو راوی محمد بن دینار اور ابراہیم ہجری ضعیف ہیں، محمد بن دینار کی امام ابن معین، دارقطنی، نسائی اور عقیلی نے تضعیف کی ہے، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا (تھذیب التھذیب ص ۱۵ ج ۹) اور ابراہیم ہجری کو امام بخاری، نسائی، ترمذی، احمد، ابن معین، ابو زرعة، سعدی، حربی، ابو حاتم، ابن عدی اور علی بن الحسین بن الجندی سب نے ضعیف قرار دیا ہے (تھذیب التھذیب ص ۱۶ ج ۱، میزان الاعتدال ص ۱ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ہجری کو منکر الحدیث فرمایا ہے اور ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ امام بخاری جس کو منکر الحدیث قرار دیں اس کی روایت قبول کرنا جائز نہیں، (میزان ص ۱ ج ۱، طبقات سبکی ص ۲ ج ۲، تدریب الراوی ص ۲۳)

دوسری روایت : اس میں مؤمل بن اسمعیل ہیں ان کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، علاوہ انہیں ابو حاتم، ابن حبان، یعقوب بن سفیان، ساجی، دارقطنی، ابن سعد، ابن قانع، محمد بن نصر مروزی اور امام ابو زرعة انکو کثیر الخطا، سیئ الحفظ، منکر الحدیث، کثیر الغلط قرار دیتے ہیں اور انکی روایات قبول کرنے سے منع فرماتے ہیں

(تہذیب التہذیب ص ۳۸ ج ۱۰، میزان ص ۲۲ ج ۳)

تیسری روایت : اس کے راوی عبد اللہ بن عامر کی امام بخاری، امام احمد، نسائی، ابوداؤد، ابوترک، ابو عاصم، دارقطنی، سعدی، امام ابن معین، ابواحمد الحاکم اور ابو حاتم نے تصنیف کی ہے اور امام ابن المدینی نے تو "ضعیف ضعیف" دو بار فرما کر دوہری تصنیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۷ ج ۵، میزان ص ۵ ج ۲، لسان ص ۳ ج ۳)

چوتھی روایت : اسمیں عاصم بن عمر ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکو منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام ترمذی، امام احمد، ابن معین اور جوزقانی نے انکی تصنیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۵ ج ۵، میزان ص ۲ ج ۲)

جن راویوں پر ایک درجن ائمہ حدیث نے جرح کی ہوں ان کی روایت سے استدلال اور کلامیں پھر بھی الحدیث؟ ایں چہ بواجبی است

اس آیت کا شان نزول کلام فی الصلوٰۃ نہیں اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اجماع اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں قرات قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) امام بیہقی نے جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں وہ سب انتہائی درجہ کی ضعیف ہیں۔

(۳) صحیح حدیث سے ثابت ہے نماز میں کلام کی ممانعت آیہ کریمہ وقوم اللہ قانتین

سے ہوئی ہے، کما روی الشیخان رحمہما اللہ تعالیٰ عن زید بن ارقم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ (بخاری ص ۱۶ ج ۱، مسند ص ۲۰ ج ۱)

(۴) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں، واذا قرئ القرآن الاۃ دوسری آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ بعد میں نازل ہوئی ہے جس پر یہ دلائل ہیں۔

(۱) امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پوری سورہ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی

مگر آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے (الاتقان ص ۱ ج ۱)

(۲) اسی آیت میں حکم زکوٰۃ بھی مذکور ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی

فرضیت مدینہ منورہ میں ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہمیں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم

تھا، زکوٰۃ فرض ہوئی تو صدقہ فطر ادا کرنے کا نہ تاکید حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی ہے اور صدقہ الفطر تتمہ صوم ہے اور صوم بالاتفاق مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ہے (فتح الباری ص ۶ ج ۶)

(۳) امام ابو نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آیت فاقروا ما تيسر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اسمیں قتال کا ذکر ہے اور وہ مدینہ میں فرض ہوا ہے (قیام اللیل ص ۷) مبارکپوری صاحب کا یہ دعویٰ غلط ہے، انھوں نے فاقروا ما تيسر من القرآن کے متاخر فی النزول ہونے پر جو دلائل بیان کئے ہیں انکے جواب بالترتیب ملاحظہ ہوں،

دلیل اول کا جواب : امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ یہ قول نقل کیا ہے مگر اس پر سخت تردید بھی فرمائی ہے، ونفسه (المنزل) استثنیٰ منها واصر علی ما یقولون الايتين حکاہ الرضیہ فی وقوله ان ربك يعلم اني اخر السورة حکاہ ابن الغرس ویردہ ما اخرجہ الحاكم عن عائشہ رضی اللہ عنہا انما نزل بعد نزول صلا السورة بسنة وذلك حين فرض قیام اللیل فی اول الاسلام قبل فرض الصلوات الخمس (الاتقان ص ۱۷ ج ۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مسلم ص ۲۵۶، نسائی ص ۱۸۱ ج ۱، مستدرک ص ۲۵۶ میں بسند صحیح مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی مضمون کی روایت مستدرک ص ۲۵۶ اور سنن کبریٰ ص ۲۵۶ میں ہے، یہ صحیح السند روایات ابن غرس کی اس روایت سے بدرجہا زیادہ قوی ہیں جس میں یونس بن حبیب جیسا باطل مجہول راوی ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ سورہ مزمل کا آخر اسکے حصہ اول سے ایک سال کے بعد نازل ہوا ہے اور سورہ مزمل کا ابتدائی حصہ بالاتفاق نبوت کے بالکل ابتدائی دور کا ہے۔ خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں سب سے پہلے سورہ قلم نازل ہوئی اور اسکے بعد سورہ مزمل (تحقیق الکلام ص ۲ ج ۲)

دلیل دوم کا جواب : یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا، سورہ مؤمنون، سورہ حم سجدہ اور سورہ لقمان میں زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے حالانکہ یہ سورتیں مکی ہیں، یوتون الزکوٰۃ کی تاویل بتزکیہ نفس توجیہ رکیک اور بعید از قیاس ہے، علاوہ ازیں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں جو تقریر کی تھی اسمیں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے، مسند احمد ص ۲۹ ج ۵، مستدرک ص ۳ ج ۲، وقال الحاكم والذہبی علی شرطهما) حالانکہ ان حضرات کی حبشہ کی طرف ہجرت ابتداء نبوت سے پانچویں سال میں ہوئی تھی، (طبری ص ۱۱۱، زاد المعاد ص ۲ ج ۲)

امام ابن خزمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے قبل فرض ہو چکی تھی (فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۳) امام رازی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں (تفسیر کبیر ص ۲۳۵ ج ۲) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی ہے (رد المحتار ج ۱۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، سورہ مزمل کی آخری آیت ان حضرات کی تائید کرتی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی مگر اس کے نصاب و مقدار کی تعیین مدینہ منورہ میں ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۹ ج ۲) اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ قیس ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فرضیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ کے نصاب و مقدار کی تعیین ہے و نظیرہ ما قالہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی شہ قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (انما کان ہذا قبل ان تنزل الزکاۃ) ہذا مشعر بان الوعد علی الاکتناز و هو حبس ما نضل عن الحاجۃ عنہ لمواساۃ بہ کان فی اول الاسلام ثم نسخ ذلك بفرض الزکاۃ لما فتح اللہ الفتوح و قدرت نصب الزکاۃ فعلى هذا المراد بنزول الزکاۃ بیان نصابها و مقادیرھا لا انزال اصلاھا واللہ اعلم (فتح الباری ص ۲۱۶ ج ۳)

دلیل سوم کا جواب : حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام ابو نصر کا اس آیت کو مدنی قرار دینا غلط ہے، ان کو اس میں ذکر قتال سے مغالطہ ہوا ہے حالانکہ ہمیں حرف "سے" بتا رہا ہے کہ آئندہ حکم قتال وارد ہوگا، اس لئے آئندہ آنے والی مشقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کی تاکید ساقط فرمادی و نصہ و ذکر الشافعی عن بعضی اہل العلم ان صلاۃ اللیل کانت مفروضۃ ثم نسخت بقولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر منه فصار الفرض قیام بعض اللیل ثم نسخ ذلك بالصلوات الخمس واستنکر محمد بن نصر المروزی ذلك وقال الآية تدل علی ان قوله تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر منه انما نزل بالمدينة لقوله تعالیٰ فیہا و آخرون یقاتلون فی سبیل اللہ والقتال انما وقع بالمدينة لا بمكة والاسراء کان بمكة قبل ذلك و ما استدل بہ غیر واضح لان قوله تعالیٰ علما ان سیکون ظاہر فی الاستقبال فكانہ سبحانہ و تعالیٰ امتن علیہم بتعجیل التخفیف قبل وجود المشقة التي ملواھا ستفقم لهم واللہ اعلم (فتح الباری ص ۳۹۳ ج ۱)

پھر مبارکپوری صاحب کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ اذا قرئ القرآن الاية سے فاقرؤا ما تیسر الاية کا تاخر نسخ کو مستلزم ہے، نسخ تو تب ہوتا کہ ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں

باہم مخالفت ہوتی ، حالانکہ یہاں کوئی مخالفت نہیں اسلئے کہ پہلی آیت قرارت خلف الامام سے متعلق ہے اور دوسری نماز تہجد کے بارے میں ہے ، چنانچہ خود غیر مقلد عالم مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ سورۃ مزمل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لئے اُترا ہے (تفسیر واضح البیان ص ۲۳۳) مبارکپوری صاحب نے بھی روح المعانی سے اسکو نقل کیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۲۰ ج ۱) امام بیہقی فرماتے ہیں وھذا معروف مشہور فیما بین اھل العلم کتاب القراءة ص ۱۵۳) وقال الشوكانی نزلت فی قیام اللیل فلیست ہما نحن فیہ (نیل الاوطار ص ۲۱ ج ۲) اسی طرح ابو داود ص ۱۹ ج ۱ ، عون المعبود ص ۵ ج ۱ ، اعلام الموقعین لابن القيم ص ۳۷ ج ۲ ، السراج المنیر للعلامة الشربینی ص ۲۲ ج ۲ ، تفسیر العلامة ابی السعود علی ہامش التفسیر الکبیر ص ۴۵ ج ۸ میں بھی اسکی تصریح ہے۔ غرضیکہ مبارکپوری صاحب کا دعوائے نسخ غلط ہے ، نواب صدیق حسن خاں صاحب سورۃ اعراف سے متعلق تحریر فرماتے ہیں دروے یک آیت یا دو آیت منسوخ ست باقی ہمہ محکم اول خذ العفو وأمر بالعرف ، دوم واعرض عن الجاهلین (افادۃ الشیوخ ص ۶۵) اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ آیت فاقروا ماتیسر سے قرارت کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی (تحفۃ الاحوذی ص ۲۰ ج ۱)

⑤ مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن مکی ہے اور امام کے پیچھے قرارت کرنے کے بارے میں احادیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنے میں اسلام لائے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرارت خلف الامام کا حکم مدینہ منورہ میں ہوا ہے لہذا یہ احادیث آیت کے لئے ناسخ ہیں ، مولانا میر صاحب نے بھی تفسیر واضح البیان ص ۲۵۳ میں یہی لکھا ہے ، ان حضرات کا ستم ملاحظہ ہو کہ خبر واحد سے نص قرآنی کو منسوخ قرار دے رہے ہیں پھر قرارت خلف الامام سے متعلق کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی ، اس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ ، ایسی ضعیف ، معلول اور مجمل روایات سے نص قرآنی کے نسخ کا دعویٰ برگ گل سے قطع الماس ہے ، نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں ، ناسخ

مثل منسوخ باشد در قوت بلکہ اقویٰ ازاں چہ در صورت ضعف مزلی قوی نہ تواند شد و این حکم عقل ست و اجماع بر آن دلالت کرده، چہ صحابہ نص قرآن را بنجر واحد منسوخ نہ کرده اند

(افادة الشیوخ بمقدار النسخ والمنسوخ ص ۵)

علاوہ ازیں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدنی ہونے کی وجہ سے انکی حدیث کو بھی مدنی قرار دینا غلط ہے، اسلئے کہ آپ بیعت عقبہ اولیٰ و عقبہ ثانیہ دونوں میں موجود تھے مگر یہ کہ آپ کی روایت اس وقت کی ہو۔ پھر مدنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منع قرات کی روایات بھی تو ہیں، کما سیأتی

مبارکیپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص ۲۹ ج ۲ میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ اعراف عقبہ اولیٰ سے بھی قبل نازل ہو چکی تھی کیونکہ سلسلہ نبوی میں پہلے سورہ جن نازل ہوئی پھر سورہ اعراف (مجمع البحار ص ۵۳ ج ۲) اور بیعت عقبہ اولیٰ سلسلہ نبوی میں اور بیعت عقبہ ثانیہ سلسلہ نبوی میں ہوئی ہے نیز عقبہ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہ تھی اسلئے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بہر کیف آیت سے متأخر ہے، مبارکیپوری صاحب کی اس نکتہ رسی پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے، اولاً اسلئے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیعت عقبہ اولیٰ رجب سلسلہ نبوی میں ہوئی ہے اور عقبہ ثانیہ سلسلہ نبوی میں (البدایۃ والنہایۃ ص ۱۵۹ ج ۳) ثانیاً امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت ابتداء اسلام ہی سے مشروع ہے (نووی علیٰ مسلم ص ۸۳ ج ۱، فتح الباری ص ۳ ج ۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبول اسلام کے بعد جب اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لے گئے تو نصف قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت ایمار بن حصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امامت کیا کرتے تھے، (صحیح مسلم ص ۲۹۶ ج ۲، مستدرک ص ۹۲ ج ۳) حالانکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، آپ سے قبل مردوں میں سے صرف حضرت ابو بکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خواتین میں سے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائی ہیں (مستدرک ص ۳۲ ج ۳، تذکرہ ص ۱ ج ۱، امکال ص ۵۹) علاوہ ازیں اگر بیعت عقبہ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہیں تھی تو لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ والنضوا بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اسلئے کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول بالاتفاق قرات خلف الامام ہے

پس حدیث عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس آیت سے تاخر ثابت نہوا، یہ بحث محض اشباع کلام کے طور پر لکھ دی ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ یہ روایات ضعیفہ، غیر صریحہ نص قرآن کیلئے ناسخ نہیں کہتیں۔
 (۶) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ فاقروا ما تیسر الا یہ سے اذا قرئ القرآن الا یہ منسوخ نہیں لیکن اس میں نسخ کا احتمال تو موجود ہے جب اس میں یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال کیسے؟ (تحقیق الکلام ص ۳ ج ۲)

مبارکپوری صاحب کا یہ خیال بھی درست نہیں اس لئے کہ استدلال سے وہ احتمال مانع ہے جو ناشی عن دلیل ہو، اگر یہاں احتمال نسخ کسی دلیل پر مبنی ہوتا تو امام احمد، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبد البر رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر جمہور امت اس آیت سے استدلال نہ فرماتے، حالانکہ اس سے متعلق ہم اوپر امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے قول اجماع نقل کر چکے ہیں۔

(۷) مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص ۱۱، تحفۃ الاحوذی ص ۲۵ ج ۱ اور تحقیق الکلام ص ۳۸ میں اور مولانا میر صاحب تفسیر وضح البیان ص ۴۳ میں ملا جیون اور علامہ تفتازانی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس لئے اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا سے استدلال صحیح نہیں،

ملا جیون رحمہم اللہ تعالیٰ کا حنفی ہونا مسلم ہے مگر کسی شخصیت پر تحقیق کا مدار نہیں، اور علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہم اللہ تعالیٰ کو حنفی قرار دینا غلط ہے آپ شافعی تھے، صاحب کشف الطنون علامہ کاتب چلبی، علامہ حسن چلبی، علامہ سیوطی اور علامہ محمود الکفوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بہر کیف کسی شخصیت کے قول سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ فاقروا ما تیسر من القرآن متقدم ہے اور اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا متاخر ہے، نیز پہلی آیت نماز تہجد کے بارے میں ہے اور دوسری قرات خلف الامام کے بارے میں، جب دلائل میں تقدم و تاخر معلوم ہو اور پھر دونوں کا محل بھی جدا گانہ ہو تو قول تعارض کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اگر بالفرض ان دونوں آیتوں میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو رفع تعارض کے لئے سب سے پہلے صورت تطبیق تلاش کی جاتی ہے وہ نہ ہو سکے تو ترجیح پھر تیسرے درجہ میں تساقط کا حکم ہے، ان آیتوں میں صورت تطبیق بھی پائی جاتی ہے اور وجہ ترجیح بھی۔

صورت تطبیق : ایک صورت تو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ایک آیت میں فرض

نماز میں قرات کا بیان ہے اور دوسری آیت میں نماز تہجد میں قرات کا حکم ہے، علاوہ ازیں اگر دونوں آیتوں کو نماز فرض ہی سے متعلق فرض کر لیا جائے تو صورت تطبیق یہ ہے سورہ منزل کی آیت میں امام اور منفرد کو قرات کا حکم فرمایا گیا ہے اور سورہ اعراف میں مقتدی کو قرات سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ فاقروا ما تیسرے سورہ فاتحہ سے زائد قرات مراد ہے (کتاب القراءة ص ۶، ص ۱۵۳، ص ۱۵۴) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی مضمون کی روایت بسند حسن نقل کی ہے (دارقطنی ص ۱۲۹) مولانا میر صاحب لکھتے ہیں، الغرض آیت فاقروا ما تیسرے میں اگر قرات سے قراءۃ القرآن فی الصلوۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرات ہے (تفسیر درمضمون البیان ص ۲۲۵) چونکہ الحدیث بھی مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ سے زائد قرات کی ممانعت کے قائل ہیں اسلئے لازماً اس سے امام یا منہ د مراد ہوگا،

صورت ترجیح :

اگر بالفرض تطبیق کی کوئی صورت نہوتی تو بلاشبہ سورہ اعراف کی آیت راجح قرار پاتی اسلئے کہ اوپر روایات صحیحہ اور جمہور اُمت کی تصریحات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو قرات خلف الامام سے منع فرمایا گیا ہے،

(۸) امام بیہقی کتاب القراءة ص ۵۵، میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں سکوت بمعنی اخفاء بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسکا تک مابین التکبیر والقراءة ما تقول؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللہم بعد بینی و بین خطایای الخ پڑھتا ہوں، (صحیح بخاری ص ۱ ج ۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر آہستہ پڑھنے کو سکوت سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح مستدرک وغیرہ میں روایت ہے ویسکت بعد القراءة ہنیۃ یسأل اللہ من فضله، اس میں سکوت اور سوال کا اجتماع ہے، لہذا امام کے پیچھے آہستہ پڑھنا آیت میں حکم انصات کے خلاف نہیں،

ان حضرات کی یہ تاویل اسلئے باطل ہے کہ سکوت کے حقیقی معنی مکمل خاموشی ہی کے ہیں،

قال الامام الراغب الاصفہانی السکوت فخص بترك الكلام (مفردات ص ۲۲۵) وقال الامام

ابن خالویہ نزل الرجل اذا انقطعت حجة عند المناظرة وسکت واسکت مثله (اعراب ثلاثین سورة من القرآن ص ۷) وقال مجد الدین الفیروز آبادی اسکت انقطع کلام فلم یتکلم (قاموس ص ۹۲ ج ۱) وکن فی المنجد ص ۳۵ وقال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان السکو عدمی معناه انه لم یقل شیئاً ولم ینقل امراً ولم یتصرف فی قول ولا فعل ولا شئاً ان هذا المعنی عدمی محض (مناظرات امام رازی ص ۳۵) ائمہ لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ سکوت کے معنی ترک کلام اور مکمل خاموشی کے ہیں۔ مگر کبھی مجازاً جہر کے مقابلہ میں بمعنی اخفار بھی استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ حالت جہر میں دوسرے لوگ بھی اسکے کلام کو سن رہے تھے اسکے بعد اخفار کی حالت میں سامعین کے نزدیک کلام معدوم ہے کیونکہ وہ نہیں سن رہے، اس مناسبت سے بوقت قرائن صارفہ عن الحقیقت سکوت بمعنی اخفار مجازاً آتا ہے، قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ انما سمي ناه ساکتاً مجازاً لان من لا یسمعه یظنہ ساکتاً (احکام القرآن ص ۳ ج ۳) پس جہاں مجازی معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں ہوگا وہاں سکوت سے اسکے حقیقی معنی یعنی مکمل خاموشی ہی مراد ہوگی، حقیقی معنی مراد لینے کے لئے کسی قرینہ اور دلیل کی حاجت نہیں ہوتی معہذا قراءۃ القرآن کے وقت حکم انصات حقیقی معنی ہی میں مستعمل ہے اس پر یہ دلیل بھی ہے کہ ابتداء نزول وحی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ خود بھی پڑھا کرتے تھے صحیح بخاری کی روایت میں ہے وکان مما یحرف شفطیہ اس پر حکم ہوتا ہے لا تحرف به لسانک لتجمل به الآية، وکان مما یحرف شفطیہ سے ثابت ہوا کہ آپ آہستہ پڑھتے تھے پھر نص قرآن لا تحرف به لسانک میں تصریح ہے کہ زبان تک ہلانے کی بھی اجازت نہیں، ثالثاً آیت مذکورہ میں فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں مروی ہے فاستمع له وانصت (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ انصات بوقت قرائت کے معنی مکمل خاموشی کے ہیں کہ زبان کو بھی حرکت نہو۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فصل الخطاب ص ۷۷ میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ اسمیں سکوت سے مطلقاً سکوت مراد نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ سے سکوت مراد ہے جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امرنا بالسکوت کی شرح میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حکم سابق

یعنی نماز میں کلام و سلام سے سکوت مراد ہے مطلقاً سکوت مراد نہیں کہ شمار، آمین، تسمیع، تحمید، تشہد اور درود شریف بھی نہ پڑھو، (فتح الباری ص ۳ ج ۳) اسی طرح حدیث مستدرک و بیہک بعد القراءۃ ھنیۃ یسأل اللہ من فضلہ میں قرارت سے سکوت اور جمع الزوائد کی روایت من صام رمضان فی النصائت الخ میں جھوٹ غیبت وغیرہ لغویات سے سکوت مراد ہے، اذان کا جواب دینا سکوت کے منافی نہیں اسلئے کہ اذان کے ہر کلمہ کے بعد جواب کے لئے وقفہ ہے، بخلاف نماز میں سکوت کے کہ ان کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں کہاسیاتی ہم امام بیہقی اور مبارکپوری سے دریافت کرتے ہیں کہ حالت خطبہ میں آپ تسمیع وغیرہ آہستہ پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے اور یہاں حکم سکوت سے ستر پڑھنا کیوں نہیں مراد لیتے؟ قرآن کریم ہی کے الفاظ میں یہ چال کیوں سوچھی؟ بالخصوص جبکہ آپ اس آیت کا شان نزول خطبہ بتاتے ہیں، کیا یہ کھلا عناد اور صریح بے انصافی نہیں کہ جس آیت سے حالت خطبہ میں ترک کلام ثابت کر رہے ہیں اسی سے حالت نماز میں قرارت ستر کا حکم دے رہے ہیں۔

حالت خطبہ میں تحیۃ المسجد پڑھنا :

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزیر القراءۃ ص ۳۵ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراءۃ ص ۸۲ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ حالت خطبہ میں سکوت کا حکم اس قدر مؤکد ہے کہ اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی اجازت نہیں لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قلت لصاحبک یوم الجمعة انصت فقد لغوت (بخاری ص ۱۲۸ ج ۱، مسلم ص ۲۸۱ ج ۱) لیکن اسکے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو وہ مختصر طور پر دو رکعتیں پڑھ لے اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکم رکعتین ولیتجوز فیہما (بخاری ص ۱۲۱ ج ۱، مسلم ص ۲۸۱ ج ۱) ان دو رکعتوں میں لازماً قرارت قرآن ہوگی، جس طرح یہ حکم انصت کے منافی نہیں اسی طرح مقتدی کی قرارت بھی آیت استماع وانصت کے منافی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک حالت خطبہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں اسلئے کہ بوقت خطبہ حکم انصت عام ہے، جس طرح خطبہ کی حالت میں کلام کرنا اور ۱۰ ذکر و تسمیع وغیرہ انصت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اسی طرح نماز پڑھنا بھی

انصات کے منافی ہے، اسلئے یہ بھی جائز نہیں، بوقت خطبہ انصات کے حکم عام کے علاوہ بالخصوص نماز سے مانعت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے یصلی ما کتب لہ ثم یبصت اذا تکلم الامام (بخاری ص ۱۲ ج ۱، مسلم ص ۲۸۳ ج ۱، طیارسی ص ۶۵) وعن بيشة الهذلي رضي الله تعالى عنه مرفوعاً فان لم يجد الامام خرج صلى ما بدا له وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت رواه احمد ورجاله رجال الصحيح خلا شيخ احمد وهو ثقة (مجمع الزوائد ص ۲ ج ۲)

حدیث بالا میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ کا نام علی بن اسحق ہے (فتح الملہم ص ۴۱۵) امام نسائی، امام ابن معین، حافظ ابن حبان، ابن سعد اور محمد بن حمدویہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب ان کی توثیق فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۸۲ ج ۲، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی انکو ثقہ قرار دیا ہے (تقریب ص ۲۶۹) حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب میں صرف صحیح اور حسن روایات ذکر کروں گا، بشرط الصحة والحسن فیما اورده من ذلك (مقدمة الفتح ص ۲) اور حدیث مذکور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری ص ۲۹ ج ۲ میں ذکر فرمائی ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح یا حسن ہے،

خیر الکلام ص ۵۱۳ میں اسکی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اسمیں عطار خراسانی ہے جنکے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ارسال، تدلیس اور کثرت وہم کا شکا تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی حدیث نہیں لی (تقریب ص ۱۴۹) نیز فرماتے ہیں کہ یہ بخاری کی شرط پر نہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۲۳۶) اسلئے علامہ ہاشمی کا قول ”رجالہ رجالہ الصحیح“ وہم ہے۔

در حقیقت یہ علامہ ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم ہے، اسلئے کہ صحیح بخاری جلد ثانی ص ۴۲ اور ص ۹۶ میں عطار سے روایت موجود ہے، اور محدث ابو مسعود دمشقی اور علامہ قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ عطار خراسانی ہیں بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق یہ نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے علاوہ صحیح مسلم کے بھی راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص ۲۱۲ ج ۲)

ان نصوص کی بنا پر جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ

تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے (نووی علی صحیح مسلم ص ۲۸ ج ۱) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقہاء و محدثین کا یہی مسلک تھا (ترمذی ص ۶ ج ۱) علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم و مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، امام زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی اور قاضی شریح رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک تھا (فتح الملہود ص ۳۱ ج ۲) فرقہ ثانی بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جمہور کے نزدیک بحالت خطبہ تحیۃ المسجد جائز نہیں، چنانچہ مولف خیر الکلام اس مسئلہ میں قول جمہور کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جمہوریت حدیث کے معاملہ میں حجت نہیں (خیر الکلام ص ۵۱۳)

جانب والا قارئین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ مسلک جمہور حدیث کے خلاف ہے یعنی حدیث صرف وہ ہے جس کو جناب حدیث کہیں ورنہ صریح و صحیح احادیث جن پر جمہور امت کا عمل ہو وہ بھی حدیث نہیں بلکہ حدیث کی مخالفت ہے، اگر معاذ اللہ جمہور صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء اور ائمہ دین نے حدیث کو نہیں سمجھایا عہد احادیث کی مخالفت کرتے رہے تو قرآن، حدیث اور پورے دین اسلام سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے جب خطبہ کی حالت میں یہ بھی ممنوع ہے تو نوافل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ تعجب ہے کہ غیر مقلدین قیام جماعت کے بعد فجر کی سنتوں کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ یہ آکد السنن ہیں مگر بحالت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، پھر یہ کہ خارج جماعت کے لئے بوقت قیام جماعت انصات کا حکم نہیں اور بوقت خطبہ حاضرین کو انصات کا حکم ہے، معہذا سنت فجر کو ممنوع اور بوقت خطبہ تحیۃ المسجد کو جائز قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

حدیث جواز کا جواب :

① امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کا ترجمہ الباب باب الصلوۃ

قبل الخطبة قائم فرماتا ہے (ذیل ج ۲ ص ۲۴) اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہے اور حدیث میں یخطب بمعنی یرید الخطبة ہے کما فی قوله تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوهکم الا یتۃ، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا اتمن الامام فامسوا کی شرح میں فرماتے ہیں قالوا معناه اذا اراد التأمین (نووی علی مسلم ص ۴۷ ج ۱)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے والا امام یخطب او قد خرج (بخاری ص ۱۵۶) وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ متفق علیہ (فتح الباری ص ۳۴ ج ۲) اس حدیث سے بھی امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی تائید ہوتی ہے، اسلئے کہ اس میں راوی بصورت تردد بیان کر رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یخطب فرمایا یا قد خرج فرمایا، سامع کو بالعموم تردد الفاظ مترادفہ میں ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ راوی یخطب بمعنی اراد ان یخطب لے رہا ہے، اس "او" کو تنویع کے لئے نہیں کہہ سکتے، اسلئے کہ اس صورت میں صرف یخطب فرمانا کافی تھا، جب حالت خطبہ میں جواز ثابت ہو گیا تو قبل الخطبہ بطریق اولیٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا لہذا یخطب کے بعد او قد خرج عبث ہو جاتا ہے، ہاں اگر عبارت برعکس یوں ہوتی والا امام قد خرج او یخطب تو او بمعنی بل للترقی لینے کی گنجائش تھی، نیز اگر "او" تنویع کے لئے ہوتا تو جمہور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حالت خطبہ وغیر خطبہ میں فرق نہ فرماتے بلکہ دونوں صورتوں میں یکساں جواز تحیۃ المسجد کے قائل ہوتے،

علاوہ ازیں حدیث کے الفاظ ولیتجوز فیہما میں حکم ہے کہ تحیۃ المسجد مختصر پڑھے یہ مستقل دلیل ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ امام خطبہ کے لئے طیار ہو، اگر حالت خطبہ میں بھی نماز جائز ہے اور یہ حکم انصات کے منافی نہیں تو بحالت خطبہ تحیۃ المسجد میں اختصار کا حکم کیوں؟ جب حکم انصات اور تحیۃ المسجد دونوں پر بیک وقت عمل ہو رہا ہے تو تحیۃ المسجد خوب اطمینان سے ادا کرنا چاہئے، اختصار کا مقتضی کیا امر ہے؟

(۲) یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے بعض رواۃ نے اس کو عام سمجھ کر نقل بالمعنی کے تحت قاعدہ کلیہ بنادیا، قصہ یہ ہے کہ سلیم غطفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خستہ حالت میں مسجد میں داخل ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم فرمایا کہ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں تاکہ

لوگ ان کی حالت زار دیکھ کر انکی امداد کی طرف متوجہ ہوں، اور آپ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، سنن نسائی میں ہے جاء رجل يوم الجمعة والنبي صلى الله عليه وسلم يحط بذيبة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اصليت قال لا قال صل ركعتين وحث الناس على الصدقة (نسائی ص ۵۸ ج ۱) مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہ الفاظ ہیں ان هذا الرجل دخل المسجد في هيئة بذية فامرته ان يصلي ركعتين وانا ارجوان يظن له رحل فيتصدق عليه (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲) اس روایت کی سند سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واما قصة سليف رضى الله تعالى عنه فقد ذكر الترمذى انها اصح شيء روى في هذا الباب واقوى (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲) بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں اركع ركعتين ولا تعد مثل هذا (دارقطنی ص ۱۶۹ ج ۱) اس روایت سے استدلال مقصود نہیں بلکہ صرف تائیداً پیش کی گئی ہے، خود سلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس امر کو عام اور قاعدہ کلیہ نہیں سمجھا، اگر وہ اسکو عام قاعدہ سمجھتے تو آئندہ کے لئے وہ اسکی تعمیل میں غفلت نہ کرتے حالانکہ تین جمعہ تک مسلسل یہی واقعہ پیش آتا رہا کہ انھوں نے تحیۃ المسجد از خود ادا نہیں کیا ولا حول ولا قوة الا باللہ انہ کر رامة بالصلاة ثلاث مرات في ثلاث جمع (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲) اس جواب پر حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں رد فرماتے ہیں والتعليل بكونه صلى الله عليه وسلم قصد التصدق عليه لا يمنع القول بجواز التحية فان المانعين منها لا يجيزون التطوع لعل التصدق قال ابن المنير في الحاشية لوساغ ذلك لساغ مثله في التطوع عند طلوع الشمس وسائر الاوقات المكروهة (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲)

ابن منیر اور حافظ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ اعتراض جب صحیح ہوتا کہ مانعین تحیۃ المسجد تصدق کم حکم کی علت اور مدار قرار دیتے، حالانکہ تصدق علت نہیں بلکہ تخصیص کی حکمت ہے۔ نیز تخصیص بھی بحالت خطبہ نماز پڑھنے میں نہیں بلکہ تخصیص اس امر میں ہے کہ ان کی خاطر خطبہ میں تاخیر کی گئی، کما فی روایۃ اللیث عند مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر (فتح الباری ص ۳۳ ج ۲) دارقطنی کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے وامسك عن الخطبة حتى فرغ من صلاة (دارقطنی ص ۱۶۹ ج ۱) یہ روایت بطور استدلال نہیں بلکہ تائید کے لئے پیش کی گئی ہے، مرسل معتمر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے،

دارقطنی کی روایت میں اسلف عن الخطبة کے معنی یہ ہیں کہ خطبہ شروع فرمانے سے رک گئے، یہ مطلب نہیں کہ خطبہ پڑھتے ہوئے درمیان میں ٹھہر گئے، صحابی کی شان سے بعید ہے کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آئے اور پھر مسلسل تین جمعہ تک یہی حال رہے، گزشتہ روایات میں قاعد علی المنبر اور قد خرج کے الفاظ نص صریح ہیں کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے قبل تھا۔

⑨ مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں مجمع البحار سے حدیث قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر میں قرأ بمعنی جہر اور سکت بمعنی ہنس نقل کر کے فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ واذا قرئ القرآن فیہ من یرید ان یرکب منہ فلیس فیہ جہر جہری قرار ت مراد ہے اسلئے اس آیت میں صرف جہری نمازوں کا حکم ہے۔

مبارکپوری صاحب کا یہ استدلال اسلئے صحیح نہیں کہ مجمع البحار کا قول حجت نہیں، حدیث کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قرأ حال کو نہ امام اور سکت حال کو نہ مؤتم اور قرأ بعد الفاتحة فی الاولیین وسکت بعد ہائی الاخریین، چنانچہ صحیح بخاری ص ۱ ج ۱ میں اس کی تصریح ہے کہ اخریین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے، اسی طرح آپ کا مؤتم ہونا بھی ثابت ہے چنانچہ باب البیت کے پاس آپ نے دو روز تک اس نماز میں حضرت جبریل علیہ السلام کی اقتدار میں پڑھیں اور غزوہ تبوک سے واپسی پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار فرمائی (مسلم ص ۱۳ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۱) اہل قبایں مصالحت سے واپسی پر نماز عصر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار فرمائی، لوگ ابوبکر کو متوجہ کرنے کے لئے تالیاں بجانے لگے کافی دیر کے بعد آپ کو تنبہ ہوا تو سچھے ہٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (بخاری ص ۱۶۶ ج ۲)

اور اگر مجمع البحار کے بیان کردہ معنی ہی لے لئے جائیں تو اسکا وہی جواب ہوگا جو اوپر ۷ میں گزرا یعنی قراۃ بمعنی جہر مجاز ہے جس کے لئے کسی قرینہ کا وجود ضروری ہے، قراۃ کے حقیقی معنی مطلقاً پڑھنے کے ہیں خواہ جہراً ہو یا سراً، نص قرآن میں کوئی قرینہ صارفہ عن البقیۃ نہیں اسلئے اسمیں قراۃ اپنے حقیقی معنی کی مطابق سراً و جہراً دونوں کو شامل ہے، ⑩ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آیت میں استماع وانصات دونوں کا حکم ہے، استماع چونکہ صرف جہری نمازوں ہی میں ہو سکتا ہے اسلئے یہ حکم سری نمازوں کو شامل نہیں،

لہذا اس سے مانعین قرارت خلف الامام کا علی الاطلاق استدلال صحیح نہوا (جزء التراءۃ ص ۹)
یہی مضمون امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۶ میں اور نواب صاحب دلیل الطالب ص ۲۸ میں
اور مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص ۱۲۸ اور تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں نقل فرماتے ہیں،
اسکا جواب یہ ہے کہ آیت میں دو حکم ہیں، ایک استماع اور دوسرا انصات قرارت
جہر یہ میں استماع وانصات دونوں کا موقع ہے اور قرارت سر یہ میں صرف انصات ہو سکتا ہے
اسلئے جہر یہ میں استماع مع الانصات کا حکم ہے اور سر یہ میں صرف انصات کا،

انصات کے معنی مطلق سکوت اور ترک کلام کے ہیں اس کے لئے استماع لازم نہیں
لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فان راى حیث لا یسمع فانصت ولم یبلغ کان لہ کفل من
الاجر رواہ ابوداؤد (جمع الفوائد ص ۲۵ ج ۱) وفي کنز العمال قمارواہ عبد الرزاق عن
رید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلًا وعن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفًا
اقیموا الصفوف وحاذوا بالمناكب وانصتوا فان اجر المنصت الذی لا یسمع کاجر المنصت
الذی یسمع (فتح الملهم ص ۲ ج ۲) وقال المحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الفتح وقد وقع
التفریق بین الانصات والاستماع فی قولہ تعالیٰ فاستمعوا لہ وانصتوا ومعناہما مختلف
فالانصات هو السکوت وهو یحصل من یستمع ومن لا یستمع کأن یكون مفکرًا فی
امر آخر وكذلك الاستماع قد یكون مع السکوت وقد یكون مع النطق بكلام آخر
لا یشغل الناطق بہ عن فہم ما یقول الذی یستمع منہ، وقال فی ابواب التفسیر لا
شک ان الاستماع اخص من الانصات لان الاستماع الاصغاء والانصات السکوت ولا
یلزم من السکوت الاصغاء (فتح الملهم ص ۲ ج ۲) وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ
فالاستماع الاصغاء والانصات السکوت ولذا قال اللہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا
لہ وانصتوا (نوی مع مسلم ص ۲۸ ج ۱) وقال البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ لا فرق بین
السکوت والانصات عند العرب (کتب القراءۃ ص ۸)

البتہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں نصت یصت وانصت
وانتصت سکت والاسم النصتہ بالفہم وانصتہ ولہ سکت لہ واستمع لحديثہ ص ۵۱
اور تاج العروس میں ہے وانصتہ وانصت لہ اذا سکت لہ مثل نصیہ ونصح لہ و
انصتہ وانصت لہ مثل نصحتہ ونصحت لہ والانصات هو السکوت والاستماع

للمحدث يقال انصته وانصت له - اور مختار الصحاح میں الانصات السكوت والاستماع
انصته وانصت له -

ان عبارات سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ استماع و انصات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اس صورت میں قرآن کریم میں ایک لفظ کی زیادتی مقصد لازم آئے گی، علماء لغت کی عبارات بالا میں انصات کے معنی سکوت مع الاستماع نہیں بیان کئے گئے بلکہ سکوت والاستماع کہا گیا ہے، یعنی اسکے دونوں معنی آتے ہیں، پھر آگے انصت و انصت له سے وضاحت کر رہے ہیں کہ یہ استماع کے معنی میں جب ہوتا ہے کہ اس کا مفعول یا صللہ لام مذکور ہو، قرآن کریم میں انصتوا کا مفعول یا صللہ مذکور نہیں لہذا اسمیں استماع کے معنی نہیں بلکہ مطلق سکوت کے معنی میں ہے، اگر انصات کا بدو ذکر مفعول وصلہ بھی بمعنی استماع ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اسکے دو معنی مستقل ہیں ایک سکوت دوسرے استماع، ان دونوں معانی میں سے حسب قرآن کوئی ایک معنی متعین کئے جاسکتے ہیں، قرآن کریم میں اس سے قبل لفظ استمعوا کا ذکر اور قرأت سر یہ کا قابل استماع نہونا اس پر قرآن ہیں کہ یہاں انصات بمعنی استماع نہیں،

بلکہ ذکر مفعول وصلہ کے باوجود اسکے دو مستقل معنی بیان کئے گئے ہیں ایک سکت له دوسرے استمع لحدیثہ، سکت اور سکت له میں یہ فرق ہے کہ اول بدو داعیہ تکلم سکوت مفرد ہے، مثلاً کوئی شخص اکیلا بیٹھا ہے یہ اسلئے خاموش ہے کہ اسکے لئے تکلم کا کوئی داعیہ ہی نہیں، اور دوسرے میں داعیہ تکلم ہونے کے باوجود دوسرے شخص کی رعایت سے سکوت ہوتا ہے گویا یہ سکوت مرکب ہے پھر دوسرے شخص کی رعایت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسکے کلام کو سننا مقصود ہو اور دوسری یہ کہ جو بات یہ کہنا چاہتا ہے وہی بات اسکی طرف سے کوئی دوسرا کہہ رہا ہے، مثلاً حاکم کے دربار میں درخواست پیش کرنے کے لئے ایک وفد جاتا ہے ان کا سربراہ درخواست پیش کرتا ہے اور وفد کے دوسرے ارکان خواہ اسکا کلام نہ بھی سن رہے ہوں تو بھی اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ ان کا قائد انکی طرف سے وکالت درخواست پیش کر رہا ہے، ومن هذا القبیل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خطیبہم اذا انصتوا ای یوم القیامۃ،

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص ۲۹ ج ۲ میں ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ پر

اعتراض کیا ہے کہ انکا استماع کو جہری نمازوں اور انصات کو سری نمازوں سے متعلق قرار دینا تفسیر بالرای ہے جو حرام ہے،

مبارکپوری صاحب کا یہ اعتراض محض تعنت ہے اسلئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احادیث صحیحہ، لغت اور جمہور مفسرین کی تحقیق پر مبنی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کے اثبات کی تقریر یوں فرماتے ہیں کہ بدوں ذکر و قرارت و دعاء محض سکوت نہ عبادت ہے نہ مأمور بہ بلکہ سبب وسادس ہے لہذا ذکر میں مشغول ہونا سکوت سے افضل ہے اور قرارت قرآن افضل ترین ذکر ہے اس لئے سری نمازوں میں قراءۃ الفاتحہ خلف الامام مستحب ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۱۱) تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جب واذا قئ القرآن الایۃ کا شان نزول نماز قرار سے رہے ہیں اور اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں تو تنص قرآنی کے مقابلہ میں اس قیاس آرائی کا کیا جواز؟ علاوہ ازیں ظہر اور عصر کی نماز میں صحیح حدیث کی رو سے تقریباً بیس آیات کی قرارت مسنون ہے اور ابن تیمیہ بھی مقتدی کو سورہ فاتحہ سے زائد پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، جب اس قدر طویل سکوت مورث وسادس نہیں تو صرف سورہ فاتحہ کی سات آیات تک مختصر سکوت کو سبب وسادس قرار دینا کیسے صحیح ہے؟

⑪ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جز القراءۃ ص ۱ و ص ۲ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سنن ترمذی ص ۱ ج ۱ میں اور امام بیہقی کتاب القراءۃ ص ۱ و ص ۲ میں فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکات میں سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے، یہی بات مبارکپوری صاحب نے ابکار المنن ص ۱۲۸ اور تحقیق الکلام ص ۵ ج ۲ میں تحریر کی ہے اور انکے دوسرے اتباع نے بھی لکھا ہے، سکات امام کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ امام کے سکات میں سورہ فاتحہ پڑھے، (کتاب القراءۃ ص ۵۴، مستدرک ص ۲۲۸)

(۲) عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصات فرماتے تھے اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرارت کر لیا کرتے تھے (کتاب القراءۃ ص ۶۹، ص ۸۶)

(۳) بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده روایت ہے کہ جس نے سکتات امام میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز کامل نہوگی (کتب القراءۃ ص ۵۲)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتہ کی حالت میں قرارت کرے اسلئے کہ جس نے قرارت نہ کی اس کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔

(کنز العمال ص ۹۶ ج ۴)

(۵) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سلف کا تعامل نقل فرماتے ہیں کہ امام ضرور سکتہ کرتا تھا تاکہ مقتدی قرارت فاتحہ کر لیں (جزء القراءۃ ص ۵۷)

(۶) سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور (کتب القراءۃ ص ۶۹ و ص ۷۰)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابو سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ امام کے لئے دو سکتے ہوتے ہیں ان کو قرارت فاتحہ کے لئے غنیمت سمجھو (جزء القراءۃ ص ۵۸، کتاب القراءۃ ص ۷۰)

(۸) ہشام بن عروہ کے والد نے ان سے فرمایا کہ جب امام سکتہ کرے اسوقت قرارت کر لیا کرو اور امام کی قرارت کے وقت خاموش ہو جاؤ اسلئے نماز خواہ فرض ہو یا نفل بدوں قرارت فاتحہ کے ادا نہیں ہوتی (جزء القراءۃ ص ۵۸، کتب القراءۃ ص ۷۰)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام کے سکتہ میں بدوں قرارت فاتحہ نماز مکمل نہیں ہوتی (کتب القراءۃ ص ۶۱)

دلائل مذکورہ کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں،

(۱) حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں محمد بن عبد اللہ بن عبید ابن عمیر ضعیف ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعیف ص ۲۸ میں، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم ص ۲ ج ۱ میں امام یحیی القطان سے، امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعیف ص ۲۵ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع ترمذی ص ۲ ج ۲ میں، امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنی ص ۱۲ ج ۱ میں، اور خود امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب القراءۃ ص ۵۲ میں انکی تضعیف کی ہے، امام یحیی بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں (میزان الاعتدال ص ۲۱۶ ج ۵) لسان المیزان ص ۲۱۶ ج ۵)

علاوہ ازیں اس حدیث میں صلوة مکتوبہ کی تخصیص ہے حالانکہ اہل حدیث کے ہاں

نفل نمازوں میں بھی قرأت فاتحہ ضروری ہے۔

(۲) حدیث عمرو بن شعیب، محدثین میں سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی تضعیف اور اسکا ناقابل قبول ہونا مشہور و معروف ہے، عمرو بن شعیب اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہیں مگر جب وہ عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں تو یہ بالاتفاق قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے والد سے سماع حاصل نہیں بلکہ وہ کتاب سے نقل کرتے ہیں، اس سند پر کلام اور اس کی تضعیف مندرجہ ذیل کتب میں ہے۔ سنن ترمذی ص ۴ ج ۱، ص ۸۲ ج ۱، طبقات المدلسین لابن حجر ص ۱۱، میزان الاعتدال ص ۲۸۹ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۵۳ و ۵۴ ج ۸، مستدرک حاکم ص ۱۹ ج ۱، شرح معانی الآثار ص ۴ ج ۱، محلی ابن خزم ص ۲۳۲ ج ۱، اسحاق المبطا برجال الموطا ص ۲۳،

تحفۃ الاحوذی ص ۲۶ ج ۱ میں لکھا ہے کہ امام احمد اور علی بن المدینی رحمہما اللہ تعالیٰ عمرو بن شعیب کی روایت کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں حالانکہ امام علی بن المدینی تصریح فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کریں تو وہ ضعیف ہے (تہذیب التہذیب ص ۵۳ ج ۸) اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہ اشياء من اکبر وانما یکتب حدیثہ یعتبر بہ فاما ان یکون حجة فلا، نیز فرماتے ہیں وربما وجس فی القلب منه شئ (تہذیب التہذیب ص ۴۹ ج ۸)

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ علامہ ذہبی کا عمرو بن شعیب کی روایت کو حسن کہنا دوسرے طرق کے لحاظ سے ہے، اس سے عن ابیہ عن جدہ کی سند مراد نہیں، جیسا کہ فقط ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن ضعفه مطلقا فمحمول عن روايته عن ابیہ عن جدہ (تہذیب التہذیب ص ۵۵ ج ۸)

(۳) عمرو بن شعیب کی دوسری روایت میں ضعف مذکور کے علاوہ محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر بھی واقع ہے جس کی تضعیف حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت گزر چکی ہے۔

مذکورہ بالا تین احادیث کے علاوہ جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ پر موقوف ہیں حالانکہ اہل حدیث کے ہاں موقوف صحابہ بھی حجت نہیں تو تابعین کی موقوفات کس شمار میں؟ علاوہ ازیں احادیث مذکورہ کی طرح ان آثار میں

سے بھی کوئی ایک اثر بھی صحیح نہیں، انکی تنقیح ملاحظہ ہو۔

(۴) اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، در حقیقت یہ اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہے، رواۃ میں سے کسی نے غلطی سے ابن عمر کو دیا ہے (کتب القراءة ص ۴۷) اسکی سند میں مثنی بن صباح ضعیف ہیں، امام بخاری، امام نسائی، امام احمد، امام ترمذی، دارقطنی، امام یحیی القطان، ابن المہدی، حافظ ابن حجر، ابن معین، ابن عدی، ابن سعد، علی بن الجنید، حافظ ابن حبان، ساجی، ابو احمد الحاکم، سخون اور امام عقیلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف قرار دیا ہے (ضعفاء صغیر للبخاری ص ۳، ضعفاء صغیر للنسائی ص ۵، میزان الاعتدال ص ۳ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۱۰، تقریب ص ۳۲۶)

علاوہ ازیں یہ اثر مجمل ہے اسلئے کہ اسیں سورہ فاتحہ کی صراحت نہیں،

(۵) اثر سعید بن جبیر، اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، ایک عبداللہ بن رجا مکی۔ امام احمد، ازدی اور ساجی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (میزان الاعتدال ص ۳ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۲ ج ۵) دوسرے عبداللہ بن عثمان ابن خثیم۔ امام نسائی، امام ابن معین، امام ابو خاتم، حافظ ابن حبان، امام ابن المدینی، امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ انکو ضعیف قرار دے رہے ہیں (میزان الاعتدال ص ۲ ج ۲، تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۵، نصب الراية ص ۳۵ ج ۱)

(۶) سعید بن جبیر کا دوسرا اثر، اس کی سند میں بھی عبداللہ بن عثمان بن خثیم ہیں جن کی تضعیف اوپر کئی ائمہ حدیث سے نقل کی گئی ہے۔

(۷) اثر ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسیں اولاً تو یہ کلام ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یا کہ ابو سلمہ تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، رواۃ کو اسیں تردد ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ضعیف ہے امام احمد، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، بزار، ابو حاتم، عمرو بن علی الفلاس، ابو احمد الحاکم، امام حاکم، ابن قانع، ساجی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف بتایا ہے (میزان الاعتدال ص ۲ ج ۳، تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۱۰)

(۸) اثر ہشام بن عروہ، اسکی سند میں بھی موسیٰ بن مسعود واقع ہیں جنکی تضعیف

تقریباً ایک درجن ائمہ حدیث سے اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت میں فصحاء کی زیادتی بھی ہے جس پر غیر مقلدین کا بھی عمل نہیں،

(۹) اثرابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں اسحق بن عبداللہ بن ابی فروہ ضعیف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابو زرعة، ابن عمار، علی بن المدینی، دارقطنی، برقانی، ابن خزیمہ، خلیلی، بزار، ابن جارود، عقیلی، دولابی، ابوالعرب، ساجی اور ابن شاہین رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۱)

بحث مذکور سے واضح ہو گیا کہ مقتدیوں کی قرارت فاتحہ کے لئے امام کے سکتات کا کوئی ثبوت نہیں، البتہ دو مقام پر سکتہ ثابت ہے، ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا سورۃ فاتحہ کے بعد، اول میں تو ظاہر ہے کہ قرارت فاتحہ کا موقع ہی نہیں، اور سورۃ فاتحہ کے بعد سکتہ صرف اس قدر ہے کہ امام ذرا سانس درست کر سکے، ائمہ حدیث اسکی تصریح فرماتے ہیں حق یتراد الیہ نفسہ (نسائی ص ۱ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۱ ج ۱، ترمذی ص ۳ ج ۱، دارمی ص ۱۲ ج ۱) خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں بل السکۃ الثانیۃ کانت لان یتراد الیہ نفسہ کما صرح بہ قتادۃ (تحفۃ الاحوذی ص ۲ ج ۱) ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اس سکتہ سے مقتدیوں کو قرارت فاتحہ کی مہلت دینا مقصود نہیں اور نہ ہی اتنے مختصر سکتہ میں اسکی گنجائش ہے، تعجب ہے کہ ہوا پرستی نے سکتہ کو سکتات کیسے بنا دیا؟ کہلائیں پھر بھی اہل حدیث، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض مقتدیوں کی قرارت فاتحہ کے لئے کبھی سکتہ کیا ہو (غیث الغمام ص ۱۷۵) اسلئے جمہور اہل اسلام ایسے سکتہ یا سکتات کے قائل نہیں، حتیٰ کہ خود غیر مقلدین میں سے اہل انصاف اسکی تردید فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولم نعلم نزاعاً بین العلماء انہ لا یجب علی الامام ان یشکت لیقرأ المأموم بالفاتحۃ ولا غیرھا (الی قولہ) ولا یشحب للامام السکوت لیقرأ المأموم عند جماہیر العلماء وهذا مذہب مالک والی حنیفۃ واحمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۲۶ ج ۲)

تنوع العبادات ص ۸۵) محمد بن اسمعیل بن الصلاح امیریانی فرماتے ہیں ثم اختلف القائلون بوجوب القراءة فقیل فی محل سکات الامام و قیل فی سکوتہ بعد تمام القراءة ولا دلیل لہذین القولین فی الحدیث (سبل السلام شرح بلوغ المرام ص ۱۲۱ ج ۱) شیخ محمد بن اسمعیل مذکور سے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں، امام صنعاء و علامہ یمن و شاعر مجید و مجتہد مفید و محدث کامل و عارف و اصل ست، عامل بود بکتاب سنت بحسب اجتہاد نفس خود تقید بتقلید احدی از اہل علم نہ داشت (تفصیل جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۸)

درایہ بھی مقتدیوں کے لئے امام کا سکتہ کرنا اصول شرع کے خلاف بلکہ قانون شریعت کا مقابلہ ہے، شریعت نے مقتدیوں کو اتباع امام کا حکم دیا ہے اور مدعیان اتباع حدیث امام کو مقتدیوں کے اتباع کا حکم دے رہے ہیں کہ ان کی خاطر خاموشی اختیار کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو، مگر بزرگم خویش اہل حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ مقتدیوں کی قرأت کے لئے امام خاموش رہے، امام ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما جعل الامام لیؤتہ بہ فاذا قرأ فانصتوا خبیرا منہ من ان من الاثم امام بالامام الانصات لقراءتہ و هذا یبدل علی انہ غیر جائز ان یبصت الامام لقراءة المأموم لانہ لو کان مأمورًا بالانصات لہ لکان مأمورًا بالاثم امام بہ فیضیر الامام مأمومًا والمأموم اماما فی حالة واحدة و هذا فاسد (احکام القرآن ص ۳ ج ۳)

(۱۲) صاحب خیر الکلام فرماتے ہیں کہ سورۃ اعراف کی آیت میں انصات سے بالکلیہ خاموشی مراد نہیں، اسلئے کہ دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت قرأت قرآن چند جائز کلمات کہنا آیت اعراف کے منافی نہیں، آیات یہ ہیں، ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا بیتلی علیہم یخرون للاذقان سجدًا ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولاً (نہی سرائل) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تریٰ اعیینہم تفیض من الدمع متاعرفوا من الحق یقولون ربنا انما فاکتبنا مع الشہدین وما لنا لا نؤمن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین (مائدہ) الذین اتیناہم الكتاب من قبلہم بہ یؤمنون واذا بیتلی علیہم قالوا امانا بہ انہ الحق من ربنا انما کنا من

قبلہ مسلمین (قصص) ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض جائز کلمات کہنا قرآن کے استماع وانصات کے منافی نہیں، (خیر الکلام ص ۳۶۶)

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ آیت اعراف کا شان نزول بالاجماع قرات خلف الامام ہے آیات بالا میں جو کلمات مذکور ہیں وہ نہ تو حالت نماز میں ہیں اور نہ ہی بحکم قرات قرآن ہیں؛ نیز کیا پوری سورہ فاتحہ صرف چند کلمات ہیں؟ درایت بھی آیات بالا میں مذکورہ کلمات اور قرات فاتحہ میں یہ فرق ہے کہ قرات فاتحہ میں منازعہ قرآن ہے اور ایسے کلمات کہنا جن میں قرآن کریم پر ایمان اور انقیاد کا اظہار ہو منازعہ نہیں بلکہ متابعت قرآن ہے، مثلاً دربار شاہی میں درخواست پیش کرتے وقت سب حاضرین درخواست کا مضمون پڑھنے لگیں تو خلاف ادب ہے اور اگر ایک شخص درخواست پیش کرتا ہے اور دوسرے اس کی تائید میں کچھ کلمات کہیں تو یہ عین ادب ہے،

یہاں تک ان تاویلات رکیکہ کے جوابات تھے جو نص قرآنی و اذاقۃ القراء فاسمعوا له وانصتوا میں کی جاتی ہیں، آگے فرقی مخالف کے بعض الزامات کا حال سنئے، الزامات کی فہرست ذکر کرنے سے قبل ہم یہ حقیقت دوبارہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ آیت اعراف بالاجماع نماز میں قرات خلف الامام سے ممانعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ مفصل بیان اس آیت پر بحث کی ابتداء میں گزر چکا ہے، لہذا نماز سے خارج قرات اور نماز کے اندر غیر مقتدی کی قرات اور نماز میں قرات کے سوا دوسرے اذکار مثلاً ثنار وغیرہ کو یہ آیت شامل نہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد فرقی مخالف کی طرف سے وارد کردہ الزامات از خود بے حقیقت اور باطل ہو جاتے ہیں اب ان الزامات کی فہرست ملاحظہ ہو،

① امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جز القراءۃ ص ۳۵ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۲۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں اقتدار کرنا چاہے کہ امام قرات شروع کر چکا ہو تو لازماً یہ تکبیر تحریم کہے گا اور یہ آیت استماع وانصات کے منافی ہے لہذا آیت مذکورہ پر مانعین فاتحہ خلف الامام کا بھی عمل نہیں،

اس الزام کا بطلان ظاہر ہے کہ تکبیر تحریم نہ قرآن ہے اور نہ ہی نماز کے اندر ہے اس لئے کہ عند الاحناف تکبیر تحریم شرط ہے اور شرط مشروط سے خارج اور اس سے مقدم ہوتی ہے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جز القراءۃ ص ۳۵ و ص ۳۶ میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب

القراۃ ص ۵۱ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قرات خلف الامام بھی حالت اقتدار میں شمار وغیرہ پڑھنے کے قائل ہیں اس لئے یہ آیت استماع و انصات پر عامل نہ رہے۔

احناف کے ہاں مدرک اس لئے شمار پڑھ سکتا ہے کہ تاحال امام نے قرات شروع نہیں کی اور مسبوق کو امام کی جہری قرات کے وقت شمار پڑھنا جائز نہیں، منیہ میں ہے وروی عن الفقیہ ابی جعفر الہندی فی اند قال اذا ادرك الامام فی الفاتحة یشئ بالاتفاق، یہ قول بصیغہ تمریف منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ عبارت مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں وان ادرك فی السورۃ یشئ عند ابی یوسف لا عند محمد ذکرہ فی الذخیرۃ وهو بعید اذ لا فصل فی قوله تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له الایۃ بین الفاتحة وغیرہا بل الاصح هو القول الاول انه لا یأتی بہ مطلقا لاطلاق النص (کبیر ص ۲۹۵) البتہ سری قرات کے ساتھ شمار پڑھنے کی اجازت ہے، اسکا جواب وہی ہے کہ منصوب مانعت صرف قرات قرآن سے ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقرؤا بشئ من القرآن قاضی شوکانی فرماتے ہیں وظاہر التقید بقولہ من القرآن یدل علی انه لا یأس بالاستفتاء حال قراءۃ الامام بما لیس بقرآن والتعوذ والدعاء (نیل الاوطار ص ۲۴۲ ج ۲) اور ثواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں، وایں روایات (فلا تقرؤا بشئ من القرآن وغیرہا) ونحو آن دلالت دارند برآنکہ منہی عنہ نزد قرات امام ہماں قرآن کریم ست فقط واما قراۃ توجہ واستعاذہ ونحو آن پس لا یأس بہ است ومنہی متناول آن نیست ونہ بوجہ از وجہ بر آن دلالت دارد (دلیل الطالب ص ۲۹۲) مولانا عبد الصمد صاحب بھی اعلام الاعلام ص ۱۹۲ میں یونہی تحریر فرماتے ہیں، روایات کے علاوہ درایت بھی یہ امر معقول ہے کہ قرات امام کے وقت مقتدی کے لئے صرف قرات ممنوع ہے شمار وغیرہ سے مانعت نہیں، اس لئے کہ سورہ فاتحہ میں امام سب مقتدیوں کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہے لہذا مقتدیوں کا ساتھ پڑھنا خلاف ادب ہے، بخلاف شمار وغیرہ کے کہ وہ دربار میں دخول کے وقت ابتدائی سلام و آداب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان امور میں وکالت و نمائندگی نہیں ہوتی بلکہ انکی ادائیگی سب حاضرین پر لازم ہوتی ہے۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جز القراۃ ص ۵۱ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراۃ ص ۱۵۱

میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۲۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قرات خلف الامام کے نزدیک امام کی قرات مقتدی کے لئے کافی ہے مگر شمار وغیرہ میں امام کفایت نہیں کرتا اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک فرض سے غیر فرض کی اہمیت زیادہ ہے،

اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ روایت حدیث کے علاوہ درایت کا مقتضی بھی یہ ہے کہ وکالت اور نمائندگی صرف درخواست پیش کر نہیں ہوتی ہے، آداب بجالانے میں نہیں، ان اکابر سے گزارش ہے کہ کیا آپ کے ہاں سورۃ فاتحہ کے سوا باقی پورے قرآن کی اہمیت شمار وغیرہ سے کم ہے کہ سورۃ فاتحہ سے زائد قرات سے منع فرماتے ہیں اور شمار وغیرہ کا حکم دیتے ہیں،

قرآن، حدیث اور عقل سلیم کے اس فیصلہ کو خود آپ کے گھرانے میں سے قاضی شوکانی، نواب صاحب اور مولانا عبدالصمد بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں،
 (۴) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزر القارۃ ص ۱ میں فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو احناف کے ہاں اس سے قریب ہی سنتیں پڑھنا جائز ہے، یہ آیت استماع والنصات کے منافی ہے،

یہ الزام اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شخص تا حال امام کی اقتدار میں داخل نہیں ہوا۔
 (۵) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص ۲۲ ج ۲ میں بحوالہ کفایہ ص ۶۱ و شرح وقایہ ص ۱۱۱ ج ۱ فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک جب خطیب کیا تھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے تو سامعین کو آہستہ درود شریف پڑھنا جائز ہے حالانکہ آیت اعراف خطبہ کو بھی شامل ہے، یہ الزام بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہ تحقیق تفصیل سے گزر چکی ہے کہ آیت اعراف بالاجماع قرات خلف الامام سے متعلق نازل ہوئی ہے، نزول آیت کے وقت خطبہ کا تو وجود ہی نہ تھا حالت خطبہ میں سکوت کا حکم حدیث پر مبنی ہے، البتہ چونکہ خطبہ بھی دو رکعت نماز کے قائم مقام اس لئے بعض حضرات نے اسکو بھی آیت اعراف کے عموم الفاظ میں داخل قرار دیا ہے،

علاوہ ازیں مذہب حنفی میں محقق اور مفتی بہ قول کے مطابق حالت خطبہ میں سامعین کے لئے درود شریف آہستہ پڑھنا بھی جائز نہیں قال فی الخانیۃ و مشایخنا قالوا بانہ لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل یستمع وینصت لان الاستماع فرض والصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ممکن بعد هذه الحالة (خانیۃ ص ۱۶) وقال العلامة ابن غابدین رحمہ اللہ

تعالیٰ تحت (قوله یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قلبا
اثمارا لامری الانصا والصلوة علیہ صلی اللہ علیہ وسلم كما فی الکروانی قہستان فی قبیل باب الامامة واقصر فی
الجوہرۃ علی الاخیر حیث قال ولم یطوق بہ لانہا تدرک فی غیر ہذا الحال والسماع یفوت (رد المحتار ج ۱)

خاتمۃ الکلام

مسئلہ قرأت خلف الامام پر لکھنے سے قبل بندہ نے اسپر غور کیا کہ اگر اس مسئلہ سے متعلق کسی
دوسرے عالم کا کوئی ایسا رسالہ مل جائے جو جامعیت کے ساتھ مختصر بھی ہو تو بجائے اسکے کہ میں کوئی
جدید رسالہ لکھنے پر محنت کروں سائلین کو اسی رسالہ سے استفادہ کا مشورہ دیدیا جائے، مگر اس
صفت کا کوئی رسالہ اس وقت میری نظر میں نہیں تھا، مولانا محمد سر فراز خاں صاحب صفدر کی کتاب
احسن الکلام اس موضوع پر تحقیق اور جامعیت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے مگر بہت طویل ہے،
اسلئے میں نے اپنے درس صحیح بخاری کی تقریر کو سامنے رکھ کر اس پر بقدر ضرورت مزید تحقیق کا کام
شروع کر دیا، اضافات میں احسن الکلام طبع دوم سے بھی مدد لی گئی ہے، اس میں جن کتابوں
کے حوالے دیئے گئے ہیں انکی مراجعت سے ثابت ہوا کہ حوالجات کی تحریر میں کتابت کی غلطیاں
بہت ہیں، جہاں بدوں کاوش غلطی کا علم ہو گیا اسکی اصلاح کر دی ہے ورنہ ویسے ہی نقل کر دیئے ہیں
لہذا اہل علم کہیں حوالہ میں جلد یا صفحہ کی غلطی پائیں تو اسکو احسن الکلام میں کتابت کی غلطی پر محمول فرمایا
مصنف پر اعتماد ہے کہ انھوں نے جس مضمون کی جس کتاب کی طرف نسبت کی ہے وہ صحیح ہوگی۔

نصوص قرآنیہ کی بحث قریب لتکمیل تھی کہ اچانک حضرت مولانا طفر احمد صاحب قدس سرہ کا
رسالہ فاتحۃ الکلام نظر سے گزرا جو بظاہر میرے مقصد کی مطابقت ہے لہذا میں اپنے رسالہ کو ہمیں ختم
کرتا ہوں اور مسئلہ زیر بحث سے متعلق احادیث کی بحث، احناف کے دلائل اور فرقی مخالف کے
دلائل کے جوابات کی تفصیل فاتحۃ الکلام پر محمول کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امت
مسلمہ کو فروغی مسائل میں الجھنے اور مجتہد فیہ امور میں دماغ و قلم کی صلاحیتیں اور طاقتیں صرف
کرنے اور آپس میں دست و گریبان ہونے کی بجائے دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں اور الحاد
و اباحت کے فتنوں سے دین اسلام کی حفاظت کے لئے متحدہ مساعی کی توفیق عطا فرمائیں اور
اشد اعلیٰ لکھنؤ رحماء بنیہم کا مصداق بنائیں، آمین فقط واللہ المستعین

رشید احمد

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۸ھ یوم الجمعہ

فائز تحت الكلام

في القراءة

خلف اللام

بجواب

تكميل السربان

في قراءة

أم القرآن

تأليف

حضرت مولانا ظفر حسن صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقتدی اور سورۃ فاتحہ کی قرارت

حنفی مذہب کا موقف کتاب و سنت کی روشنی میں

تمہید :

بعد الحمد والصلوة میرے پاس ایک دوست نے رسالہ تکمیل البرہان فی قراءۃ ام القرآن ڈاک سے بھیجا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مصنف رسالہ نے امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض لازم قرار دیا ہے اور اپنے نزدیک اس کو اجماعی مسئلہ فرض کیا ہے۔ چونکہ اس سے مذہب حنفی کی تخفیف مترشح ہوتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے دلائل بیان کر دیئے جائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں بے دلیل کوئی بات نہیں کہتے بلکہ کتاب و سنت کی دلیل سے کہتے ہیں۔ دلائل حنفیہ بیان کرنے کے بعد ان الزامات کا جواب بھی انشاء اللہ دیا جائے گا جو اس رسالہ میں حنفیہ پر وارد کئے گئے ہیں واللہ المستعان وعلیہ التکلیف حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

① قال اللہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۵ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو (اچھی طرح) سناؤ اور خاموش رہو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ابو داؤد صاحب سنن نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ سب لوگ اسی پر ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، محمد بن کعب اور زہری سب یہی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زید ابن اسلم اور ابو العالیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ پھر اس پر اجماع ہے کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرارت لازم نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام جہر سے قرارت کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز بغیر قرارت کے صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک۔ اہل عراق میں سفیان ثوری۔ اہل شام میں اوزاعی۔ اہل مصر میں لیث بن سعد

ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جب امام قرات کر رہا ہو اور مقتدی قرات نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے۔ (ملاحظہ ہو مفتی ابن قدامہ ج ۱ ص ۶۶)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ جن احادیث سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرات کو فرض بتایا جا رہا ہے وہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں وہ منفرد اور امام کے حق میں ہیں مقتدی کے بارے میں نہیں ہیں جیسا آئندہ واضح ہو جائے گا۔

مفسر ابن جریر طبری نے مسیب بن رافع سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ہم نماز کے اندر ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔ سلام علی فلان، سلام علی فلان، پھر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی وَاذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

(۲) (۳) ابن جریر نے ابو عیاض سے روایت کیا ہے کہ ابو ہریرہ نے فرمایا کہ لوگ نماز میں کلام کیا کرتے تھے تو جب یہ آیت نازل ہوئی وَاذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ اور دوسری آیت تو مواللہ قانتین تو خاموش رہنے کا حکم کیا گیا۔ دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں۔

یسیر بن جابر سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرات کرتے ہوئے سنا تو نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تمہارے لئے اسکا وقت نہیں آیا کہ سمجھ لو، کیا اسکا وقت نہیں آیا کہ جان لو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اور خاموش رہو۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وَاذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ اس کو بھی امام طبری نے روایت کیا ہے اور اسکے سب راوی ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے۔

(۴) امام بیہقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرات کر رہے تھے تو آپ نے ایک انصاری نوجوان کی قرات سنی تو یہ آیت نازل ہوئی وَاذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ بیہقی نے اسکی سند پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ مُرْسَل ہے اور یہ مُرْسَل ہمارے یہاں حجت ہے اور جب اسکی تائید دوسرے مراسیل وغیرہ سے ہو جائے تو سب کے نزدیک حجت ہے۔ مفسر طبری نے اسی کے موافق زہری سے بھی مرسل روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھتے تو ایک انصاری نوجوان بھی ساتھ ساتھ پڑھتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔

(۵) حافظ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں معاویہ بن قرہ سے روایت کیا ہے کہ میں

نے بعض صحابہ سے دریافت کیا عبد الرحمن مسرونی (راوی) کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عبد اللہ بن مغفل ہیں۔ اُن سے میں نے کہا، کیا ہر شخص پر جو قرآن سُنے اسکا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے فرمایا کہ یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کرے تو سنو اور خاموش رہو۔

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صرف ابوالمقدام ضعیف ہے مگر اس سے دیکھ اور زید بن الحباب و نصر بن شمیل و زید بن ہارون جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں (تو وہ ایسا ضعیف نہیں جسکی روایت رد کر دی جائے خصوصاً جبکہ اسکی تائید میں بہت سے آثار موجود ہیں) امام بیہقی نے ابوالعالیہ سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرأت کرتے صحابہ بھی قرأت کرتے تھے تو آیت نازل ہوئی فاستمعوا له وانصتوا (حضور کی قرأت کو سنو اور خاموش رہو) پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کرتے (جزء القراءة ص ۷۷) بیہقی نے اس کے راویوں پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ منقطع (یعنی مرسل) ہے اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔

(۶) امام بیہقی نے جزء القراءة میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومن قرآن کی طرف کان لگانے وسعت میں ہے (چاہے سُنے یا نہ سُنے) مگر نماز فرض میں اور جمعہ وعید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن یعنی (ان نمازوں میں) جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن کو سنو اور خاموش رہو ص ۷۳ (ف) ابن عباس کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ قرأت کا سننا واجب نہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول حنفیہ کا بھی اس کے موافق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی قرأت قرآن کے لئے خاموش رہنا اور سُننا واجب ہے اس میں احتیاط ہے کیوں کہ آیت قرآن کا شان نزول اگرچہ قرأت خلف الامام ہے مگر الفاظ مطلق ہیں۔

(۷) محمد بن کعب قرظی (امام تفسیر و حدیث) سے روایت ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ سورۃ اعراف کی آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جزء القراءة ص ۷۷) بیہقی نے اس کی سند میں کوئی علت بیان نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے۔

(ف) مفسر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے متعلق متعدد آثار بیان کر کے فرمایا ہے کہ سب اقوال میں صحت و صواب کے زیادہ قریب ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں عہ ان تمام آثار و احادیث کی جو اس مضمون میں مذکور ہیں سندوں کی مفصل تحقیق علماء اہل سنن میں مذکور ہے جسکو شوق ہو اسے دیکھ لے

مقتدیوں کو نماز میں قرآن سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب امام قرات کرے اور لوگ اس کے پیچھے اقتدار کر رہے ہوں اور خطبہ سننے کا امر کیا گیا ہے۔ ہم نے اس قول کو زیادہ صحیح اس لئے کہا ہے کہ حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اذا قرأ الامام فانصتوا۔ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو اور سب (علماء) کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ امام سے سنے اس پر سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ اجماع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں بھی بتواتر اسکا امر وارد ہے اور ان دو حالتوں کے سوا اور کسی حالت میں قرآن کا سننا اور قرات کے لئے خاموش رہنا واجب نہیں اگرچہ ایک صورتیں اختلاف ہے، جبکہ مقتدی امام کے پیچھے ہو (بعض علماء اس پر خاموش رہنے کو واجب نہیں کرتے بلکہ قرات فاتحہ کو واجب کہتے ہیں) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح میں ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب امام قرات کرے خاموش رہو۔ پس امام کے پیچھے اس کی قرات کے لئے خاموش رہنا ان لوگوں پر واجب ہے جو اس کے مقتدی ہوں اور قرات سن رہے ہوں۔ بوجہ ظاہر قرآن کے عموم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مذکور کے ص ۲۹ ج ۹

اس تقریر سے یہ امر واضح ہے کہ امام ابن جریر طبری جن کو شافعی المذہب کہا جاتا ہے۔ نماز جہری میں مقتدی کے ذمہ قرآن سننے اور خاموش رہنے کو واجب سمجھتے ہیں اور نماز سری میں قرات مقتدی کو جائز سمجھتے ہیں اور زیادہ اختلاف نماز جہری میں ہے۔ نماز سری میں زیادہ اختلاف نہیں، جیسا آئندہ واضح ہو جائیگا اگرچہ حنفیہ کے پاس اس کے بھی دلائل موجود ہیں کہ سری نماز میں بھی مقتدی کو امام کے پیچھے قرات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن میں دو حکم ہیں ایک استمعوا (کہ امام کی قرات کو سنو) یہ تو جہری نماز کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا حکم ہے انصتوا (کہ قرات امام کے وقت خاموش رہو) یہ جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس اگر مقتدی سری نماز میں حکم استماع پر عمل نہیں کر سکتا تو حکم انصات پر تو عمل کر سکتا ہے اس کو کس لئے ترک کرتا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث و آثار بھی آئندہ بیان کئے جائیں گے جن سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے مطلقاً خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہے خواہ جہری ہو یا سری۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جن صحابہ یا تابعین نے آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ کے شان نزول میں خطبہ جمعہ کا ذکر کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں خطبہ جمعہ کو بھی اس آیت کے تحت داخل کر لیا گیا ہے کیونکہ جملہ مفسرین و قرار و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے

کہ سورۃ اعراف مکی ہے۔ بیضادی نے صرف آٹھ آیتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو اذنتنا الجبل سے شروع ہوتی ہیں جن میں یہ آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ داخل نہیں۔ یہ بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا نہ وہاں جمعہ کا خطبہ ہوا تو اس کو شان نزول میں کیسے بیان کیا جاسکتا ہے؟ پس صحیح یہی ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطبہ کا حکم بھی نماز کی طرح ہے۔ اس کے بعد امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس آیت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے ذبیوی بایا کرنے یا جہر کے ساتھ قرأت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا درست نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آیت کے الفاظ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہیں۔ آیت میں انصات کا حکم ہے جس کے معنی بالکل خاموش رہنے کے ہیں جو فاتحہ سے بھی خاموش رہنے کو مقتضی ہے پھر ہم پوچھتے ہیں کیا امام بیہقی خطبہ کی حالت میں آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور تسبیح وغیرہ پڑھنے کی اجازت دیدیں گے؟ اگر نہیں تو وہاں اس آیت سے مطلقاً خاموشی واجب ہونے پر استدلال کیونکر صحیح ہو گیا اگر اجازت دیں گے تو ان کے مذہب کے بھی خلاف ہو گا اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔ خطبہ جمعہ میں کسی کے بھی نزدیک خطبہ سننے والے کو ذکر اللہ اور تسبیح پڑھنا جائز نہیں نہ آہستہ نہ زور سے پس حیرت ہے کہ خطبہ میں تو مطلقاً ذکر وتلاوت وغیرہ کو منع کیا جائے سرّاً بھی اور جہراً بھی اور نماز میں قرأت سرّیہ کو جائز کہا جائے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ آیت اعراف و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کا نزول قرأت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خطبہ کے لئے احادیث میں انصات کی تاکید ہے تو ہم کہیں گے کہ نماز کے اندر مقتدی کو انصات کی تاکید قرآن میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی جیسا آئندہ معلوم ہو جائے گا۔

(۸) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا قرأ (ای الامام) فانصتوا۔ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا حدیث صحیح ہے امام احمد نے بھی اس کو صحیح کہا ہے جیسا حافظ ابن عبد البر نے تمہید میں بیان کیا اور امام ابو جعفر طبری کا قول گزر چکا، وقد صح الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قوله اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں امام مسلم کی سند سے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ

جب تم نماز کو کھڑے ہو تو ایک آدمی امام بنے اور جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔ صحیح ابو عوانہ میں اس حدیث کو عبد اللہ بن رشید سے ابو عبیدہ (مجاہد بن زبیر عتی) سے قتادہ سے یونس ابن جابر سے حطان بن عبد اللہ رقاشی سے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے تو آمین کہو۔ اس میں سلیمان تیمی کی متابعت ابو عبیدہ نے کی ہے وہ بھی قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح اذا قرأ الامام فانصتوا روایت کر رہا ہے اور ابو عبیدہ ثقہ ہے انساب سمعانی میں عبد اللہ ابن رشید اور ابو عبیدہ دونوں کو مستقیم الحدیث کہا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح اذا قرأ فانصتوا روایت کیا ہے۔ عمر بن عامر امام مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد سالم بن نوح بھی رجال مسلم میں ہے۔ امام مسلم اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی صحیح میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ پس بعض محدثین کا یہ کہنا کہ قتادہ کے شاگردوں میں سے صرف سلیمان تیمی نے اس حدیث میں اذا قرأ الامام فانصتوا زیادہ کیا ہے غلط ہے۔ قتادہ کے تین شاگردوں نے جو ثقہ ہیں سلیمان تیمی کی موافقت کی ہے۔ پھر امام مسلم سے جب ان کے شاگرد نے سوال کیا کہ اس حدیث میں اذا قرأ فانصتوا صحیح ہے؟ امام مسلم نے جواب دیا تریدا حفظ من سلیمان کیا تم سلیمان سے بڑھ کر حدیث کا حافظ چاہتے ہو؟ یعنی وہ کامل الحفظ تام الحفظ تام الضبط ہے اس کا تفرد مضر نہیں (اگرچہ وہ منفرد بھی ہوتا حالانکہ وہ اس زیادت میں منفرد نہیں اس کی متابعت و موافقت کرنے والے دوسرے حفاظ ثقات بھی ہیں)

⑨ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ سو جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو۔ اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمد کہے تو ربنا اللہ الحمد کہو۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اور امام احمد ابن حنبل اور ابن حزم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (جو ہر نقی)

(ف) پس امام ابو داؤد کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں اذا قرأ فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں۔ ہمارے نزدیک ابو خالد نے وہم کیا ہے۔ صحیح نہیں کیونکہ ابو خالد احمر سلم و بخاری کے رجال میں سے ہیں دونوں اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ پھر ابو خالد احمر کی متابعت بھی موجود ہے

محمد بن سعد انصاری نے بھی ابن عجلان سے اس حدیث کو ابو خالد احمر کی طرح اذا قرأ فانصتوا کیساتھ روایت کیا ہے۔ سنن نسائی میں یہ متابعت موجود ہے اور امام نسائی نے محمد بن سعد کی توثیق کی ہے۔ امام ابن جریر طبری نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پس انصاف یہ ہے کہ اس حدیث میں بجز ان لوگوں کے جو قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں کسی نے جرح نہیں کی اور اصول حدیث کے لحاظ سے انکی جرح صحیح نہیں کیونکہ اول تو اصولی طور پر زیادت ثقہ مقبول ہے دوسرے جس راوی کو زیادت میں منفرد کہا جا رہا ہے اسکی متابعت دوسرے ثقات نے بھی کی ہے۔ اب سمجھنا چاہیے حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ اس کو سنا جائے۔ یہی سورۃ اعراف کی آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کاملول ہے۔ یہی دوسری آیت واذ صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن فلما حضروه قالوا انصتوا (سورۃ الجن) یہی تیسری آیت لا تحرك به لسانک لتعجل به ان علینا جمعة وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ (قال ابن عباس فی تفسیرہ فاستمع له وانصت کما فی البخاری) کاملول ہے۔ اسی مفہوم کو ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جو احادیث نص قرآن کے موافق نہ ہوں ایسی احادیث میں تاویل لازم ہے اگر سند صحیح ہو ورنہ رد کر دیا جائے گا اگر سند ضعیف ہو۔

چنانچہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جتنا حصہ صحیح ہے یعنی لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب "اُس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے" اس میں مقتدی یا امام کا کوئی ذکر نہیں اور اس کو سفیان بن عیینہ اور زہری راوی حدیث اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے امام اور منفرد پر محمول کیا ہے کیونکہ امام مالک نے موطا میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے موقوفاً اور امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے من صلی رکعة لم یقرأ لہ (ترجمہ) اور جب ہم نے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت کو متوجہ کیا کہ قرآن سنیں جب وہ قرآن سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے خاموش رہو ۱۷ (نزل وحی کے وقت) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد کریں ہمارے ذمہ ہے اسکا (آپکے دل میں) جمادینا اور اسکا پڑھا دینا تو جب ہم (بزبان جبریل) قرآن پڑھیں تو اسکے پڑھنے کا اتباع کیجئے۔ عبد اللہ بن عباس نے اتباع کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سنیے اور خاموش رہیے (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ اسی طرف کان لگائے اور خاموش رہے۔

فیہا بام القرآن فلم یصل الا دراء الامام جس نے کوئی نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے ہو تو نماز ہو جائے گی۔ پہلی روایت کی سند صحیح اور دوسری کی حسن ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ دیکھو جابر بن عبد اللہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا صلوة لمن لم یقرأ بقاۃ تحت الکتابے۔ جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو (ترمذی) مقتدی کے واسطے یہ حکم نہیں ہے اور حدیث عبادہ کے جس حصہ سے امام کے پیچھے قرات ثابت کی جاتی ہے اسکی صحت میں محدثین کو کلام ہے جیسا کہ آئندہ واضح ہو گا تو اس کو رد کیا جائے گا کیونکہ وہ نص قرآن اور حدیث کے خلاف ہے یا اس میں تاویل کی جائیگی۔

(۱۰) حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص آپ کے پیچھے سبھ اسم ربک الا علے پڑھنے لگا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے (قرارت کی) فرمایا میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قرارت میں منازعت کر رہا ہے۔ امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔

(ن) اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک یہی معلوم تھا کہ صحابہ آپ کے پیچھے قرارت نہیں کرتے۔ کیونکہ سورۃ اعراف میں قرارت خلف الامام سے منع کر دیا تھا جب کسی نے قرارت کی تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ قرارت کرنے والا کون تھا؟ اگر قرارت خلف الامام جائز ہوتی تو اس سوال کی کوئی وجہ نہ تھی، رہا یہ کہ اس شخص نے سبھ اسم ربک الا علے پڑھی تھی سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تھی اس لئے تنبیہ کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہ سمجھتے تھے ورنہ یہ صحابی سورۃ فاتحہ کی جگہ دوسری سورت کیوں پڑھتا؟ ان کے نزدیک فاتحہ اور غیر فاتحہ سب برابر تھے۔ اگر فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر واجب ہوتا تو آپ صرف اتنی بات پر کفایت نہ فرماتے کہ میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قرارت میں منازعت کر رہا ہے بلکہ صاف فرما دیتے کہ سبھ اسم ربک الا علے نہ پڑھنا چاہیئے بلکہ سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہیئے۔ اور امام بیہقی نے حضرت عمران کی جس روایت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا وجوب ثابت کیا ہے وہ موقوف ہے اور اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے جس کو اکثر محدثین نے ضعیف اور متروک قرار دیا ہے اس کی روایت سے حجت لانا انصاف سے بعید ہے۔

(۱۱) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کرتے تھے تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو مخلوط کر دیا (یعنی میری قرات میں خلط ملط کر دیا، اسکی سند بزار کے یہاں عمدہ ہے اور مسند احمد میں اسکی راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(ف) اس میں بھی مقتدیوں کی قرات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار فرمانا صریح ہے، اور امام بیہقی کی یہ تاویل کہ لوگ زور سے قرات کرتے ہونگے کیونکہ امام کی قرات میں خلط اسی وقت ہو سکتا ہے صحیح نہیں کیونکہ ادل تو صحابہ کا حضور کے پیچھے زور سے قرات کرنا بہت بعید ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلم نہیں کہ آہستہ قرات سے امام کو خلیجان نہیں ہوتا۔ یقیناً اصحاب قلوب کو آہستہ قرات سے بھی خلیجان ہوتا ہے پھر آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا سے مقتدی کے ذمہ سکوت کا واجب ہونا واضح ہے کہ اسکو نہ زور سے پڑھنے کی اجازت ہے نہ آہستہ۔ کیونکہ اسی آیت اور احادیث انصات للخطبہ سے تمام فقہاء نے خطبہ کے اندر مقتدیوں کو قرات اور ذکر سے مطلقاً منع کیا ہے کہ نہ آہستہ قرات کریں نہ زور سے پھر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ خطبہ میں تو مطلقاً سکوت کو واجب کہا جائے اور نماز میں زور سے قرات کو منع کیا جائے اور آہستہ قرات کی اجازت دیجائے حالانکہ بالاتفاق یہ آیت قراۃ خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا اوپر گزر چکا۔

(۱۲) حسن بن صالح ابو الزبیر حضرت جابر بن عبد اللہ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل من کان له امام فقرأتہ له قراۃ۔ جس کسی کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات اس کے لئے بھی قرات ہے۔ اس کو امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے (مصنف میں) روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابوالحسن موسیٰ بن ابی عاشر سے عبد اللہ بن شداد بن الہاد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سند صحیح ہے اور امام ابن الہمام نے اور محمد بن منیع نے کہا ہے کہ یہ سند شرط شیخین پر صحیح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد نے اسکو مفصلاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرات کی اسکی پنس والے نمازی نے اس کو دبا دیا۔ نماز کے بعد اس نے پوچھا تو نے مجھے کیوں دبایا؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے آگے تھے تو میں نے اس کو مکروہ سمجھا کہ تو حضور کے پیچھے قرات کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی تو فرمایا من کان له امام فان قراءتہ له قراۃ۔ جس کے لئے کوئی امام ہو

تو اس کی قرأت یقیناً اس کے لئے قرأت ہے“ اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ اس حدیث کو حافظ احمد ابن منیع نے بھی اپنی مسند میں امام سفیان ثوری اور شریک (عبداللہ بن نخعی) سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کیلئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے۔ اور بزار کی طرح عبد بن حمید نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کو حسن بن صالح کے واسطہ سے ابوالزبیر سے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے (فتح القدیر) اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر سے یہ حدیث مشہور ہے (التلخیص الجبر ص ۸) پس دارقطنی کا یہ کہنا کہ ”اس حدیث کو دیگر ثقات نے مرسل روایت کیا ہے۔ صرف (امام) ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ نے موصولاً روایت کیا ہے اور مرسل ہی صواب ہے“ غلط ہے۔ کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث کو امام سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ نخعی نے بھی امام ابو حنیفہ کی طرح موصولاً روایت کیا ہے۔ امام سفیان ثوری بالاتفاق ثقہ اور حجت ہیں اور شریک بن عبداللہ مسلم کے رجال میں سے ہیں اور حسن بن عمارہ محمد بن اسحاق سے کسی طرح کم نہیں۔ پس تین راویوں کی متابعت کے بعد یہ کہنا کہ یہ روایت موصولاً صحیح نہیں اصول کی خلاف ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ تنہا بھی کسی حدیث کو مرفوعاً روایت کریں تو حجت ہے۔ کیونکہ ان کا جو درجہ علماء امت میں ہے کسی پر مخفی نہیں۔ رہا بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے یہ تو معلوم نہ ہوا کہ مقتدی کو قرأت کرنا منع ہے تو جواب یہ ہے کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرأت کرنا واجب نہیں اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ ممانعت کیلئے سورہ اعراف کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا او پر گزر چکی جس میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔

اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث سے مقتدی کے لئے امام کی قرأت کی وجہ سے ایک قرأت شرعاً ثابت ہو گئی اگر وہ خود بھی قرأت کرے گا تو اس کی دو قرأتیں ایک نماز میں ہو جائیں گی اور یہ مشروع نہیں۔

(۱۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے فرمایا ہاں۔ تو جماعت میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میرے نزدیک جب امام قرأت کرے تو وہ (سب کے لئے) کافی ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند

حسن ہے (مجمع الزوائد) مطلب یہ کہ ہر شخص پر قرارت واجب نہیں بلکہ جس کا کوئی امام نہوا سپر واجب ہے کیونکہ امام کی قرارت مقتدی کو کافی ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی سند صحیح کے ساتھ سنن مجتبیٰ میں روایت کیا ہے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً درست نہیں بلکہ یہ ابو الدردار کا قول ہے (یعنی حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں) دارقطنی نے کہا اس حدیث کو زید بن حباب اور ابو صالح کاتب اللیث نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ خطا ہے۔ صواب یہ ہے کہ ابو الدردار کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ زید بن الحباب سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور احمد بن حنبل اور ابن المدیٰ وغلی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابو صالح کاتب اللیث سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے اس کو ثقہ مأمون اور ابن القطان نے صدوق حسن الحدیث کہا ہے (بہت سچا ہے اس کی حدیث حسن ہے) تو جس حدیث کو ایسے راوی مرفوع کرے محققین کے نزدیک اسکو مرفوع ہی کہا جائے گا۔ پھر ہمارے نزدیک حدیث موقوف بھی حجت ہے۔ کم از کم اس سے ان صحابہ کا عدد تو زیادہ ہو گیا جو قرارت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۴) عطار بن یسار سے روایت ہے کہ انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرارت (کرنے) کو دریافت کیا تو فرمایا امام کے ساتھ کسی حالت میں قرارت نہیں اسکو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سجود تلاوت کے باب میں روایت کیا اور طحاوی نے بھی صحیح سند سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرارت نہ کرو۔

(فے) حضرت زید بن ثابت صحابی کا فتویٰ صراحۃً امام ابو حنیفہ کا مؤید ہے کہ کسی نماز میں امام کے پیچھے قرارت نہ کرنا چاہیے جو سورۃ فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو عام ہے۔

(۱۵) امام مالک نے موطا میں وہب بن کیسان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ جو شخص کوئی رکعت بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز ہو جاتی ہے) اس کی سند صحیح ہے ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور طحاوی نے مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا ہے اور اسکی سند حسن ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے ذمہ واجب نہیں اور اس میں ہتھی کی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ قرارت سے مراد جہر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اس میں سورۃ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام

کے پیچھے زور سے نہ پڑھے تو لازم آئے گا کہ تنہائی میں نماز پڑھنے والے پر سورۃ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب التمسید میں فرمایا، ثبت عن علی وسعد وزید بن ثابت انہ لا قراءۃ مع الامام لا فیہا استروا فیما جہر۔

(الجوہر النقی ۱۵۶ و ۱۵۷)

حضرت علی اور سعد (بن ابی وقاص) اور زید بن ثابت سے ثابت ہو چکا ہے کہ (ان کے نزدیک) امام کے ساتھ قرأت نہیں نہ سری نماز میں نہ جہری نماز میں۔

(۱۶) امام مالک نے نافع سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے جب پوچھا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جائے تو فرماتے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اسے کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرأت کرنا چاہیے۔ نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے (موطا) اور اس کی سند صحیح الاسانید ہے۔ (یعنی بہت صحیح ہے)

(۱۷) ابوداؤد سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس حاضر ہوا اور کہا، میں امام کے پیچھے قرأت کر لیا کروں؟ فرمایا، قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے ادا و نواہی اور وعد و وعید پر غور کرنا) اور تم کو (قرأت کے بارے میں) امام کافی ہے اس کو طبرانی نے کبیرہ اوسط میں روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور طحاوی نے بھی سند صحیح سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزر القراءۃ میں علقمہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہ کرو کیونکہ اسکی قرأت تمہارے لئے بھی قرأت ہے اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ امام کے پیچھے کسی نماز میں خواہ وہ جہری ہو یا سری نہ سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور نہ اور کوئی سورت اور نہ عبداللہ بن مسعود کے دوسرے اصحاب۔ عبداللہ بن مسعود کا یہ مذہب مشہور ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے اور اس سے منع کرتے تھے یہی مذہب ان کے اصحاب علقمہ واسود وغیرہ کا ہے۔ اسی پر ابراہیم نخعی کا عمل تھا (حوالہ روایات کے لئے اعلیٰ السنن ملاحظہ ہو)

(۱۸) عبید اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہم) سے (امام کے پیچھے قرأت کرنے کو) دریافت کیا سب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرأت نہیں کی جاتی۔ اسکو امام طحاوی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(۱۹) ابو جبرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے (قرأت کرتا) ہو تو کیا میں بھی قسارت کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

(۲۰) علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کاش اس شخص کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

(۲۱) عون (ابن عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تم کو امام کی قرأت کافی ہے خواہ اخفا کرے یا جہر کرے اسکو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا (اسکی سند میں) عاصم قوی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے علی بن المدینی شیخ البخاری جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں اور معن بن عیسیٰ نے اسکو ثقہ کہا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے اور ایسے راوی کا روایت کو مرفوع کہنا اصول حدیث کے موافق مقبول ہے۔

(۲۲) امام شعبی نے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا پھر شعبی سے حارث سے حضرت علی سے (موصولاً) روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں؟ حضور نے فرمایا بلکہ خاموش رہو۔ کیونکہ امام تم کو کافی ہو جائیگا۔ پھر موصول کو ضعیف بتا کر کہا کہ مرسل جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے زیادہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں مرسل خفیہ کے یہاں حجت ہے خصوصاً شعبی کا مرسل کہ وہ تو محدثین کے نزدیک صحیح ہے اور جب مرسل کی تائید موصول سے ہو جائے تو پھر بالاتفاق حجت ہے اگرچہ موصول ضعیف بھی ہو جیسا کہ مقدمہ اعلام السنن میں بحوالہ شرح النخبۃ تدریب الراوی وغیرہ بیان کر دیا گیا ہے۔

(۲۳) عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ (امام المغازی سے) مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر (صدیق) اور حضرت عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (عمدۃ القاری) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے۔

(۲۴) عبداللہ بن وہب نے یحییٰ بن عبداللہ بن سالم عمری اور یزید بن عیاض سے مرسل

روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لئے کوئی امام ہو اور یہ اسکی اقتدار کر رہا ہو تو اس کے ساتھ قرات نہ کرے کیونکہ امام کی قرات اس کے لئے بھی قرات ہے۔ اس کو امام بیعتی نے جزء القراءۃ میں روایت کیا اور فرمایا یحییٰ بن عبد اللہ میں نظر ہے اور یزید بن عیاض پر جملہ محدثین نے جرح کی ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث کا مدار یزید بن عیاض پر نہیں اس کے ساتھ یحییٰ بن عبد اللہ بھی ہے اور وہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے۔ نسائی اور دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس یحییٰ کا مرسل صحیح ہے۔ یزید بن عیاض کے مجروح ہونے سے اس کو کوئی ضرر نہیں اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔

(۳۵) امام مالک نے ابن شہاب (زہری) سے ابن اکیمہ لیثی سے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں آپ نے قرات جہر سے کی تھی فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اس وقت میرے ساتھ قرات کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں! یا رسول اللہ میں نے قرات کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تو کہوں کہ یہ کون مجھ سے قرات کو چھین رہا ہے (یعنی قرات میں منازعت کر رہا ہے) جب لوگوں نے یہ بات سنی تو اس نماز میں قرات کرنے سے رک گئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر سے قرات کرتے تھے اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعی نے مسند میں اور ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن کہا اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ امام مالک کا اس کو سند موصول سے روایت کرنا صحت کے لئے کافی ہے۔ اس پر بعض محدثین کا یہ جرح کرنا کہ فانتہی الناس عن القراءة فیما جہر فیہ الخ کہ لوگ جہری نماز میں قرات کرنے سے رک گئے الخ زہری کا قول ہے صحابی کا قول نہیں قابل تسلیم نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد میں اس حدیث کو معمر نے زہری سے روایت کیا ہے اور صاف کہا ہے قال ابوہریرۃ فانتہی الناس عن القراءة الخ ابوہریرہ نے فرمایا کہ سب لوگ حضور کے پیچھے قرات کرنے سے رک گئے الخ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ اس سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہات اثبات میں سے ہے۔ پس اصول حدیث کے موافق معمر کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر اگر زہری کا قول مان لیا جائے تو وہ سیر و منغازی کا امام اور اخبار زمانہ رسالت کا خوب جاننے والا ہے۔ اس باب میں اس کا قول حجت ہے اس سے قطعاً معلوم ہو گیا کہ اس واقعہ کے بعد تمام صحابہ نے حضور کے پیچھے جہری نماز میں قرات کرنا ترک کر دیا تھا۔

(ف) اس حدیث سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) جو لوگ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے نہ کرتے تھے اور نہ آپ کو اس کا علم تھا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کی ضرورت نہ ہوتی کہ کیا کسی نے اس وقت میرے پیچھے قرات کی ہے۔

(۲) سب صحابہ امام کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرات نہ کرتے تھے کیونکہ حضور کے دریافت کرنے پر صرف ایک شخص نے جواب دیا کہ میں نے قرات کی ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی قرات پر انکار فرمایا جس سے سب لوگ جہری نمازوں میں قرات سے باز آ گئے۔

(۴) سری نمازوں میں اس کے بعد بھی کچھ لوگ قرات کرتے ہونگے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا جیسا عبد اللہ بن شداد کی روایت میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کی۔ ایک صحابی نے اسکو اشارہ سے روکا۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکے لئے امام ہو اس کے واسطے امام کی قرات کافی ہے۔

(۲۶) انس بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دریافت کیا کہ میں امام کے پیچھے قرات کیا کروں؟ فرمایا تو تو بڑے پیٹ کا معلوم ہوتا ہے (یعنی بیوقوف) تجھے امام کی قرات کافی ہے۔ اس کو عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۲۷) زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرات کرنے سے منع فرماتے تھے اس کو بھی عبد الرزاق نے روایت کیا ہے (جو ہر نقی) میں کہتا ہوں اس کی سند بھی صحیح ہے۔

(۲۸) موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت اپنے دادا (زید بن ثابت صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے اس کی نماز درست نہیں۔ اس کو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح نسخہ میں جس طرح ہے۔ امام بیہقی نے اسی طرح امام بخاری سے روایت کر کے نقل کی ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور موسیٰ بن سعد کا اپنے دادا زید بن ثابت سے روایت کرنا ابن حبان اور امام بخاری نے ذکر کیا ہے (تہذیب)

(ف) ان تمام آثار سے ثابت ہو گیا کہ اجلہ صحابہ کا اس باب میں وہی قول ہے جو امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ غرض امام ابو حنیفہ کا مذہب اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرات نہ

کرنا چاہیے قرآن سے بھی ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی اور صحابہ کرام کے اقوال و عمل سے بھی تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بعض لوگ اب بھی اس مسئلہ میں حنفیہ پر زبان درازی کرتے ہیں اب ہم بتلائیں گے کہ تابعین میں بھی بہت حضرات اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

(۲۹) فضل (ابن دکین) زہیر (ابن معادیہ) سے وہ ولید بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سوید بن غفلہ سے (جو تابعی کبیر ہیں اور بعض نے انکو صحابی بھی کہا ہے) دریافت کیا کہ میں ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قرات کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں، اس کو ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

(۳۰) ہشیم ابوبشر (جعفر بن ایاس) سے وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے قرات خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قرات نہیں ہے۔ اسکو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور سعید بن جبیر تابعی جلیل ہیں۔

(۳۱) محمد بن سیرین سے (جو تابعی جلیل ہیں) روایت ہے انھوں نے فرمایا میں امام کے پیچھے قرات کرنے کو سنت نہیں جانتا۔ اس کو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۲) ابراہیم نخعی اسود (تابعی کبیر) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے میں چاہتا ہوں کہ اسکا منہ مٹی سے بھر جائے۔ اسکو عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۳۳) اعمش ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے جو اول بدعت ایجاد کی ہے وہ امام کے پیچھے قرات کرنا ہے۔ اس کو بھی عبد الرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔ (جو ہرنقی)

(۳۴) منصور ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سب سے پہلے قرات کی ہے وہ (دین میں) مہتمم تھا۔ اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔

(ف) ابراہیم نخعی فقہار کوفہ میں سے ہیں۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قرات خلف الامام شروع کی وہ مہتمم تھا۔ ممکن ہے کوئی خارجی یا قدری ہو اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبد اللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرات

نہ کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرارت خلف الامام کرنیوالا مبتدع یا منہم تھا۔

(۳۵) امام ابو حنیفہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کسی نماز میں قرارت نہیں کی نہ جہری میں نہ سری میں نہ سورہ فاتحہ پڑھتے نہ اور کوئی سورت اس کو امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔ جامع مسانید الامام میں بھی اسی سند سے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور ولا اصحابہ عبد اللہ زیادہ کہا ہے۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود کے اور تمام اصحاب بھی امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے۔ اس کو مسند حافظ ابن خسر و اور آثار محمد کی طرف منسوب کیا ہے۔

(ف) یہ حضرات اجلہ تابعین ہیں۔ جن کی امامت پر علماء اُمت کا اتفاق ہے۔ ان آثار سے معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے، اور بعضے اس کو بدعت اور بعضے اس کو خلاف سنت تک کہتے تھے کیا اب بھی کسی کا یہ منہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ پر زبان درازی کرے۔ جب قرآن سے صحیح حدیثوں سے اقوال صحابہ و اقوال تابعین سے ان کے قول کی پوری تائید اور تقویت ہو رہی ہے۔ اور جن احادیث سے حضرات شافعیہ یا ظاہریہ نے استدلال کیا ہے ان سب کا جواب اعلاء السنن میں مفصل دیدیا گیا ہے اور بتلادیا گیا ہے کہ جن احادیث میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید ہے وہ امام اور منفرد پر محمول ہیں۔ مقتدی پر محمول نہیں۔ چنانچہ خود راوی حدیث امام احمد اور سفیان بن عیینہ نے بھی اسی پر حدیث کو محمول کیا ہے اور امام و منفرد کے حق میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہمارے نزدیک بھی واجب ہے اور جن احادیث میں امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کا ذکر ہے وہ مرفوعاً صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔ البتہ بعض صحابہ سے امام کے پیچھے قرارت کرنا ثابت ہے مگر ان کے خلاف اجلہ صحابہ و اجلہ تابعین سے اس کی ممانعت اور نفی بھی ثابت ہے جیسا ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ پس اختلاف صحابہ کی صورت میں ان صحابہ کا قول مقدم اور راجح ہو گا جو آیت قرآن اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہو۔ اور جن صحابہ کا قول نص قرآن اور حدیث صحیح کے خلاف ہو اس میں تاویل کی جاسیگی کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے سکتات میں قرارت کرتے ہونگے اور سکتات امام میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کرنا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے گو واجب نہیں کیونکہ خود امام کے ذمہ سکتات

واجب نہیں۔ اور گو ہمارے نزدیک سری نمازوں میں قرارت نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر قرارت کرے تو جائز ہے کچھ مضائقہ نہیں۔ جن صحابہ سے امام کے پیچھے قرارت ثابت ہے وہ سری نمازوں میں قرارت کرتے ہونگے۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت کرنا امام شافعی کا بھی مذہب نہیں، وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکتات میں فاتحہ پڑھنا ضروری ہے انکے نزدیک امام کو سورہ فاتحہ کے بعد اتنا طویل سکتہ کرنا چاہیے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔ ہمارے نزدیک ضروری تو نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے اس سکتہ کا وجوب ثابت نہیں۔ لیکن اگر امام سکتہ طویل کرے تو مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳۶) دلیل اجماعی

امام طحاوی اور موفق بن قدامہ حنبلی نے دلائل کتاب و سنت و اقوال و آثار صحابہ و تابعین بیان کر کے اجماع سے بھی اسکا ثبوت دیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر قرارت فاتحہ واجب نہیں کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ جو شخص رکوع کی حالت میں امام کو پائے اور تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر رکوع میں شریک ہو جائے تو وہ رکعت اس نے پالی ہے حالانکہ اس نے قرارت نہیں کی ہے۔ موفق بن قدامہ فرماتے ہیں ولا نھا لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسودۃ الخ (اور اجماعی دلیل یہ ہے کہ) مقتدی مسبوق پر قرارت فاتحہ واجب نہیں (وہ رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے) تو اس کے سوا اور کسی مقتدی پر بھی یہ قرارت واجب نہ ہوگی جیسے سورت کا پڑھنا واجب نہیں (حالانکہ دلائل حدیث سے ضم سورت کا وجوب بھی ثابت ہے) اگر مقتدی کے ذمہ قرارت واجب ہوتی تو بقیہ ارکان کی طرح مسبوق سے بھی ساقط نہ ہوتی ج ۱ ص ۶۰۹۔ حافظ ابن عبد البر نے شرح الاستذکار میں فرمایا ہے کہ تمام فقہاء کا قول یہ ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اور تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے اور ہاتھ گھٹنوں پر جمادے اس سے پہلے کہ امام سر اٹھائے تو اس نے رکعت پالی ہے یہی مذہب ہے امام مالک کا اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور انکے اصحاب کا اور سفیان ثوری و داؤد زاعی و ابو ثور و احمد و اسحاق کا۔ یہی حضرت علی سے اور عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ہم نے کتاب التمہید میں سند کے ساتھ ان سب کے اقوال بیان کر دیے ہیں۔ غرض اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبد البر امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

ابن الامیر یحییٰ نے بھی سبل السلام میں عامۃ فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے مگر ظاہریہ نے صرف اسلئے کہ اس صورت میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا وجوب باقی نہیں رہتا۔ اجماع کی خلاف یہ دعویٰ کر دیا کہ رکوع پانے سے مسبوق رکعت کو نہیں پاسکتا کیونکہ اس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی

تضعیف حدیث ابی ہریرۃ متعلق مسبوق

اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے سہارا لے لیا جو امام بخاری نے جزر القراءۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع میں پائے تو اس رکعت کو شمار نہ کیا جائیگا۔ حالانکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ سے اسکے خلاف روایت موجود ہے جو جمہور ائمت کے موافق ہے حافظ ابن عبدالبر نے شرح موطا میں فرمایا ہے کہ فقہاء انصار میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے۔ اور اس کی سند میں نظر ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول خلاف اجماع ہے اور ابو ہریرہ کی حدیث صحیح نہیں۔ ہر زمانہ کے فقہاء نے بالاتفاق اس کو رد کر دیا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسکے خلاف ابو داؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کرو اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع پالیا اس نے نماز (کی رکعت) پالی۔ ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔ اور منذری نے بھی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم کی تائید کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه " جس نے نماز میں رکوع پالیا اس سے پہلے کہ امام اپنی کمر سیدھی کرے اس نے رکعت کو پالیا۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو حجت قرار دیا ہے (تلخیص الجبر) اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو صحیح کہا ہے (المرواۃ) پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی روایت کردہ حدیث مرفوع کے خلاف کوئی قول بیان کریں، پس ان کا وہی قول صحیح ہے جو موطا مالک میں حدیث مرفوع کے موافق ہے۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قراءت واجب ہوتی تو رکوع پانے سے وہ رکعت نہ پاسکتا کیونکہ خود اس نے توقیرات نہیں کی۔ پس ثابت ہوا کہ امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہو جاتی ہے اسی لئے وہ رکوع پالینے سے وہ رکعت پالیتا ہے۔

المحدث کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل :

اب میں مؤلف تکمیل البرہان کے دلائل کی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے انہوں نے وہی حدیث عبادۃ بن الصامت بیان کی ہے۔ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب (بخاری و مسلم) ”اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔“

ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد اور سفیان بن عیینہ اور زہری جیسے ائمہ راویان حدیث نے امام اور منفرد کے حق میں قرار دیا ہے۔ مقتدی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا، کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل لے لا وراء الامام (موطائک، طحاوی، ترمذی) ”خس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (ہو تو نماز ہو جائے گی)“ امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تو سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی دیکھو جابر بن عبد اللہ صحابی اس حدیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں دوسرے جب حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے من کان له امام فان قراءته له قراءۃ۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے اُس کی قراءت اس کے لئے بھی قراءت ہے۔ تو اب یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقتدی نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ جب امام نے پڑھ لی ہے تو اس نے بھی حکماً پڑھ لی ہے۔ گو زبان سے نہیں پڑھی کیونکہ مقتدی کو حدیث صحیح میں قراءت امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔

دوسری دلیل :

لا تفعلوا الا بام القرآن فان لا صلوة لمن لم یقرأ بها (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) نہ معلوم مؤلف تکمیل البرہان نے اس حدیث کو پورا کیوں نہیں لکھا۔ پوری حدیث یہ ہے کہ محمود بن الربیع کہتے ہیں میں نے عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے سنا تو میں نے کہا کہ میں آپ کو امام کے پیچھے قراءت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نہ معلوم آپ نے قصداً ایسا کیا ہے یا سہو ہو گیا ہے۔ فرمایا میں نے سہو نہیں کیا بلکہ قصداً قراءت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ

علیہ وسلم نے سب کو ایک نماز پڑھائی جس میں جہر کیا جاتا ہے تو آپ کو قرارت میں الجھن ہوئی نماز کے بعد فرمایا کیا تم لوگ میرے ساتھ قرارت کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا لا تفعلوا الا بام القرآن فاتھا لا صلوة لمن لم یقرأ بها۔ ایسا مت کرو مگر ام القرآن (پڑھ سکتے ہو) جو اس کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر قرارت کرتے تھے جبھی تو آپ کو دریافت کرنا پڑا کہ تم میرے ساتھ قرارت کرتے ہو۔ اگر حضور نے امام کے پیچھے قرارت کا حکم دیا ہوتا تو اس سوال کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اسکے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ امام کے پیچھے قرارت کرتے ہیں تو فرمایا ایسا نہ کرو مگر فاتحہ (پڑھ سکتے ہو) اس سے وجوب ثابت نہیں ہو سکتا صرف اباحت مفہوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اصول فقہ میں ثابت کر دیا گیا ہے ان الاستثناء بعد الحظر اباحت واطلاق کہ نہی کے بعد جو استثناء ثابت ہوتا ہے وہ اباحت کے لئے ہوتا ہے وجوب کے لئے نہیں ہوتا اور یہ ہم کو مضر نہیں کیونکہ سکتا امام کے وقت نماز جہری میں ہم مقتدی کی قرارت کو جائز کہتے ہیں اور خصم کو مضر ہے کیونکہ وہ اباحت کا قائل نہیں بلکہ وجوب کا مدعی ہے اور ہماری تاویل کی تائید طبرانی کی روایت سے ہوتی ہے جو مجمع الزوائد میں حضرت عبادة بن الصامت ہی سے مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ خلف الامام فليقرأ بفاتحة الكتاب اور اسکے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے ص ۱۸۶ ج ۱۔ جو کوئی امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہے وہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔ اور مجمع الزوائد میں امام احمد کے حوالہ سے ایک صحابی سے یہ روایت بھی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلمكم تقرؤن والامام يقرأ قالها ثلثا قالوا انا لنفعل ذلك قال فلا تفعلوا الا ان يقرأ احدكم بفاتحة الكتاب في نفسه رواه احمد ورجاله رجال صحيح ص ۱۸۶ ج ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرارت کرتے ہو تین بار دریت فرمایا۔ صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورہ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں اس سے واضح ہوا کہ سورہ فاتحہ بھی زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں صرف دل میں پڑھنے کی اجازت ہے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔ اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ دل کی قرارت کو قرارت نہیں کہا جاتا کیونکہ عرفاً اس کو بھی قرارت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں رید کا

خط نہیں پڑھوں گا اور پھر اسکے خط کو دیکھ لے اور مضمون سمجھ لے مگر زبان سے نہ پڑھے حائث ہو جائے گا اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ البتہ جہاں شریعت نے قرارت فرض کی ہے وہاں بغیر زبان سے پڑھے فرض ادا نہ ہوگا اور حدیث عبادہ سے مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا صرف اباحت ثابت ہوتی ہے اور وہ دل میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی دوسرے اس پوری حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود بن ربیع نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو امام کے پیچھے قرارت کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا صرف حضرت عبادہ کو دیکھا تھا تو شبہ ہوا یہ قصد ایسا کر رہے ہیں یا سہواً اور محمود بن ربیع صحابی صغیر ہیں اجلہ صحابہ کے دیکھنے والے ہیں ان کا قرارت خلف الامام پر انکار اور تعجب کرنا خود اسکی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ لازم نہیں اور حضرت عبادہ کی حدیث سے بھی وہ قرارت فاتحہ کا وجوب نہیں سمجھے ورنہ اپنی گزشتہ نمازوں کا اعادہ کرتے مگر نہ اُنہوں نے اعادہ کیا نہ حضرت عبادہ نے اعادہ کرنے کا امر کیا پس یہ حدیث مقتدی کو امام کے پیچھے قرارت کی اجازت دے رہی ہے وجوب کو بیان نہیں کر رہی اور ہم بھی سکتات امام میں مقتدی کیلئے قرارت فاتحہ کی اجازت کے قائل ہیں اور سکتات امام کی شرط اپنی طرف سے ہم نہیں لگا رہے بلکہ بعض احادیث میں یہ قید صراحتہً موجود ہے جو گو ہمارے نزدیک سند کے لحاظ سے صحیح نہیں مگر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں بطور حجت کے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم امام کے ساتھ ہو تو اسکی (قرارت) سے پہلے یا جب وہ سکتہ کرے ام القرآن پڑھ لیا کرو۔ بیہقی نے فرمایا ہے کہ یہ مرفوعاً صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے۔ یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ عبد اللہ بن عمرو صحابی کا قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کرتے تھے امام کے ساتھ قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اسکی قرارت سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں کرتے تھے۔ پھر یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے کہ حدیث عبادہ میں الاجامہ القرآن فانہ لا صلوة لمن لم یقرأ بہا کی زیادت کو صحیح مان لیا جائے مگر محدثین کو اسی میں کلام چنانچہ موفق بن قدامہ کتاب المغنی میں فرماتے ہیں۔

فاما حدیث عبادۃ الصحیحہ فہو محمول علی غیر المأموم وقد روی ایضاً موقوفاً

لہ یہ خیالہ میں بہت بڑے امام محدث اور فقیہ ہیں۔ انکی کتاب المغنی کو کتب اسلام میں بے نظیر مانا گیا ہے۔

عن جابر وحديث عبادۃ الآخر فلم يروه غير ابن اسحق كذلك قاله الامام احمد وقد رواه ابو داود عن مكحول عن نافع بن محمود بن ربيع الانصاري وهو ادنى حالاً من ابن اسحق فانما غير معروفين بين اهل الحديث ملخصاً يعني حضرت عبادہ کی جو حدیث صحیح ہے وہ تو مقتدی کے سوا دوسروں پر محمول ہے۔ چنانچہ حضرت جابر نے یہی فرمایا ہے اور ابو داود نے اس حدیث کو مکحول سے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک معروف نہیں (بلکہ مجہول ہے)

تائید حنفیہ از علامہ ابن تیمیہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے رسالہ تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ نماز میں (سکتہ کے متعلق) لوگوں کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں کوئی سکتہ نہیں ہے جیسے امام مالک کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک شمار اور تعوذ نہیں ہے اور قرأت امام میں بھی سکتہ نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں صرف ایک سکتہ شمار و تعوذ کے لئے ہے جیسے امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ حدیث (جس کو شیخین نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ آپ جو تکبیر اور قرأت کے درمیان سکتہ کرتے ہیں اس میں آپ کیا کہا کرتے ہیں؟) اس سکتہ پر دلالت کرتی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں دو سکتے ہیں جیسا سنن کی روایات میں ہے۔ مگر یہ سکتہ قرأت سے فارغ ہونیکے بعد (رکوع سے پہلے) ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ سورہ فاتحہ سے فارغ ہو کر سکتہ کرتے تھے۔ امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں بعض لوگوں کا قول (اس روایت کی بنا پر) یہ ہے کہ نماز میں تین سکتے مستحب ہیں۔ سورہ فاتحہ کے (بعد والے) سکتہ کو امام شافعی کے اصحاب اور بعض اصحاب احمد نے مقتدی کی قرأت فاتحہ کے لئے قرار دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں۔ حدیث (صحیح) میں اس کے سوا کچھ نہیں اور ایک روایت دو میں سے غلط ہے ورنہ تین سکتے ہو جائیں گے۔ اور امام احمد سے یہی منصوص ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں اور دوسرا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد راحت کے لئے اور قرأت اور رکوع میں فصل کرنے کے لئے ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد سکتہ کرنے کو امام احمد اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ مستحب نہیں سمجھتے اور جمہور بھی ان کو مستحب نہیں سمجھتے کہ امام اس غرض سے سکتہ (طریقہ) کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ جب امام جہر سے قرأت کرے اس وقت مقتدی کے ذمہ جمہور کے نزدیک قرأت واجب یا مستحب

نہیں بلکہ قرأت کرنا مقتدی کو منع ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ اس حالت میں مقتدی قرأت کرے تو اسکی نماز فاسد ہے یا نہیں؟ امام احمد کے مذہب میں اسکے متعلق دو قول ہیں اور عامہ سلف صالحین جو امام کے پیچھے قرأت کو مکروہ کہتے ہیں یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ امام جہر سے قرأت کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورہ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہیں کرتے اور جہری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔ اس سے تو کتاب اللہ (قرآن) میں بھی منع کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی اور جمہور سلف و خلف اسی پر ہیں کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت مکروہ ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جس وقت امام جہر سے قرأت کر رہا ہو مقتدی فاتحہ پڑھے اگر نہ پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہونے میں اختلاف ہے۔ غرض نزاع طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے ساتھ قرأت کرنے سے مقتدی کو منع کرتے ہیں انکے ساتھ جمہور سلف و خلف بھی ہیں اور کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرأت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اذا قرأ فانصتوا کہ جب امام قرأت کرے خاموش رہو امام احمد بن حنبل اور سہق (بن راہویہ) اور مسلم بن الحجاج وغیرہم کے نزدیک صحیح ہے ان سب نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بخلاف اس حدیث کے (جس سے مقتدی پر امام کے ساتھ قرأت کو واجب کیا جاتا ہے) کیونکہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور بہت وجوہ سے اسکا ضعیف ہونا ثابت ہے اور حقیقت میں وہ عبادہ بن الصامت کا قول ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) ص ۸۵، ۸۶

حدیث عبادہ کی سند میں اضطراب

علامہ ابن تیمیہ کا درجہ علم اسناد و حدیث میں جتنا بلند ہے ظاہر یہ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کیا مؤلف تکمیل البرہان نے علامہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ نہیں کیا کہ حدیث عبادہ لے مؤلف تکمیل نے اس مقام پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے الدلیل القوی میں لکھا ہے کہ عبادہ بن الصامت کی روایت نسائی و ابو داؤد کی سند میں نافع بن محمود واقع ہے اور اسکو تقرب میں مستور الحال لکھا ہے الخ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستور الحال کی روایت مقبول ہے اسکا جواب یہ ہے کہ مستور کی روایت اسوقت مقبول ہے جب ثقات معروفین کے خلاف نہ ہو اور یہاں نافع نے جو زیادتی کی ہے وہ ثقات بخلاف ہے دوسرے اسکی سند میں اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بالاتفاق ضعیف ہے۔ ظ

کو بروایت محمد بن اسحق صحیح کہنے لگے حالانکہ اس کی سند میں اس قدر اضطراب ہے کہ اگر حنفیہ میں سے کوئی عالم بھی ایسی مضطرب حدیث کو اپنی حجت میں پیش کرتا تو ظاہر یہ آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ حنفیہ کو علم اسناد و علل سے مس نہیں۔ اسی لئے ایسی حدیثیں حجت میں لاتے ہیں جو ہر نفی میں ہے کہ حافظ عبدالحق (شبیلی) نے اپنی کتاب الاحکام میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو اوزاعی نے مکحول سے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور (حافظ ابن عبد البر کی کتاب التعمید میں ہے کہ اس حدیث کی سند) میں محمد بن اسحاق کی مخالفت کی گئی ہے اس کو اوزاعی نے مکحول سے رجا بن حیوہ سے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے پھر حدیث بیان کی (اور امام اوزاعی کا درجہ محمد بن اسحاق سے بہت زیادہ بلند ہے وہ حدیث وفقہ میں اہل شام کے امام ہیں) اور امام طحاوی نے اس حدیث کو رجا بن حیوہ کے واسطہ سے محمود بن ربیع سے روایت کیا ہے اور حضرت عبادہ پر موقوف کر دیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا) اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اس کو مکحول سے عبادہ بن الصامت سے مرسل روایت کیا ہے (یعنی سند منقطع ہے مکحول اور حضرت عبادہ کے درمیان واسطہ حذف ہے) جز القراءۃ بیہقی ص ۴۲ میں بھی اسی طرح ہے پھر امام بیہقی نے دوبارہ اس کو مکحول سے نافع بن محمود سے عبادہ سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد میں بھی اسی طرح (نافع بن محمود کے واسطہ سے) اس کو روایت کیا ہے (اور نافع بن محمود مجہول ہے) اور ایک طریق میں جس کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو مکحول نے محمود سے ابو نعیم سے حضرت عبادہ سے روایت کیا ہے اور یہ ابو نعیم معلوم نہیں کون ہے حاکم نے کہا وہ وہب بن کیسان ہے اور ابن صاعد نے کہا کہ وہ مؤذن (جامع دمشق ہے) دارقطنی نے اپنی سنن میں ایسا ہی کہا ہے اور حافظ نے اصابہ میں اس حدیث کو دوسرے طریق سے نقل کیا ہے اس میں مکحول نے نافع سے محمود بن الربیع سے عبادہ بن الصامت سے روایت کیا ہے جس حدیث کی سند میں اختلافات ہوں اسکے اضطراب میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عبادہ کی صحیح حدیث وہی ہے جس کو صاحب تکمیل نے سب سے پہلے بیان کیا ہے اس میں مقتدی اور امام کا کوئی ذکر نہیں اور جس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ کے سوا قرات نہ کرے وہ صحیح نہیں اس کو محمد بن اسحق کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا اور ابن اسحق کے بارے میں علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا ہے ما انفاد بہ ففیہ

نکارۃ فان فی حفظہ شیئاً صکج ۳ جس حدیث کو وہ تنہا روایت کرے ہمیں نکارت ہے۔
(یعنی ضعیف ہے) کیونکہ اس کے حفظ میں کچھ (کسر) ہے اور حافظ ابن حجر نے درایہ کتاب الحج
میں فرمایا ہے وابن سحوت لا یحتج بما انفرد بہ من الاحکام فضلاً عما اذا خالفہ من ہو
اثبت منہ ۱۵ ابن سحوت احادیث احکام میں جس حدیث کو تنہا بیان کرے حجت نہیں چہ جائیکہ
اپنے سے مضبوط راوی کی مخالفت کرے (تو اس صورت میں اصلاً حجت نہیں) اور ظاہر ہے کہ
اس حدیث کا صحیح حصہ وہی ہے جو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ محمد بن سحوت نے جو زیادت
اس میں کی ہے وہ ثقات کی روایت کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت عبادۃ بن
الصامت کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے جیسا علامہ ابن تیمیہ نے
اس کی تصریح کی ہے۔ پھر امام بیہقی نے جزر القراءۃ میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار
میں اس حدیث کو یوسف بن عدی سے عبید اللہ بن عمرو (رقی) سے ایوب سے ابو قلابہ سے حضرت
نس سے بایں الفاظ روایت کیا ہے۔

قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجه فقال انقرؤن والامام
یقرأ فسکتوا فسألہم اثلثا فقالوا انما لنفعل قال فلا تفعلوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کیا تم امام کی قرأت کے ساتھ قرأت کرتے ہو؟
سب خاموش رہے آپ نے تین بار سوال کیا، صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا مت
کرو۔ ہمیں یہ نہیں ہے کہ مگر سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اس پر بیہقی کا یہ فرمانا کہ یوسف بن عدی نے ہم
کیا ہے کہ (سورہ فاتحہ کے) استثناء کو چھوڑ دیا قابل تسلیم نہیں کیونکہ یوسف بن عدی امام بخاری کے
استاذ اور صحیح کے راویوں میں سے ہیں کسی نے بھی اسکو صاحب ہم نہیں کہا وہ محمد بن اسحاق سے
زیادہ صاحب حفظ و اتقان ہے۔ علامہ ذہبی کا قول اور پرگز رہکا ہے کہ محمد بن اسحاق کے حافظہ میں
کمی ہے۔ پس محمد بن اسحاق کم ظرف وہم کی نسبت کرنا زیادہ مناسب ہے نہ کہ یوسف بن عدی کی طرف،
امام الفن یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ (حدیث عبادہ) میں جملہ استثنائیہ (الابام القرآن) کی سند
ایسی (قابل اعتبار) نہیں (الدلیل القوی) اور اسکو امام احمد اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے (ذیلی)
حدیث عبادہ میں فصاعدہ کی زیادت اہل حدیث پر حجت ہے :

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الابام القرآن کی زیادت پر تو
اتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن سحوت کے سوا اسکا کوئی راوی نہیں۔ اور اس حدیث میں فصاعدا

کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے، اور ابو داؤد نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بام القرآن فصاعداً۔

عبادہ بن الصامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورہ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اب اگر اس سے مقتدی کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائیگا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعداً کو صرف معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں۔ کیونکہ ابو داؤد کی سند میں سفیان بن عیینہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعداً بڑھاتے ہیں۔ پھر صالح بن کیسان اور امام اوزاعی اور عبد الرحمن بن اسحق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمر نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابو سعید خدری کی حدیث بھی کر رہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

امروا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر من اسنادك صحيح عند ابى داود۔ رسول الله صلى الله عليه وسلم نے ہم کو سورہ فاتحہ پڑھنے اور (اس کے ساتھ) جو آسان ہے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کو ابو داؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی و ابن ماجہ نے اسی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ لا صلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور سورت نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں کہ معمر نے تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ و اتقان میں محمد بن اسحق سے بہت بلند ہے۔ یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ یا ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے بارے میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورہ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔ مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قرأت واجب نہیں۔ اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابو داؤد

کے اس لفظ سے ہر شبہ دور ہو گیا اے کنتقلابد فاعلین فلا تفعلوا (اباہ القرآن فیض ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضرور ہی امام کے پیچھے قرأت کرنا چاہتے ہو تو سورۃ فاتحہ کے سوانہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عنوان وجوب کا ہے یا محض جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتہ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ جہری نماز میں ساتھ ساتھ قرأت کرنا نص قرآن اور حدیث انصاف کی خلاف ہوگا۔

تیسری دلیل :

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام فقیلے لابی ہریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسك (مسلم شریف) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابو ہریرہ کے شاگرد نے کہا ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (ایسی حالتیں) سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی میں بحث کی ہے مگر ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ مقتدی کے ذمہ قرأت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرأت خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے مگر اقرأ بها فی نفسك اس مفہوم میں صریح نہیں ہمارے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفاً قرأت قلبی کو بھی قرأت کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۃ فاتحہ کی رکعت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے اس کو واجب کرنا زبردستی ہے۔

شاہ ولی اللہ کے قول کا جواب :

غنیہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہریہ کو

۱۵ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہہ دیتے ہیں ملاحظہ ہو ص ۹۵ ج ۱۔ جس میں ضم سورۃ کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورۃ (باقی آئندہ صفحہ پر)

زیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال حجت ہیں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونے چاہئیں جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے فاتحہ کی رکنیت پر کوئی دلالت نہیں۔ بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے۔ اس سے صرف فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قرأت فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں اور مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے وہ امام کی قرأت کے ذریعہ سے حکماً قاری ہے جیسا مفصل گزر چکا ہے۔ حدیث مسلم و ابوداؤد میں صراحۃً مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذ اقرأ فالصتوا۔ یہی قرآن میں حکم ہے و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ پس جواب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے ساتھ قرأت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے اور اس کے سکرات (بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۲ میں فرمایا ہے وان کان مأموماً وجب علیہ الانصات والاستماع فان جهر الامام لم یقرأ الا عند اسکاتہ وان خافت فله الخیرۃ فان قرأ فلیقرأ الفاتحۃ قراءة لا یثوش علی الامام وھذا اولی الاقوال عندی وبہ یجمع بین الباب والسرفیہ مانص علیہ من ان القراءة مع الامام تشوش علیہ وتفوت التدبر وتخالف تعظیم القرآن ولم یعزم علیہم ان یقرؤا سرّاً الا العامة متى ارادوا ان یصححوا الحروف باجمعهم کانت لہم لجة مشوشة اھ ترجمہ: اگر نمازی مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سناؤ واجب ہے اگر امام (قرأت) جہر سے کر رہا ہے تو مقتدی قرأت نہ کرے مگر سکۃ کے وقت اور اگر قرأت سری کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قرأت کرنا چاہے تو سورہ فاتحہ اس طرح پڑھے کہ اس کی قرأت سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکۃ امام میں قرأت کرے اور سری میں تشویش سے بچ کر قرأت کرے۔ اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جاسکتا ہے اور اس میں رازیہ ہے جس کی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ قرأت کرنا کو مشوش کرتا ہے اور اس سے تدبر فی القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز میں بھی مقتدیوں پر قرأت لازم نہیں کی گئی کیونکہ عوام جب سب ملکر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویشناک گونج پیدا ہوتی ہے اھ

یہ ہے شاہ دلی اللہ صاحب کا مسلک قرأت خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو صاحب تکمیل

کو آگے کچھ بولنے کا حق نہیں۔ ۱۲ ظ

میں تنہا پڑھ لو ساتھ ساتھ نہ پڑھو۔ اور فی نفسک کے معنی تنہا کے بھی آتے ہیں جیسا حدیث صحیح قدسی میں وارد ہے فان ذکر فی فی نفسہ ذکر تہ فی نفسی وان ذکر فی فی ملا ذکر تہ فی ملا خیر منہ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اسے تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے میں اس کو اسکی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس حدیث میں فی نفسہ کے معنی تنہا ہیں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے۔ پس ابو ہریرہ کے جواب کا بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ امام کے پیچھے تم تنہا سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اسکو کوئی منع نہیں کرتا اور اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزء القراءۃ ص ۵۴ میں اور حاکم نے مستدرک ص ۲۳۸ ج ۲ میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی صلوۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ اھ اور جب کوئی نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ اس کے سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھ لے۔

بیہقی نے تسلیم کیا ہے کہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ علیہ السلام کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ امام کیساتھ قرات مقتدی کو جائز نہیں سمجھتے سکتات میں جائز کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری پر اعتراض اور اسکا جواب

مؤلف تکمیل البرہان نے حدیث ابو ہریرہ کی بحث میں بلا وجہ حدیث عبادہ کے متعلق

۱۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغاً میں فی انفسہم کی تفسیر وحداناً سے بھی کی گئی ہے ۱۲ رشید احمد ۵۲ زیادہ ظاہر مطلب یہ ہے کہ منفرداً نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھ لیا کرو جب قرات سے منع کیا گیا تو دل شکنی کا مظنہ تھا اسکے تدارک کی غرض سے فرمایا کہ یہ آرزو حالت افراد میں پوری کر لیا کرو اس کی نظر یہ ہے کہ امام کو نماز میں تخفیف کا حکم فرمایا اس سے یوں دل شکنی کا احتمال تھا کہ شاید کسی کو طویل نماز کی آرزو ہو اس کے تدارک کے لئے فرمایا کہ حالت افراد میں جتنی تطویل چاہو کرو۔ اسی طرح قرآن کریم میں جب واذا قرأ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فرمایا تو ممکن تھا کہ تلاوت سے ممانعت کی وجہ سے لٹوٹ جائیں اسلئے یوں تسلی دی گئی واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین یعنی اوقات میں کوئی کی نہیں ہر وقت پڑھ سکتے ہیں صرف حالت اقتدار میں امام کی رعایت کی وجہ سے نہ پڑھیں، یہاں بھی ”فی نفسک“ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ”وحدک“ منقول ہے اور یہ تفسیر ذکر سرائی تفسیر سے اسلئے بہتر ہے کہ دون الجہر من القول سرائی کو شامل ہے ۱۲ رشید احمد

ایک بحث چھیڑ دی ہے کہ مولانا احمد علی صاحب حنفی (محدث) سہارنپوری نے حدیث عبادہ کی سند میں نافع بن محمود کی وجہ سے کلام کیا ہے کہ وہ مستور الحال ہے۔ حالانکہ مستور کی روایت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقبول ہے پھر عبادہ کی روایت کو امام ابو داؤد چار طرق سے لائے ہیں ان چاروں میں سے صرف ایک سند میں نافع بن محمود ہے پھر نافع بن محمود کو امام ذہبی نے کاشف میں ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اسکی سند کو حسن اور راویوں کو ثقہ کہا ہے (جس سے نافع کا ثقہ ہونا بھی لازم آگیا) اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب نے وہی کہا ہے جو موفق ابن قدامہ حنبلی نے کتاب المغنی میں فرمایا ہے کہ حدیث عبادہ میں یہ زیادت کہ ”مگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو“ صرف ابن اسحاق روایت کرتا ہے اور ابو داؤد نے اس کو نافع بن محمود سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحاق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک غیر معروف ہے۔ جیسا ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس زیادت کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن حبان نے اگرچہ نافع کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے مگر اسکی حدیث کو معطل کہا ہے اور اس ایک حدیث کے سوا نافع سے اور کوئی روایت نہیں ان حضرات کے سامنے دارقطنی کی توثیق و تحسین کا جو درجہ ہے اہل علم خود سمجھ سکتے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اسکو ضعیف کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسکی سند میں بہت اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بغیر رفع اضطراب کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں بن سکتی اور علت اضطراب کے رفع کرنیکی وہی صورت ہے جو امام بخاری و مسلم نے اختیار کی ہے کہ اس حدیث کا وہی حصہ صحیح میں داخل کیا جس کو ثقات نے روایت کیا ہے جس میں امام اور مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اور جس حصہ کے راوی محمد بن اسحاق اور نافع بن محمود جیسے ہیں اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا۔ اور اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ جب حدیث مضطرب کے چند طرق میں سے ایک طریق رائج ہو جائے وہی مقبول ہوگا بقیہ طریق مردود ہوں گے۔ پس مولانا احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری نے کوئی مغالطہ نہیں دیا خود صاحب تکمیل البرہان ہی جاہلوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل صاحب تکمیل کی وہ ہے جسے ہم مجمع الزوائد کے حوالہ سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ

ایک صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرات کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے۔

جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے صاحب تکمیل نے اس حدیث کو اپنی دلیلوں میں شامل کر لیا حالانکہ یہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے یہ دریافت کرنا کیا تم امام کے ساتھ قرات کرتے ہو؟ خود بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کا پڑھنا حضور کو گوارا نہ تھا اور صحابہ کا بحالت اقتدار قرات کرنا حضور کی اجازت سے نہ تھا جبھی تو سوال کی نوبت آئی اس پر بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ ”سوال قرات فاتحہ سے نہ تھا بلکہ سورۃ فاتحہ سے زیادہ قرات کے متعلق تھا“ غلط ہے کیونکہ دارقطنی کے الفاظ ہیں: هل منكم من احل يقرأ شيئاً من القرآن وحسنه (فیض الباری ج ۲ ص ۲۰۷) کیا تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ دارقطنی نے اسکی سند کو حسن کہا ہے۔ اور اس لفظ کا فاتحہ وغیرہ فاتحہ کو عام ہونا ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان یقرأ احداکم بفاتحة الکتاب فی نفسه بھی ہماری دلیل ہے کیونکہ اس میں فی نفسه کی قید موجود ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو۔ اس سے پہلے یا اسکے سکتے میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسه کا بمعنی منفرد آنا بتلا چکے ہیں۔ مؤلف تکمیل کا یہ دعویٰ کہ فی نفسه کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں۔ علماء مالکیہ میں سے بعض اجلہ علماء نے حدیث ابو ہریرہ اقروا بھائی نفسہ کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ سورۃ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی وفتح الملمم) پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ نہی کے بعد استثناء وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی کے لئے قرات فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہو گا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کیلئے مضر ہے کیونکہ وہ تو فرضیت اور کنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں کنیت تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل:

حضرت انس کی حدیث جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول کی حدیث کا ہے اس میں بھی وہی فی نفسه کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت

لے گزشتہ حاشیہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسکے ظاہر معنی یہ ہیں کہ انفراداً نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھو ۱۲ رشید احمد

فرمانا بھی۔ کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے ہو؟

ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن سالم کے واسطہ سے حضرت اس سے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأ اللہ الامام لہ قراءة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو (اور یہ اس کا مقتدی ہو) تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے ابن حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر تقریب میں اس کو ثقہ کہا ہے اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حاتم (لبأس به) (ص ۹۷) ابو حاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور یہ لفظ توشیق کے لئے مستعمل ہے۔ اگر نافع بن محمد کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جاسکتا ہے تو ابن سالم کو ابو حاتم کے قول سے بدرجہ اولیٰ ثقہ کہا جائیگا پس دونوں حدیثوں کو ملانے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے صرف جواز قرارت ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز بھی اس طرح کہ دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا سکتہ امام میں پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

چھٹی دلیل :

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرارت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۃ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) پھر عون المعبود سے نقل کر دیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری بخیر کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ اور دھوکہ دینا اسی کا نام ہے۔ ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے؟ اگر جزر القراءة بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے۔ قال البیہقی و محمد بن عبد اللہ بن عمیر وان کان غیر محتج بہ و کذا لک بعض من تقدم فمن رواہ عن عمرو بن شعیب فلقراءة المأموم فاتحة الكتاب فی سکتۃ الامام شواہد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ خبراً عن فعلہم وعن ابی ہریرۃ وغیرہ من فتواہم (ص ۵) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبد اللہ بن عمیر سے حجت نہیں

قائم ہو سکتی (کیونکہ وہ ضعیف متروک ہے) بعض محدثین نے اسکو کاذب بھی کہا ہے (لسانۃ) اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی حجت قائم نہیں ہو سکتی) مگر امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرأت فاتحہ کے لئے عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں انکے فعل اور فتویٰ کا بیان موجود ہے۔ ۱۵
اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرمادیا کہ عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے اس باب میں حدیث مرفوع ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتویٰ ثابت ہے اور وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرأت کو جائز فرماتے ہیں اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجوب پر کوئی دلیل نہیں جیسا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ پس یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

ساتویں دلیل :

اس دلیل میں عبادۃ بن الصالت کی حدیث ہی کو پھر بیان کر دیا ہے حالانکہ حدیث پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اسکو چند احادیث قرار دینا صحیح نہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابل قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دیدی گئی تو یہی طریق حجت ہے بقیہ طرق حجت نہیں ہو سکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق رائج ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قرأت فاتحہ واجب ہے اور اس معنی پر اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث نے محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ کے جتنے بھی طرق ہیں سب مرجوح اور ناقابل قبول ہیں۔ پھر جس کتاب سے حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کئے گئے ہیں وہاں سے تصحیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب سے حدیث کی توثیق کی گئی ہے اس سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے۔ کیونکہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ

کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فليقرأ ابفاتحة الكتاب (ص ۱۸۶ ج ۱) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے وہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرے یا امام کے سکتہ میں پڑھ لے اور اسکو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

آٹھویں دلیل :

آٹھویں حدیث حضرت عائشہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے (مؤلف تکمیل نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ۳ کا حاصل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قرأت فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے جس کا ثبوت ہم احادیث صحیحہ سے دے چکے ہیں۔ مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیونکہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصاف (غاموش رہنے کا) حکم ہے وہ امام کی قرأت کی وجہ سے حکماً قرأت کر رہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور ساتھ ساتھ قرأت کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی غاموش رہے اور اس کی قرأت کو منے امام کے ساتھ مقتدی کا قرأت کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

نویں اور دسویں دلیل :

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ ہی کی حدیث ہے اور دونوں جزر القراءۃ بیہقی سے نقل کی گئی ہیں۔

میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہو جائے وہی مقبول، باقی سب ناقابل قبول ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم و بخاری نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل

نے اس حدیث کو جزر القراءۃ بیہقی سے نقل تو کر دیا مگر یہ نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب خلف الامام اسی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہلی نے ان کو ٹوکا، قال قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام؟ قال خلف الامام ص؟ کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے؟ کہا ہاں۔ اور محمد بن احمد ذہلی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلاتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب موطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قرات جائز نہیں تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مروی ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرتا ہے مقتدی قرات نہ کرے اگرچہ امام کی قرات نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قرات کرے جس نماز میں امام جہر کرے اس میں کسی کو قرات جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ (ص ۱۱ ج ۱) اگر اس حدیث میں انھوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قرات کرنے سے کیوں منع کرتے؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابو الطیب ذہلی کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسبوق امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورہ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورہ فاتحہ کی قرات کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں مستعمل ہونا قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلنا نكالا لما بين يديها وما خلفها ”ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنادیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آنے والے تھے۔“

(تفسیر طبری ص ۲۶۵ ج ۱)

رہا امام بیہقی کا یہ فرمان کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمان کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تقرؤ الا بما قال القرآن) کی زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ حدیث

نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمانا کہ یہ حضرت عبادہ سے بوجہ چند صحیح مشہور ہے۔ تو یہ وہی بات ہے جو علامہ ابن تیمیہ نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سوا اسکا ہم نے کب انکار کیا ہے کہ بعض صحابہ قرات خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل دل میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہونگے یا سکتہ امام میں، اور ترجیح ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے اور دسویں حدیث عبادہ میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ ”اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو“۔ کیونکہ اس کی سند میں احمد بن عمیر دمشقی معروف بابن جو صا ہے جس کی بابت حانظ ابن مندہ نے حمزہ کتانی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جو صا کی روایت کے دو سو جز رہیں کاش وہ سفید ہی ہوتے۔ اور حاکم نے زبیر بن عبد الواحد اسدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو علی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اس کے کہ وہ عبد اللہ ابن وہب دینوری اور ابن جو صا سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۷۰۔ اس کی سند میں محمد بن ابی السری بھی ہے جو غالباً عسقلانی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا ہے اور منکرات روایت کرتا ہے۔ ذہبی نے میزان میں اسکی ایک حدیث منکر بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی اور بھی منکر احادیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری کے متاکیر میں سے ہے یا ابن جو صا کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منفرد ہے مقتدی مراد نہیں کیونکہ مقتدی کے بارے میں صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا، ”جب امام قرات کرے خاموش رہو“ میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرات خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم؟ پھر اس پر یہ لڑائیاں کہ اپنے کو محقق و

۱۷۰ یہ شخص شتم بالوضع ہے یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ظ

مبصر اور شریعت محمدیہ کا محکوم و فرمانبردار قرار دیکر حنفیہ کے عوام و خاص کو مذہب پرست فرقہ بند اور استخوان فروش کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔ مسائل اختلافیہ میں جبکہ ہر فرقہ و فرقہ کے پاس دلائل موجود ہیں۔ یہ دریدہ دہنی اور خلاف تہذیب باتیں لکھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو برا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید و تقویت پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہ دس حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے ثلاث عشرۃ کاملۃ کا تاج سر پر رکھ کر بڑے فخر سے فرمایا ہے کہ ”الحمد للہ قرأت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دس حدیثوں سے باحسن وجوہ حل ہو گیا“ گو یا حنفیہ کے پاس نہ قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرمانا چاہیے کیا انکو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں۔ میں تبلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قرأت خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار دیکھئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر :

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یرید بن شریک نے قرأت خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا کہ اگرچہ آپ (امام) ہوں۔ فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کر رہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کر رہا ہوں۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، اور دوسری سند سے روایت کر کے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر سے روایتیں مختلف ہیں عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرأت خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث

۱۷ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمد اور نصب الراية زلعی بھی ہو اور عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے، اگر نظر نہیں آئے؟ تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے مسلک کو حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں۔ ۵۱۲

مرسلًا صحیح ہے اور امام محمد نے اپنی موطا میں داود بن قیس فرار سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائیں جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیونکہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمرؓ سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ دو مرسل صحیح اگر ایک حدیث صحیح کے معارض ہوں تو دو مرسل پر عمل کرنا ادلی ہے۔ ۸۸۵ھ، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں قلت روی اہل الکوفۃ من اصحاب عمر الکوفیین انہ المأموم لا یقرأ شیئاً اھ حضرت عمر کے جو اصحاب کوئی ہیں انکی روایت یہ ہے کہ (حضرت عمر کے نزدیک) مقتدی کچھ قرات نہیں کریگا۔ اس صورتیں اصول ترجیح کے موافق روایت تحریم کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت فی الاصول ترجیح المحدث علی المبیح اذا تعارضاً کیونکہ اصول میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جائے گی خصوصاً جبکہ روایت تحریم نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ مانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قرات کرے اور قرات کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے سکتے میں یا سری نماز میں قرات کرے جیسا حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبادہ سے بروایت بیہقی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں کہ امام کے ذمہ سکتہ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو وجوب پر محمول نہیں کر سکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

اثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

دوسرا اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت۔ دارقطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ قرات خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا۔ خود اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے

تو حضرت علیؑ کے اثر کا جواب دیں کیونکہ اس میں فاتحہ اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ سے بھی مختلف روایات ہیں۔ عبد الرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علیؑ سے یوں روایت کیا ہے قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة۔ جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ فطرت (یعنی سنت) کے خلاف عمل کرتا ہے۔ دارقطنی نے بھی اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ کہا ہے اس لئے روایت کو رد نہیں کیا جکتا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے۔ بجز محمد بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کے فتاویٰ اور قضایا کو اہل کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ ان کا زمانہ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گزرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی خصوصاً جبکہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبد اللہ بن یعقوب سند ہونی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبد اللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد (زید بن اسلم مولیٰ عمر بن الخطاب) سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبد الرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین (عمدة القاری) عتبی سند مذکور ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبد اللہ بن زید کو امام بخاری اور امام احمد نے ثقہ کہا ہے اور محدثین سند کا جو حصہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہوا کرتا۔

پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو مبیح پر ترجیح دی جائے گی یا مانعت کو جہری نماز پر اور اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جز القراۃ بہیقی کے اس اثر سے ہوتی ہے۔

عن علی قال من السنة ان یقرأ الامام فی الركعتین الاولیین من صلوۃ الظهر بام الكتاب وسورة سراء فی نفسه ویضئون من خلفه ویقرؤن فی انفسهم

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز کی سنت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے والے خاموش رہیں دل دل میں پڑھیں۔“ امام بیہقی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں، پھر اس سے سورۃ فاتحہ کے بعد سورت ملانے کا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہل حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔

اثر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

تیسرا اثر، ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں عبد اللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ میں نمازیں پڑھوں؟ فرمایا کہ اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قرأت نہ کروں اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے جزر القراءۃ میں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں قرأت خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے کہ نماز میں قرأت ضرور ہونا چاہیے اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ابوالعالیہ نے ہی مرسل روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا نازل ہوئی فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ”پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأت کرتے تھے۔“ اور مؤطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کہ امام کے پیچھے قرأت کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قرأت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرأت کرنا چاہیے۔ اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے اور بیہقی نے بھی جزر القراءۃ میں سند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے یہی روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابوالعالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سورۃ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبد اللہ بن عمر کے نزدیک قرأت کے لئے سورۃ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تکمیل البرہان کو مضر ہے۔ کیونکہ وہ تعین فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اسکے بعد کنز العمال سے جو اثر عبد اللہ

ابن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ دراصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو جزر القراءۃ للامام البیہقی ص ۲۵ اور اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح ضعیف (تقریب ص ۲) پھر اس میں امام کے پیچھے قرات کا مطلقاً ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے 'من صلی مکتوبۃ او سبحة فلیقرأ بام القرآن وقراناً معہا' جو شخص فرض نماز پڑھے، یا نفل وہ سورہ فاتحہ بھی پڑھے اور اسکے ساتھ کچھ اور بھی قرآن سے پڑھے جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہل حدیث اسکے قائل نہیں۔ اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

اثرا بی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اسکے سکتات میں قرات کرتے تھے اور اسکو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے۔

اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے وہ قرات خلف الامام کرتے تھے۔ مگر صاحب تکمیل نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کر دی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے ساتھ ہو تو سورہ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکتات میں پڑھ لیا کر، اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔

اثر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

چھٹا اثر حضرت ابو ہریرہ کا ہے کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے، (ناقص ہے) تو ابو السائب نے کہا کہ جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قرات کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا ویلک یا فارسی اقرأ کھا فی نفسک الخ

اس کا ترجمہ صاحب تکمیل نے یوں کیا ہے کہ "سورہ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔" اور ہمارے

نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرؤ کیونکہ ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں مسند صحیح ابو ہریرہ ہی سے روایت ہے اذ اقرأ الامام فانصتوا۔ کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور قرأت قلبی کا قرأت ہونا لغت و عرفاً ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں، پس دونوں روایتوں پر عمل کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ مقتدی کے لئے وجوب انصات کے بھی قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اور دل میں قرأت کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

اثر عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

ساتواں اثر عبد اللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن مندہ نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن مغفل سے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا درودی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن مغفل کا نام لیا تھا، کیا ہر شخص پر جو قرآن سُنے اس کا سُننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت واذ قرع القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو) قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کرے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (زیلعی ص ۲۳ ج ۳) پس اگر جزر القراۃ بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ عبد اللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیان میں قرأت کرتے ہونگے۔ پھر اس روایت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تکمیل اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

اثر ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

آٹھواں اثر ابو نضرہ کا ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انہوں نے فرمایا سورہ فاتحہ (پڑھ لیا کرو)

میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابو داؤد نے ابو نضرہ ہی سے روایت کیا ہے جیسا خود صحابہ

تکمیل نے نقل کیا ہے اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر۔ ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو اور اہل حدیث سورۃ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی وابن ماجہ میں بھی حضرت ابوسعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں۔ ابن عثیم نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں یحییٰ بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مسند اہل شام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایتوں میں بھی خلف الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابو نصرہ سے ابوسعید سے بایں الفاظ روایت کیا ہے لا صلوة الا بام القرآن ومعها غيرها۔ نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہو۔ اور کامل کے الفاظ یہ ہیں لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وسورة معها نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورۃ ہو۔ ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں لا صلوة لمن لم يقرأ في كل ركعة بالحمد وسورة في فريضة وغيرها۔ نماز نہیں ہے اس شخص کی جو ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل (اعلام ص ۱۸) اب اگر اس کو قرأت خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل ہونا چاہیے کہ امام اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت بھی پڑھنا واجب ہے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں پھر ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے اس کے بعد صاحب تکمیل نے حنفیہ کی طرف ایک مغالطہ منسوب کیا ہے کہ بوقت تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحی الصلوۃ کو فاقر امانتیسر معك من القرآن فرمایا تھا کہ قرآن سے جو مجھے آسان ہو وہ پڑھ لیا کر (خاص سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا) اس سے معلوم ہوا کہ فرض قرأت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت نہیں ایک دو آیت کسی سورت کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا، اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ حافظ صاحب (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے اے بعد الفاتحۃ یعنی فاتحہ کے بعد جو سورت تجھے یاد ہو اور آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابو داؤد میں رفاعۃ بن رافع کی حدیث میں ثنا قرأ بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسوی الصلوۃ کو فرمایا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

۱۵ یعنی نماز کو بری طرح پڑھنے والا یہ حدیث اسی عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ ظ

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسکا تعلق منفرد کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۃ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مگر صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے متعلق کہا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ یہاں حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسنی الصلوۃ میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔ یہ مغالطہ ہرگز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں ایک ابو ہریرہ دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابو ہریرہ کی تمام روایتوں میں یہی ہے ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے۔ صرف ایک راوی محمد بن عمرو لے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء الله کہا ہے پھر سورۃ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے پڑھو یہ ابو داؤد کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی محمد بن عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں ثم اقرأ بام القرآن وبما شئت پھر سورۃ فاتحہ پڑھو اور جو تمہارا جی چاہے پڑھو۔ خود حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص ۲۳ ج ۲) میں اس کی تصریح کی ہے قوله ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن لم تختلف الرواة في هذا عن ابي هريرة واما رفاعه ففي رواية اسحق المذكورة يقرأ ما تيسر من القرآن مما علمه الله وفي رواية يحيى بن علي فان كان معك قرآن فاقراء والا فاحمد الله وكبره وهله وفي رواية محمد بن عمرو وعنده ابي داود ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء ولا حمل وابن حبان من هذا الوجه ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث شاذ اصول حدیث پر صحیح نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحییٰ بن معین اور جوزجا اور یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے اسکی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے تو شیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت ضبط سے بروج کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (۳۴۶، ۳۴۷) ایسے راوی کا تفرد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں اور پھر یہ زیادت نص قرآن کی خلاف ہے۔ قرآن میں ذاقروا ما تيسر من القرآن وارد ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔

سورۃ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نص قرآن کے موافق ہوگی وہی راجح ہے اور جو نص قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآن کے برابر نہیں کیا جاسکتا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرض تو اتنی ہی قراءت ہے جو آسان ہو (یعنی کم از کم ایک آیت) اور خبر واحد میں جو زیادت مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں نص قرآن پر بھی عمل ہو گیا اور حدیث پر بھی اور قراءت فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا اور یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے۔ اب صاحب تکمیل البرکات اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ مغالطہ دینے والا اور خبر واحد کی بنا پر نص قرآن کو باطل کرنیوالا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعویٰ کہ قرآن اور حدیث میں مانعیت (جو آسان ہو) سے مراد فاتحہ ہے زبردستی ہے۔ سورۃ والعصر اور انا اعطینا الک کوثر اور قل ھو اللہ احد سے زیادہ آسان سورۃ فاتحہ کیونکر ہو سکتی ہے جس میں دو جگہ لفظ ضاد ہے۔ جس کا صحیح پڑھنا عوام و خواص کو بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ رہا ہے کہ ضاد مشابہ ظاہر ہے یا مشابہ دال۔

فرض و واجب کا فرق

علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں **فرحمہ اللہ** اباحنیفۃ حیث غیریہین **فظ الفرض والواجب** و بین معناہما فجعل ما فرضہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ مما فرضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان لا ینطق عن الھوی ادباً مع اللہ تعالیٰ و نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمد اباحنیفۃ لانه یحب رفع رتبۃ تشریع بہ علی تشریعہ ہو ولو کان ذلک باذنتہ تعالیٰ ولم ینظر الی ذلک من جعل الفرض الواجب مترادفین وقال الخلف لفظیً والحق انہما عند الامام ابی حنیفۃ متفاضلان الخلف معنویً کما هو لفظیً ھ (فتح الملام ص ۱۹ ج ۲)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انھوں نے فرض و واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ الگ بیان کر دیے کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار دیا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے۔ امام ابو حنیفہ نے اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی امام

ابو حنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیونکہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریح کو آپ کی تشریح سے بلند رتبہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریح بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہنچی جو فرض و واجب کو برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض و واجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے۔ دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ معنوی فرق بھی ہے اھ

صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جائیگی کہ قرآن و حدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اسکو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہو اسے واجب کہنا چاہیے۔
اثر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا :

نواں اثر حضرت عائشہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کا امر کرتی تھیں۔ اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قرات کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکرات میں۔ پس اس میں اہل حدیث کے لئے کوئی حجت نہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قرات خلف الامام سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے۔ ان صحابہ کا قول نص قرآن و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا، کے موافق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو اور جب امام قرات کرے تم خاموش رہو۔ پس ترجیح اسی کو ہوگی۔ حضرت عائشہ کے قول مجمل سے قرآن و حدیث صحیح کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز میں یا جہری کے سکرات میں قرات کا امر کرتی ہوں گی۔

اثر جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دسواں اثر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ۔

تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی ایک سورت پڑھنا واجب ہے۔ اگر وہ اس کے قائل نہیں تو ایسا اثر خود اہل پر حجت ہے جس

پردہ عمل نہیں کرتے۔ پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر کے واسطہ سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزر القراۃ میں یزید فقیر ہی کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے مگر اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر بیہقی نے عبید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کیا اس میں بھی خلف الامام کا ذکر نہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ نماز میں قرات کی سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ۔ پھر اعمش کے واسطہ سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا اقرأ فی الاولیین بالحمد وسورۃ وفی الاخریین بالحمد کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھو اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو۔ پس ایسی مضطرب روایت سے اس حدیث کا معارضہ نہیں ہو سکتا جس کو امام مالک نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی نے جامع میں بسند حسن صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جس نے کسی نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (تو اس کی نماز بغیر قرات کے درست ہے) اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کرتے تھے اور اسکو ہم بھی جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قرات کرتے تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

اثر عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

گیا رہواں اثر حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابو داؤد نے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابو نعیم نے نماز پڑھائی اتنے میں عبادہ آگئے اور میں انکے ساتھ تھا ہم ابو نعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے ابو نعیم اس وقت جہر سے قرات کر رہے تھے۔ عبادہ نے سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کر دی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابو نعیم جہر سے قرات کر رہے تھے حضرت عبادہ نے کہا ہاں ہکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی لہذا پھر اسکو تمہید ابن عبد البر اور مستدرک حاکم سے نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ریح کی طرف اس سوال و جواب کو منسوب کیا گیا ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجح وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ اس میں صروت اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصلاً ذکر نہیں ہے اور سفیان بن عیینہ اور زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال و جواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ محمود بن ربیع صحابی ضعیف ہے اور نافع تابعی متوسط ہے (کما فی التقریب مستور من الثالثۃ) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قرارت خلف الامام پر انکار کرنا کیا بتلاتا ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قرارت خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ان دونوں کے نزدیک مقتدی کو قرارت خلف الامام جائز تھی اور نہ وہ اب تک قرارت خلف الامام کے عادی تھے جبھی تو حضرت عبادہ کی قرارت پر انکار کیا تو اگر ایک صحابی سے قرارت خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے اہل حدیث کا مدعی کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جبکہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما :

بارہواں اثر عبداللہ بن عباس کا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حریش کے واسطے سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کی سند میں ابو بکر برہاری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الفوارس نے جرح کی ہے۔ اور ابو البرقانی اور ابن السخسی نے کذاب کہا ہے۔ ابو الحسن بن الفرات نے اس کو مخط کہا ہے یعنی روایت میں گڑ بڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی ہم ابو جبرہ کے واسطے سے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قرارت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قرارت کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو نص قرآن اذا قرئ القرآن فاستمعوا وانصتوا اور

حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبد اللہ ابن عباس مقتدی کے حق میں قرارت کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتے کے وقت قرارت کو مستحب جانتے تھے۔ اسی طرح نماز سری میں بھی اور اس سے خفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔
اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

تیرھواں اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابو مریم کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔

صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرمنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں نہ سورہ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورت کا۔ ممکن ہے وہ ثنائی یعنی سبحانک اللہم وبحمدک الخ اور انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قرارت سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قرارت کیساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قرارت خلف الامام سے بہت سختی سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام الحان (غلط خواں جاہل) ہو تو اسکے پیچھے مقتدی کو قرارت کی اجازت دیتے تھے اور اسکے بعض فقہاء خفیہ بھی قائل ہیں۔ روی الطبرانی فی الکبیر بسند رجالہ ثقات عن ابن مسعود انه قال یا فلاں لا تقر خلف الامام الا ان یکون اماما (لا یقر) (مجمع الزوائد) ای الا ان یکون الامام لحانا فحیث ینجز للمقتدی ان یقر خلفه وهذا وجه ذهب الیه بعض اصحابنا (عمدة القاری)

”طبرانی نے بروایت ثقات عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا اے فلاں امام کے پیچھے قرارت نہ کرنا مگر یہ کہ امام قاری نہ ہو (امی ہو تو قرارت کر لیا کرو) (مجمع الزوائد) یعنی اگر امام غلط خواں جاہل ہو تو مقتدی کے لئے جائز ہے کہ اسکے پیچھے قرارت کرے۔ ہمارے بعض اصحاب اسکے قائل ہیں۔“

اسکے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کر دی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروق و جابر بن عبد اللہ و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم جمعین ہیں ان سب کا قول اور فتویٰ یہی ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز کام ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے اھ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں

۱۵ (۱) تجزئ صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں۔ ۱۲ ط

کئے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب۔ ”اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔“ تو اس سے کس کو انکار ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے گفتگو قرأت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے یا نہیں۔ حدیث عبادہ میں اسکا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اور جس جگہ امام ترمذی نے قرأت خلف الامام کا ذکر کیا ہے وہاں محمد بن اسحق کے واسطہ سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تفعلوا الا بام القرآن آیا ہے ”امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورۃ فاتحہ“ یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب وهذا اصح۔ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحق کا الا بام القرآن زیادہ کرنا صحیح نہیں پس گفتگو قرأت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اسکا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے بلکہ قرأت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا امام ترمذی نے باب ترک القراءۃ خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل فرمایا ہے واما الامام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده واحتج بحديث جابر بن عبد الله حيث قال من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصح الا ان يكون وراء الامام قال احمد فهذا رجل من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده اه (ص ۴۲)

”لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی

نماز بغیر قرأت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔“

مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیہقی وغیرہ کا قول تو حجت ہو اور امام احمد کا قول حجت نہ ہو۔

اثر عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزر القراءۃ بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی۔ امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

اس اثر کے جملہ اجزاء متفق علیہ ہیں بجز ورار الامام وغیر الامام کہ جس سے امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزر کی صحت کو ثابت کرتے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد الجصاص ہے جس کو امام احمد اور یحییٰ بن یحییٰ اور علی بن مدینی اور ابو زرہ اور ابو حاتم اور نسائی اور فضل غلابی اور دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف متروک، مذموم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے سلمۃ بن فضل سے حجاج بن ارطاة سے قتادہ سے زرارۃ بن اوفیٰ سے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورت میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا۔

امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ نہی عن القراءۃ خلف الامام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قرأت خلف الامام سے منع فرما دیا۔“ تنہا حجاج بن ارطاة نے اس حدیث میں زیادہ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حجاج بن ارطاة محمد بن اسحاق سے زیادہ قوی ہے جس کی روایت کو بیہقی اور اہل حدیث بار بار حجت میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاة سے امام مسلم نے مفرداً روایت کی ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً اس سے استشہاد کیا ہے۔ شعبہ اسکی بہت تعریف کرتے تھے۔ اسی طرح حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری نے اس کے تیقظ اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اسکی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور اکثر کی تحسین کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمۃ بن فضل بھی ثقہ ہے

یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابوداؤد اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاة کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے فتاویٰ بھی نقل کئے ہیں۔ گواہی ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوع کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

اثر سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ :

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیونکہ وہ مؤلف کے خلاف تھا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرأت کروں؟ فرمایا۔ ہاں اگرچہ اس کی قرأت کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے۔ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا تو وہ تکبیر (تحریم) کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اس کے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قرأت کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قرأت نہ کرتے تھے بلکہ سکنتہ امام میں قرأت کرتے تھے اور امام کی قرأت کے وقت خاموش رہتے تھے اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔ سکنتہ امام میں قرأت کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام پر سکنتہ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشیم کے سعید بن جبیر کا یہ فتویٰ مذکور ہے کہ سے قرأت خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے اور سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتویٰ نص قرآن حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا۔

فتویٰ حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں (صاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اس کو کہتے ہیں

قرارت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے۔ میں نے کہا آپ کا فتویٰ کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قرارت کرو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر وعصر میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے۔ اسی کو حماد نے پسند کیا۔ اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے، گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قرارت واجب ہے۔

فتویٰ مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ

اس کے بعد مکحول شامی کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتویٰ کی محمد بن سیرین کے فتویٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرارت کرنے کو سنت نہیں سمجھتا جیسا بسند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

دہا امام بخاری کا جزر القراءۃ میں یہ فرمانا کہ ”تابعین میں سے فلاں فلاں (گیارہ حضرات) قرارت خلف الامام کے قائل و عامل تھے۔“ اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے۔ امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرارت خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابوسلمہ اور حسن بصری کا فتویٰ اپنی تائید میں نقل کر دیا حالانکہ اول و دوم سکتہ امام میں قرارت کے قائل ہیں اور امام حسن بصری فی نفسہ کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ ”آہستہ پڑھ لیا کرو“ ہم پر حجت نہیں۔ پھر جزر القراءۃ امام بخاری کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا کہ حسن بصری و سعید بن جبیر اور میمون بن مہران وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرارت کرنے کو کہا ہے۔ حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتہ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے۔

اثر عطار رحمہ اللہ تعالیٰ : عطار بن ابی رباح کا فتویٰ حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے

موافق نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہر سے قرأت کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے اور جب امام قرأت کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطار بن ابی رباح کے نزدیک آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قرأت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مقتدی پر امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔

اثر مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ :

مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیر نے فرمایا ہے۔ اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ قرأت کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجّت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کر دیا ہے کہ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرأت کا واجب نہ ہونا جماعی مسئلہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ جب امام قرأت جہر کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین اور اہل حجاز میں ہاں مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث (بن سعد) انہیں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی ہو اور امام نے قرأت کی ہو تو نماز باطل ہے۔ اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبداللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔

فتویٰ امام اوزاعی ولیث بن سعد :

اسی طرح صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبد البر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرأت خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اقوال علماء کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے۔ معانی الآثار طحاوی میں باب قرأت خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر بن عبداللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان له امام فقرأ معه الامام له

قراءۃ۔ جو شخص امام کے ساتھ (نماز پڑھتا) ہو تو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔
لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے
ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں ان کو اس حالت میں پایا کہ لوگ ان پر ہجوم کئے
ہوئے تھے اور (مسائل شرعیہ میں) فتویٰ طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے
اپنی کسی خاص حاجت میں فتویٰ پوچھا تو مجھے ان کے فی البدیہہ جواب سے بڑا تعجب ہوا۔
(فیض الباری ص ۱۷۱) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ امام
ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قرارت خلف الامام کے قائل ہوں جب
یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے
اس کے لئے امام کی قرارت کافی ہے۔ اس کے بعد قرارت خلف الامام کے قائل نہیں رہے۔
فتویٰ عبداللہ بن مبارک :

ترمذی سے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ ”میں امام کے پیچھے قرارت کرتا
ہوں اور لوگ بھی قرارت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم“۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک
کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہو گا کیونکہ بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔
مورخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے۔ بعض لوگوں نے صرف
اس لئے کہ وہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر انکی فقہی کتابیں
اقوال ابو حنیفہ سے مزین و مملو ہیں۔ امام مالک کا قول شاذ و نادر ہی بیان کرتے ہیں۔
ان کے اس قول سے الا قوم من الکوفیین (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا
کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک جماعت قرارت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے
تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب اور اصحاب
علی کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قرارت خلف الامام مشہور و معروف ہے۔
علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق :

صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد کر لینا چاہیے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ”جو
لوگ امام کے ساتھ قرارت سے (مقتدی کو) منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جہور سلف و
خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی پر امام
کے ساتھ قرارت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واذا قرأ فانصتوا (جب امام) قرات کرے تو خاموش رہو۔ امام احمد و اسحاق (بن راہویہ) اور امام مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے۔ بخلاف اسکے کہ (جس سے فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے) اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادة بن الصامت کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرات فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمہ کرام کے اقوال سے دینا چاہا ہے جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول وجوب قرات فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قرات فاتحہ کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قرات کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قرات خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ بقیہ ائمہ کرام کا مذہب بھی آپ نے ایسا ہی نقل کیا ہوگا جیسا امام احمد اور مالک کا مذہب نقل کیا ہے۔ اس لئے جب تک ان کے الفاظ سامنے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ صاحب تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شائع کر دیا ہے۔ حالانکہ ہم موطا مالک اور جزر القراءۃ بیہقی کے حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری میں قرات خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے۔ امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں اذا قرأ الامام فانصتوا کی روایت کو داخل کرنا اور حدیث ابی موسیٰ و ابی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک قرات خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس کے خلاف جب تک ان کے صحیح صاف الفاظ نہ ہوں اس وقت تک ان کو قرات خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ :

امام نووی کی جو عبارت صاحب تکمیل نے نقل کی ہے کہ جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اس میں قرات خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرات فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ : شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجتہ اللہ البالغہ سے

ہم نقل کر چکے ہیں کہ نماز جہری میں انکے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں یا جہری کے سکنات میں قرأت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اسمیں کسی کو اختلا نہیں۔ اسی طرح تفسیر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اسمیں بھی قرأت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرأت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اسمیں گفتگو نہیں محل نزاع قرأت فاتحہ خلف الامام ہے۔ غرض امام نووی ہوں یا بغوی ان سب نے فقط سورۃ فاتحہ کا واجب ہونا بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اسمیں ہے کہ امام کی قرأت سے یہ واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قرأت نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے۔ پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قرأت فاتحہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ :

امام رازی کا حدیث قسمت الصلوۃ بینی بین عبدی سے رکنیت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکھتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ خبر واحد سے رکنیت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکن اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں۔ پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جز نہیں جو امام رازی اور جملہ اہل حدیث کی خلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔

عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعامل خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم :

دہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفاء راشدین نے نماز میں قرأت فاتحہ پر مواظبت اور مداومت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قرأت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ قرأت فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیونکر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع وانصات کا وجوب ثابت ہے۔ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قرأت خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں بتلادیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سختی کے ساتھ قرأت خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں۔

مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت مشائخ کرام و صوفیہ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قرارت سورہ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اُس سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قرارت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قرارت خلف الامام میں ہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اسی طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قرارت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیاء کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ لکنہ یحوز القراءة بالفاتحة خلف الامام فی الصلوٰۃ وكان یقرأها فی نفسه۔ ”وہ حنفی تھے لیکن قرارت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہ قرارت کرتے تھے۔“ صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ہمارے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قرارت سے پہلے یا اسکے سکتے میں تنہا قرارت فرماتے تھے ساتھ ساتھ قرارت نہ کرتے تھے۔ اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قرارت کرتے تھے تو اس کا واضح ثبوت پیش کرنا چاہیے اور یہ بھی بتلانا چاہیے کہ حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اور جمہور سلف و خلف کے مقابلہ میں ان حضرات کی رائے کیا وزن رکھتی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت امام ابو حنیفہ اور علماء احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے۔ سب سے پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبریٰ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ قرارت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا نہ واجب ہے نہ سنت، یہ اُن کا پرانا قول ہے اور یہی مشہور ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بر سبیل احتیاط سری نماز میں قرارت فاتحہ مستحسن ہے مگر وہ نہیں۔ اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ ”یار لوگوں نے اس رجوع کو (یعنی دوسرے قول کو) مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی

۱۵ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ صاحب تذکرہ کا ثقاہت میں کیا مقام ہے ؟ اور

ان سے لیکر نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ تک سند کا کیا حال ہے ؟ رشید احمد

دھڑا بندی قائم ہو گئی۔ سراسر لغو ہے کیونکہ اول تو دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں۔ پچھلے قول میں وجوب اور سنیت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ انہیں تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخل درس ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرأت فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟ تو یہ کہنا غلط ہے کہ یار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہ بنایا۔ پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملک قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قرأت فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قرأت کرنا مقتدی کو منع ہے۔

صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ ”جب امام صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر انکے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کھانتک دیانت و انصاف ہے الہ“ سراسر لغو ہے۔ امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا نہ رجوع کی ضرورت تھی۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے قول سے ظاہر ہو چکا ہے کہ اہل اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جب امام قرأت کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ قرأت واجب ہے۔ اور اگر وہ قرأت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے۔ جماعت اہل حدیث فرقہ وارانہ فساد کی بانی ہے :

امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف سری نمازوں میں احتیاطاً قرأت فاتحہ کو مستحسن اور مستحب فرمایا ہے جیسا صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے۔ رہا اس مسئلہ میں مناظرے اور مباحثے کرنا، تو اس کی ابتدا جماعت اہل حدیث کی طرف سے ہوئی ہے انھوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد، باطل، بیکار کہہ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اٹھانا پڑا۔ اگر جماعت اہل حدیث مسائل خلافیہ میں اس قدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ و مباحثہ کی اصلاً ضرورت نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو قرأت فاتحہ

خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل اور فاسد نہیں کہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے پاس بھی قرآن و حدیث اور عمل سلف و خلف سے دلائل موجود ہیں۔ اسلئے کسی کو حق نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے۔ اسلئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ و مباحثہ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اسکی نوبت جماعت اہل حدیث کی دریدہ دہنی کی وجہ سے پیش آئی۔ والبادی اظلم۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ :

غیث الغمام کے حوالہ سے علامہ عینی کا جو قول شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استحسنوا ذلك على سبيل الاحتياط في جميع الصلوات ومنهم استحسنها في غير الجهرية ومنهم من رأى ذلك اذا كان الامام لحالاً (ص ۱۱۲) ”پھر ہمارے بعض اصحاب (حنفیہ) نے اس (قرارت خلف الامام) کو بر سبیل احتیاط تمام نمازوں میں اور بعض نے سری نمازوں میں اور بعض نے امام لحان (غلط خواں) کے پیچھے مستحسن سمجھا ہے“ مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے ساتھ مقتدی کو قرارت کی اجازت نہیں دی بلکہ اسکی قرارت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصاف نہ ہو کیونکہ مقتدی کے ذمہ قرارت امام کے وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کر دی ہے۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے (کہ فقہاء حجاز و شام بھی اسی پر ہیں) اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کی طرف نسبت صحیح نہیں۔ اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحب تکمیل کی ایجاد ہے علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء حجاز و شام کا ذکر ہے وہ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وقال الثوري والاوزاعي في رواية ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد واحمد في رواية عبد الله بن وهب والاشهب لا يقرأ المؤتم شيئاً من القرآن ولا بفاحة الكتاب في شيء من الصلوة وهو قول ابن المسيب وجماعة من التابعين وفقهاء الحجاز والشام على انه لا يقرأ معه فيما يجهر به وان لم يسمعه ويقرأ فيما يسمع الامام اه (ص ۱۱۲ ج ۲)

”امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا اور امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابو حنیفہ و ابو یوسف

اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبداللہ بن وہب اور اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قرأت نہ کرے سورۃ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے اور فقہاء حجاز و شام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرأت نہ کرے اگرچہ اسکی قرأت کو سنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قرأت کرے۔
مولانا عبدالحی، شیخ التسلیم اور ملا جیون :

اسکے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی اور شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرأت خلف الامام کا استحسان ہے چنانچہ مولانا عبدالحی اور ملا جیون استاد عالمگیر کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحتہً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحتہً مذکور ہے اور اس میں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرأت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرأت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔ البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں کہ اس صورت میں فرض انصات فوت ہوتا ہے جس کی قرآن و حدیث میں تاکید ہے۔

امام رازی کا یہ قول کہ ”امام ابوحنیفہ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی“ اھ صاحب تکمیل کے لئے مفید نہیں کیونکہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے قرأت خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد دفع دخل مقدر کے طور پر صاحب تکمیل نے ملا علی قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت سے رد کیا ہے۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبدالحی کا کیا درجہ ہے؟ اس پر صاحب تکمیل کا خوش ہونا اور علماء حنفیہ کو الزام دینا بجز الغریقہ تثبت بالحشیش کے اور کیا ہے؟
صاحب تکمیل کی دریدہ دہنی :

اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ ”زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر آتا ہے جو احادیث صحاح ستہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حمیت مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ و مکذوبہ و آثار مختلفہ و باطلہ کو اپنی تصنیفات و تحریرات و حواشی میں درج کر کے اپنے عوام و جہلاء کو فتنے میں ڈالتے ہیں“ اھ یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہل حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ فسردعی

مسائل میں شدت کے ساتھ نزاع کرنے والے ہیں۔ کیا صاحب تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قرارت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت و اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا پیش کرتے ہیں۔ اور ہم تبلا چکے ہیں کہ بالا جماع اور بالاتفاق یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسلئے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ اور جب قرارت کرے خاموش رہو۔ جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابوداؤد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے اور دلیل میں لاتے ہیں، تو کیا مسلم اور ابوداؤد صحاح ستہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان لہ امام فقرأتہ لہ قراءۃ سے استدلال کرتے ہیں۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن منیع نے اپنی مسند میں امام محمد نے اپنی موطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔ پھر موطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے صحابہ و تابعین کے آثار بیان کر کے سلف و خلف کے تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحب تکمیل کے نزدیک موطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیث موضوع و مذبذب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم و حیا کا پاس کر کے بات کرنا چاہئے اور یہ ساری دلیری اور بیباکی اس برتہ پر ہے کہ خود صاحب تکمیل نے اپنے دلائل میں جزر القراءۃ بیہقی سے بہت سی احادیث و آثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور واہی ہے جیسا گزشتہ اوراق میں مفصّل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی کا یہ قول نقل کر کے کہ ”بعض فقہار نے جو یہ کہتا ہے کہ قرارت خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قول شاذ و مردود ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے مقتدی کے لئے سری نمازوں میں قرارت فاتحہ کو مستحسن سمجھا ہے“ عوام کو یہ دھوکہ دیا گیا ہے کہ مولانا عبدالحی اور امام محمد مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مولانا عبدالحی کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکتات امام کی بھی قید مذکور ہے تاکہ استماع و انصات میں خلل واقع نہ ہو۔

۱۵ تفوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے سخت بکواس کیا ہے یہ بے ادبی و گستاخی انہی کو مبارک ہو۔ لفظ تفوہ کے معنی تکلم اور نطق سے زیادہ نہیں۔ ۱۲ ظ

اس کے بعد جن علماء احناف سے قرارت خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سنی نمازوں میں اور جہری نمازوں میں سکتات امام کے ساتھ مقید ہے۔ علماء حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصات کو ترک کر کے جواز قرارت کا کوئی بھی قائل نہیں۔

صاحب تکمیل کی دلائل حنفیہ پر تنقید :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے مانعین قرارت فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی نفی کیا ہے اور سب سے پہلے آیت قرآن و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو کو پیش کر کے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضرور ہے کہ صاحب تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جواب صحیح ہو۔ پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں دریدہ دہنی کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش وغیرہ کلمات واہیہ سے یاد کرنا اور ان کے دلائل کو روایا موضوعہ و مکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت و انصاف ہے؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قرارت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسکی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح و حسن نقل کر دیئے ہیں۔

جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قرارت کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ ”برادران احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی احادیث کو آیت ہذا کا معارض سمجھ کر ان احادیث کو نہیں مانتے“ انہ بالکل غلط ہے بلکہ ہم ان احادیث کو امام یا منفرد پر محمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں تارک قرارت نہیں مانتے کیونکہ مسلم اور ابوداؤد کی صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا صاف موجود ہے کہ جب امام قرارت کرے تم خاموش رہو اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن منیع میں صحیح حدیث موجود ہے۔ من کان له امام فقراء له قراءۃ ”جو شخص امام کے ساتھ ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے“ حنفیہ حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا اور من کان له امام فقراء له قراءۃ سب کو

جمع کر کے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قرأت کے ساتھ قرأت کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتے امام میں اور سری نمازوں میں قرأت خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔ مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت ہی تارک قرآن و حدیث ہے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قرأت کو واجب کہتے اور حدیث صحیح اذ اقرأ فانصتوا اور حکم خداوندی و اذ اقرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔

حنفیہ کی دلیل قرآنی پر تنقید :

حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے یہ دیا ہے کہ قرأت فاتحہ خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض نہیں بلکہ مخصوص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنة جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جز القراۃ میں فرمایا ہے تواتر الخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوة الا بقراءة ام القرآن "رسول الله صلى الله عليه وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورہ فاتحہ کی قرأت کے ساتھ۔" سوال از آسمان جواب از رسیان اسی کا نام ہے۔ گفتگو قرأت فاتحہ خلف الامام میں ہے اور تواتر قرأت فاتحہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قرأت سورہ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں گفتگو اس میں ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ قرأت فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں تارک قرأت نہیں بلکہ بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے۔ پس اگر صاحب تکمیل کو ہمت ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرأت فاتحہ خلف الامام کا تواتر ثابت کریں۔ محض قرأت فاتحہ کا تواتر بیان کر کے عوام کو قرأت فاتحہ خلف الامام کا مغالطہ دینا محض دھوکہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جاسکتا۔ علاء عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

فان قلت هذا الحديث مشهور فتجوز الزيادة بمثله قلت لا نسلم انه مشهور لان المشهور ما تلقاه التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون في هذه المسألة ولئن

سلمنا ان مشہور فالزیادة بالخیر المشہور انما تجوز اذا كان محکماً اما اذا كان محتملاً فلا وهذا الحديث محتمل كان مثله يستعمل نفی الجواز ويستعمل نفی لفیضیلة كقوله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لجوار المسجد الا فی المسجد - ولا صلوة بحضرة طعام - رواه مسلم (م ۱ ج ۶)

(ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم اسکا مشہور ہونا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مشہور وہ ہے جس کو تابعین نے قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ یہ مشہور ہے تو حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادت اسوقت جائز ہے کہ وہ (اپنے مدلول و مفہوم میں) محکم ہو۔ اور اگر محتمل ہو تو (اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز) نہیں۔ اور یہ حدیث (لا صلوة الا بقراءة ام القرآن) محتمل ہے کیونکہ اس قسم کا لفظ بھی نفی جواز (و عدم صحت) کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی نفی فضیلت کے لئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں (اسکا مطلب بالاتفاق یہ ہے کہ بغیر مسجد میں ادا کئے اس کی نماز کامل نہ ہوگی یہ معنی نہیں کہ بالکل صحیح نہ ہوگی) اور نیز آپ کا ارشاد ہے کہ کھانے کے سامنے نماز نہیں اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اھ اس کا بھی بالا جماع یہی مطلب ہے کہ جب بھوکے کے سامنے کھانا آجائے اسوقت کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو نماز کامل نہ ہوگی یہ مراد ہرگز نہیں کہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

پھر اس حدیث کو قرارت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں اس میں صرف قرارت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی واجب کہتے ہیں مگر مقتدی پر واجب نہیں کہتے۔ کیونکہ آیت قرآن اور صحیح حدیثوں میں مقتدی کو نماز بوش رہنے کا صریح حکم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اس تقریر سے صحت تکمیل کی اس بات کا بھی جواب ہو گیا کہ یہ آیت مکئی ہے اور قرارت فاتحہ کا حکم مقتدی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں دیا ہے۔ پس کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الاقرآن کے لئے ناسخ ہو سکتی ہے؟ ان سے کوئی پوچھے کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی حدیث میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کا حکم دیا ہے؟ اگر حضرت عبادہ کی حدیث لا تفعلوا الا بام القرآن مراد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ اس سے وجوب وہی ثابت کر سکتا ہے جس کو اصول اور قواعد عربیہ سے واقفیت نہ ہو ورنہ ہر سمجھدار فقیہ جانتا ہے کہ نہی کے بعد استثناء سے اباحت مستفاد ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پھر اسی حدیث کے الفاظ ابوداؤد میں اس طرح پر ہیں۔ ان کنتم لا بد فاعلمین فلا تفعلوا الا بام الکتاب۔ اگر تم امام کے پیچھے ضروری قرارت

کرنا چاہتے ہو تو سورہ فاتحہ کے سوانہ کیا کرو۔ اس سے ہر عامی بھی اباحت ہی سمجھتا ہے و جوہ نہیں سمجھ سکتا۔

پھر تفسیر فتح البیان سے جو نقل کیا گیا ہے کہ ”صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے“ الخ

بڑی جرأت ہے۔ بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں قرارت خلف الامام کا حکم نہیں ہے۔ صاحب تکمیل البرہان کو خدا کا خوف کر کے بات کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک حدیث میں بھی ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہیے۔ بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ حکم دیا ہے۔ اذ اقرأ الامام فانصتوا۔ جب امام قرارت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور منسیر طبری اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہم نے صحیح فرمایا ہے اور حدیث عبادہ میں لا تفعلوا الا بام القرآن کی زیادت کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کتاب المغنی اور علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ تنوع العبادات کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے اور حدیث عبادہ کا جو حصہ صحیح ہے اس کو قرارت خلف الامام سے کچھ واسطہ نہیں وہ منفرد اور امام کے متعلق ہے جیسا خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے فرما دیا ہے قال هذا اذا كان وحداً۔ ”یہ اُس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو“

اس کے بعد صاحب تکمیل نے آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور آیت فاقروا ما تيسر من القرآن میں تعارض ثابت کر کے دونوں کو ساقط کرنا چاہا ہے اور نور الانوار و توضیح و تلویح کا حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ بالاتفاق قرارت خلف الامام کے متعلق ہے اور فاقروا ما تيسر من القرآن صلوٰۃ منفرد کے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قیام اللیل جماعت سے نہیں ہوتا منفرداً ہوتا ہے۔ طلباء کو تعارض کا مطلب سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر نور الانوار وغیرہ میں ان آیتوں کو پیش کر دیا گیا کہ شان نزول کو نہ دیکھا جائے تو ظاہر میں تعارض معلوم ہوگا ورنہ حقیقتاً تعارض ثابت کرنا مقصود نہیں جیسا فقہاء کے طرز عمل سے واضح ہے کہ وہ برابر دونوں آیتوں سے استدلال کرتے چلے آ رہے ہیں ملاحظہ ہو عینی شرح البخاری ص ۱ ج ۱۔

پھر حنفیہ پر صاحب تکمیل نے یہ الزام قائم کیا ہے کہ ”اس آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا

لہ وانصتوا سے حنفیہ نے خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کو واجب کہا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خطیب آیت یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً پڑھے تو سننے والا آہستہ درود پڑھ لے تو فاتحہ خلف الامام کے آہستہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ آیت کا نزول بالاتفاق قرارت خلف الامام کے بارے میں ہے۔ خطبہ جمعہ کو نماز کے ساتھ بعد میں ملحق کر لیا گیا ہے ورنہ مکہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ کہاں تھا؟ پس جس قدر استماع و انصات کی تاکید نماز میں ہے خطبہ میں نہیں ہے اسلئے بعض فقہاء نے یہ سمجھ کر درود پڑھنے کی اجازت دیدی کہ خطبہ میں امام سے کسی ضرورت کے وقت بات کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور امام کو بھی مقتدیوں سے بات کرنا اور کوئی ضروری بات پوچھنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے اور اس وقت مقتدی امام کی بات کا جواب بھی دے سکتا ہے جیسا واقعہ سلیک غطفانی سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اُن سے بات کی اور ایک دفعہ خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کو کہا گیا تھا اور حضرت عمر کے واقعہ سے کہ خطبہ میں حضرت عثمان کو دیر سے آنے پر تنبیہ کی تھی اور انھوں نے جواب میں اپنا عذر بیان کیا تھا (بخاری) ظاہر ہے کہ اس کو خطبہ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح جب خطیب خطبہ کے اندر حکم کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اس حکم کی تعمیل بھی خطبہ کے منافی نہیں آہستہ درود پڑھ سکتے ہیں بلند آواز سے نہیں۔ اور بعض فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں بھی زبان سے درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے صرف دل سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ فلا اشکال ایک الزام یہ دیا ہے کہ ”نماز فجر شروع ہونے کی حالت میں امام کی قرارت کے وقت صف کے پیچھے سنتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور آیت اذا قرئ القرآن سے اسکو ممنوع قرار نہیں دیتے تو اس آیت سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع ہے؟

جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مغفل کی روایت اور پرگزرجی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ آیت صرف مقتدی کے حق میں ہے کہ وہ قرارت خلف الامام نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ اس کے سوا دوسرے موقع پر قرآن پڑھا جائے تو سننا اور خاموش رہنا فرض نہیں۔ بعض فقہاء حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ان کے نزدیک نماز فجر کے وقت مسجد میں ایک طرف سنت فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ شخص مقتدی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے عموم لفظ کی بنا پر ایسی جگہ سنت فجر پڑھنے کو منع کیا ہے جہاں امام کی قرارت سننے میں آتی ہو۔ وہ

فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے۔
 رہا مقتدی کا **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھنا سو اس میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جہری نماز میں
 امام کی قرأت کے وقت مقتدی کو **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھنا جائز نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ کر خاموش ہے
 اور موقع ملے تو سکتا امام میں **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ** پڑھ لے اور سکتا امام میں سورۃ فاتحہ بھی
 پڑھ سکتا ہے جیسا بار بار گزر چکا ہے۔

رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیے۔ اسکا
 جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی نہیں
 تکبیر کے بعد مقتدی بنے گا اور اسی وقت قرآن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے
 پہلے نہیں۔ دوسرے اس پر سب کا اجماع بھی ہے کہ امام کی قرأت سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز
 میں شریک ہونا درست ہے۔ پس صاحب تکمیل کو اپنی ہی قسم و دانش کا ماتم کرنا چاہیے۔

اور امام بخاری کی جزر القراءۃ سے جو الزام نقل کیا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک
 بچے کو سبق دیتا ہے اور باقی بچے بھی قرأت کرتے ہیں وہاں آیت **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ**
 وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا الخ

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی
 کے حق میں نہیں ہے دوسرے بچوں کو بڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچے تو بے وضو بھی قرآن
 پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت
 مع الاستماع کے ہیں تو اس سے بھی حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے نماز جہری
 میں صرف امام کی قرأت کے وقت ممانعت ہوگی۔ سکتا امام میں قرأت کرنے کی ممانعت
 آیت ہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکتا امام کے
 وقت بھی قرأت ناجائز و حرام ہے الخ

یہ حنفیہ پر افتراء ہے۔ جو لوگ سکتا امام کی رعایت کر کے سورۃ فاتحہ خلف الامام پڑھ
 سکیں۔ اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا۔ اسی طرح سری نمازوں میں بھی قرأت فاتحہ خلف
 الامام آہستہ آہستہ جائز ہے جبکہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو۔ جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے
 اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ انہی الفاظ

کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع و انصات بھی پایا جاتا ہے۔ الخ
یہ محض دعویٰ ہے جو قابل قبول نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنے لبوں کو حرکت دیکر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہر نہ کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا، لا تحزک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرآنہ۔ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ۔ ”قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو (آپ کے دل میں) جمادینا اور پڑھو ادینا تو جب ہم (بواسطہ جبریل کے) اس کو پڑھیں تو اسکی قرأت کا اتباع کیجئے۔“ اس کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں فاستمع لہ وانصت کہ ”جب وحی نازل ہو تو اس کو سنتے رہیے اور خاموش رہیے۔“

اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف ص ۳
معلوم ہوا کہ قرأت قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتہ بہ کہ امام بنایا اسی لئے گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قرأت یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے زبان کو حرکت نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ البتہ اگر انصت لہ بولا جائے تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک خاموش رہنا دوسرے کان لگا کر سُننا اور جب انصات مطلق ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ ملاحظہ ہو قاموس ص ۹ ج ۱۔ پس امام کے ساتھ ساتھ قرأت کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔
اس کے بعد یہ الزام دیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز میں کہی سکتے ثابت ہیں۔ اگر مقتدی سکتا مذکورہ میں سورہ فاتحہ پڑھ لے تو آیت اذا قرئ القرآن کا مخالف نہ ہوگا۔

جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سکتا امام پر واجب نہیں کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی قرأت فاتحہ نہیں کر سکے گا۔ نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی مانعت میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف بلا سند ایک غلط قول کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔ بھلا صحابہ کے متعلق کون یہ گمان کر سکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا کر شور کریں گے۔ کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع و خضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی۔

اہل حدیث جو اس قسم کی لغو باتیں کر کے صحیح حدیثوں کو رد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویل کرتے رہیں تو وہ عامل بالحدیث ہوں، اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنی بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور استخوان فروش قرار پائیں، سبحان اللہ کیا انصاف ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قرات جائز ہے تو خطبہ جمعہ میں بھی چلا کر بولنا، ہی منع ہوگا۔ کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تسبیح و تکبیر و تہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمام علماء نے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شان نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبہ جمعہ میں امام کا خطبہ سنتے ہوئے لوگوں کو بغیر چلائے باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر و تسبیح و تہلیل کرنا جائز ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے بھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت ہذا سے استدلال کرنا تمام محدثین و مفسرین کے خلاف ہے۔ یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے۔ حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے؟ اس سے تو وہ قرات خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اسمیں جمہور سلف و خلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقروا ما تیسر من القرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حدیث اعرابی سے انکے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل

ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بار میں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے الخ

اس کا جواب گزر چکا ہے کہ مکہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ شانِ نزول فقط خطبہ جمعہ ہے کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر و تسبیح پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قرأت کس طرح جائز ہوگی؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا۔ جب سورہ بقرہ کی آیت وقوموا للہ قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کرتے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قرأت خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ نہ کرتے تھے۔ کسی ایک یا دو ناواقف نے ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم میں سے کس نے قرأت کی تو صرف ایک آدمی کہتا تھا میں نے قرأت کی ہے۔ اس کو آپ نے منع کر دیا۔

پھر امام رازی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں کفار کو خطاب ہے۔ اور اگر آیت کو قرأت خلف الامام پر محمول کیا جائے تو قرآن کا سیاق و سباق ہی بگڑ جائے گا اور ترتیب مختل ہو جائے گی الخ۔

میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبل کا قول گزر چکا ہے کہ بالاتفاق یہ آیت نماز کے متعلق (قرأت خلف الامام سے منع کرنے میں) نازل ہوئی ہے تو کیا احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سلف سے بھی زیادہ کوئی قرآن کے سیاق و سباق کا سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ پھر اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ہذا ابصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ "یہ قرآن (بجائے خود) گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں" جس میں اہل ایمان کا اور قرآن کا ذکر ہے۔ اس کے بعد واذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ہے۔ اس کے بعد واذکر

ربك في نفسك تضاعفاً وخيفة ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تكن من الغافلين ہے جس میں ہر مسلمان کو ذکر کی تاکید اور غفلت سے ممانعت ہے غرض آیت و اذا قرئ القرآن سے پہلے بھی اہل ایمان کا ذکر ہے اور بعد میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے تو درمیان میں قرأت قرآن کے متعلق مسلمانوں کو خطاب کرنے سے قرآن کا سیاق و سباق کیسے مختل ہو گیا؟ اس آیت سے پہلے قرآن کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بصائر و ہدایت و رحمت ہے اس کے بعد یہ امر یقیناً اس کی عظمت کے مناسب ہے کہ جب قرآن (نماز میں) پڑھا جائے اسکو سنو اور خاموش رہو تاکہ اچھی طرح بصیرت و ہدایت و رحمت سے حصہ حاصل کر سکو، اسکے بعد حکم ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیا کرو صبح اور شام اور غفلوں میں شمانو۔ بتلایے کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نظم قرآن مختل ہو گیا۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جہاں قرآن نے کفار کے شور و غل اور چلانے کا ذکر کیا ہے وہاں رحمت کا ذکر نہیں کیا وہاں ان کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔

وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغو فيه لعلكم تغلبون فلنذيقن

الذين كفروا عذاباً شديداً ولنجزينهم اسوأ الذي كانوا يعملون ۝

یعنی کافروں کو کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور شور و غل مچاؤ شاید اس طرح تم غالب آ جاؤ۔ ہم ان کو سخت عذاب (کامزہ) چکھائیں گے اور انکی اس بُری حرکت کی جو وہ کرتے ہیں سزا دیں گے۔

پس آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون کا عنوان ہی بتلارہا کہ اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے وہی قرآن کو سننے اور خاموش رہنے پر رحمت کے اُمیدوار ہو سکتے ہیں کفار تنہا اس پر رحمت کے اُمیدوار کیونکر ہو سکتے ہیں جب تک ایمان نہ لے آئیں؟ پس تفسیر فتح البیان کا یہ قول ہرگز صحیح نہیں کہ اس آیت میں صرف کفار کو خطاب ہے اور مسلمانوں کو خطاب ماننے سے قرآن کی آیات میں ارتباط نہ رہے گا۔ بلکہ سیاق و سباق اور آیت کے عنوان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں ہی کو خطاب ہے تمام علماء مفسرین نے اس کو قرأت خلف الامام سے نہایت پر محمول کیا ہے جیسا علامہ طبری کے حوالہ سے ہم نے تفصیل کے ساتھ شروع ہی میں لکھ دیا ہے غالباً ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ صاحب تکمیل البرہان کس قدر ہٹ دھرمی اور عصبیت مذہبی سے حنفیہ کے دلائل پر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس آیت سے جمہور سلف و خلف نے قرأت خلف الامام کی ممانعت پر استدلال کیا تھا اس کو تفسیر فتح البیان اور رازی کے قول سے رد کرنا

چاہتے ہیں الغریق یتثبت بالحشیش اسی کو کہتے ہیں کہ ڈوبنے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔
دلائل حدیثیہ پر تنقید :

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حالت رکوع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آپ نے اس رکعت کو ٹوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اس سے حنفیہ قراءت فاتحہ خلف الامام کے فرض نہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں کہ جب رکوع میں ملنے سے (بغیر فاتحہ کے) رکعت ہو گئی تو حالت قیام میں بھی سورہ فاتحہ کے بغیر ہو جائے گی الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ و حنابلہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قراءت خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے جیسا کتاب المغنی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور صرف حدیث ابی بکرہ ہی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ اجماع سے استدلال کیا گیا ہے۔ امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اس میں فقہار کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے ولاھا قراءۃ لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ۔ ”پھر قراءت فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے (ضم) سورت اھ۔“
اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قراءت کا وجوب حالت قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔

میں کہتا ہوں اہل حدیث کی زبان و قلم سے ایسی باتیں نکلنا جائے تعجب ہے کیونکہ یہ تو سرسری قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے اول من قاس بلیس کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ انکو کسی حدیث سے اسکا ثبوت دینا چاہیے کہ قراءت کا وجوب حالت قیام کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت عبادہ کی حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحۃ الكتاب میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر اور کسی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مقید کر سکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ دوسری حدیث من کان لئامام فقرأ التالہ

لہ کہ سب پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے یہ انکی بلا جانے کہ قیاس ابلیس کس قسم کا تھا اور قیاس مجتہد کے کہتے ہیں۔ ۱۲ ط

قراءة سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اول اس کو تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہو گئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابو بکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پالینے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پانے سے رکعت نہیں ملتی۔ اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی۔ پس رکوع پانے والے پر رکوع میں قرأت فاتحہ فرض ہونی چاہیئے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزر القراءۃ بیہقی ص ۶۸ عن حسان بن عطیة عن ابی الدرداء قال لا تترك الفاتحة خلف الامام زاد ابن ابی الحواری ولوان تقرأ وانت راكع وفي رواية اخرى عن ابی الدرداء قال لو ادركت الامام وهو راكع لاحببت ان اقرأ بفاتحة الكتاب۔ "حسان بن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ چھڑو۔ چاہے رکوع میں ہی پڑھ لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروں گا کہ سورۃ فاتحہ (رکوع ہی میں) پڑھ لوں۔ اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قرأت فاتحہ ہو سکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے۔ پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ "جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہو جاتی ہے" حنفیہ و حنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قرأت کافی ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ حالت رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا انکی جس بدحواسی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں،

ان کو یا تو ظاہر یہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہئے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابو الدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پائے تو رکوع ہی میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر وہ جمہور کی طرح اسکے قائل ہونگے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قرأت فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابو بکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے انکی وہ رکعت ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا۔ ان سے صاحب تکمیل کی بدحواسی ظاہر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابو بکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کئی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اسکا ذکر کہاں ہے؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہو سکتی تو ہم کہتے ہیں کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علاوہ شواہد کافی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری اُمت کے خلاف ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہو سکتی۔

دوسری دلیل پر تنقید :

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ابو داؤد کے حوالہ سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قرأت کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے قرأت کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن چھین رہا ہے؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو صحابہ اس نماز میں قرأت کرنے سے رک گئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر کے ساتھ قرأت کرتے تھے۔ اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعیؒ نے مسند میں ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے دیا ہے کہ صحابہ قرأت کرنے سے رک گئے، یہ لفظ مدح ہے

۱۷ یعنی راوی نے بڑھادیا ہے۔ صحابی کا قول نہیں۔ ۱۲ ظ

مرفوع نہیں ہے۔ یہ زہری تابعی کا قول ہے۔

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابو داؤد نے اس کو معمر کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا، ”لوگ جہری نماز میں قرات سے رک گئے۔“ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے۔ پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتویٰ تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی و سیر و اخبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امام وقت ہے۔ زمانہ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول حجت ہے۔

صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ اس سے نماز سری میں قرات کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ تو سری نمازوں میں قرات سے ہم بھی منع نہیں کرتے مگر جہری میں تو قرات کی ممانعت ثابت ہو گئی اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سنے الخ

مگر وہ یہ تو بتائیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فانتہی الناس عن القراءة فی ما جہر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءة۔ پس لوگ قرات کرنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرات جہر سے کرتے تھے ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قرات سے رک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقرأ بھائی نفسک کہ سورۃ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا کہ جو وہ حدیث عبادہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں دوسری احادیث کی وجہ سے ہذا اذا کان وحدا کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی قرات کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تمنا نماز پڑھ رہا ہو اور یہ قید خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر کی روایت سے اسکی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا بھی اسکی مؤید ہے۔ فہما ہو جواب کہ فہو جوابنا، صاحب تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کو چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا

ان کی جس بیچارگی کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری دلیل پر تنقید :

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحب تکمیل نے کمال کر دیا۔ ایک تو حضرت جابر کی حدیث من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یتکون وراء الامام جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اُس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ اسکا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا ہو صرف یہ رکعت اسکی بلا فاتحہ درست ہے۔ بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابر سے جو الفاظ نقل کئے ہیں اُن سے کسی کا ذہن بھی اس مطلب کی طرف پہنچ سکتا ہے جو صاحب تکمیل نے گھڑا، ترمذی نے اس حدیث سے امام احمد کا عدم وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا نقل کیا ہے تو کیا امام احمد حدیث کا مطلب غلط سمجھے صاحب تکمیل ہی صحیح مطلب سمجھے سبحان اللہ! لفظ الا وراء الامام کو مسبوق کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پالی گئی ہے۔ "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" اسی کو کہتے ہیں۔ اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جاسکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعی ثابت نہ کر سکیں گے۔ یہ تو حدیث کے معنی میں بے تکی تاویل تھی اب صاحب تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اول تو آپ نے اثر جابر کو موقوف قرار دیکر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الخنفیہ مقبول نہیں۔ مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابر کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیونکر ہے۔ حدیث اذا قرأ فالصنوا کے وہ خلاف نہیں۔ اور حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ کے بھی موافق ہے۔ رہی حدیث عبادہ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابر کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیث عبادہ کو منفرد پر محمول کرتے ہیں کیونکہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔

پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوئے یہ گل کھلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالہ سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اسکی پُر زور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کر دی من ذلک یحییٰ بن السلام عن شعبۃ فہو منکر الخ "منحمله انکے حدیث یحییٰ بن

سلام کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے۔ جس سے ہر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہو گا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسک حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحییٰ بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلیٰ سے زہری سے سالم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر ہدی نہ پائے تو ایام تشریق میں روزہ رکھ لے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا قول ہے کیونکہ یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطعن علی احد من العلماء بشیء، ولكن ذکرنا ما یقول اهل الروایۃ فی ذلك اھ ۳۶ ج ۱ یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی طعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔

صاحب تکمیل کی خیانت :

اس جگہ صاحب تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز صوم ایام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص ۱ ج ۱ پر امام مالک کے واسطے سے وہب بن کینا سے حضرت جابر سے قرأت خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔ دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحییٰ بن سلام و ابن ابی لیلیٰ کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پُر زور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہہ دیا تھا کہ میں خود کسی عالم پر طعن کرنا نہیں چاہتا تھا صرف اہل روایت کا قول نقل کر رہا ہوں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف یا مطعون نہیں ہیں۔ اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر خدا سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔

تیسرے کتب رجال سے یحییٰ بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہ ہو تو اسکی زیادت مقبول ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نخبہ ص ۱۱ اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت

پر محمول کیا جاسکے کیونکہ حضرات صحابہ کبھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فتویٰ اپنی طرف سے استعمال کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب یحییٰ بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان ص ۲۶ ج ۶ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف کے اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا بھی کر جاتا ہے۔ ابو زرعة رازی نے کہا لا بأس به ربما وھم "اس میں کوئی بات نہیں کبھی وہم بھی کر جاتا ہے" ابو حاتم نے کہا شیخ بصری صدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابوالعرب نے طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ "حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا" اھ صرف دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی نے اس کی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اس وقت زیر بحث ہے نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحییٰ بن سلام کی توثیق کی ہے تو اگر اس کی حدیث کو مولانا احمد علی صاحب نے حسن کہہ دیا تو کیا جرم کیا؟

رہا یہ کہ طحاوی نے اس کے بعد اسماعیل بن موسیٰ سُدی کا اثر بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ اسماعیل نے امام مالک سے پوچھا میں جابر کی اس حدیث کو مرفوع کر دوں؟ امام مالک نے فرمایا خذ ابرجلہ۔ اس میں سب سے پہلے تو اسماعیل سُدی کا حال معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کس درجہ کا ہے؟ سو اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے مگر ابن حبان نے ثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدان (شیخ بخاری) نے فرمایا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ اور نہاد بن السری نے (کہ یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) ہمارے اس کے پاس جانے پر انکار کیا اور کہا یہ شخص فاسق ہے۔ سلف کو برا کہتا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس نے امام مالک کی دو حدیثوں کو موصول کر دیا اور شریک سے بھی چند احادیث میں منفرد ہے (کوئی اسکے ساتھ شریک نہیں) لوگوں نے اسکے غلو فی التشیع کی بنا پر اس کو منکر کہا ہے، یعنی غالی شیعہ ہے اس لئے محدثین نے اس پر انکار کیا ہے۔ (تہذیب ص ۳۳ ج ۱) ایسے غالی شیعہ کی روایت سے یحییٰ بن سلام جیسے بہترین حافظ کی روایت کو مجرد قرار دینا صاف تکمیل ہی کی جرات ہے پھر اس غالی شیعہ نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ امام مالک نے اس حدیث کے رفع پر انکار کیا ہے یا اس شخص کے شریک درس ہونے پر ان کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس کے پیر پکڑ لو" جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

اس کو قید کر لو تاکہ حدیث بیان نہ کرنے پائے۔ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ پیر پکڑ کے یہاں سے نکال دو۔ یہ شیعہ غالی ہمارے درس میں بیٹھنے کے لائق نہیں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ امام مالک نے حدیث کے مرفوع ہونے پر انکار کیا ہے اور اگر انکار بھی ہو تو اسکا رفع صحیح نہ ہوگا، مگر حسن تو ہو سکتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے رفع کو حسن ہی کہا ہے صحیح نہیں کہا۔
چوتھی دلیل پر تنقید :

حنفیہ کی طرف سے چوتھی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ صحیح مسلم میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے اذا قرأ فانصتوا وارد ہے (صاحب تکمیل کے الفاظ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ قتادہ کو صحابی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ حدیث کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری صحابی ہیں) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان فرمایا ہے کہ ”امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جب وہ تکبیر کہتے تکبیر کہو۔ جب وہ قرات کرے خاموش رہو جب وہ رکوع کرے رکوع کرو“ اس سے ہر شخص جو بھی سنے گا یہی سمجھے گا کہ مقتدی کو امام کی قرات کے وقت خاموش رہنا چاہیے۔ ہم نے اس حدیث کو حدیث عبادہ کے معارض یا اسکا نسخہ ہرگز نہیں کہا، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اس میں صرف یہ مضمون ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اس کو مقتدی کے متعلق کہنا صحیح نہیں وہ غیر مقتدی کے حق میں ہے اور حدیث ابو موسیٰ صاف طور سے مقتدی کے حق میں ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ کے راوی سفیان بن عیینہ اور زہری نے بھی اسکو غیر مقتدی کے متعلق سمجھا ہے۔ اب اس کے بعد اہل حدیث کی تاویلات ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں اذا قرأ فانصتوا کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے سوا اور سورت پڑھنے سے خاموش رہو۔ کوئی ان سے پوچھے کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کہاں ذکر ہے جو یہ قید بڑھائی جارہی؟ حدیث میں تو مطلقاً خاموش رہنے کا ذکر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث عبادہ کی وجہ سے یہ قید بڑھائی جارہی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث عبادہ سے اذا قرأ فانصتوا کو مقید کرنا ضروری ہے؟ تطبیق اور توفیق کی یہ صورت بھی تو ہو سکتی ہے کہ حدیث عبادہ کو اس حدیث کی وجہ سے منفرد پر محمول کیا جائے جیسا سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے کیا ہے اور یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے اب صاحب تکمیل اسکی وجہ

بتلائیں کہ جو وجہ تطبیق وہ بیان کرتے ہیں وہی صحیح ہے اور جو وجہ ہم نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کو جو منکر تقلید ہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے ظاہر مطلب کو کسی کی تقلید سے بدل دیں اور اگر ان کو بیوقوفی وغیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابو حنیفہ اور احمد بن حنبل و سفیان بن عیینہ و زہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلا تاویل مفہوم ہو رہا ہے۔

رہا یہ کہ اس حدیث اذا قرأ فانصتوا کے دوسرے راوی حضرت ابو ہریرہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرأ کھا فی نفسک یا فارسی، کہ حالت اقتدار میں سورہ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو، اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھو کیونکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے۔ فانصتوا لک عن القراءة فیما جہرفیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گزر چکا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام قولہ اقرأ کھا المراد من القراءة فی النفس والاحظار بالبال من دون ان یتلفظ بها ای احضر معانیہا فی نفسک وقد ر فیہا حین یقرأ الامام کذا نقلہ الزرقانی فی معناه عن عیسیٰ وابن نافع اھ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورہ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان سے تلفظ نہ کرو بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے، اور سوچتے رہو جبکہ امام سورہ فاتحہ پڑھے۔ زرقانی نے اسی طرح اس کا مطلب عیسیٰ اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اھ ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں، وقال الطحاوی رحمہ اللہ وكان من الحجة عليهم في ذلك ان حديثي ابی ہریرہ وعائشة الذین روھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوة لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خدا جہ لیس فی ذلك دلیل علی انہ اراد بذلک الصلوة التي تكون وراء الامام قد یجوز ان یکون عنی بذلک الصلوة التي لا امام فیہا للمصلی واخرج من ذلك المأموم بقوله من كان له امام فقرأه الامام له قراءة فجعل المأموم في حكم من یقرأ بقرائة

امامہ فکان المأموم بذلک خارجاً من قوله کل من صلی صلوٰۃ لعلہا فیہا بفاتحۃ
الکتاب فصلوٰۃ خداج اھ ص ۱۷۱

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرارت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہو جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم سے آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اسکی قرارت مقتدی کے لئے قرارت ہے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ حکم قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ جو نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔ اب صاحب تکمیل انصاف سے بتلائیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قرارت کرے مقتدی خاموش رہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی کی روایت میں ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فانصتوا۔ کہ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۃ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شرمنا چاہیے یہ منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں بیان کیا ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔ ”جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تم آمین کہو“ کسی محدث نے فقولوا آمین کو مختصر الفاظ میں فامتوا کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیل کر کے فانصتوا کہہ دیا ایسی مہمل باتوں سے صاحب تکمیل اپنا دل خوش کر لیں مگر سمجھنے والے ان کی بے بسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو ولا الضالین کے بعد جہر سے آمین کہنا بھی ممنوع ہوگا کیونکہ حدیث میں ولا الضالین کے بعد خاموش رہنے کا امر ہے فاما ہو جواب کہ فہو جوابنا۔ اور اگر کوئی مقتدی نماز میں ایسے وقت شریک ہو کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہے اس کو بجاالت قیام سورۃ فاتحہ پڑھنا امام کے پیچھے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس حدیث میں امام کے ولا الضالین پڑھنے کے بعد مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اس

کے متعلق صاحب تکمیل کا کیا فتویٰ ہے؟

پانچویں دلیل پر تنقید:

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان لہ امام فقراء تہ لہ قراءۃ جس کا کوئی امام ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے، صاحب تکمیل نے علامہ سندی حنفی کا سہارا ڈھونڈا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (حدیث عبادہ) کے خلاف ہے، اللہ اللہ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندی حنفی کی تقلید کرتے ہیں یا اللعجب! اگر وہ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو۔ اب سنئے اس حدیث کو حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

جابر بن عبد اللہ و عبد اللہ بن عمر و ابو سعید خدری و ابو ہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم جمعین، حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام محمد نے موطا میں امام ابو حنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے حضرت جابر سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی خلفہ الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے۔

اس پر دارقطنی کا یہ فرمانا کہ ”اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابوالاحوص، شعبہ، اسراییل، شریک، ابو خالد دالانی، سفیان بن عیینہ وغیرہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبد اللہ بن شداد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے (صحابی کا نام حذف کر دیا) اور وہی درست ہے۔ ہم پر حجت نہیں کیونکہ مسند احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے واسطہ سے مرفوعاً موصولاً روایت کیا گیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان لیا جائے تو ابو حنیفہ ہزاروں محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں۔ ان کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بناء پر واجب القبول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا درجہ علم حدیث میں:

یحییٰ بن معین کے زمانہ تک امام ابو حنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی مسئلہ خلق

قرآن کا فتنہ رونما ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیونکہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی عقیدۂ معتزلی اور فروغاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں۔ ولما سئل ابن معین عنہ قال ثقة مأمون ما سمعت احدا ضعف هذا شعبۃ بن الحجّاج یکتب الیہ ان یحدث وشعبۃ شعبۃ ”جب یحییٰ بن معین سے امام صاحب کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مأمون ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبۃ بن الحجّاج ان کو حدیث بیان کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبۃ شعبہ ہی ہیں“

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبد اللہ بن المبارک، اور انکا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں میں ہے اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن نید، عبد الرزاق، وکیع بن الجراح۔ اور یہ تو امام صاحب کی فقہ پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ نیز ائمہ ثلاثہ امام مالک و شافعی و احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی بہت مدح و ثنا کی ہے (یعنی شرح بخاری ص ۱۱ ج ۶)

تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے لوگوں سے امام صاحب کی تضعیف و تنقیص منقول ہے یہ سب فتنہ خلق قرآن کے بعد جماعت حشویہ کی گھڑت ہے کیونکہ یہ تمام فرافات عموماً مجہولین، مجروحین، کذابین کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد اس کی تاریخ میں ملحق کی گئی ہیں۔ خطیب نے ثقات کے ذریعہ سے بجز مناقب فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کو تفصیل کا شوق ہو میرا مستقل مضمون خطیب بغدادی اور منکرین حدیث“ مطبوعہ ماہنامہ الصّدیق ملتان بابت سنہ ۱۹۵۷ء، ۵۸ء مطالعہ کریں۔

رہے دوسرے طرق جو حضرت عبد اللہ بن عمرو ابو سعید خدریؓ ابو ہریرہؓ و ابن عباسؓ انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان کے بعض راویوں پر اگرچہ دارقطنی نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کبھی صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل تسلیم نہیں۔ اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ صحیح

سے بھی اوپر ہے کیونکہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے موطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔ پھر امام دارقطنی نے جو اس کو مرسلًا صحیح کہا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعی کے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا کیونکہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب نے قبول کیا ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ عام ہے اور حدیث عبادہ میں الا بام القرآن سے سورۃ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے۔ پھر دوسری حدیث میں الا المقبرۃ والحمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج۔ ”جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج (ناقص) ہے“ عام ہے جس میں سے حدیث من کان له امام فقراءۃ نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آپ زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض زبردستی اور عصبیت ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ لفظ قرارت کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوٰۃ کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے۔ پھر ہم بتلاچکے ہیں کہ حدیث عبادہ میں جملہ استثنائے الا بام القرآن کو امام فن یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان له امام الخ میں تاویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان له امام صحیح حدیث ہے۔ نیز حدیث مسلم اذا قرأ فانصتوا اور نص قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث عبادہ اور حدیث ابو ہریرہ کے لئے مخصوص قرار دینا درست ہے۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی (اور بیہقی نے) حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا

عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، یہ کون میرے پیچھے قرات کر رہا تھا؟ تین بار دریافت فرمایا۔ ایک شخص نے کہا میں نے قرات کی تھی۔ فرمایا، میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قرات کرے اس کو امام کی قرات کافی ہے الخ

تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مغالطہ کے طور پر صاحب تکمیل اپنی بنا رہے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قرات کی تھی اگرچہ جس سے قرات کی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی۔ صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قرات کی تھی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قرات اس کے لئے قرات ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرات نہ کرنا چاہیے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ سورہ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورت نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قرات گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات نہ کرتے تھے۔ ایک دونا واقف ایسا کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرات سے روک دیتے تھے۔ اگر سب صحابہ قرات کرتے ہوتے تو بقیہ مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورہ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے پھر قرات کرنے والے نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے سورہ فاتحہ اور سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی پڑھی تھی۔ اس نے بھی صرف سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی کی قرات کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قرات فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا۔ پھر اگر قرات فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قرات سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابر کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قرات فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملہ استثنائے کا حال اوپر گزر چکا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے۔

چھٹی دلیل پر تنقید :

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی

گئی ہے اذاعلیٰ احد کو خلف الامام فلیصمت فان قراءتہ لہ صلوٰۃ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے خاموش رہے کیونکہ اس کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے اور اسکی نماز اس کی نماز ہے۔ اس حدیث کو اول تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہیں پھر اس میں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قرأت عام ہے جس سے بوجہ حدیث عبادہ کے سورۃ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ۔ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے۔

پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قراءتہ لہ قراءۃ سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوٰۃ لہ صلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتدار کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع وسجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب تکمیل کے نزدیک صلوٰۃ نام ہی سورۃ فاتحہ کا ہے۔ جیسا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی کی تفسیر میں ص ۵۵ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۃ فاتحہ ہی کا نام صلوٰۃ ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہوگا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے اور اسکی سورۃ فاتحہ مقتدی کی سورۃ فاتحہ ہے اس کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قرأت کے بعد خاص سورۃ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرأت سے مراد ما سوائے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہ کو رفع کر دیا گیا، یہ تو الزامی جواب تھا دیکھیں صاحب تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ وصلوٰۃ لہ صلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام ضامن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحیحہ و فساداً متضمن صلوٰۃ مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز

صحیح ہوگی اس کی بھی صحیح ہوگی، اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قال وحدّ ثنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعجبني ان تكون صلوة المسلمين او المؤمنين ولحدّ حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو۔ جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نمازیں قرار نہیں دیں اور عرفاً و عادتاً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا جاتا ہے اور اسی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے۔ سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے۔ ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قرات اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قرات کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قرات پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ امام کی قرات کے لئے تواستماع و انصات کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع و سجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذارکع فارکعوا و اذا سجد فاسجدوا۔ جب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔ اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دربار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالاتا ہے مگر گفتگو رئیس وفد کرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکریہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالاتا ہے یہی صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اول سب تکبیر کہیں آداب شاہی بجالائیں اسکے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آداب تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع و سجدہ میں شکریہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے۔

منصفین اہل حدیث سے اپیل

اگر اہل حدیث الصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبور فكبروا و اذا ركع فاركعوا و اذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد و اذا سجد فاسجد والحمد لله امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ جب رکوع کرے رکوع کرو۔ جب سمع

اللہ من حمدہ کہے اللہم ربنا لک الحمد کہو، جب سجدہ کرے سجدہ کرو۔ اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے واذ اقرأ فاقروا کہ جب امام قرات کرے تم بھی قرات کرو۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کی قرات کے ساتھ قرات فرض یا واجب ہوتی تو اسکا بیان اس حدیث میں ضروری تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جا رہے ہیں۔ اس حدیث میں اگر ہے تو اذ اقرأ فانصتوا ہے کہ جب امام قرات کرے تم خاموش رہو۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور ابوداؤد۔ پس جس کو قرات فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس حدیث کے کسی طریق میں اذ اقرأ فاقروا دکھلائے کیونکہ اسی حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے۔ حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیونکہ اس میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری وغیرہ نے خود کہا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اسی کو امام احمد نے بیان فرمایا، ساتویں دلیل پر تنقید :

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لا قراءۃ مع الامام فی شئ من الصلوات کہ امام کے ساتھ کسی نماز میں بھی قرات نہیں ہو (امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں لا تقرأ مع الامام فی شئ من الصلوات ورجالہ ثقات امام کے ساتھ کسی نماز میں قرات نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی تہکی تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یہ اثر ماسوفاً فاتحہ پر محمول ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر موجود ہے الخ کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی کی تقلید کس دن سے واجب ہو گئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہو گیا اور نہ مانیں تو شبیرہ چشم کھلائیں؟ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہل حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بن جاتے ہیں اور اس کے ماننے پر ایسا زور دیتے ہیں گویا آسمان سے وحی نازل ہو گئی ہے کہ اثر زید بن ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت و حمایت میں کچھ لکھ دیا ہے میں پوچھتا ہوں کہ زید بن ثابت کے اثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر اسی طرح کی تاویلوں سے کام لیا جائے گا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکے گی ہر شخص کو اختیار ہوگا

کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کر دے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فالصوتوا اور نص قرآنی اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کو پیش کر دے پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کی تاویل اور امام نووی اور بیہقی کا قول توجہ ہو اور دوسرے کی تاویل اور امام احمد وسفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہل حدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے ادھر ادھر سے اس میں قیدیں نہ بڑھائیے اس راستہ سے آپ چلیں گے تو انشاء اللہ حنفیہ کے مسلک کی قوت کھلی آنکھوں نظر آجائے گی۔

آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قرارت فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض و واجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لیکر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جسکا آپ کو کوئی حق نہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اسی کا نام ہے۔

امام احمد اور علامہ ابن تیمیہ کے قول کا اعادہ :

اخیر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں۔ امام احمد فرماتے ہیں ”ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اہل عراق میں امام سفیان ثوری، اہل شام میں امام اوزاعی اہل مصر میں امام لیث بن سعد۔ انہیں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اسکا امام قرارت کر رہا ہو وہ قرارت نہ کرتا ہو تو اسکی نماز باطل ہے اھ“

موفق بن قدامہ نے امام احمد کا یہ قول نقل کر کے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے ص ۶ ج ۱، علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قرارت خلف الامام کی مانعت بڑے بڑے اسی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی اور عبادہ ثلثہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس) بھی ہیں محدثین کو ان صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قرارت خلف الامام پر صحابہ کا اجماع اکثر کے اتفاق کو اجماع کہہ دیا گیا کیونکہ ہمارے نزدیک اسکو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبداللہ ابن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم نے

اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قرأت خلف الامام کے بارے میں بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے (جنکے نام یہ ہیں) ابو بکر صدیق عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن طالب، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال بجاوہ کتب و اسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "تنوع العبادات" میں فرمایا ہے "کہ سلف نے عام طور پر قرأت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جبکہ امام قرأت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۃ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے تھے (تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرأت کرنے والے بہت کم تھے اور اس سے کتاب اللہ نے بھی منع کیا ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور جمہور سلف و خلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قرأت خلف الامام کی صورتیں نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے بعض علماء جہری نماز میں بھی مقتدی پر قرأت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قرأت نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قرأت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور کتاب اللہ بھی اور سنت صحیحہ بھی۔ اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرأت کو واجب کرتے ہیں انکی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرأت کرے خاموش رہو) امام احمد اور اسحاق اور امام مسلم وغیرہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے (لا تفعلوا الا باہم القرآن) کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے مگر سورۃ فاتحہ۔ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور اسکا ضعیف ہونا چند وجوہ سے ثابت ہو چکا ہے دراصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے اھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

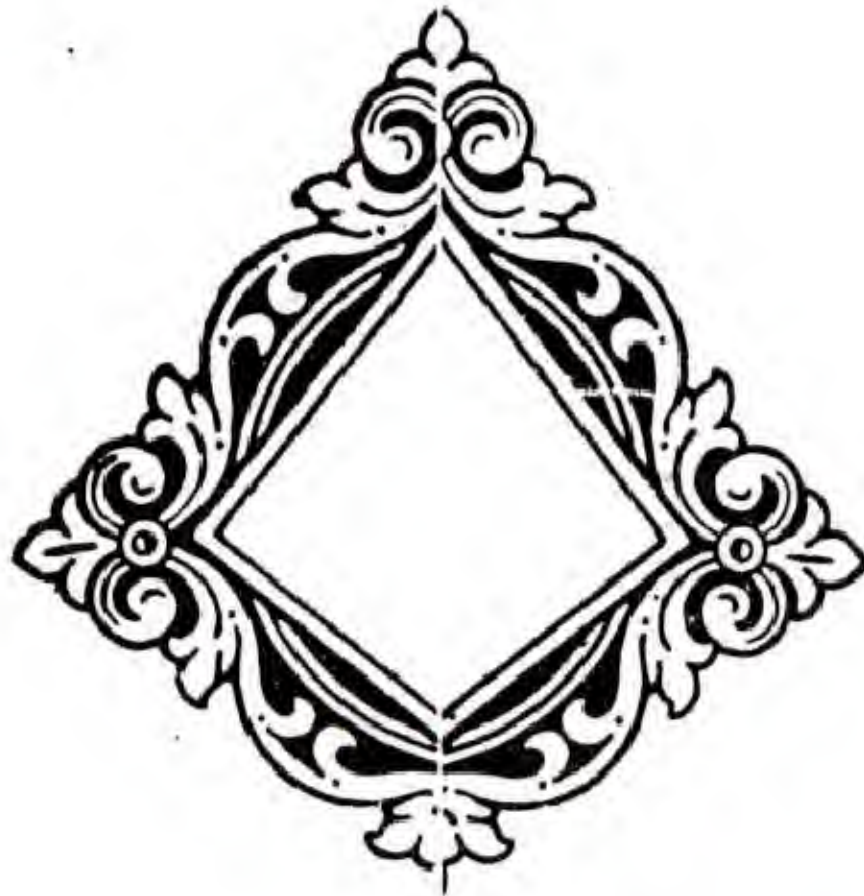
حنفیہ کا اہل حدیث پر احسان :

الحمد للہ کہ آج بروز چار شنبہ ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۴۸۰ھ رسالہ تکمیل البرہان کا جو تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ قرأت خلف الامام میں امام ابو حنیفہ

کا مسلک کتاب اللہ اور سنت صحیحہ اور اجماع جمہور سلف و خلف سے مؤید ہے اور جو اہل بیت مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قرأت فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں انکے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کی نماز درست ہی ہو جائے تو غنیمت ہے۔ کیونکہ قرآن میں اور سنت صحیحہ میں مقتدی کو قرأت قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم قرأت سے منع کیا گیا ہے اور اہلحدیث کے اصول پر نہی کی مخالفت سے عمل باطل ہو جاتا ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا۔ پس ان کو امام ابو حنیفہ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ قرأت خلف الامام کی وجہ سے انکی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہلحدیث کا مقتضی یہ ہے کہ آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی مخالفت سے جس کا نزول بالا جماع قرأت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قرأت کرے خاموش رہو اہلحدیث کی نمازیں باطل ہو جانی چاہئیں جیسا صوم یوم النحر کو اسی بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شارع کی نہی موجب بطلان عمل ہے۔

امید ہے کہ اہل فہم اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عصبیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت و ادب کا پاس کر نیکی توفیق دے اور اس سالہ کو مقبول عام و خاص بنائے۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین والحمد لله الذی بنعمتہ وبعزّتہ وجلالہ تم الصلّحت ۛ

۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ



باب الامامة والجماعة

جماعت فجر کے وقت سنتیں پڑھنا:

سوال :- فجر کی جماعت قائم ہو تو سنت فجر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھیں تو طلوع شمس سے قبل پڑھے یا کہ بعد؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اگر تشہد میں جماعت سے شرکت کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، مگر مسجد سے باہر پڑھے یا حائل سے پڑھے، مثلاً استون وغیرہ کے پیچھے، صفت سے اختلاط کر کے یا صفت کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہ ہے، لہذا اگر خارج المسجد یا ساریہ وغیرہ کے حائل سے پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو ترک کر دے، ایسے ہی اگر تشہد میں شرکت کی امید نہ ہو تو ترک کر دے، اور طلوع شمس کے بعد پڑھے، بعد الطلوع پڑھ لینا افضل ہے، ضروری نہیں، بہت سے فقہاء کا قول ہے کہ اگر رکعت ثانیہ میں شرکت کی امید نہ ہو تو سنت نہ پڑھے، مگر شامیہ سے قول اول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، والتفصیل فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ

نوافل یا سنتیں پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو جانا:

سوال :- کوئی شخص نفل یا سنت پڑھ رہا ہو اس حالت میں جماعت قائم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد نوافل یا سنن میں شروع ہونا اس شرط سے جائز ہے کہ رکعت اولیٰ فوت ہونے کا خوف نہ ہو، الا سنن الفجر، اگر قیام جماعت سے پہلے

۱۵ یعنی ایسی حالت میں سنت شروع نہ کرے، اگر شروع کر دیں تو قطع کرنا جائز نہیں ۱۲ منہ

۱۷ باب الوتر والنوافل میں بتفصیل دلائل آ رہا ہے، ۱۲ منہ

توافل یا سنن شروع کر چکا ہے تو ایک قول پر تفسیر بسجدہ سے قبل یہ نماز قطع کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے، مگر صحیح یہ ہے کہ تفسیر بسجدہ کی ہو یا نہیں بہر حال دو گانہ پورا کر کے شامل ہو، اگر ظہر کی چارہن پڑھ رہا ہو تو ایک قول پر چار رکعتیں کامل کرے، مگر صحیح یہ ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو، البتہ اگر رکعتِ ثالثہ میں کھڑا ہو گیا ہے تو ایک قول پر تفسیر بسجدہ سے قبل تشہد کی طرف رجوع کر کے سلام پھیرے، مگر رائج یہ ہے کہ چار رکعات پوری کر لے، ثالثہ کو خواہ مفید بسجدہ کیا ہو، سنن جمعہ کا بھی یہی حکم ہے، یعنی سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہو جائے تو دو رکعت پر سلام پھیرے اگر خطبہ سے قبل تیسری رکعت شروع کر چکا ہو تو چار پوری کرے، مگر خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت شروع کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ باب ادراك الفريضة،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ

فرض پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو گئی:

سوال :- ایک شخص فرض پڑھ رہا تھا اس حالت میں جماعت قائم ہو گئی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

اگر رکعتِ اولیٰ کے سجدہ سے قبل امام نے تکبیر تحریم کہہ دی تو نماز قطع کر کے امام کی اقتدار کرے۔

رکعتِ اولیٰ کا سجدہ کر لیا ہو تو فجر و مغرب میں قطع کر کے اقتدار کرے اور بقیہ نمازوں میں شفع پورا کر کے اقتدار کرے۔

ثانیہ کا سجدہ کر لیا ہو تو قطع نہ کرے بلکہ فجر و مغرب میں پوری نماز پڑھ لے اور اقتدار نہ کرے۔ بقیہ نمازوں میں شفع پورا کر کے اقتدار کرے۔

ثالثہ کا سجدہ کر لیا ہو تو نماز پوری کر کے متنبلاً اقتدار کرے، الا فی العصر۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: حاصل هذه المسألة شرعاً فی فرض فاقیم قبل ان یسجد للاولی قطع واقتدی فان سجد لها فان فی رباعی اتم شفعاً واقتدی مالم یسجد للثالثۃ فان سجد اتم واقتدی متنبلاً الا فی العصر وان فی غیر رباعی قطع واقتدی مالم یسجد للثانیۃ فان سجد لها اتم ولم یقتد اھم وقال ایضاً تحت (قوله لا اقامة المؤذن)

فكأنه قال المراد بالاقامة الشرع في الفريضة في مصلاة لا اقامة المؤذن الم (شامية ۱۷)
فقط والله تعالى اعلم

۱۶ رزی قعدہ ۱۲۸۵ھ

قضا نماز پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہو گئی:

سوال :- قضا نماز پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

قضا نماز شروع کرنے سے قبل ہی جماعت قائم ہو جائے تو بھی صاحب ترتیب پہلے قضا نماز پڑھے
اس کے بعد ہو سکے تو جماعت میں شامل ہو جائے، اور غیر صاحب ترتیب قضا نہ پڑھے بلکہ جماعت
میں شامل ہو، اور اگر قضا نماز شروع کرنے کے بعد جماعت قائم ہو تو قطع نہ کرے (سواء کان صاحب
الترتیب اولاً) ہذا فی الشامیۃ باب ادراك الفريضة، فقط والله تعالى اعلم،

۱۶ رزی قعدہ ۱۲۸۵ھ

لنگر چلنے پر قادر ہو تو اس پر جماعت واجب ہے:

سوال :- ایک مولوی صاحب کا گھر دو مسجدوں کے درمیان ہے، امام کی قرارت اس کے
گھر میں سنائی دیتی ہے، یہ مولوی صاحب دونوں پاؤں سے لنگرے ہیں، البتہ تجارت وغیرہ
معاملات بخوبی کرتے ہیں اور چلتے پھرتے رہتے ہیں، کراچی وغیرہ تک بھی جاتے رہتے ہیں، مگر مسجد
میں جماعت سے شامل نہیں ہوتے، کیا ان کے لئے یہ عذر ترک جماعت کے لئے کافی ہے، اگر کافی
نہیں تو ترک جماعت کس قدر مجرم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

جبکہ مولوی صاحب بخوبی چلتے پھرتے رہتے ہیں تو ان کے لئے ترک جماعت جائز نہیں،
جماعت ایسے لنگرے سے معاف ہو جو چلنے پر قادر نہ ہو، الا عرج الذی لا یستطیع المشی،
(شامیۃ) تارک جماعت کے لئے سخت وعید ہے، تارکھا بلا عذر یعزرو وترد شہادۃ (شامیۃ)
فقط والله تعالى اعلم

۲۷ شوال ۱۲۸۵ھ

نابینا کی امامت:

سوال :- نابینا کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

نابینا کی اقتدار مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر یہ نابینا سب سے افضل ہے اور مسائل سے زیادہ واقف ہے تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اس کو امام بنانا افضل ہے، قید کراہت امامۃ الاعلیٰ فی المعیط وغیرہ بان لا یكون افضل القوم فان کان افضلهم فهو اولیٰ (شامیہ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رزی قعدہ ۱۴۲۸ھ

ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت:

سوال :- ڈاڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے، بلکہ یہ دو سر کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کا اظہار و اعلان ہے، اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فیصلہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں علانیہ کھائے پیئے وہ واجب لقتل ہے، کیونکہ وہ کھلے طور پر شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل امتی معافی الا المجاہدین "میری پوری امت لائق عفو ہے مگر علانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں"

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے گناہ کسی خاص وقت میں ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، سو رہا ہو تو بھی گناہ ساتھ ہے، حتیٰ کہ نماز وغیرہ عبادت میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلی ہے، قوم لوط کے اسباب عذاب میں ڈاڑھی کٹانا بھی ہے، (درمنثور)

غرضیکہ ڈاڑھی کٹانے یا منڈوانے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظم نے بنا دیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت چھوڑے بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے، اس کا وبال و عذاب مسجد کے منتظمین پر ہوگا، صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل للجماعة (درمختار) وفي الشامية افاد ان الصلوة خلفها اولیٰ من الاقل ولكن لا ینال کمایناں خلف تقی ورج (شامیہ ج ۱) وقال ابنی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل سبر و فاجر فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رزی قعدہ ۱۴۲۸ھ

سوال مثل بالا:

سوال: زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانے اور منڈانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، لہذا ایسے شخص کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے رہنا چاہیے، حوالہ شامیہ اور فتح القدیر کا دیتا ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟ بیاد تو جروا!

الجواب منہ الصدق والصواب

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز بالکل صحیح ہی نہیں ہوتی، احناف کے ہاں نماز صحیح تو ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہے، کراہت تنزیہیہ و تحریمیہ کے بارے میں اگرچہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کچھ اختلاف کیا ہے، مگر راجح قول کراہت تحریمیہ کا ہے، نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط لازم ہے، محرم اور مباح میں تعارض کے وقت صولاً محرم کی ترجیح متعین ہے، خصوصاً جبکہ بعض ائمہ کے ہاں نماز درست ہی نہیں ہوتی، اور فرض ہی ادا نہیں ہوتا تو اختلاف سے احتراز اور اہم ترین فرض کی ادار علی وجہ الکمال بلکہ فرض سے یقینی طور پر برائی الذمہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فاسق کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اسی لئے موجودہ وقت کے محققین علماء حنفیہ کراہت تحریمیہ پر متفق ہیں، قال فی الشامیۃ واما الفاسق فقد علوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لا یهتم لامردینہ و بان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً ولا یخفی انہ اذا کان اعلم لا تزول العلۃ فانہ لا یؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارۃ فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذا المرتجز الصلوۃ خلفہ اصلاً عند مالک فلذا حاول الشارح فی عبارة المصنف حمل الاستثناء علی غیر الفاسق، واللہ اعلم (رحم المختار ج ۱) فتح القدیر اور شامیہ میں کراہت تنزیہیہ کا قول ہرگز نہیں، زید کا قول محض افتراء اور بہتان ہے، یا زید در مختار کے متن اور شرح میں امتیاز نہیں کر سکتا، جہالت کی وجہ سے متن اور شرح کو غلط کر کے غلط نتیجہ نکال رہا ہے، متن میں صرف یکوہ کا لفظ ہے، تنزیہاً کا لفظ شارح نے زیادہ کیا ہے، مگر متن کی عبارت الا ان یکون الخ سے شارح کا فاسق کو مستثنیٰ کرنا باین دلیل ہے، کہ شارح کی طرف سے تنزیہاً کا لفظ بھی غیر فاسق سے متعلق ہے، شامیہ کی مذکورہ عبارت یعنی فلذا حاول الشارح الخ اس کی وضاحت کر رہی ہے، غرضیکہ تنویر الابصار میں یکوہ کا لفظ مطلق ہے جس سے متبادر کراہت تحریمیہ ہی، کما صرح

نبہ الفقہاء، اور در مختار کی عبارت سے کراہت تحریمیہ مفہوم ہے، اور رد المحتار میں کراہت تحریمیہ کی تصریح ہے، فتح القدیر اور عالمگیریہ وغیرہ میں بھی یکوہ کا لفظ مطلق ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ کی تصریح کہ کراہت کے اطلاق کے وقت کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے،

البتہ فاسق اگر امام بن گیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جدا نماز پڑھنے سے افضل ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر و فی شرح التنویر عن النہر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة و فی الشامیة اذا دان الصلوۃ خلفہما اولی من الانفل و لکن لا ینال کما ینال خلف تقی و ریع الخ، علماء امت حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے، مگر اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنانا جائز نہیں، اگر مسجد کی منتظمہ نے فاسق کو امام بنادیا اور دوسری جگہ کوئی صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ فاسق ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ لے، اس کو امام بنانے کا عذاب منتظمہ پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کر لی تو بھی ڈاڑھی پوری ہونے تک اس کی امامت مکروہ ہے:

سوال :- ایک آدمی ڈاڑھی منڈواتا ہے، اب اس نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے، اور اس نے ڈاڑھی چھوڑنے کا عزم کر لیا ہے، کیا اس حالت میں جبکہ وہ توبہ کر چکا ہے مگر ڈاڑھی نہیں ہے اور اور نہ جلدی ڈاڑھی اگنا اس کے بس کی بات ہے، آیا اس کے امام بننے میں کراہت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

توبہ کے باوجود ایسے شخص کی امامت دو درجہ سے مکروہ ہے، ایک یہ کہ اس پر تا حال اثر صلاح نمایاں نہیں ہوا یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ اس کبیرہ سے احتراز کا اہتمام کرے گا یا نہیں؟ دوسری وجہ یہ کہ جن لوگوں کو توبہ کا علم نہیں اُن کو معالطہ ہوگا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ فاسق نماز پڑھا رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں:

سوال :- کیا صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ ہے؟ شامیہ میں ہے: کل صلوۃ

ادیۃ مع الکراہۃ تجب اعادتها،

اس سے معلوم ہوا کہ اعادہ واجب ہے، بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

اس سیرت میں اعادہ نہیں، مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، کسی سے اعادہ ثابت نہیں، حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "صلوا خلف کل بر وفاجر" میں بھی اعادہ کا ذکر نہیں، نہ ہی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس میں اعادہ کا حکم دیا ہے، باقی رکھتے "کل صلوۃ ادیت مع الکراہۃ تجب اعادتها" سے تعارض، سو اس کے مندرجہ ذیل جوابات ہو سکتے ہیں:-

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترک واجب جماعت کے باوجود صلوۃ المنفرد کے عدم وجوب اعادہ کی توجیہ یوں فرمائی ہے: الا ان يدعی تخصیصا بان مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بتركه ما كان من ماهية الصلوة واجزاؤها شامية باب اجبا الصلوة، مذکورہ اعتراض کے جواب میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ صلوۃ خلف الفاسق میں ماہیت صلوۃ اور اجزاء صلوۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں، اس لئے واجب الاعادہ نہیں، مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ صلوۃ بحالت مدافۃ الانجسین یا بحالت حمل صورت واجب الاعادہ ہے، حالانکہ اس میں ماہیت صلوۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں پایا گیا، چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے آخر بحث میں یہی اشکال ظاہر فرمایا ہے،

② اعادہ اس صورت میں لازم ہے جب کہ اعادہ میں کوئی کراہت نہ ہو، صلوۃ خلف الفاسق کے اعادہ میں جماعت کی اولویت سے افراد کی غیر اولویت کی طرف رجوع کی کراہت ہے، اس لئے صلوۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں، اس جواب میں یہ اشکال ہے کہ اگر اعادہ بالجماعۃ ممکن ہو تو وہ واجب ہونا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں،

③ یہ جزئیہ حدیث "صلوا خلف کل بر وفاجر" اور اجماع امت کی بنا پر مستثنیٰ ہے، اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فاسق کی اقتدار نہ کرنے میں انتشار و فتنہ کا خطرہ ہے، اور اقتدار کے بعد اعادہ میں اگرچہ خطرہ نسبت کم ہے مگر جرح ہے، کیونکہ یہ امر کثیر الوقوع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳ ربيع الآخر ۱۳۷۳ھ

امام مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں تو مقیم مقتدی کی نماز نہ ہوگی:

سوال ۱۔ امام مسافر اگر چار رکعتیں کامل کرے تو مقتدی جو مسافر نہیں ان کی نماز اس کے

پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جبروا،

الجواب منه الصدق والصواب

امام کی آخری دو رکعتیں نفل ہیں اور مقتدی کی سررض، اقتدار المفترض خلف المتقل کے لزوم کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی، البتہ اگر مقتدی آخری دو رکعتیں اپنے طور پر پڑھیں، امام کی اقتدار ملحوظ نہ رکھیں تو ان کی نماز صحیح ہو جائے گی، لما فی شرح التنویر ولو توی الاقامة لا لتحقيقها بل ليدتم صلوة المقيمين لم يصير مقيماً وفي الشامية ر قوله لم يصير مقيماً، فلو اتم المقيمون صلواتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض بالمتفضل ظهيرية ای اذا قصدوا متابعتهم اما لو تواتروا بمفارقة ووافقه صورة فلا فساد افاده الخیر الرملی (شامیہ، جلد ۱)، فقط والله تعالى اعلم،

۲، ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

امام راتب الحق بالامامت ہے:

سوال :- مسجد میں ایک امام مقرر رہے، اتفاقاً اگر اس سے زیادہ اعلم کوئی شخص آجائے تو امامت کا حقدار کون ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

امام راتب الحق ہے لما فی شرح التنویر واعلم ان صاحب البيت ومثله امام المسجد الراتب اولى بالامامة من غيره مطلقاً وفي الشامية (قوله مطلقاً) ای وان كان غيره من الحاضرين من هو اعلم واقراء منه (ثم المختار ج ۱)، فقط والله تعالى اعلم، ۲۰، ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

غیر معذور کی اقتدار معذور سے جائز نہیں:

سوال :- غیر معذور کی نماز معذور کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التنویر فی موانع الاقتداء ولا طاهر بمعذور (ثم المختار ج ۱ ص ۵۲۲) فقط والله تعالى اعلم ۱۱، ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

رکوع و سجود پر قادر کی اقتدار عاجز سے جائز نہیں:

سوال :- رکوع اور سجود پر قادر کی نماز اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التذویر فی موانع الاقتداء وقادر علی رکوع وسجود بعاجز
عنہما (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

متوضی کی اقتدار یتیم سے جائز ہے ؟

سوال :- متوضی اقتدار یتیم کی کر سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

کر سکتا ہے، قال فی التذویر و صح اقتداء متوضی لاءاء معہ بمتیتم رد المحتار
ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

مسح کرنے والے کی امامت جائز ہے :

سوال :- عذر کی وجہ سے کسی عضو پر مسح کرنے والے کے پیچھے اعضاء کو دھونے والا نماز پڑھ سکتا

ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

پڑھ سکتا ہے، قال فی التذویر و صح اقتداء متوضی لاءاء معہ بمتیتم وغاسل بتمام
(رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے :

سوال :- قائم کی اقتدار باقاعدہ عند الخفیہ درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

درست ہے، قال فی التذویر و صح الاقتداء (الی قولہ) وقائم بقاعد،
(رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں صحابہ کرام رضوان اللہ
علیہم کو بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الردی الحجہ ۵۷۵

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے :

سوال :- امام اگر تکبیرات انتقال و تکبیر تحریم بہت آہستہ کہ تو نماز میں کچھ خلل ہو یا نہیں ؟

اور جہر کی کیا حد ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنون ہے، اس لئے اس کے ترک سے سجدہ سہو تو نہیں البتہ ترک سنت کا گناہ ہوگا، اور جہر کی حد یہ ہے کہ پوری صف اول تک آواز پہنچے قال فی شرح التنویر فی سنن الصلوٰۃ وجہر الامام بالتکبیر بقدر حاجتہ للاعلام بالدخول والانتقال وكذلك بالتسميع والسلام وفي الشامية و اشار بقوله والانتقال الى ان المراد بالتكبير هنا ما يشمل تكبير الاحرام وغيرها وبه صرح في الضياء (رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۳) وايضاً في فصل القراءة من الشامية قال في الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير ان الامام اذا قرأ في صلوٰۃ المخافتة بحيث سمع رجل او رجلان لا يكون جهرًا و الجهر ان يسمح الكل ام اى كل الصف الاول لكل المصلين بدليل ما في القهستاني عن المسعودية ان جهر الامام اسماع الصف الاول ام (الى قوله) فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافتة اسماع نفسه او من بقربه من رجل او رجلين مثلاً واعلاها مجرّد تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخي ولا تعتبر هنا في الاصح وادنى الجهر اسماع غيره ممن ليس بقربه كاهل الصف الاول واعلاها فافهم و غلنم، هذا تحرير هذا المقام فقد اضطرب فيه كثير من الافهام (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۹) فقط والله تعالى اعلم

۲ صفر ۱۲۷۶ھ

تعداد رکعات میں مقتدیوں کے اختلاف کا حکم:

سوال :- ظہر کی نماز میں مقتدیوں نے اختلاف کیا، بعض کہتے ہیں چار ہوئیں، اور بعض کہتے ہیں کہ تین، امام کس قول پر عمل کرے؟ بینوا تو جروا،

الجواب منه الصدق والصواب

قال في الهندية في آخر الفصل السابع من الباب الخامس من كتاب الصلوٰۃ :-

① لو وقع الاختلاف بين الامام والقوم فقال القوم صليت اربعاً ان كان الامام على اليقين لا يعيد الصلوٰۃ بقولهم وان لم يكن على يقين يعيد الصلوٰۃ بقولهم،

- ② ولو اختلفت القوم فقال بعضهم صلى ثلاثا وقال بعضهم صلى اربعا والامام مع احد الفريقين يؤخذ بقول الامام وان كان معه واحد كذا في الخلاصة،
- ③ واذا لم يكن مع الامام واحد واعاد الامام الصلوة واعاد القوم معه مقتدین به صح اقتدائهم به كذا في المحيط،
- ④ ولو استيقن واحد من القوم انه صلى ثلاثا واستيقن واحد انه صلى اربعا والامام والقوم في شك ليس على الامام والقوم شيء كذا في الخلاصة ولا يستحب للامام الاعادة وعلى المتيقن بالنقصان الاعادة،
- ⑤ ولو كان الامام استيقن انه صلى ثلاثا وواحد استيقن بالتمام كان عليه ان يعيد بالقوم ولا اعادة على الذي يتيقن بالتمام هكذا في المحيط،
- ⑥ ولو استيقن واحد من القوم بالنقصان وشك الامام والقوم فان كانت ذلك في الوقت اعادها احتياطاً وان لم يعيد وافلا شيء عليهم الا اذا استيقن عدلان بالنقصان واخبر بذلك كذا في الخلاصة (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۸)
- ④ وايضاً فيها في آخر الباب الثاني عشر عن الظهيرية قال محمد بن الحسن رحمه الله تعالى فاعيد بقول واحد عدل بكل حال كذا في التارغانية،
- (عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۸)
- والروایات المذکورۃ كلها مسطورة ایضاً فی رد المحتار قبیل بأصلوة المریض ج ۱ ص ۱، ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :-

- ① بہتر یہ ہے کہ بہر کیف قول واحد عدل سے اعادہ کیا جائے (لِلروایۃ السابغة)
- ② اگر بعض کو اتمام یا نقصان کا یقین ہو اور بعض کو شک ہو تو متیقن بہر حال اپنے یقین پر عمل کرے، اگرچہ مستفرد ہو، (لِلروایۃ الخامسة والرابعة والشق الاول من الاولی) اور مترددین پر عدلین کے قول سے اعادہ ہے، (لِلروایۃ السادسة والشق الآخر من الاولی) متیقن واحد کے قول سے اعادہ نہیں (لِلروایۃ السادسة) البتہ اگر امام متیقن بالنقصان ہو تو اس کے قول سے مترددین پر اعادہ ہے، اگرچہ عدل واحد اس کے خلاف کا جازم ہو (لِلروایۃ الخامسة) عدلین کے مقابلہ میں صرف امام کا قول حجت نہیں (کما هو مفہوم الروایۃ الثانية)
- ③ اگر متعدد اشخاص جازم بالنقصان ہیں اور متعدد جازم بالاتمام اور باقی متردد، تو مترددین

پر امام کا قول واجب العمل ہوگا، اگرچہ امام کے ساتھ محض سررد واحد ہو اور دوسری جانب جماعت کثیرہ،
(لِلرَوَايَةِ الثَّانِيَةِ) اگر امام خود متردد ہے تو اذا تعارضتا تساقطا کے تحت متردین پر اعادہ نہ ہوگا، طریق
میں تعدد کے بعد قلت و کثرت کا اعتبار نہیں لانه لا اعتبار لكثرة الحجة بل لقوتها،

④ اگر امام کو اتمام کا یقین تھا معہذا اس نے احتیاطاً اعادہ کیا تو مترددین اور جازمین نقصان
کی اقتداء صحیح ہے، (لِلرَوَايَةِ الثَّالِثَةِ) وجہ یہ ہے کہ امام کے خیال میں اگرچہ یہ اعادہ واجب نہیں
مگر مقتدیوں کے خیال میں واجب ہے، پس جازمین نقصان امام کی صلوٰۃ کو بھی فرض سمجھ رہے ہیں،
لہذا اقتداء درست ہے، فقط والله تعالى اعلم،
ہل تجب الاعادة على من سها خلف الامام،
۲۲ صفر ۱۳۸۴ھ

سوال :- ما قولكم رحمكم الله فيما اذا سها المقتدى خلف الامام هل
يعيد الصلوة بطريق جبر النقصان ام لا؟ بينوا بالدلائل الشافية والعبارة
الواضحة،

الجواب منه الصدق والصواب

قال في الفتح رثوله سجد وحده كان مخالفاً، اى في نفس ما يؤديه مع الامام
حكماً وان كان سجوده بعد فراغ الامام الخ رفتح القدير ج ۱ ص ۳۶۲ وقال في الشامية
تحت (قوله لا بسهوة اصلاً) لا قبل السلام للزوم مخالفة الامام ولا بعد لخروجه
من الصلوة سلام الامام (الى قوله) بل الاولى التمسك بما روى ابن عمر
رضي الله تعالى عنهما عنه صلى الله عليه وسلم ليس على من خلف الامام سهواً
(رتبيه) قال في النهي ثم مقتضى كلامهم انه يعيد هال ثبوت الكراهة مع
تعذر الجابر (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۹)

اقول مفاد عبارة الشامية ان مدار وجوب الاعادة على ثبوت الكراهة
مع تعذر الجابر وما ذكره ابن عابد بن رحمه الله تعالى في تعليل التعذر اولاً
اورد عليه اشكالا من النهي ثانياً واذن اقال بل الاولى التمسك بما روى الخ فكأنه
ما رضى بالتعليل المذكور وما تعليل ابن همام رحمه الله تعالى فاعترض عليه
ايضاً الفاضل الجلي في حاشيته على العناية فلما لم يثبت تعذر الجابر وآل
الامر الى التمسك بالنص الناقض للقياس فهدم بناء وجوب الاعادة والحدیث

ایسناد علی عدم الاعادة لانه لما ارتفع السهو عن المأموم وعفاه الشرع فلا وجه لایجاد الاعادة علیه علی ان صاحب التہرما فی بروایة من ائمة المذہب وما ذکر نصاً من المشایخ بل اخذ شیخاً من فحوی کلامہم وهو کما تری، لان سکوتہم عن وجوب الاعادة يدل علی عدمہ، فان السکوت فی معرض بیان بیان، ولن اذکرہ ابن عابد رحمہ اللہ تعالیٰ معنیاً الی النہر بحثاً فقط ولم یفت بہ کما ہود آب المحققین فانہم قد ینکرون شیخاً علی طریق البعث المحض ولا یفتون بہ، والحاصل ان الاعادة لیست بواجبة ومعہذا ان احتیاط واعاد فقد حسن فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربيع الاول ۱۲۸۷ھ

لُحْجے کی امامت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ زید کا بایاں ہاتھ بازو سے کاٹا ہوا ہے، قرآن مجید کا قاری ہے، سنت کے مطابق اُن کی ڈاڑھی بھی ہے، اور شادی شدہ ہے اور علم فقہ میں بھی ان کو واقفیت ہے، کیا اُن کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟ ضرورت کا وقت ہو یا نہ ہو نماز پڑھا سکتا ہے؟ بیّنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ اس قسم کے معذور سے طبعاً نفرت ہوتی ہے، نیز اس کے لٹے طہارت کاملہ ممکن نہیں، اس لئے دوسرے صحیح امام کی موجودگی میں اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اگر اس سے زیادہ مستحق امامت کوئی شخص موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، قال فی شرح التوہید تکرہ خلف امرہ وسفیہ ومفلوج وامرئ شاع برصہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وکن لا عرج یقوم ببعض قدمہ فالأقتداء بغيرہ أولى تأخر خانیة وکن الأجذم یرجئہ ومجبوب وحاقن ومن له مد واحدة فتاوی الصوفیة عن التعفة والظاہر ان العلّة النفرة ولذا قید البرص بالشیوع لیکون ظاہراً ولعدم امکان امثال الطہارة ایضاً فی المفلوج والاقطع والمجبوب، وفي العلائقة هذا ان وجد غیرہم والآفلاکراہة بحر بحثاً وفي الشامية رقلہ ان وجد غیرہم، ای من ہوا حق بالامامة منهم (رقلہ بحر بحثاً) قد علمت انه موافق للمنقول عن الاختیار وغیرہ

(رد المحتار، ص ۱۷۵۲۵) قال المرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ النظر وجہ عدم امکان اکمال الطہارة فی المجبور ولعلہ عدم تأتی الاستبراء فی الاستنجاء فریباً **کانت طہارة ناقصة** (التحریر المختار، ص ۱۷۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱/ صفر ۸۶ھ

امام کے سلام اول کے بعد اقتدار صحیح نہیں:

سوال :- کیا سہماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے امام کے ایک طرف سلام پھرنے کے بعد تکبیر تحریم کہہ کر اقتدار کی تو اس کی اقتدار تو صحیح نہیں ہوگی، لیکن اپنی نماز کیسے پڑھے؟ کیا پہلی تکبیر تحریم کافی ہے یا از سر نو کہی جائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی کی تکبیر تحریم ختم ہونے سے قبل اگر امام نے ایک طرف لفظ السلام کہہ لیا اگرچہ ابھی علیکم نہ کہا ہو تو اقتدار صحیح نہیں ہوتی، تکبیر تحریم دوبارہ کہہ کر نماز پڑھے، اگر دوبارہ تکبیر نہ کہے گا تو نماز نہ ہوگی، قال فی العلائیة وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیة وفی الشامیة رقلہ وتنقضی قدوة بالاول، ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوٰتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول علیکم لا یصیر دخلاً فی صلوٰتہ لان هذا سلام رد المحتار، ص ۱۷۲۳۶) وفی التوہید اذا فسد الاقتداء لا یصح شرعہ فی صلوٰة نفسه علی المذہب (رد المحتار ص ۱۷۲۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵/ ربیع الاول ۸۶ھ

مقتدی کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال :- ایک شخص تکبیر تحریم کہہ کر امام کے ساتھ اس حالت میں شریک ہوا کہ امام قعدۂ اخیر میں ہے مقتدی بیٹھنے نہیں پایا کہ امام نے سلام پھیر لیا، کیا اس کی اقتدار صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اقتدار صحیح ہوگئی، قال فی شرح التوہید وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیة (رد المحتار، ص ۱۷۲۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس سے زیادہ واضح دلیل تتمہ میں ہے)

۲/ جب ۸۶ھ

غیر مسجد میں بدن عذرا قامت جماعت بدعت ہے:

سوال :- مولانا محترم دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، نماز باجماعت و خانہ غری مسجد کے متعلق ایک عرصہ سے میری صحت کمزور ہو چکی ہے، اکثر و بیشتر کسی نہ کسی عارضہ میں مبتلا رہتا ہوں جس کی وجہ سے ضعف و پستی بہت ہی پیدا ہو گئی ہے، گرمی و سردی کا بھی تحمل نہیں، اور اکثر در تک چلنے سے تکان بھی ہو جاتا ہے، مسجد میرے مکان سے تقریباً دو یا ڈیڑھ فرلانگ ضرور ہے، جب تک قوت تھی مسجد چلا جاتا تھا، اب مذکور بالا عذر سے قاصر رہتا ہوں، اور گھر ہی پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اگر ایک شخص بھی مل جاتا ہے تو جماعت کر لیتا ہوں یا ان لوگوں کو (اگر مل گئے تو) شریک کر لیتا ہوں جو مسجد کے عادی نہیں اور اوقات نماز کے بھی پابند نہیں، یا محلہ کے لوگ از خود آ جاتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو پابندی سے نہیں آتے، بلکہ محض اتفاق سے یا وقت کی تنگی کی وجہ سے آ جاتے ہیں، اگر ان کو میرے ساتھ جماعت نہیں ملتی، تو از خود نماز فرداً فرداً پڑھ کر چلے جاتے ہیں،

یا بس اسٹاپ نزدیک ہونے کی وجہ سے کوئی مسافر نماز کے وقت آ کر شریک ہو جاتا ہے، یہ بات اکثر عصر، مغرب و عشاء میں ہوتی ہے،

معمولاً روزانہ عصر اور مغرب کے درمیان کچھ دین کی باتوں کے لئے چند احباب مجتمع ہو جاتے ہیں عصر کی نماز اور مغرب کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں،

جمعہ کے روز اسی عصر و مغرب کے درمیان کچھ اجتماع کثیر ہو جاتا ہے، عصر و مغرب کی نماز جماعت سے ہوتی ہے، یہ لوگ جو جمع ہوتے ہیں اکثر دفاتر میں کام کرنے والے یا تاجر ہوتے ہیں، اور دور کے محلوں سے آتے ہیں، جو خود نہ تو اوقات نماز کے پابند ہوتے ہیں اور نہ مسجد جانے کے عادی ہیں، اور ہمارے محلہ کے بھی نہیں ہوتے، الا ماشاء اللہ،

میں نے بار بار اعلان کر دیا کہ یہاں آنے والے اصحاب عصر کی نماز مسجد میں پڑھ کر آیا کریں اور مغرب کی نماز کے لئے پانچ منٹ پہلے اٹھ کر چلے جایا کریں، چنانچہ اہل محلہ اور چند ایسے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، باقی جو رہ جاتے ہیں ان کی جماعت ہو جاتی ہے، باقی رہ جانے والوں میں بھی چند احباب یہی صنعت اور کسی دوسرے عذر کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں،

امور مذکورہ بالا میں ہر جزء کے متعلق شرعی جواز و عدم جواز سے مطلع فرمائیں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائیں،

الجواب باسم ملهم الصواب

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لقد رأينا وما يختلف عن الصلوة الا منافق قد علم نفاقه او مريض ان كان المريض لم يشي بين رجلين حتى يأتي الصلوة وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وان من سنن الهدى لصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه الحديث روى له مسلم وفي الشامية ان من هلك اماما انحلوا في انه بذلك ريان يجمع باهله في بيته لا ينال ثواب الجماعة وانه يكون بدعة ومكرها بلا عذر (الى قوله) وسيأتى في الامامة ان الاصح لو اجمع باهله لا يكره وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المساجد افضل روى المعترض (۳۶) ثم نقل في باب الامامة عن القنية اخلف العلماء في اقامتها في البيت والاهل اقامتها في المسجد الا في الفضلية روى المعترض (۱۱) وفيها ايضا قوله ولو فاتته ندب طلبها ولا يجب عليه الطلب المساجد بلا خلا بين اصحابنا بل ان الى مسجد الجماعة اخر فحسن ان صلى في مسجد حرمه منفردا فحسن وذكر القدرى يجمع باهله ويصلي بهم يعني ينال ثواب الجماعة كذا في الفتح واعتراض الشنبلاني بان هذا ينافي وجوب الجماعة واجاب بان الوجوب عند عدم الحرج وفي تتبعهما في الاماكن القاصية حرج لا يخفى (والمعترض ۵۱) روي بالامعوم هو ان غير معذور في جماعت مسجد من حاضري ضروري في محله من مسجد هو في بلا عذر في غير جماعت كراية جماعت كاثوابا ليس ملے گا، بلکہ یہ فعل بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، بالخصوص اس کی عادت بنالینے میں کراہت شدید ہے، البتہ مسجد کے لیے جماعت کسی عذر رفوت ہو گئی تو گھر میں ادا کرنے سے بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی

بظاہر شامیہ کی عبارت و سیاتی فی الامامة ان الاصح الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا عذر گھر پر جماعت کرنے کا جواز مختلف ہے اور علی الاصح جائز ہے، مگر یہ صحیح نہیں اس لیے کہ شامیہ بالامامة میں بحوالہ فتح منقول جزئیہ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کا جواز اس وقت جبکہ مسجد محله میں جماعت کسی عذر کی وجہ رفوت ہو گئی ہو، لہذا قنیہ کا جزئیہ اختلاف العلماء فی اقامتها فی البيت الخ بھی اسی پر محمول ہوگا نیز قنیہ کے جزئیہ کا سیاق بتاتا ہے کہ یہاں اقامت جماعت کی شرائط کا بیان ہے اور مقصود یہ ہے کہ علی الاصح اقامت جماعت کے لیے مسجد بدو شرط نہیں پس اس سے بلا عذر غیر مسجد میں جماعت کا جواز بلا کراہت ثابت نہ ہوا، اگر غیر ضروری کے لیے مسجد جماعت کا جواز تسلیم کر لیا جائے تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعذار ترک جماعت کی جو تفصیل بیان فرمائی ہو وہ سب بیکار ہو جاتی ہے، بالفرض اس جزئیہ کی دلالت علی الجواز بلا عذر تسلیم بھی کر لی جائے تو اس سے دوام اور عادت بنالینے کا جواز ہرگز نہیں نکلتا، غیر مسجد میں اقامت جماعت کی کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مساجد کی ویران کا باعث ہے، قرون مشہود لہا بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلاف امت میں غیر مساجد میں بدو عذر اقامت جماعت بالخصوص علی سبیل العادة کی کوئی نظیر نہیں ملتی، صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت مذکورہ میں گذرا، صحیح بخاری میں روایت

ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ کسی کو امامت کا حکم دے کر خود ایسے لوگوں کی طرف تشریف لے جائیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، اور ان کو ان کے گھروں میں بند کر کے گھروں کو جلا ڈالیں، اگر غیر مسجد میں اقامت جماعت معروہ ہوتی تو کیا ان متخلفین کے لئے یہ عذر قبول نہ ہوتا کہ انہوں نے گھر میں جماعت کر لی ہے،

غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسلاف امت کے تعامل و عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں، یہ تو عام کلیتہ تھا، آگے خصوصیت سوال سے متعلق چند امور تحریر کئے جاتے ہیں:-

① مجلس میں شریک ہونے والے لوگوں کو صلوٰۃ فی المسجد کی صرف ترغیب دینا یا اس کی فضیلت بتا دینا کافی نہیں، بلکہ مسئلہ کی پوری حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے، کہ غیر معذور کے لئے مسجد میں جانا ضروری اور غیر مسجد میں نماز پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، بلکہ اپنے خاص لوگوں کو جن پر جبر کرنے کا شریعت نے نہ صرف اختیار دیا ہے بلکہ امر فرمایا ہے، جماعت مسجد میں شمول کا حکم دیا جائے،

② معذورین کی جماعت کھلے مقام پر ہونے کی بجائے کہیں مخفی جگہ پر ہونا چاہئے، کھلے مقام پر معذورین کی جماعت سے مندرجہ ذیل قباحتیں پیدا ہوتی ہیں:-

① اس میں بہت سے غیر معذور بھی سستی یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے شریک ہو جاتے ہیں، جو ان کے لئے جائز نہیں، ان کے اس گناہ کا سبب یہ معذورین کی جماعت بن ہی ہو

② لوگ اس فعل عادی کو جواز جماعت فی غیر المسجد بلا عذر پر دلیل اور سند بنائیں گے، خصوصاً جب کہ ایک مقتدی کا فعل ہے، عوام کو سند اور حجت چاہئے، اس تفصیل کو کوئی نہیں سوچتا کہ یہ فعل عذر سے ہو رہا ہے یا کہ بلا عذر، پس اس عادی اور دائمی فعل کی وجہ سے جتنے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ناجائز کام کریں گے ان کے گناہ کا سبب یہ فعل بنا، اور عوام کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب پیدا کرنا خود گناہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجب ۱۴۲۸ھ

جواب دارالعلوم، ٹنڈوالہار:-

حامد آدمی و مسلمان، حسب تصریح فقہاء بعض عذر مسقط وجوب حضور جماعت

۱۸ ہیں، جن میں سے مرض اور سخت سردی اور سخت گرمی یعنی جس سے حضرت کے لحوق کا اندیشہ ہو

اور شیخوخۃ ای اذا صار شیخاً کبیراً لا یتطیع المشی یعنی ایسا بڑھا پا کہ چل نہ سکتا ہو، اس کے علاوہ اور بھی مختلف قسم کے اعذار ہیں، جو بینات تک پہنچ جاتے ہیں، جن کی تفصیل علامہ شامی نے ج ۱ ص ۲۱۰ پر ذکر کی ہے، اور مرقا الفلاح میں ص ۱ پر موجود ہے، تمام اعذار کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اعذار مذکورہ میں سے بعض عذر تو ایسے ہیں جو عامۃ دائم ہو جاتے ہیں، جیسے شیخوخۃ اس درجہ کی ہو جانا کہ چلنا دشوار ہو جائے، تو اس کے لئے یہی حکم ہے کہ گھر پر نماز پڑھتا رہے، اور جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو جماعت میں شریک کر لیا کرے جو جماعت میں نہیں جلتے، تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہے، اور دوسرے اعذار مثل سردی گرمی اور مرض کے ان کی حالت یکساں نہیں، ان میں کمی زیادتی اور وجود عدم کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے، لہذا جب یہ اعذار نہ رہیں یا اتنے کم ہو جائیں کہ مسجد جانے سے لحوق ضرر نہ ہو تب مسجد جانا واجب ہوگا، لہذا صورت مسئلہ میں جس زمانہ یا جن اوقات میں لحوق ضرر ہو حضور مسجد کے ترک میں مضائقہ نہیں، مگر طبیعت میں بشاشت ہونے اور ضرر کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد جانے کا حکم ہے نہیں کسی وقت بغیر کاوش کے سواری کا انتظام ہو تو مسجد ہی جانا چاہئے، حضور مسجد کے ترک، کو کلیۃ اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ بعض اوقات طبیعت کی بشاشت یا سواری کے انتظام کی وجہ سے جلنے میں دشواری نہیں ہوتی، نیز دوسرے لوگ عملاً اس چیز کو سمجھ لیں کہ اصل حکم حضور مسجد ہی کا ہے، اور مسجد میں نہ آنا عذر کی وجہ سے ہے،

نیز لوگوں کو غلط فہمی سے نکلنے کے لئے بعض امور اختیار کئے جائیں، ایک یہ کہ اس جگہ پر جو نماز کے لئے بنا رکھی ہے یہ اعلان لگا دیا جائے کہ جو لوگ مسجد جاسکتے ہیں ان پر مسجد جانا لازم ہے، زائد ثواب مسجد ہی میں ہے، معذورین مستثنیٰ ہیں،

دوسرے یہ کہ جس دن جمع زیادہ ہوا کرے زبانی اعلان بھی کر دیا جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے سب مسجد نماز کے لئے چلیں، کیونکہ کوئی نہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے جس کو پہلے اعلان کا پتہ نہیں ہوتا نیز جو اپنے زیر اثر ہوں ان کو مسجد جانے کا حکم فرمایا جائے، اور اتنے وقت پہلے اعلان کیا جائے کہ مسجد میں وقت پر پہنچ جائیں تکبیر اولیٰ مل جائے،

اور گھر پر بحالت عذر جو جماعت کی جائے اس میں صاحب عذر کے شریک ہونے میں مضائقہ نہیں اور غیر معذورین کو مسجد جانے کی تلقین کی جائے، لیکن کسی حنا ص مجبوری یا سستی کی وجہ سے پھر بھی شریک ہوں اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، اور محلہ والے اور غیر محلہ والے حکم میں برابر ہیں کہ

معذورین کے لئے رخصت ہے، اور غیر معذورین سے حضور مطلوب ہے، اور اہل دفاتر کا پابند جماعت نہ ہونا مسقط حضور جماعت نہیں، اور اس کے جواب دہ وہ خود ہوں گے اور تنہا نماز پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ اسی جماعت میں شریک ہو جائیں، اس میں مسئلہ صورتوں کے جواب ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب

کنہ محمد وجیہ غفرلہ

دارالعلوم ٹنڈوالہار ضلع حیدرآباد

ظفر احمد عثمانی عفاعنہ ۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ

امام کی نماز میں کراہت کے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی:

سوال :- امام کی نماز مکروہ ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے، اس لئے امام کی نماز میں کراہت واقع ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

امام کو جس حالت میں پائے شریک ہو جائے:

سوال :- زید ایسے وقت آیا کہ جماعت نظر ہو رہی تھی، زید وضو کر کے فارغ ہوا تو امام سجدہ میں

تھا، تو کیا زید کو بجائے تحریم کہہ کر سجدہ میں ہی ملنا واجب ہے، یا قیام کا انتظار کرے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا چاہئے، یہ صرف سجدہ ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ امام جس حالت میں بھی ہو اسی میں شامل ہو جائے، بلا وجہ تاخیر گناہ ہے، عن علی و معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالَا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اثنی احدکم الصلوة والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام، رواہ الترمذی، وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اجئتم الی الصلوة ونحن سجد فاسجدوا ولا تعدوا شیئاً الحدیث (رواہ ابی داؤد) وفي العلانیۃ ولو ادرکہ رکعاً او ساجداً ان اکبر رأیہ انه یدرکہ اتی بہ ای بالتشاء، وفي الشامیۃ (قوله او ساجداً) ای السجدة الاولى کما فی المنیۃ و اشار بالقتید رکعاً او ساجداً الی انه لو ادرکہ فی احدی القعدتین فالاولی ان لا یتثنی لتحصل فضیلة زیادة المشاركة فی القعود و کذا لو ادرکہ فی السجدة الثانیۃ و تمامہ فی شرح المنیۃ (رح المختار) جلد ۱ صفحہ ۲۵۶)۔

۲۶ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

خنثی کی امامت صحیح نہیں:

سوال :- بھڑے کی امامت درست ہے یا نہیں، اور نماز مقتدیوں کی ہرگی یا نہیں جبکہ یہ بھڑا متبع شریعت ہو اور نمازی و دیندار ہو اور ڈاڑھی بھی شریعت کے موافق ہو، بینوا تو جبراً

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس خنثی میں مرد کی علامات زیادہ ہیں تو اس کی امامت صحیح ہے، اور اگر زنانہ علامات زیادہ ہوں یا دونوں علامات برابر ہوں تو اس کی امامت صحیح نہیں، بلکہ اپنے بجنس کا بھی امام نہیں بن سکتا، البتہ اس سے عورتوں کی اقتدار درست ہے، قال فی الدرر ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وخنثی وضبی مطلقاً ولو فی جنازة ونفل علی الاصح وفي الشامية ردہ ولا یصح اقتداء الخ، والخنثی البالغ تصح امامته لانثی مطلقاً فقط لا للرجل ولا لثله لاحتمال انوثته وذکوة المقتدی، ویصح اقتدائه بالرجل لا بثلثه ولا بانثی مطلقاً لاحتمال ذکورتہ الخ (رد المحتار، ص ۱۳۵۲) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رذی الحجہ ۱۲۸۶ھ

خنثی کا مقام بچوں کی صف کے پیچھے ہے:

سوال :- بھڑے کی امامت جائز نہیں تو اس کا صف اول میں کھڑا ہونا کہاں ہے؟ بینوا تو جبراً،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خنثی میں مردانہ علامات زیادہ ہوں تو صف اول میں کھڑا ہو سکتا ہے، اور اگر زنانہ علامات زیادہ ہوں تو عورتوں کی صف میں کھڑا ہوگا، اگر دونوں علامات برابر ہوں تو اس کا مقام بچوں اور عورتوں کی صف کے درمیان ہے یعنی بچوں کے پیچھے اور عورتوں سے آگے، قال فی التشریفیقت، بین صف الرجال والنساء وفي الشامية اذ لو وقف مع الرجال احتمل انه انثی او مع النساء احتمل انه رجل (رد المحتار، ص ۵۱۴ ج ۵) وفي التنبیہ ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخنثی ثم النساء، (رد المحتار، ص ۵۳۲ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۹ رذی الحجہ ۱۲۸۶ھ

رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کا حکم:

سوال :- اگر مقتدی نماز کی کسی حرکت میں امام سے سبقت کر جائے یعنی رکوع یا سجود وغیرہما کسی ایک حرکت میں امام سے پہل کر جائے تو نماز جاتی رہے گی یا کہ نہیں؟ بینوا تو جبراً،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام رکوع یا سجود میں مقتدی کو پہنچ گیا تو نماز ہو جائے گی، لیکن امام سے سبقت کرنا مکروہ ہے۔
 اذر اگر لوٹ کر امام کو قیام میں پاسکتا ہو تو قیام کی طرف عود واجب ہے، قال فی الشامیۃ الخامس
 ان یأتی بہما قبلہ وید رکعہ الامام فیہما وھو جائز لکنہ یکرہ (رح المحتار ج ۱ ص ۲۵۶)
 وفی العلائیۃ لو رفع الامام رأسہ من الركوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسلیمات
 الثلاث وجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقولہ
 وکذا عکسہ) وھو ان یرفع المأموم رأسہ من الركوع او السجود قبل ان یتم الامام
 التسلیحات (رقولہ فیعود) ای المقتدی لوجوب متابعتہ لامامہ فی اکمال الركوع
 وکراہۃ مسابقتہ لہ فلو لم یجد ارتکب کراہۃ التحریم (رح المحتار ص ۲۶۲ ج ۱)
 فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 ۱۲ صفر ۱۳۸۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- شامیہ میں تحریر ہے کہ اگر کسی نے رکوع اور سجدہ دونوں امام سے پہلے کر لئے تو وہ
 ایک رکعت قضا کرے، اور اگر صرف رکوع امام سے پہلے کیا تو چاروں رکعتیں قضا کرے، حالانکہ
 پہلی صورت میں جو وجہ تحریر کی گئی ہے اس صورت میں بھی بعینہ وہی وجہ موجود ہے، اس لئے اس
 میں بھی ایک ہی رکعت کی قضا لازم ہونا چاہئے، شامیہ میں یہ مقام ملاحظہ فرما کر دونوں میں
 ماہ الفرق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں دررکعتیں قضا کرے، قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ
 فیما ذکرہ من توجیہ الزامہ بركة نظر وذلك انه فی الاولى لم یعتبر رکوعہا
 ولا سجودہا لکنہما قبل الامام و یعتبر قیامہما لکنہما معہ، فکأنہ لم یأت بہما
 فیلتحققان من الثانیۃ بہما ویلغو قیام الثانیۃ لکونہ حصل قبل اتمام الاولى فبقی
 علیہ الثانیۃ ثم قیامہ فی الثالثۃ معتبر لانہ مع الامام والركوع والسجود لا یعتبران
 لانہما قبلہ فینتقلان من الرابعۃ الیہما ویلغو قیام الرابعۃ لحصولہ قبل تمام الثانیۃ

بقی علیہ الاربعة ایضاً فیلزمہ رکعتان نظیر ما قبل فی الوجه الثالث، ایضاً اذ لزمہ رکعتان لو سجد قبلہ فقط لزمته فیما لو سجد و رکع قبلہ بالاولیٰ وہ اذکرہ من التوجیہ هو المذکور فی الخانیة ثم توجیہ الوجه الرابع محل نظر و تأمل و ذلك انه حیث لغار کوع وسجود الاولیٰ ینبغی ان یلتحقا من الثانية بها ویبطل قیام الثانية لوقوعه عقب قیام الاولیٰ فتلزمہ الثانية ثم اذا قام الی الثالثة مع الامام کان قیامہ معتبراً ویلغو رکوعها وسجودها ثم اذا اتی بالاربعة التحق رکوعها وسجودها بالثالثة ویبطل قیامها و حیث ینبغی ان یلزمہ الثانية والاربعة حسب ما قبل فی الوجه الثالث (التحریر المختار، ص ۱۷۷)

یہ حکم اس حالت میں ہے کہ چاروں رکعات میرا امام سے تقدم کیا ہو، اگر صرف پہلی رکعت میں تقدم کیا تو دونوں صورتوں میں ایک رکعت قضا کرے گا، نیز فراغ امام کے بعد قضا کا حکم جب ہو کہ بروقت غلطی پر تنبہ نہ ہو، ورنہ حکم یہ ہے کہ رکن متروک پہلے ادا کر کے پھر باقی نماز میں امام کا اتباع کرے، اگر عمداً اس کے خلاف کیا تو بھی نماز ہو جائے گی مگر گنہگار ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
، رذی قعدہ ۹۸ھ

مقتدی قعدہ اولیٰ میں کھڑا ہو گیا،

سوال :- اگر امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھ جائے اور مقتدی اچانک کھڑا ہو جائے، اس سے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی پر قعدہ کی طرف لوٹنا واجب ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی الفتح والبحر وغیرہما من باب سجود السہوان المؤتم لوقام ساھیان فی القعدۃ الاولیٰ یعود ویقع لان القعود فرض علیہ بحکم المتابعة (الی قولہ) اقول الذی ینظر انہم ارادوا بالفرض الواجب (رح المختار ص ۲۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

۱۳ صفر ۸۷ھ

عرصہ دراز تک امامت کے بعد اصرار کفر؛

سوال :- ایک شخص مدت مدید تک امامت کرتا رہا، اب وہ خود اپنے کفر کا اصرار کرتا ہو اور کہتا ہے کہ وہ حالت کفر میں نماز پڑھتا رہا ہے، کیا مقتدیوں پر اس مدت مدیدہ کی نمازوں کا اعادہ

واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب، باسم ملہم الصواب،

اگر اس کے کفر پر سوائے اقرار کے اور کوئی دلیل نہیں تو اس کو وقت اقرار سے مرتد قرار دیا جائیگا، گزشتہ زمانہ میں اس کی اقتدار میں پڑھی گئی نمازیں درست ہیں، قال فی شرح التتویر ولو زعم انه کافر لم یقبل منه لان الصلوة دلیل الاسلام واجبر علیہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ لان الصلوة دلیل الاسلام، ای دلیل علیٰ انہ کان مسلماً وانہ کذب بقولہ انہ صلی بہم وهو کافر وکان ذلک الکلام منہ ردة فیجبر علی الاسلام، (رد المحتار ص ۱۷۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غزہ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ

عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ امام کافر ہے:

سوال :- ایک شخص عرصہ دراز تک امامت کرتا رہا، اب قرائن سے پتہ چلا کہ وہ کافر ہے، مگر خود وہ شخص کافر ہونے کا اقرار نہیں کرتا بلکہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے، مگر لوگوں کو اس کے قول پر اعتماد نہیں، بلکہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ خود اپنے آپ کو جو مسلمان ظاہر کرتا ہے وہ نفاق کی وجہ سے ہے، تو کیا جتنی نمازیں اس کی اقتدار میں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شواہد و قرائن سے اس کے کفر کا ظن غالب ہو جائے تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ فرض ہے، قال فی شرح التتویر واذ اظهرت حدیث امامہ وکذا اکل مفسد فی رأی مقتدی بطلت فیلزم اعادتها و فی الشامیة رقلہ وکذا اکل مفسد فی رأی مقتدی اشار الی ان الحدیث لیس بقید فلو قال المصنف کما فی النہی ولو ظہر ان امامہ ما یمنع صحتہ الصلوة لکان اولیٰ لیشمل ما لو اخل بشرط او کن والی ان العبرة برأی المقتدی حتی لو علم من امامہ ما یعتقد انہ مانع والا ما خلا فہ اعاد، رقلہ بطلت) ای تبیین انہا لم تنعقد ان کان الحدیث سابقاً الخ (رقلہ فیلزم اعادتها) المراد بالاعادة الاتیان بالفرض بقریۃ قوله بطلت لا المصطلح علیہا وہی الاتیان بمثل المؤدی لخلل غیر الفساد (رد المحتار ص ۱۷۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ

بچوں کو بالغین کی صف میں کھڑا کرنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: بالغ لڑکے بالغین کے ساتھ نماز میں ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں اور کیا وہ بالغ لڑکے جو سمجھدار ہوں یعنی اوقات نماز، تعداد رکعات، کیفیات اور نماز وغیرہ جانتے ہوں تو ان کا الگ حکم ہے یا یہ کہ سب کے لئے ایک حکم ہے، نیز یہ کہ صف اول ثانی اور ثالث میں بھی کوئی فرق ہے یا سب صفوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا صحیح ہے، واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا چاہئے، کیونکہ دریا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں، قال العلامة الرافی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ذكره في البحر بحثا) قال الرحمتی ربما يتعين في زماننا ادخال الصبيان في صفوف الرجال لان المعهود منهم اذا اجتمع صبيان فاكثر تبطل صلوٰۃ بعضهم ببعض وربما تعدى ضررهم الى انسداد صلوٰۃ الرجال انتہی (التحریر المختار ص ۳۶)۔ چونکہ یہ قول مطلق ہے، لہذا صف اول، ثانی اور ثالث میں کوئی فرق نہیں، یہ حکم ان بچوں سے متعلق ہے جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہوں، زیادہ چھوٹے بچوں کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا مکروہ ہے، بلکہ مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

مقتدی کے لقمہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد پڑھنے قد مات جوزبہ الصلوٰۃ کے قراءت میں بھول جائے اور رکوع بھی نہیں کرتا اور انتقال الی ایۃ اخری بھی نہیں کرتا، بلکہ بار بار اسی کو دہراتا ہی رہا اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بھی نہیں آیا، اس لئے مقتدی نے بھی بار بار لقمہ دیا، کیا نماز فاسد تو نہیں ہوتی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ امام کو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مقتدی کو بھی لقمہ دینا

میں جلدی کرنا مکروہ ہے، کما فی الدرب بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقاً الفاتحہ
واخذ بكل حال اہم فی الحاشیۃ ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز به الصلوة ام لا،
انتقل الی آیۃ اخرى ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح، نعم، وبعد اسطور رتقہ (یکوہ
ان یفتح من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل یتنقل الی آیۃ اخرى لا یلزم من
وصلہا ما یفسد الصلوة او الی سورۃ اخرى او یرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم بہ الزیلعی
وغیرہ فی روایۃ قدر المستحب کما رجحہ الکمال بانہ الظاہر من الدلیل واقرہ فی
البحر والنہر ونارعه فی شرح المنیۃ ورجح قدر الواجب لشدة تاکدہ (رد المحتار ص ۵۸۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ

مقتدی کے تشہد یاد رُود سے فراغت سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال:- امام نے سلام پھیر دیا، اور مقتدی کا تشہد پورا نہیں ہوا، تو کیا مقتدی تشہد
پورا کر کے سلام پھیرے یا امام کے ساتھ؟ اور اگر مقتدی نے تشہد و رُود پڑھ کے سلام پھیرا تو اس
مقتدی کی نماز میں کراہت تو نہیں آئے گی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدی پر تشہد پورا کرنا اور رُود چھوڑ کر امام کا اتباع کرنا واجب ہے،
تشہد سے فارغ ہو کر سلام پھیرے و رُود نہ پڑھے، تشہد کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح رُود
میں مشغول ہو کر سلام میں تاخیر کرنا یا رکوع و سجود کی تسبیحات پوری کرنے کے لئے امام سے پیچھے رہنا مکروہ تحریمی
ہے، قال فی شرح التنبیہ واعلم انہ ما یبتنی علی لزوم المتابعۃ فی الارکان انہ لورفع الامام رأسہ
من الركوع أو السجود قبل ان یتیم المأمور التبیحاً الثلاث فجب متابعہ وکذا عکسہ فیعود ولا یصیر
ذلک رکوعین بخلاف سلامہ او قیامہ لثالثۃ قبل اتساع المؤتم التشہد فانہ لا یتابعہ بل
یتیمہ لوجوبہ ولولم یتیم جاز ولو سلموا المؤتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنة والناس
عنه غافلون، وفي الشامیۃ (قوله ولولم یتیم جاز) ای صح مع کراہۃ التعریم کما افادہ (رد
قوله فی ادعیۃ التشہد) یشمل الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبہ صرح فی
شرح المنیۃ، (رد المحتار ص ۱۳۰۲۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ

شافعی اور اہلحدیث کی امامت:

سوال: جنفی مسلک کے لئے نماز اہل حدیث یا شافعی امام کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ امام نماز کے ارکان و شرائط میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے، اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کی اقتداء مکروہ ہے، آجکل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی، بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے، اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لئے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، مگر بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، قال فی العلانیۃ عن البحران یتقن المراعاة لمیکوہ اوعد مہالم یصح وان شک کرہ (رد المحتار، ص ۵۲۶ ج ۱)۔ یہ تفصیل اس وقت ہی کہ یہ امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے، اور سب سلف کرتا ہے تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ

ملازم کے لئے ترک جماعت جائز نہیں:

سوال:۔ زید مزدور ہے، باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جاتا ہے تو افسر لوگ کہتے ہیں کہ کام کے وقت نماز پڑھنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اس سے مالک کو نقصان ہوتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

افسر کے کہنے سے جماعت چھوڑنا جائز نہیں، ایسا افسر سخت گنہگار ہے، جہاں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہو اس ملازمت کو چھوڑنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ صفر ۱۳۹۲ھ

مریض ریح کے لئے ترک جماعت جائز ہے:

سوال:۔ ایک شخص ریح کی تکلیف کا مریض ہے، اس کا یہ غالب گمان ہے کہ اگر جماعت سے نماز ادا کرنے گیا تو جماعت ہی میں ریح خارج ہو جائے گی، تو ایسی صورت میں جماعت اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اگر وہ گھر پر نماز ادا کر لے تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس حالت میں ترک جماعت کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ اکیلا پڑھنے سے بھی جماعت کا ثواب ملے گا، قال فی الشامیة معنی یا الی نور الایضاح واذا انقطع عن الجماعة لعذر من اعذارها وكانت نیتہ حضورها لولا العذر یحصل به ثوابها والظاهر ان المراد به العذر المانع كالمرض والشيخوخة والفالج بخلاف نحو المطر والطين والبرد والعی تأمل (نرد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۲۰ جمادی الآخرہ ۱۲۹۲ھ

جماعت مسجد میں عورتوں کی شرکت مکروہ تحریمی ہے:

سوال: عورتوں کو جمعہ یا عیدین باجماعت یا پنجوقتہ نماز باجماعت مسجد کے اندر مرد امام کے پیچھے مسجد کے اوپر یا کہیں پر فے کے اندر یا مدرسہ میں جو مسجد سے ملحق ہو اس میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، قال فی شرح التنویر ویکرہ حضورہن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجزاً لیل علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان، (رد المحتار ص ۵۲۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۵ رجب ۱۲۹۲ھ

پیشاب یا خانہ یا بھوک کی شدت کی وجہ سے ترک جماعت:

سوال: نماز کی جماعت کھڑی ہو اور بھوک کی بھی شدت ہو، کھانا بھی بالکل تیار ہو، یا خانہ پیشاب کی حاجت ہو تو کسے مقدم کیا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

صورت مسئلہ میں کھانا اور پیشاب و یا خانہ کی حاجت کو مقدم کیا جائے قال فی الدر فلا تعجب علی مریض (الی قولہ) او مدافعة أحد الاخبتين وارادة سفر قیامہ بمریض وحضور طعام تنوقه نفسه ذكره الحدادی الخ (رد المحتار ص ۵۲۰ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۳ زیععدہ ۱۲۹۲ھ

صرف نامحرم عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے؛

سوال :- زید صرف عورتوں کی امامت کرتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن پھر بھی فسادِ زمانہ کی وجہ سے احتیاط ضروری ہے، قال فی الدرر دیکرہ حضورہن العمامۃ ولو جمعة و عید و وعظ مطلقاً ولو عجز الیلا علی المذنب المفق بہ لفساد الزمان (راقی) کما تکرہ امامۃ الرجل لہن فی بیت لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم عنہ کاختہ او زوجتہ او امتہ اما اذا کان معہن واحد من ذکر او امہن فی المسجد لا یکرہ، (مختار، ص ۵۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ محرم ۱۳۸۸ھ

اذان کے بعد مسجد میں اکیلے نماز پڑھ کر چلے جانا؛

سوال :- کسی کام کی جلدی مثلاً سفر یا اور کسی ضروری کام کی وجہ سے اذان کے بعد مسجد کے اندر اپنی نماز پڑھ کر چلے آنا اور جماعت ترک کرنا جبکہ جماعت میں دیر ہو، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتد بہ حرج ہو تو ترک جماعت جائز ہے، قال فی التنبیہ فتن او تعجب علی الرجال العقلاء المبالغین الاحرار القادرین علی الصلوۃ بالجماعۃ من غیر حرج (مختار، ص ۵۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

۱۵ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ

مسجد دور ہونے کی وجہ سے ترک جماعت؛

سوال :- زید کا گھر مسجد سے دور ہے، تیز چلنے والے کے لئے پندرہ منٹ کا سفر ہی، پنجگانہ نماز یا جماعت پڑھنے سے بہت سے ضروری کام رہ جاتے ہیں، اور سردی بھی بہت سخت ہے، تو اس صورت میں زید پنجگانہ نماز یا جماعت پڑھنے میں کوتاہی کرے تو گنہگار تو نہ ہوگا باعذر یا بلاعذر؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ پندرہ منٹ میں تیز چلنے والا شخص ایک میل طے کرتا ہے اور پانی ایک میل دور ہو تو وضو کے لئے وہاں تک جانا ضروری نہیں، تیمم کرنا درست ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ایک میل کے طے کرنے میں حرج ہے، اور حرج مسقط جماعت ہے، قال فی التنویر فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج، (رد المحتار ص ۱۴۵۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۹ رذیقہ ۸۷

سوال مثل بالا:

سوال:- گھر سے مسجد کتنے فاصلہ پر ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہوگا، اگر سواری ہے تو کیا اس سے فرق پڑے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عام شہروں اور قصبات میں بالعموم محلہ کی جو مقدار ہوتی ہے اگر مسجد اس مقدار سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو وہاں جماعت کے لئے جانا واجب نہیں، سواری کا وجود و عدم برابر ہے، قال فی العلائق فتسن او تجب ثمرته تظهر فی الاثم بترکها مرة علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولو فاتتہ ندب طلبہا) فلا یجب علیہ الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجد للجماعة اخر فحسن وان صلی فی مسجد حیث منفرداً فحسن، وذكر القدری یجمع اہلہ ویصلی بہم یعنی وینال ثواب الجماعة کذا فی الفتح، واعترض الشرنبلالی بان ہذا ینافی وجوب الجماعة واجاب بان الوجوب عند عدم الحرج وفي تتبعہما فی الاماکن القاصیة حرج لا یخفی (رد المحتار ص ۱۴۵۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ

نہضتی کی امامت:

سوال:- جس شخص کو جبراً نہضتی کیا گیا ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

خفی سے طبعاً قدرے انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اس سے زیادہ مستحق امامت موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، کما قالوا فی المجرب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۹۔ جمادی الآخرہ ۱۳۸۸ھ

امام سنتیں ادا کرنے سے قبل نماز پڑھا سکتا ہے:

سوال :- ظہر کی جماعت کا وقت ہو گیا، گھنٹہ کے اعتبار سے تو امام کو پہلے سنت ظہر ادا کرنا چاہئے یا جماعت کرائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام پر وقت متعین کی رعایت رکھنا لازم ہے، اس لئے وقت جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے، اگر کبھی کسی عذر سے تاخیر ہو گئی تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو سنتیں ادا کرنے کا موقع دیں، اگر ایسا نہیں کیا گیا اور بدون سنتیں ادا کئے نماز پڑھا دی تو درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۵۔ رذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

امام کا اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا:

سوال :- ایک مسجد تین منزله ہو، بیچ کی منزل میں امام کھڑا ہوتا ہے، تو نیچے کی منزل میں اور اوپر کی منزل میں مقتدی رہتے ہیں تو کیا نیچے کی منزل کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ طریقہ مذکورہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اقتدار صحیح ہو جائے گی، مگر امام کو نچلی منزل میں کھڑا ہونا چاہئے، بالائی منزل پر بلا ضرورت کھڑا نہ ہو، مسجد کی اصل وضع اور امامت کے متوارث تعامل کے خلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۱۔ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

مسجد کی بالائی منزل میں جماعت کرنا:

سوال :- ایک مسجد دو منزله ہے، نچلی منزل میں جاس ہوتا ہے، اس لئے گرمیوں میں اگر بالائی منزل میں جماعت کر لی جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب سلام ملهم الصواب

اگر مسجد کے اوپر مستقل سقف منزل نہ ہو تو ایسی حالتیں ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا اور جس وغیرہ کی وجہ سے چھت پر منفرد نماز پڑھنا یا جماعت کرنا مکروہ ہے، البتہ مسجد کے اندر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ مقتدیوں کا مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں، قال فی الھندویۃ فی الباب الخامس من کتاب الکراہیۃ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولہذا اذا اشتد الحر بکیرہ ان یصلوا بالجماعة فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۲۲ ج ۵)

صورت مسئلہ اس سے کچھ مختلف ہے، اس لئے کہ اس میں مسجد کی بالائی منزل مسقف ہے، اور نماز کی نیت سے بنائی گئی ہے، لہذا اس میں ویسی کراہت تو نہیں، مگر نفس کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ نجلی منزل کو چھوڑ کر بالائی منزل میں جماعت کرنا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متواتر تعامل کے خلاف ہے، نیز نجلی منزل کا جماعت سے خالی رہنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے، البتہ بعد از جس وغیرہ بلا کراہت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ :

سوال :- ایک شخص ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہوتا ہے کہ جب امام رکوع کی حالت میں ہے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ دل ہی دل میں نماز کی نیت کر لے کیونکہ زبان سے کہنا تو صرف مستحب ہے، تکبیر تحریم کہہ لے، دوسری مرتبہ تکبیر کہہ کر فوراً رکوع میں چلا جائے، ذرا بھی توقف اور قیام نہ کرے، اور اس وقت امام رکوع میں ہی ہو، لیکن مقتدی کی شرکت کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ رکعت مقتدی کو مل گئی، تکبیر تحریم کے بعد ہاتھ باندھنا تو ضروری نہیں؟ تکبیر تحریم کے بعد بقدر ایک یا تین مرتبہ تسبیح کے قیام کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ رکوع میں امام کے ساتھ مطلق شریک ہو جانا کافی ہے یا اتنی دیر تک امام کے ساتھ رکوع میں رہنا ضروری ہے جس میں ایک یا تین مرتبہ رکوع کی تسبیح پڑھی جاسکے؟ غرض یہ تحریر فرمایا جائے کہ ایسی حالت میں مقتدی کو کن امور کے انجام دینے سے وہ رکعت مل جائے گی اور کن امور کے بغیر رکعت نہیں ملے گی، اور کن امور کا انجام دینا ضروری نہیں ہے؟ اس مسئلہ کے نہ جاننے سے اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں، اس لئے استفسار کی ضرورت پیش آئی، بینوا توجروا،

الجواب سیام ملہم الصواب

صورت مذکورہ میں رکعت مل جائے گی، صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالت قیام میں تکبیر تحریم کہو، پھر فوراً دوسری تکبیر کہے بغیر رکوع میں جائے، تکبیر تحریم کے بعد ہاتھ نہ بانڈھے، رکوع میں امام کے ساتھ ذرا سی شرکت بھی کافی ہے، حتیٰ کہ اگر مقتدی اس حالت میں رکوع کے لئے جھکا کہ امام رکوع سے اٹھ رہا ہے مگر امام ابھی اتنا سیدھا نہیں ہوا کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں، اس حال میں مقتدی اتنا جھک گیا کہ اُس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکے ہوں تو اس کو یہ رکعت مل گئی اس کے لئے بقدر تسبیح واحدہ رکوع میں ٹھیرنا واجب ہے، اس کے بعد بقیہ تسبیحات چھوڑ کر اتباع امام واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، (مزید تحقیق تتمہ میں) ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ رشوت خور کی امامت:

سوال:- ایک شخص سرکاری افسر ہے، رشوت بھی لیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب سیام ملہم الصواب

رشوت لینے والا فاسق ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب ۱۳۸۹ھ

ٹیلیوژن دیکھنے والے کی امامت:

سوال:- ایسے امام کی اقتدار کرنا جو کہ ٹیلیوژن دیکھتا ہو جائز ہے؟ نیز ٹیلیوژن دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب سیام ملہم الصواب

ٹیلیوژن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتدار مکروہ تحریمی ہے، مگر نماز ہو جائے گی تو نا ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ صفر ۱۳۸۹ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ہاں شرعی پردہ نہ ہو:

سوال:- اگر امام صاحب کی بیوی پردہ نہ کرے تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب سیام ملہم الصواب

جس شخص کے ہاں شرعی پردہ کا اہتمام نہ ہو وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، اس کی

امامت مکروہ تحریمی ہے، البتہ جسے بیوی کو پردہ کروانے پر قدرت نہ ہو اس کی امامت ہلا کر اہست جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے قبل امام اٹھ گیا،

سوال :- مقتدی اپنا تشہد پورا کر کے اٹھے یا امام کی اطاعت کرے؟ جبکہ امام تشہد پڑھنے سے قبل کھڑا ہو جائے، مقتدی شروع نماز میں شریک ہو، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی تشہد پورا کر کے اٹھے، قال فی الشامیۃ تحت (قوله ومتابعة الامام) والحال ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبة فان عارضها واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتتم المقتدی للتشہد فانه یتتمہ ثم یقوم لان الاتیان بہ لا یفوت المتابعة بالکلیۃ وانما یؤخرها والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیۃ فكان تأخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولی من ترک احدہما بالکلیۃ الخ، رد المحتار ص ۱۳۴۹، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ رجب ۱۳۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- زید مقتدی نے قعدہ اولیٰ کا تشہد پورا نہ کیا کہ امام کھڑا ہو گیا، اتنے میں مقتدی نے تشہد پورا کیا، امام رکوع کر کے کھڑا ہو گیا، تو زید کو امام کا رکوع نہ ملا، تو زید نماز کس طرح پوری کرے اور نماز زید کی صحیح کیسے ہوگی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی صورت میں مقتدی تشہد اور دوسرے واجبات و فرائض امام کے پیچھے ادا کرتا جائے نماز درست ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ فان عارضها واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتتم المقتدی التشہد فانه یتتمہ، ثم یقوم، رد المحتار ص ۱۳۴۹، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

بدعتی کی امامت:

سوال :- بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسا شخص امامت کے قابل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل کے فرقہ مبتدعہ کے عقائد حدیث شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی بدعتی شریک عقائد نہ رکھتا ہو بلکہ موحّد ہو، صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ حبشی بدعات میں مبتلا ہو، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، قال فی الشامیۃ فہو الفاسق، کا مبتدع، تکرہ امامتہ بكل حال رتہ المختار، ص ۵۲۳ (۱۳۵۲) وقال اللامۃ الحلبي رحمه الله تعالى بعد ما حرر من ان کراهۃ تقدیم الفاسق کراهۃ تحریم ویکرہ تقدیم المبتدع ایضاً لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف یتنفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعقد شیئاً علی خلاف ما یعقد اہل السنۃ والجماعۃ وانما يجوز الاقتداء بہ مع الکراهۃ اذالم یکن ما یعقدہ یؤدی الی الکفر عند اہل السنۃ اما لوکان مؤدیاً الی الکفر فلا يجوز اصلاً الخ (رغیۃ ص ۴۸۰)۔

کوئی صحیح العقیدہ امام مل جائے تو بدعتی کی اقتدار میں نماز نہ پڑھے ورنہ اسی کے پیچھے پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، بدعتی کی اقتدار میں پڑھی ہوئی نماز اگرچہ مکروہ تحریمی ہے مگر واجب الاعادہ نہیں، یہ ایسے بدعتی کا حکم ہے جو مشرک نہ ہو، شریک عقائد رکھنے والے کا حکم اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

، ربيع الآخر ۹ھ

اصفرار سے قبل جماعت قائم نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ لے:

سوال:- عصر کی نماز یہاں ایک مسجد میں دیر سے ہوتی ہے، مغرب اور عصر کے درمیان کبھی گھنٹہ رہتا ہے، کبھی آدھا گھنٹہ اور کبھی اس سے بھی کم تو اگر کوئی شخص اس وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اصفرار شمس تک تاخیر جائز ہے، اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے، لہذا اصفرار شمس سے پہلے اگر جماعت قائم نہ ہو تو نماز تنہا پڑھ لی جائے، مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ کراچی میں اصفرار شمس غروب سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے ہوتا ہے، وقت مکروہ کی تفصیل احسن الفتاویٰ جلد دوم میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

مقتدی نے قصد التہتہ نہ پڑھا:

سوال :- قصد امام کے پیچھے التحیات و درود شریف نہ پڑھا تو نماز ہوتی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

درود شریف سنت ہے اور تشہد واجب ہے، منفرد یا امام عمدہ ترک واجب کرے تو نماز واجب الاعادہ ہے، اور سہواً ترک ہو تو سجدہ سہو واجب ہے، مگر مقتدی کے سہواً ترک واجب پر نہ سجدہ سہو واجب ہے اور نہ نماز کا اعادہ، اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ترک واجب کا کوئی جابہ نہیں، لہذا عمدہ ترک واجب موجب اعادہ نہ ہوگا، علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترک واجب متابعۃ الامام کے مباحث میں کہیں بھی اعادہ کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حالانکہ اس کے بعض مواقع میں ارکان میں تکرار اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا عمدہ موجب اعادہ نہیں، معہذا اعادہ میں احتیاط ہے، سہو مقتدی کے موجب اعادہ نہ ہوگی، بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحث تحریر فرمائی ہے تو عمد میں بطریق اولیٰ بحث ہوگی، لہذا اعادہ بہتر ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ارجماذی الآخرہ ۹۱ھ

مودودی عقائد رکھنے والے کی امامت:

سوال :- جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے قرآن سننا جائز

ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اگر فرائض میں صحیح العقیدہ امام میسر نہ ہو تو اس کے پیچھے پڑھ لے، مگر تراویح بہر کیف اس کی اقتدار میں نہ پڑھیں، صحیح امام نہ ملے تو تنہا پڑھ لیں مودودی عقائد کی تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ ”مودودی صاحب اور تخریب اسلام“ مندرجہ حسن الفتاویٰ جلد اول ملاحظہ فرمائیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ارجماذی الآخرہ ۹۱ھ

قضا پڑھے بغیر جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا:

سوال :- ایک شخص صاحب ترتیب ہے، اس نے سہواً جماعت کے ساتھ نماز

شروع کر دی، نماز کے درمیان میں اُس شخص کو یاد آیا کہ وہ صاحب ترتیب ہی، اب اُس کے لئے

کیا حکم ہے؟ اس شخص کی نماز اس جماعت کے ساتھ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے ساتھ شرکت سے قبل قضا نماز یاد ہو تو جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ پہلے قضا پڑھے، مگر مسجد میں ہو تو قضا کے گناہ کو مخفی رکھنے کے لئے لازم ہے کہ فجر و مغرب کے سوا دوسرے اوقات کی جماعت میں بنیت نفل شریک ہو جائے، بعد میں پہلے قضا اور پھر ادا پڑھے، اور اگر سہواً جماعت میں شامل ہو گیا تو امام کے ساتھ یہ نماز پوری کر لے، یہ نماز نفل ہو گئی، اس کے بعد قضا نماز پڑھے، پھر اس کے بعد امام کے ساتھ پڑھی ہوئی وقتی نماز دوبارہ پڑھے، قال فی الشامیة ر قوله للخبر المشہور من نام عن صلوة تمام الحدیث اونسیدہ افریدین کرھا الا وھو یصلی مع الامام فلیصل التي هو فیہا ثم لیقف التي تذکرھا ثم لیعد التي صلی مع الامام عن الدرر المختار ص ۶۸۰ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ صفر ۱۳۹۱ھ

بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لئے ترک جماعت :

سوال :- اذان ہو گئی اور بیوی کہتی ہے کہ نماز سے پہلے میری خواہش پوری کر دو، اگر اس کی خواہش پوری کی جلتے جماعت ترک ہوتی ہے، اس صورت میں کیا کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مرد کو بھی اس حد تک میلان ہو گیا کہ نماز میں پوری توجہ نہ رہے گی تو ترک جماعت جائز ہے، فارغ ہو کر اطمینان سے نماز پڑھے، اور مرد کو اس حد تک خواہش نہیں تو صرف عورت کے کہنے پر ترک جماعت جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

امام کا وسط محراب سے ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے :

سوال :- امام کو نماز کے لئے محراب کا نصف حصہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اگر محراب کے اندر ہی منبر بنا ہو جیسا کہ اکثر مسجدوں میں ہوتا ہے تو اس صورت میں امام کو کس جگہ کھڑا ہونا چاہئے؟ مسئلہ واضح فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

محراب سے مقصود یہ ہے کہ امام صفت کے ٹھیک بیچ میں کھڑا ہو، اور یہ سنت ہی، سو اگر محراب

صحیح طور پر صفت کے درمیان میں ہی تو محراب کے عین درمیان کو چھوڑ کر دائیں یا بائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے، خواہ منبر محراب کے اندر ہو یا نہ ہو، ہر حال محراب کے درمیان کھڑا ہونا چاہئے، اکثر مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام منبر کو چھوڑ کر بقیہ محراب کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، یہ مکروہ ہے، اس کی اصلاح لازم ہے، اور اس مسئلہ کی اشاعت ضروری ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ تعمیر مساجد میں اس اصلاح کی اشد ضرورت ہے کہ منبر کی جگہ دائیں جانب چھوڑ کر مسجد کے ٹھیک درمیان میں اس طرح محراب بنائیں کہ محراب کا عین وسط جہاں امام کھڑا ہوگا وہاں سے مسجد کی دونوں طرف فاصلہ برابر ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی المعراج فی مبسوط بکرم السنۃ ان یقوم فی المحراب ليعتدل الطرفان ولوقام فی احد جانبي الصف یکرہ (شر المحتار ص ۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۴ محرم ۱۳۹۳ھ

امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیرا اس کے بعد امام نے سلام پھیرا تو کیا مقتدی مذکور کی نماز ہوتی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر ایسی سخت مجبوری سے سلام پھیرا جو نماز میں باعث تشویش بن رہی ہو تو نماز کا لوٹانا واجب نہیں، لانہ ترک واجب متابعت الامام لو اجب اخر وهو اصلاح الصلوۃ والتحرر عن کراہۃ اداء الصلوۃ مع المشوش،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمداً واجب متابعت الامام کے ترک کی وجہ سے یہ نماز واجب الاعداء ہوگی یا نہیں؟ اس سے متعلق کوئی صریح حکم نہیں ملا، البتہ مقتدی کے سہواً ترک واجب پر سجدہ سہو کے عدم وجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ بصورت عمد نماز کا اعادہ واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- اگر جماعت کی نماز میں کوئی مقتدی امام سے پہلے سہواً سلام پھیر دے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ اگر وہ کوئی مفسد صلوۃ بات کئے بغیر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اتباع امام واجب ہے، اس لئے امام سے تقدیم عمداً بلا عذر مکروہ تحریمی ہے، البتہ سہواً یا بعذر

خوفِ حدث وغیرہ تقدیم میں کراہت نہیں، قال فی شرح التنبیہ ولواتمہ قبل امامہ فتکلم جاز وکرة وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اسی لواتم المؤتم التشهد بان اسرع فيه وفرغ منه قبل اتمام امامہ فاتى بها يخرجہ من الصلوة کسلام او کلام او قیام جاز ای صحت صلواتہ لحصولہ بعد تمام الارکان (الی قولہ) وانما کرة للمؤتم ذلك لتركه متابعه الامام بلا عذر فلو به کخوف حدث او خروج وقت جمعة او مرور ما رین یدیه فلا کراهة، کما سیأتی قبیل باب الاستخلاف (رد المحتار ص ۴۹)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت:

سوال :- جو حافظ صاحب ڈاڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟
بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سیاہ خضاب لگانے والا ناسق ہے، لہذا ایسے امام کی اقتدار میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہی، صالح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھ لیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ شعبان ۹۲ھ

امام کے تقرر میں اہل صلاح کی کثرت رائے معتبر ہے:

سوال :- اگر کسی مسجد کے اکثر مقتدی اور اہل محلہ و ممبران کمیٹی ایک پیش امام صاحب کو ان کی خدمات سے سبکدوش کر کے کسی دوسرے امام کو ان کی جگہ تقرر کریں، کیونکہ اہل محلہ کو ان سے عقیدت ہی، تو ایسی صورت میں اکثریت کی رائے کا احترام ضروری ہوگا یا اقلیت کی ہٹ دھرمی کو تسلیم کیا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دونوں امام علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں برابر ہیں تو قوم میں سے اہل صلاح کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے قال فی الدرفان استوا یقرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرہم ولو قد مواعیر الاولیٰ اساءوا بلا اثم، (رد المحتار ص ۵۲۲ ج ۱)،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ ۹۳ھ

ولد الزنا کی امامت :

سوال :- ولد الزنا کی امامت اور اسے کسی دینی منصب پر قائم کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ولد الزنا والد کے نہ ہونے کی وجہ سے صحیح تربیت یافتہ نہیں ہوتا، نیز اس سے طبعاً انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر اس میں یہ علت کراہت نہ پائی جائے بلکہ وہ عالم اور متقی ہو تو کراہت باقی نہ رہے گی، بلکہ دوسروں کی نسبت اس کی امامت افضل ہے، یہی حکم دوسرے دینی مناصب کا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وولد الزنا) اذ ليس له اَبٌ يُرْتَبِيهِ وَيُؤَدِّيهِ وَيُعَلِّمُهُ فَيُغْلِبُ عَلَيْهِ الْجَهْلُ، بحر اول نفرة الناس عنه (رد المحتار ص ۱۷۵۲۵) ونقل عن البحر والاختيار ولو عد مت اى علة الكراهية بان كان الاعرابي افضل من الحضري والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدة و الاعلى من البصير فالحكم بالصدور المختار ص ۱۷۵۲۳، فقط والله تعالى اعلم، ۲۵ جمادی الاول ۱۳۹۲ھ

امام کے پیچھے مؤذن کی جگہ متعین کرنا جائز نہیں :

سوال :- مؤذن کی جگہ معتبر کرنا امام کے پیچھے درست ہے کہ نہیں؟ امام کے پیچھے مؤذن کی نماز

بھی رہتی ہے، اس جگہ کوئی دوسرا نمازی کھڑا نہیں ہو سکتا، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں کسی کے لئے بھی جگہ متعین کرنا جائز نہیں، مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہتا ہے تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے، ورنہ جہاں بھی جگہ ملے وہیں اقامت کہدے، اقامت کے لئے صف اول یا امام سے قرب کی کوئی قید نہیں، فقط والله تعالى اعلم،

۱۵ رجب ۱۳۹۲ھ

امام رکوع و سجدہ مختصر کرے :

سوال :- امام اور منفرد کو رکوع اور سجدہ میں کتنی تسبیحات پڑھنا چاہئے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو اجازت ہے، خواہ تین تسبیحات پڑھے یا پانچ یا سات یا اور زیادہ، مگر طاق پڑھے، البتہ امام زیادہ تسبیحات نہ کہے بلکہ اس کا لحاظ رکھے کہ مقتدی اطمینان کے ساتھ تین تسبیح پوری کر لیں،

قال في الشامية وصرحوا بأنه يكره ان ينقص عن الثلاث وان الزيادة مستحبة بعد ان يختم على وتر خمس او سبع او تسع ما لم يكن اماماً فلا يطول ركن المختار ص ۲۶۱ ج ۱) وايضا فيها تحت مطلب في اطالة الركوع للجبائي وفي المنية ويكره للامام ان يعجلهم عن اكمال السنة ونقل في الحلية عن عبد الله بن المبارك واسحق وابراهيم والثوري انه يستحب للامام ان يسبح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث اه ركن المختار ص ۲۶۲) فقط والله تعالى اعلم
 ۲۰ جمادى الآخرة ۹۴ھ

پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی امامت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مسجد کے صدر پاجامہ اس طرح کا پہنتے ہیں کہ ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ان صدر کو یہ معلوم ہو جائے کہ امامت کرنا ہے بس ضرور موجود در نہ کئی کئی نمازوں میں غائب، براہ کرم شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمایا جائے، بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹخنے سے نیچے پاجامہ لٹکانا ناجائز ہے، اس پر بہت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ينظر الله يوم القيامة الى من جازأزاره بطراً متفق عليه وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۲۴۳ ج ۲) قوم لوط علیہ السلام پر جن بد اعمالیوں کے عذاب آیا ان میں ٹخنے ڈھانکنا بھی ہے، (درمنثور) اس لئے جس شخص کو امام بنانا جائز نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
 ۱۰ ربیع الآخر ۹۳ھ

امام پر مقتدیوں کی بے احتیاطی کا اثر پڑتا ہے:

سوال :- امام سے نماز میں اکثر غلطی ہوتی رہتی ہے، کیا اس کی وجہوں میں سے یہ وجہ بھی ہے کہ مقتدی کی غلطی سے ہوتا ہے؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی طہارت وغیرہ کی احتیاط نہ کرے تو امام پر اس کا اثر پڑنا حدیث سے ثابت ہے، عن شبيب بن ابی ریح عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الصبح فقرأ الروم فالتبس عليه فلما صلی قال ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور وانا یلبس علينا القرآن اولئك رواہ

النسائی (مشکوٰۃ ص ۳۹) فقط والله تعالى اعلم،
 انعامی بونڈ رکھنے والے کی امامت:

سوال :- ایسا شخص امامت کے لائق ہے جو پرائز بونڈ رکھے اور اس پر انعام کی رقم وصول کرے
 اور انعام سودی رقم سے تقسیم ہوتے ہیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

انعامی بونڈ سود اور قمار کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے انعامی بونڈ رکھنے والا فاسق ہے
 اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۵ شوال ۱۴۲۲ھ

وضو ٹوٹنے کی وجہ سے صف نکلا تو یہ خلا کیسے پُر کیا جائے؟

سوال :- اگر کوئی شخص پہلی صف میں سے وضو ٹوٹنے کی وجہ سے لوگوں کو چیرتا ہوا نکل جائے
 اس صورت میں پچھلی صف والا ہذا ت خود اس کی جگہ جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پچھلی صف والے پر واجب ہے کہ از خود آگے بڑھ کر اس خلا کو پُر کرے، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بعد میں
 آنے والا شخص صف کے سامنے سے گزر کر یہاں کھڑا ہو، اگر صف کے سامنے سے گزرنے کی جگہ نہ ہو تو صف
 چیر کر یہاں آئے اور خلا پُر کرے، فقط والله تعالى اعلم،

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

صف کا خلا پُر کرنے کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے:

سوال :- اگر وضو ٹوٹ جائے تو نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وضو کر کے
 اسی جگہ آکر بیٹے یا پیچھے کھڑا ہو جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کی اصلاح کے لئے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا جائز ہے، لہذا جاتے وقت سامنے سے گزر جائے
 اور واپسی تک اگر وہ جگہ خالی ہے تو سامنے سے گزر کر اس جگہ کو پُر کرے، بلکہ سامنے سے جانے کی جگہ نہ ہو
 تو صف کو چیر کر بھی جاسکتا ہے، قال فی العلائق ولو کان فرجة فللد اخل ان یمر علی رقبۃ من
 لم یسد ہالاتہ اسقط حرمة نفسه وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی القنیۃ تام
 فی آخر الصف فی المسجد بینہ و بین الصفوف مواضع خالیۃ فللد اخل ان یمر بین یدیه

ليصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا يأنثم المارمين يديه دل عليه ما ذكر في الفردوس
برواية ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من نظر
الى فرجة في صف فليست هابنفسه فان لم يفعل فمر مار فليخط على رقبته فانه لحرمة
له (الى قوله) واذا كان له ذلك فله ان يمر بين يديه بالاولى فافهم (رد المحتار ۵/۵۹۵ ج ۱)
فقط والله تعالى اعلم

۱۳ ذيقعدہ ۹۲ھ

مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی :

سوال :- مسجد میں دورانِ جماعت دوسری منزل کے نمازی امام سے کچھ آگے بڑھ گئے، کیا
اُن کی نماز درست ہوگئی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اگر ایڑی برابر ہو تو
نماز ہو جائے گی، اگرچہ مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے ہوں، البتہ اگر مقتدی اور امام
کے پاؤں میں اتنا زیادہ تفاوت ہو کہ دونوں کی ایڑیاں برابر ہونیکے باوجود مقتدی کے پاؤں کا اکثر حصہ
امام کے پاؤں سے آگے بڑھ گیا تو نماز نہ ہوگی، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی شروط الامامة وعدہ
تقدمہ علیہ بعقبہ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو ساواہ جاز وان تقدمت
اصابع المقتدی لكبر قدمه علی قدم الامام ما لم يتقدم اكثر القدم كما سیأتی (رد المحتار
ص ۵۱۲ ج ۱) و ذکر التفصیل فی بیان مقام المقتدی، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲ رمضان المبارک ۹۲ھ

نابالغ مقتدی سے جماعت کا ثواب مل جائے گا :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ بالغ امام کے پیچھے بارہ تیرہ سال کے
بچوں نے اقتدار کی، تو کیا جماعت ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب پورا ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے پیچھے اگر ایک نابالغ نے بھی اقتدار کی تو اس کو نماز باجماعت کہا جائے گا، اور جماعت کا پورا ثواب
ملے گا، بشرطیکہ وہ بچہ عاقل ہو، قال فی العلائقہ و اقلہا اثنان واحد مع الامام ولو مبتدئا، قال
ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لحدیث اثنان فما فوقہما جماعة اخرجہ السیوطی فی

الجامع الصغير ومن لم ينفعه قال في البحر لانهما مأخوذة من الاجتماع وهما اقل ما يتحقق به وهذا في غير جمعة ام اى فان اقلها فيها ثلاثة صالحون للامامة سوى الامام ومثلها الحيد الخ ر قوله ولو مستترا اى ولو كان الواحد المقتدى صبياً مستتراً قال في السراج لو حلف لا يصلى جماعة وام صبياً يعقل حث ام ولا عبدة بغير عاقل بحر قال ط ويؤخذ منه انه يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتفعل بالمقتضى لان الصبي متفعل الخ (رد المحتار ص ۱۷۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۸، محرم ۱۲۹۵ھ

صرف عورت یا بچہ مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو؟

سوال :- زید اپنے گھر میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے، اگر مقتدی صرف ایک نابالغ لڑکا یا صرف ایک عورت ہو یا بچہ اور عورت دونوں اقتداء کریں تو یہ کہاں کھڑے ہوں؟ عورت محرم اور غیر محرم میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بچہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت امام کے پیچھے، عورت محرم ہو یا غیر محرم دونوں کا یہی حکم ہے، قال فی العلائق (و یقف الواحد) ولو صبياً اما الواحد فتأخر (محاذاً) اى مساوً (لیسین امامه) علی المذهب، وفي الشامية خلافاً لما عن محمد من انه يجعل اصابعه عند عقب الامام، بحر (رد المحتار ص ۱۷۵ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم

۹، ربیع الآخر ۱۲۹۵ھ

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والے کی امامت:

سوال :- جو شخص نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملاتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والا فاسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط والله تعالى اعلم

۹، ربیع الاول ۱۲۹۵ھ

مقتدی ایک مرد اور ایک بچہ ہو تو وصف بندمی کیسے کریں؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ مسجد میں بوقت جماعت امام کے علاوہ

ایک مرد اور ایک نابالغ لڑکا موجود ہے ان کو صفت بندی کس طرح کرنی چاہئے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد اور نابالغ بچہ دونوں مل کر کھڑے ہوں، قال فی شرح التنبیر ثم الصبیان ظاہر تعددہم
فلو واحد ادخل الصف وفي الشامية ذکرہ فی البحر یقال وکذا لو کان المقتدی رجلاً و
صبیاً یصفہما خلفہ لحديث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصفت انا والیقیم وراءہ والعجز
من ورائنا، (رد المحتار، ص ۵۳۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رمضان ۱۴۰۵ھ

شروع میں صرف ایک مقتدی تھا حالت سجدہ میں اور آگئے:

سوال:- مسجد میں امام مرت ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، آخری رکعت کے سجدہ
کے دوران اور کئی مقتدی پہنچ گئے، کیا ان لوگوں کو اسی حالت میں امام کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر نماز
میں شرکت کرنی چاہئے، یا امام کا سجدہ سے اٹھنے کا انتظار کریں تاکہ امام آگے ہو جائے، اور پھر یہ پہلے سے
موجود مقتدی کے ساتھ مل کر صفت بنائیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے پیچھے صف بنا کر حالت سجدہ ہی میں شریک ہو جائیں، سجدہ سے اٹھنے کے بعد پہلا مقتدی
بھی پیچھے ہٹ جائے، قال فی التنبیر ویقف الواحد معاذی الیمین امامہ (الی ان قال،
والزائد خلفہ فی الشامية وفيه اشارة الى ان الزائد لو جاء بعد الشروع یقوم خلف
الامام ویتأخر المقتدی الاول، (رد المحتار ص ۵۳۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رمضان ۱۴۰۵ھ

امام پر متعین وقت کا اہتمام لازم ہے:

سوال:- عموماً مساجد میں جب امام مسجد گھڑی کے صحیح وقت پر نہیں پہنچتا تو نمازی معترض
ہوتے ہیں، اور ان کو دو چار منٹ انتظار کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے، حالانکہ انتظار صلوٰۃ کی حدیث
اور یہ کہ اذان کے بعد نماز کے پورے وقت میں کسی وقت بھی جماعت کی اجازت ہے، اور وقت کا تعین
محض سہولت کے لئے ہے، تاکہ مصلیٰ اس وقت پر جمع ہو جائیں، ایران کے خیالات کا مؤید نہیں ہے،
سوال یہ ہے کہ:

① امام کا انتظار کیا جانا چاہئے یا نہیں؟ اور کتنا انتظار کیا جاسکتا ہے؟

② کیا امام پر گھڑی کے وقت کی ایسی پابندی کہ دو چار منٹ بھی تاخیر نہ ہو از روئے شرع ضروری ہو؟

③ جو امام اکثر دو چار منٹ دیر سے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھاتا ہو اس کو کس بات کی احتیاط

ضروری ہے؟

④ جو نمازی تاخیر پر مسجد میں شور و غل مچاتے ہیں اور چرچا کرتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

⑤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور قرونِ اولیٰ میں کس طرح عمل رہا ہے؟

⑥ فقہاء کرام اس مسئلہ میں کیا تفصیل بتاتے ہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور قرونِ اولیٰ میں نیز حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے دور میں نہ دنیوی مشاغل زیادہ تھے اور نہ ہی گھڑیاں تھیں، اس لئے جماعت کا اصول یہ رہا کہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان ہوئی، اور اس کے بعد جب نمازیوں کا اجتماع ہو گیا جماعت قائم ہو گئی،

اس زمانہ میں ایک طرف دنیوی مشاغل میں مصروفیت بدرجہ انہماک اور دوسری جانب دین میں غفلت و بے اعتنائی کے پیش نظر گھڑیوں کی سہولت سے استفادہ ناگزیر ہو گیا ہے، لہذا آجکل کے حالات کے پیش نظر گھڑی سے وقت کی تعیین اور امام کے لئے وقتِ معین کی پابندی ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں لوگوں کے اجتماع کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، اب چونکہ گھڑی کے معین وقت پر ہی نمازی جمع ہوتے ہیں، لہذا یہ امر بھی اس کو مقتضی ہے کہ معین وقت سے تاخیر نہ کی جائے، علاوہ ازیں سردنِ اولیٰ کے ائمہ تنخواہ نہیں لیتے تھے، اور اس زمانہ کا امام تنخواہ دار ملازم ہوا اس لئے بھی اس پر متعین وقت کی پابندی لازم ہے، البتہ نمازیوں پر امور ذیل کا خیال رکھنا ضروری ہے:

① اگر کبھی بتقاضائے بشریت امام کو چار پانچ منٹ تاخیر ہو جائے تو بے صبری اور چیخ و پکار کی بجائے صبر و تحمل سے کام لیں، اور اس تاخیر کو کسی عذر پر محمول کر کے امام پر زبان درازی اور طعن و احتراز کریں،

② اگر امام ہمیشہ تاخیر سے آنے کا عادی ہو تو اسے ملاطفت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے،

③ اگر تفہیم کے باوجود امام کی روش نہیں بدلتی تو منتظر اسے معزول کر سکتی ہے، مگر اس صورت میں

بھی امام سے متعلق بدزبانی اور اس کی غیبت ہرگز جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

، سوال ۹۵

دارثوں کو حصہ نہ دینے والے کی امامت :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسیحی زید فوت ہو گیا، اور اس کی اولاد میں سے تین لڑکے ایک لڑکی ہے، زید مذکور پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا تھا، لیکن جائیداد اولاد کے نام منتقل نہیں ہوئی، پاکستان بننے میں جب شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنا منظور ہوا تو زید متوفی کی جائیداد اس کی اولاد پر تقسیم ہونے کے وقت بڑے لڑکے خالد نے کہا کہ ہماری ہمیشہ ہندہ وراثت کی حقدار نہیں، چونکہ ہمارا باپ پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا اس وقت قانوناً لڑکی ورثہ لینے کی حقدار نہ تھی، تو اس صورت پر ہندہ کے نام جائیداد منتقل نہ کی گئی، اب استفسار ہے کہ اگر عدالت میں دعویٰ کرے تو شرعاً ہندہ اپنا حصہ لے سکتی ہے یا نہ؟ اور خالد جس نے ہمیشہ کو حصہ سے محروم کر دیا اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہندہ اپنا حصہ بہر کیف وصول کر سکتی ہے، خالد حکم شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے فاسق اور ظالم ہے، لہذا اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ محرم ۱۴۰۶ھ

جو امام حروف کے صحیح مخارج پر قادر نہ ہو :

سوال :- ایک شخص خوش خواں نہیں، اور کئی حروف سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے امامت سے معزول کر دیا جائے، وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے چونکہ نئے دانت لگوائے ہیں اس لئے تاروں کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے، باقی رہا اشکال حروف سمجھ میں نہ آنے کا تو اس کا کہنا ہے کہ میں تمام حروف کو سمجھتا ہوں، کیا اس کی امامت درست ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ امام حروف کو ان کے مخارج سے صحیح طرح سے ادا کرتا ہو اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی سمجھ بھی سکیں تو یہ امام احق بالامانہ ہے، اسی کو برقرار رکھنا چاہئے، اور اگر حروف کو صحیح طریقہ سے مخارج سے ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، خواہ یہ عدم قدرت نئے دانتوں کی وجہ سے ہو یا اور کوئی سبب ہو، اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی صاف اور واضح طور پر نہ سمجھ سکیں تو اس کی امامت درست نہیں، قال فی شرح التتویر ولا غیر الا لثغیر بہ ای

بالا لثخ على الاصح كما في البحر عن المجتبى وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهده
دائماً حتماً كالأمي فلا يؤتم المثل ولا تصح صلواته اذا امكنه الاقتداء بمن يحسنه او
ترك جهده او وجد قدر الفرض متما لا لثخ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الا لثخ و
كذا من لا يقدر على تلفظ حروف من الحروف ولا يقدر على اخراج الفاء الا بتكرار رد المتأخر^{۵۴۲}
فقط والله تعالى اعلم

۲۶ محرم ۹۶ھ

بنک کے ملازم کی امامت:

سوال :- اوقات کے ملازم ائمہ جن کی ڈاڑھی مٹت سے کم ہے، نیز بنک ملازم حفاظ و قراء
ڈاڑھی خور کی اقتدار میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ ڈاڑھی خور بینک میں ملازمت کی وجہ سے سود خور بھی ہے، ان دونوں گناہوں میں سے
ہر ایک موجب فسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۶ صفر ۹۶ھ

حنبلی امام نے قصر نہ کیا تو مقتدی کی نماز واجب الاعدادہ ہے:

سوال :- جماعت میں ایک عربی حنبلی تھا، نمازیں پڑھاتا تھا، ہم مسافر تھے وہ بھی مسافر تھا، ایک روز وہ کہنے لگا آج
میں پوری نماز پڑھاؤں گا، کیونکہ ہمارے مسلک میں قصر کا جواز ہے جیسا کہ روزہ، لہذا آج میں ضرور پوری نماز پڑھاؤں گا، بہرحال
انھوں نے پوری نماز پڑھائی، آیا ہماری نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ تھا، قصر واجب ہے، اس کے ترک مقتدی گنہگار ہوئے، ان پر توبہ لازم ہے، اور اس
نماز کا اعادہ واجب ہے، فقط والله تعالى اعلم،

۲۰ ربیع الاول ۹۶ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ذمہ قضا نماز ہو:

سوال :- زید صاحب ترتیب ہے، اور ایک مسجد میں امام ہے، اتفاق سے اس کی ایک
نماز قضا ہو گئی، دوسری نماز کی جماعت کا وقت ہو گیا، مگر یہ اس سے پہلے قضا نماز نہیں پڑھ سکا
اس لئے زید نے اس وقت وقتی نماز پڑھا دی، اور مزید چار نمازیں گزرنے کے بعد قضا نماز پڑھ لی،
اس صورت میں مقتدیوں کی نماز میں تو کوئی فساد نہیں آیا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ امام کو پہلے قضا نماز پڑھنے کا موقعہ دیں و یا امام کو لازم ہے کہ وہ امامت نہ کرے، بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھائے، اور یہ قضا نماز پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہو، معہذا جب زید نے نماز پڑھادی تو اس کی نماز کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی موقوف ہوگئی، اگر فوت شدہ نماز کی قضا سے قبل ایسی پانچ نمازوں کا وقت گزر گیا کہ ان کی ادائیگی کے وقت قضا نماز بھی یا دتھی تو سب کی نمازیں درست ہو گئیں، قال فی التویر و تذکر فائتہ علیہ او علی امامہ و هو صاحب ترتیب، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای تذکر المصلی فائتہ علیہ ان کان منفرداً او اماماً او علی امامہ ان کان مقتدیاً و قوله و هو ای من علیہ الفائتہ مطلقاً و فی السلاج ثم هذه الصلوة لا تبطل قطعاً عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بل تبقى موقوفة ان صلی بعدھا خمس صلوات و هو یزکر الفائتہ تنقلب جائزۃ، (رد المحتار ص ۱۳۵۶۹)

اس عبارت میں تذکر امام کی صورت میں مقتدیوں کی نماز کا کوئی الگ حکم نہیں بیان کیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی بالآخر صحیح ہو جائے گی، قانون تبعیت کا مقتضی بھی یہی ہے،

مگر امام کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ اگر اس اثناء میں امام یا مقتدیوں میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ شوال ۱۲۹۶ھ

امام کے ذمہ وتر کی قضا ہو،

سوال :- زید ایک مسجد میں امام ہے، آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے زید کے وتر قضا ہوگئی، ایسے وقت بیدار ہوا کہ جماعت فجر کا وقت قریب تھا، اس لئے وتر کی قضا پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھا دی، دوسرے روز بوقت اشراق وتر کی قضا پڑھی، تو مقتدیوں کی نمازیں صحیح ہو گئیں یا نہیں؟ اگر دوسرے روز فجر سے قبل وتر کی قضا پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی طرح مقتدیوں کی نمازیں بھی موقوف تھیں، قضا وتر سے قبل چھ نمازوں کا وقت گزر جانے سے سب کی نمازیں صحیح ہو گئی، بشرطیکہ ان نمازوں کی ادائیگی کے وقت قضا نماز یاد ہو، اگر

دوسرے روز طلوع آفتاب سے قبل وتر کی قضا پڑھ لیتا تو امام اور مقتدی سب کی درمیانی سب نماز باطل ہو جاتیں،

تنبیہ :- امام کو ایسا کرنا جائز نہیں، اگر اس دوران میں امام یا کسی مقتدی کا انتقال ہو گیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشوراء سنہ ۱۴۰۸ھ

مقتدی نے امام کی تکبیر تحریم ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کر لی تو اس کی نماز نہیں ہوئی؛
سوال :- زید نے امام کے ساتھ تکبیر تحریم شروع کی مگر ختم امام کی تکبیر سے پہلے کر دی تو زید کی نماز ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کی نماز نہیں ہوئی، اس لئے کہ تکبیر تحریم پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریم پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کر لی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہو گیا، لہذا اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی، اگر اسی تحریم سے منفرد نماز پڑھے گا تو وہ بھی نہ ہوگی، قال فی شرح التتویر ولا یصیر شارعاً بالابتداء فقط کالنبہ وباکبر فقط هو المختار فلو قال اللہ مع الاما واکبر قبلہ او ادرك الامام را کعاً فقال اللہ قائماً واکبراً کعاً لم یصح فی الاصح (رد المحتار ۴۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ

کسی فرد کے لئے جماعت میں تاخیر جائز نہیں؛

سوال :- اکثر جہاں متولیان امام عالم پر حکومت کرتے ہیں، مثلاً نماز کے اوقات مقررہ کے وقت پر جب امام نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو متولی کہتا ہے کہ امام صاحب ذرا ٹھہریے فلاں نہیں آیا، کیا یہ انتظار جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نمازیوں کے اجتماع کے بعد کسی فرد کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ کوئی شخص شریر ہو اور اس سے خطرہ ہو تو اس کے شر سے بچنے کے لئے تاخیر کی جاسکتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اذان البزازیة لو انتظر الاقامة لیدرك الناس الجماعة یجوز ولو احد بعد الا اجتماع لا الا اذا کان

داعراً شریراً (مرحلتہ المختار ص ۱۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ صفر ۱۳۸۸ھ

فصل مانع اقتدار:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ احاطہ عید گاہ کے اندر اور احاطہ عید گاہ کے باہر صفوں میں کتنا فاصلہ مانع اقتدار نہیں، احاطہ عید گاہ کے باہر چار طرف سڑکیں ہیں، لوگ سڑکوں کو چھوڑ کر کہیں ۵ فٹ لغایت ۲۵ فٹ تک کے فاصلہ پر صف بندی کرتے ہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوتی؟ اگر نماز نہیں ہوتی تو صحیح صف بندی کا طریقہ کیا ہے؟ احاطہ کے اندر اور احاطہ کے باہر صحیح طریقہ تفصیل سے ارسال کیجئے تاکہ چھپو اگر عام لوگوں کی معلومات کے لئے تقسیم کیا جائے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

احاطہ عید گاہ کے اندر صفوں کے درمیان فاصلہ صحت اقتدار سے مانع نہیں، خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، مگر بلا ضرورت درمیان میں خلا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، معہذا نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ عید گاہ میں کوئی نالہ ہو تو وہ اقتدار سے مانع ہوگا، جس کی تفصیل عید گاہ سے باہر صف بندی کے بیان میں آرہی ہے،

احاطہ عید گاہ سے باہر صحت اقتدار کے لئے یہ شرط ہے کہ موضع سجود سے بقدر دو صف (تقریباً ۲۵ میٹر) جگہ خالی نہ ہو، اور اتنا بڑا عام راستہ درمیان میں نہ ہو جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گزر سکتا ہو، اور خالی اونٹ کی گذر گاہ کے برابر چوڑا کوئی نالہ بھی نہ ہو، اگر درمیان میں دو صف کی جگہ خالی رہی یا نالہ یا سڑک واقع ہوئی اور اسے پُر نہ کیا گیا تو اس سے پیچھے کھڑی ہونے والی صفوں کی اقتدار صحیح نہ ہوگی، لہذا ان کی نماز عید درست نہ ہوگی، قال العللاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی موانع الاقتداء وطریق تجری فیہ عجلة آلة یجرھا الثور وانہر تجری فیہ السفن ولوزورقا ولوفی المسجد او خلاء ای فضاء فی الصحراء و فی مسجد کبیر جداً ک مسجد القدس یسم صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف، وفی الشامیة (قوله او طریق) ای فضاء ابوالسعود عن شیخہ ط قلت ویفہم ذلک من التعبير عنه فی عدة کتب بالطریق العام وفی التارخانیة الطريق فی مسجد الرباط والخان لا یمنع لانه لیس بطریق عام (قوله تجری فیہ عجلة) ای تمر وہ عبور فی بعض النسخ والعجلة بفتح تین وفی الدرر هو

الذی تجری فیہ العجلة والارواقارام وهو جمع وقرب بالقات قال فی المغرب واكثر استعماله فی حمل البغل او الحمار كالوسق فی حمل البعیر (قوله ولرزورقا) بتقدیم الزاء السفینة الصغیر كما فی القاموس و فی الملتقط اذا كان کاضیق الطريق یمنع وان بحیث لا یكون طریق مثله لا یمنع سواء کان فیہ ماء اولاً وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ النهر الذی یمشی فی بطنہ جمل و فیہ ماء یمشی وان کان یابساً واتصلت بہ الصفوف جازاً اسمعیل (قوله ولو فی المسجد) صرح بہ فی الدرر والخانیة وغیرہما (قوله او فی مسجد کبیر جداً الخ) قال فی الامم والفاصل فی مصلى الغید لا یمنع وان کثر واختلف فی المتخذ لصلوة الجنائزة و فی النوازل جعلہ کالمسجد والمسجد وان کبر لا یمنع الفاصل الا فی الجامع القدیم بخوارزم فان ربعہ کان علی اربعة آلاف اسطیانة وجامع القدس الشریف اعنی ما یشتمل علی لمساجد الثلاثة الا قضی والصخرة والبیضاء کذا فی البزازیة ومثله فی شرح المنیة (رد المحتار ص ۱۲۵ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۳ ذی الحجہ ۹۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- مسجد کے صحن میں حوض ہے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر امام کی اقتدار کر لی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مسجد میں یا مسجد سے باہر صفوں کے درمیان کتنی جگہ خالی ہو تو اقتدار درست نہیں؟ تفصیل سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر حوض ۱۰۰ ہاتھ = ۲۲۵ مربع فٹ = ۲۰۰۹ مربع میٹر یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے کھڑا ہونے والے کی اقتدار صحیح نہیں، البتہ اگر حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑا ہونے والے تک صفوں متصل ہوں تو اس کی اقتدار درست ہے،

مسجد، عید گاہ، جنازہ گاہ، ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۳۳۴۷ مربع میٹر سے چھوٹا مکروہ اور اس سے چھوٹا صحن ان سب مقامات میں صفوں کے درمیان خواہ کتنا ہی فصل ہو اقتدار صحیح ہے، مگر بلا ضرورت خلا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، معہذا نماز ہو جائے گی، البتہ اگر درمیان میں ۲۰۰۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ ہو کہ جس کے پیٹ میں اونٹ چل سکے تو اس کے پیچھے اقتدار صحیح نہیں، مگر یہ کہ کسی جانب سے یہاں تک صفوں متصل ہوں تو اقتدار صحیح ہو جائے گی،

کھلے میدان، ۳۳۴، ۳۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں صحت اقتدار کے لئے یہ شرط ہے

کہ درمیان میں مندرجہ ذیل موانع نہ ہوں:-

① اتنا چوڑا عام راستہ کہ اس میں بیل گاڑی یا سامان سے لڑا ہوا گدھا گزر سکے، البتہ اگر یہ شارع عام نہ ہو بلکہ کسی جانب سے بند ہو تو یہ صحت اقتدار سے مانع نہیں،

② ۲۰۰۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ کہ اس کے طول میں اونٹ گزر سکے،

③ بقدر در وصف (تقریباً ۸ فٹ = ۲۴۲ مربع میٹر) خلا،

یہ تینوں موانع اس صورت میں ہیں کہ کسی جانب سے بھی صفوف سے اتصال نہ پایا جائے، اگر کسی جانب سے ان موانع کے پیچھے تک صفوف متصل ہوں گی تو اقتدار صحیح ہو جائے گی، قال فی شرح التنویر و یمنع من الاقتداء بطریق تجری فیہ عجلة آلة یجرھا الثور او نہر تجری فیہ السفن ولوزورقا ولو فی المسجد او خلعا ای فضاء فی الصحراء او فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس یسمی صفین فاكثر الا اذا اتصلت الصفوف، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله او طریق) ای نافذ ابو السعود عن شیخہ ط قلت ویفہم ذلك من التعبير عنه فی عدة کتب بالطریق العام وفي التارخانیة الطریق فی مسجد الرباط والخان لا یمنع لانه لیس بطریق عام (قوله تجری فیہ عجلة) ای تمر وہ عبور فی بعض النسخ والعجلة لفتحین وفي الدرر هو الذی تجری فیہ العجلة والاقارو هو جمع وقربا لقات قال فی المغرب اکثر استعماله فی حمل البغل او العمار کا لوسق فی حمل البعیر (قوله او نہر تجری فیہ السفن) ای یمکن ذلك ومثله یقال فی قوله تجری فیہ عجلة ط، واما البركة او الحوض فان کان بحال لو وقعت النجاسة فی جانب تنجس الجانب الآخر لا یمنع والا یمنع کذا ذکرہ الصفار اسمعیل عن المحيط وحاصله ان الحوض الکبیر المذکور فی کتاب الطہارة یمنع ای ما لم تتصل الصفوف حوله کما یأتی (قوله ولوزورقا) بتقدیم الزاع السفینة الصغیرة کما فی القاموس وفي الملتقط اذا کان کاضیق الطریق یمنع وان بعیت لا یكون طریق مثله لا یمنع سواء کان فیہ ماء اولاً، وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ النہر الذی یمشی فی بطنہ جمل وفيہ ماء یمنع وان کان یابساً واتصلت بہ الصفوف جازاہ اسمعیل، (قوله ولو فی المسجد) صرح بہ فی الدرر والخانیة وغیرہما (قوله او فی مسجد کبیر جدا الخ) قال فی الامداد والفاصل فی مصلی العید لا یمنع وان کثر، واختلف فی المتخذ لصلوة الجنائز

وفي النوازل جعله كالمسجد والمسجد وان كبر لا يمنع الفاصل الا في الجامع القديم بخوارزم فان ريعه كان على اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشريف اعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة الا قضى والصخرة والبيضاء كذا في البزازية ومثل في شرح المنية واما قوله في الذئ لا يمنع من الاقتداء الفضاء الواسع في المسجد وقيل يمنع ام فاته وان افاد ان المعتمد عدم المنع لكنه محمول على غير المسجد الكبير جدا كجامع خوارزم والقدس بدليل ما ذكرناه وكون الراجح عدم المنع مطلقا يتوقف على نقل صريح فافهم رتبة في القهستان في البيت كالصحراء والاصح انه كالمسجد ولهذا يجوز الاقتداء فيه بلا اتصال الصفوف كما في المنية ام ولم يذكر حكم الدار فليراجع لكن ظاهرا لتقييد بالصحراء والمسجد الكبير جدا ان الدار كالبيت تأمل، ثم رأيت في حاشية المدني عن جواهر الفتاوى ان قاضي خان سئل عن ذلك فقال اختلفوا فيه فقدهم بعضهم بستين ذراعا وبعضهم قال ان كانت اربعين ذراعا فهي كبيرة والا فصغيرة هذا هو المختار ام (رد المختار ص ۵۴ ج ۱) وفي المتانة معزيا لجواهر الفتاوى سئل قاضي خلك رحمه الله تعالى عن الدار ان له حكم المسجد ام حكم الصحراء في حكم اتحاد المكان واختلافه؟ قال اختلفوا فيه بعضهم قالوا ان كان ستين ذراعا في ستين ذراعا بنذرهما شأبهما فهي كبيرة والا فصغيرة وبعضهم قالوا ان كان اربعين ذراعا في اربعين ذراعا فهي كبيرة والا فصغيرة هذا هو المختار، هكذا افشاه (المتانة في حرمة الخزانة ص ۱۹۱) فقط والله تعالى اعلم،

۳ جمادی الآخر ۱۲۹۹ھ

شروط استخلاف:

سوال :- اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صحت استخلاف کی تین شرطیں ہیں :-

- ① صحت بناء کی وہ سب شرائط جن کی تفصیل اوپر کے مسئلہ میں بیان کی گئی ہے (تہویب میں یہ مسئلہ باب مفسدات الصلوٰۃ میں بعنوان "شرائط صحت بناء" آیا ہے، البتہ خلیفہ متعین ہو جانے کے بعد بقیہ شرائط صرف امام کی بناء کے لئے ہیں، خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز کے لئے نہیں، اگر اس کے بعد امام کوئی نفل منافی کیا تو خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی،

(۲) اگر مسجد یا ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۲۵۱ × ۳۳۴ مربع میٹر سے چھوٹے کمرے یا اس سے چھوٹے صحن میں جماعت ہو تو امام کے اس سے باہر نکلنے سے پہلے خلیفہ متعین ہو، اور اگر کھلی فضا یا مذکورہ رقبہ سے برابر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں ہو تو جہت قبلہ میں سترہ سے اور سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے تجاوز سے قبل اور بقیہ تین اطراف میں صفوں سے تجاوز سے قبل خلیفہ متعین ہو جائے،

(۳) خلیفہ میں امامت کی صلاحیت ہو، یعنی عورت یا نابالغ نہ ہو،

خلیفہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کو امام ہی متعین کرے، بلکہ اگر مقتدیوں نے کسی کو آگے کر دیا یا کوئی شخص از خود خلیفہ بن گیا تو بھی جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ امام خود خلیفہ بنائے، مسبوق بھی خلیفہ بن سکتا ہے، اگر خلیفہ کو بقیہ رکعات کا علم نہ ہو تو امام انگلیوں کے اشارہ سے بتا دے، قرارت باقی ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے، سورۃ فاتحہ باقی ہو تو جہاں چھوڑی اس سے آگے ایک دو کلمات بلند آواز سے پڑھ دے، رکوع کے لئے گھٹنوں پر سجود کے لئے پیشانی پر، سجود تلاوت کے لئے پیشانی اور زبان پر، سجود سہو کے لئے سینہ پر ہاتھ رکھ کر خلیفہ کو سمجھائے، پھر وضو سے فراغت تک اگر جماعت ختم نہ ہوئی تو خلیفہ کی اقتداء کرے، ورنہ تنہا نماز پوری کرے، صورت اقتداء میں مٹروک ارکان پہلے ادا کر کے امام کے ساتھ شامل ہو،

اگر پانی مسجد کے اندر ہی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، امام وضو کر کے واپس اپنے مقام پر آکر امامت کرے، اس وقت تک مقتدی انتظار کریں، مگر اس صورت میں بھی استخلاف جائز ہے، اگر امام خلیفہ کے ایک رکن ادا کرنے سے قبل وضو کر کے آگیا تو خلیفہ پیچھے ہٹ جائے، اور اصل امام ہی امامت کرے، بشرطیکہ امام مسجد سے نہ نکلا ہو، اگر پانی مسجد سے باہر ہو تو افضل یہ ہے کہ کسی کو خلیفہ بنا کر خود استیناف کرے، البتہ وقت تنگ ہو تو استخلاف و بنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شعبان ۱۴۲۸ھ

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا:

سوال:- امام کے محراب کے اندر کھڑا ہونے سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پاؤں محراب سے باہر رکھے، بلا عذر محراب میں پاؤں رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، وجہ کراہت

میں دو قول ہیں،

(۱) محراب میں کھڑا ہونے سے دونوں طرف کے مقتدیوں پر امام کی حالت مشتبه رہتی ہے،

اس بنا پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں، وهو مختار ابن ہمام وصاحب الحلۃ رحمہما اللہ تعالیٰ،

(۲) اہل کتاب سے تشبیہ، اس بنا پر جانبین میں مقتدیوں کے لئے کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باوجود بھی امام کا محراب میں قیام مکروہ تنزیہی ہے، وهو قول الاکثر، البتہ جگہ کی تشکیک وغیرہ کسی عذر سے ہو تو بالاتفاق کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں، قال العلامة رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروہات القتال وقیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ وقد ماہ خارجہ لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الامام ان علل بالتشبه وان بالاشتباہ ولا الاشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ (الی قولہ) وهذا کله عند عدم العذر کجمعة وعید فلو قاموا علی الرفوف الامام علی الارض او فی المحراب لضیق المکان لم یکرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۲۷ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجامع الصغیر والکراہۃ ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببها فقیل کونه یصیر ممتازاً عنہم فی المکان لان المحراب فی معنی بیت آخر وذلك صنع اهل الكتاب واقتصر علیہ فی الہدایۃ واختارہ الامام السخسی وقال انه الاوجه وقیل اشتباہ حالہ علی من فی بیمنہ ویسارہ فعلى الاول یکرہ مطلقاً وعلى الثانى لا یکرہ عند عدم الاشتباہ وايدى الثانى فی الفتح بان امتیاز الامام فی المکان مطلوب وتقدمہ واجب وغایۃ اتفاق الملتین فی ذلك وارتضاء فی الحلۃ وایدہ لکن نازعہ فی البحر (الی قولہ) وفی حاشیۃ البحر للرملى الذی ینظر من کلامہم انها کراہۃ تنزیہہ تأمل ام رد المحتار ص ۱۰۲ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

کریو کی حالت میں مسجد جانا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کریو کے اوقات میں مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے جانا چاہئے یا گھر میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر فوج نماز کے لئے مسجد جانے والوں کو منع نہ کرتی ہو تو مسجد میں جانا ضروری ہے، ورنہ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، قانون کی خلاف ورزی اور عزت و جان کو خطرے میں ڈالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۲ھ

امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال :- امام سمع الله لمن حمده کے بعد ربنا لك الحمد بھی کہے یا کہ صرف مقتدی کہیں؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی تحمید سے متعلق دونوں قول ہیں کہنا افضل ہے، قال فی شرح التئویر فی سنن الصلوۃ والتسمیع للامام والتحمید لغيره وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لغيره) ای لمؤتم ومنفرد لکن سیأتی ان المعتمد ان المنفرد یجمع بین التسمیع والتحمید وكذا الامام عند ہما وروایۃ عن الامام جزم بها الشرنبلالی فی مقدمتہ (رح المحتار ص ۲۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

امام کے لئے تائین مسنون ہے:

سوال :- امام سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے، قال فی التئویر وامن الامام سراً کما موم ومنفرد وفي الثامیۃ ہوسنۃ للحديث الاتی المتفق علیہ کافی شرح المنیۃ وغیرہ (رح المحتار ص ۲۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

لفظ السلام امام سے پہلے ختم کرنا مکروہ ہے:

سوال :- کیا مقتدی امام کے لفظ السلام کہنے کے ساتھ ہی فوراً سلام پھیرے یا کچھ دیر کے بعد؟ اکثر ائمہ مساجد سلام میں لفظ "اللہ" کو بہت زیادہ کھینچتے ہیں، کیا مقتدی بھی اسی طرح کرے؟ یا وہ دونوں طرف امام سے پہلے سلام کے کلمات ختم کر سکتا ہے؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سلام اول میں لفظ السلام کہنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے، اس لئے سلام اول کی میم امام سے پہلے کہنا مکروہ ہے، اس کے بعد کوئی وجہ کراہت معلوم نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ جمادی الآخرہ ۹۷ھ

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- بہشتی زیور میں پڑھا ہو کہ عورت کی اقتدار عورت کے پیچھے درست ہے، سننے میں تو آج تک یہی آیا تھا کہ عورت امام نہیں بن سکتی، اس کی تحقیق ارشاد فرمائیں، کہ کیا عورت کسی خاص نماز میں امام بن سکتی ہے، وضاحت سے فرمائیں تاکہ مسئلہ سمجھ میں آجائے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، مگر عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائقہ ویکرہ تحریر جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوۃ الجنائزۃ (الی قولہ) فان فعلن تقف الامام وسطھن فلو تقدمت ائمتہ و فی البشامیۃ (قولہ) فلو تقدمت ائمتہ (افاد ان وقوفھا وسطھن واجب کما صرح بہ فی الفتح وان الصلوۃ صحیحۃ وانھا اذا توسطت لا تنزل الکراہۃ وانما ارشدوا الی التوسط لانه اقل کراہیۃ من التقدّم کما فی السراج بحر (۲۹ ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غزہ محرم ۹۸ھ

امام نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی بجائے خاموش رہا:

سوال :- میرا ایک دوست حنفی عقیدہ رکھتا ہے، مسجد میں شافعی امام ہیں، لوگ بھی زیادہ شافعی ہیں، صبح کی نماز میں امام کی غیر حاضری کی وجہ سے جماعت ان صاحب نے کرائی تو دوسری رکعت میں وہ ہمارے دوست شافعی امام کی دعا تو مانگتے نہیں، لیکن رکوع کے بعد مقتدیوں کے لئے کھڑے رہتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ اور ہماری نمازیں جو ان کے پیچھے پڑھی ہیں ہو گئی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ صاحب خاموش نہ کھڑے ہوتے بلکہ دعا پڑھتے تو نماز ہو جاتی، خاموش رہنے کی صورت میں ان کی نماز بھی اور مقتدیوں کی بھی واجب الاعدادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۹۸ھ

مسافر پر مقیم امام کے اتباع میں چاروں رکعتیں فرض ہیں:

سوال :- مسافر پر مقیم امام کے پیچھے تو چار ہی پڑھے گا، لیکن اس پر دو رکعتیں فرض ہیں، لیکن جب وہ چار کی نیت کرے گا کیونکہ مقتدی کی نیت امام کی نیت کے تابع ہوتی ہے تو کیا خداوند پاک کا سفری حکم ٹوٹ جائے گا یا رہے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسافر پر بھی چار رکعات فرض ہو جاتی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲ صفر ۹۸ھ

آنے والے کے لئے قرأت یا رکوع لمبا کرنا:

سوال:- اگر امام نمازی آنے کی وجہ سے قرأت یا رکوع لمبا کرے کہ نمازی شامل ہو جائے تو کیا گنہگار ہوگا؟ شامیہ میں ہے؛ فال حاصل ان التأخیر القلیل لا عانة اهل الخیر غیر مکروہ الخ
بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر امام نے کسی نمازی کو پہچان لیا، اور اس کی خاطر قرأت یا رکوع کو لمبا کیا تو مکروہ تحریمی ہے البتہ بدون پہچانے اطلاع میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التوہید رحمہ اللہ تعالیٰ وکروہ تحریمًا اطلاع رکوع او قراءۃ لا دراک الجائی ای ان عرفہ والافلاباس بہ ولو اراد التقریب الی اللہ تعالیٰ لم یکرہ اتفاقاً لکنہ نادر و تسمی مسألة الریاء فینبغی التحرز عنہا (رد المحتار ۲/۲۶۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ صفر ۹۸ھ

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کا وسط میں کھڑا ہونا:

سوال:- بوجہ ہجوم اگر صفوں کا توازن نہ ہو، امام و مقتدی برابر کھڑے ہو جائیں، یعنی چھوٹی مسجد کی توسیع ہوئی جس میں سابقہ مسجد صرف بائیں جانب آئی، اور موجودہ مسجد کے عین محراب کے مقابل صرف امام اپنے دائیں بائیں دو آدمی کھڑے کر کے جماعت کرائے جو فی الوقت خارجی جگہ مسجد کی سیڑھیوں کا راستہ ہے، ایسی صورت میں جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، مگر جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذوالحجہ ۹۷ھ

ظہر، مغرب، عشاء کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف منحن کرنا خلاف سنت ہے:

سوال:- یہاں بہت عالم رہتے ہیں جو ظہر، مغرب و عشاء فرض نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف

رُخ کر کے دعا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہی؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

۲۹ رزی تعدہ ۹۸ھ

خلافت سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے مسجد کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں:

سوال:- ہمارے کالج کی مسجد امسال رمضان المبارک میں تعمیر مکمل ہونے کے بعد نماز کے لئے شروع ہوئی کوئی تین چار منٹ کے فاصلہ پر ہے، اس مسجد سے پہلے ہم اپنے ہاسٹل میں ایک کمرہ مخصوص کر کے جاتے نماز کی نیت کر کے وہاں نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے، میں فجر کے لئے جو جو لڑکا نماز پڑھتا تھا اس کو نماز کے لئے باقاعدگی کے ساتھ اٹھایا کرتا تھا، جب مسجد بن گئی تو میں نے وہاں جانا شروع کر دیا، اور ہاسٹل میں لڑکوں کو اٹھانا چھوٹ گیا، نیز اس جاتے نماز میں تقریباً ہر نماز پر اذان دیا کرتا تھا، تقریباً ۶۰ فی صد لڑکے ہمارے نماز پڑھا کرتے تھے، میرے اُدھر مسجد میں جانے سے کچھ لڑکے نماز میں سستی کرنے لگے، اور کئی ایک نماز چھوڑ بیٹھے، وہ لڑکے اس مسجد میں نہیں جاتے تھے، کہ بقول اُن کے اتنی درد کون جائے، اور پھر یہ جاتے نماز بھی یہاں سے مسجد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی، ظاہر ہے کہ جائے نماز میں مسجد کا ثواب حاصل نہیں ہوتا، اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آیا میں دوبارہ اس جائے نماز میں اذان دینا، لڑکوں کو اٹھانا شروع کر دوں اور مسجد کا ثواب چھوڑ دوں؟ یا مسجد میں ہی پابندی سے نماز پڑھتا رہوں، اور لڑکوں کی پروا نہ کر دوں؟ کیا یہاں جماعت اور مسجد والا ثواب ملے گا؟ یہ جاتے نماز جب ہم پڑھا ئی ختم کر کے جائیں گے ختم ہو جائے گی، یہ چیز ذہن میں رہے کہ لڑکے مسجد میں جا کر پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں، بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

آپ مسجد میں نماز پڑھا کر جس حسب قدرت دوسروں کو بھی مسجد میں جانے کی تلقین و تبلیغ کرتے رہیں، اور حسب معمول نماز کے لئے جگایا کریں، اس کے باوجود اگر کوئی نہیں جاتا تو اس کی فکر نہ کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ صفر ۹۹ھ

شافعی امام کی اقتدار میں رفع یدین نہ کرے:

سوال:- زید مذہبنا حنفی ہے، وہ باجماعت نماز ایک ایسے امام کے پیچھے پڑھتا ہے، جو شافعی یا حنبلی ہے، لہذا زید نہ تو آمین بالجہر کہتا ہے اور نہ رفع یدین کرتا ہے، چونکہ یہ امام کی اتباع یا تقلید نہ ہوتی تو ایسی صورت میں زید کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور اسی طرح شافعی یا حنبلی حنفی امام

کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ امام کی اتباع کے خلاف رفع یدین اور آمین بالجہر کہے، اس کی کیا صورت ہے؟
ببینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ان امور میں اتباع امام لازم نہیں، لہذا حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے درست ہے، احناف رفع یدین نہ کریں، قال العللاء رحمہ اللہ تعالیٰ ولوراد تابعہ الی ستة عشر لانه مأثور فی الشامية بقوله ولوراد تابعہ الخ) لانه تبع لامامہ فتجب علیہ متابعتہ و ترک رأیہ برأی الامام لقوله علیہ الصلوٰۃ والسلام انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فما لم یظهر خطؤه بیقین کان اتباعہ واجباً ولا یظهر الخطأ فی المجتہدات فاما اذا خرج عن اقرال الصحابة فقد ظهر خطؤه بیقین فلا یلزمہ اتباعہ فلم یقتضی بمن یرفع یدیه عند الركوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری تکبیرات الجنانۃ حسناً لا یتابعہ لظہور خطئه بیقین لان ذلك مسکونہ منسوخ بدائع رد المحتار ص ۱۷۷، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفر ۹۹ھ

مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے قبل امام اٹھ گیا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ مقتدی نے امام کو رکوع یا سجدہ میں پایا، ابھی تک وہ تین تسبیحات یا کچھ بھی نہیں کہہ پایا کہ امام کھڑا ہو گیا، تو اب مقتدی کو کیا کرنا چاہیے، تین تسبیحات پوری کر لے یا امام کی متابعت کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تسبیح واحدہ کی مقدار رکوع اور سجدہ میں واجب ہے، اور بقدر تین تسبیح سنت ہے، لہذا بقدر وجوب یعنی تسبیح واحدہ کی مقدار توقف کرنے کے بعد امام کی متابعت کرنا واجب ہے، قال فی العلائیۃ واعلم انہ مما یبتنی علی لزوم المتابعۃ فی الارکان انہ لو رفع الامام رأسہ من الركوع والسجود قبل ان یتِمَّ المأمور بالتسبیحات الثلاث وجبت متابعتہ وقال ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قوله واعلم الخ) ویستحب فیہ ثلاثاً فانہ سنۃ علی المعتمد المشہور فی المذہب لا فرض لا واجب کما مر فلا یتروک المتابعۃ الراجیۃ لاجلہما تأمل، رد المحتار ص ۱۶۳، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

امام قعدہ اولی چھوڑ کر اٹھ گیا تو مقتدی پر اس کا اتباع لازم ہے؛

سوال :- امام نے بھول کر قعدہ اولی چھوڑ دیا، اور سیدھا کھڑا ہو گیا، تو مقتدی تشہد پڑھ کر کھڑے ہوں یا تشہد چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں پر امام کا اتباع لازم ہے، تشہد چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں، کما فی الشیخ
عن شرح المنیۃ تجب متابعتہ للامام فی الواجبات فعلاً وکذا ترکاً ان لازم من فعلہ مخالفة
الامام فی الفعل کترکہ القنوت او تکبیرات العید او القعدۃ الاولیٰ او سجود السہو او
التلاوة فیترکہ المؤتم ایضاً، (رد المحتار ص ۱۷۳۹)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ شعبان ۱۴۹۹ھ

امام قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا تو مقتدی اس کا اتباع نہ کریں؛

سوال :- آخری قعدہ کے بعد بھول کر امام کھڑا ہو گیا، لقمہ دینے پر بھی نہیں بیٹھا، اور دو رکعتیں پوری کر کے سجدہ سہو کر لیا، اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پر قعود کی طرف عود لازم ہے، مقتدی اس کا اتباع نہ کریں، بلکہ بیٹھ کر اس کے لوٹنے کا انتظار
کریں، اگر سجدہ سے قبل قعود کی طرف لوٹ آیا تو اس کے ساتھ سجدہ سہو کر کے سلام پھیریں ورنہ الگ
سلام پھیر کر نماز ختم کر دیں، قال فی شرح التنبیہ وان قعد فی الرابعة مثلاً قد راہ التشہد ثم
قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح ثم الاصح ان القوم یستظرونہ فان عاد تبعوہ وان
سجد للخماسة سلموا لانه تم فرضہ اذ لم یبق علیہ الا السلام (الی قولہ) وسجد
للتہو فی الصورتین لنقصان فرضہ بتأخیر السلام فی الاولیٰ وترکہ فی الثانیۃ، وفی
الشامیۃ (قولہ) اذ لم یبق علیہ الا السلام، اشار بہ الی ان معنی تمام فرضہ عدم فسادہ والا
فصلوتہ ناقصۃ کما یأتی فی قولہ لنقصان فرضہ بتأخیر السلام الیہ اشار فی البحر
رد المحتار ص ۱۷۳۹، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ شعبان ۱۴۹۹ھ

امام مسافر قعدہ اولیٰ کے بعد کھڑا ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟

سوال :- مسافر امام چار رکعت والی نماز کے قعدہ اولیٰ کے بعد اگر کھڑا ہو جائے تو مقیم مقتدی
کیا کریں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مفتدی امام کے ٹوٹنے کا انتظار کریں، اگر امام تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل واپس آ گیا تو اس کے ساتھ سجدہ سہو کریں، اور اس کے سلام کے بعد باقی نماز ادا کریں، اور اگر امام نے تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا تو مقتدی اپنے طور پر کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کر لیں، امام کی اقتداء بقیہ نماز میں نہ کریں، اگر اقتداء کر لی تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال فی شرح التتویر ولونوی الاقامة لا لتحقیقہا بل لیتم صلوۃ المقیمین لم یصر مقیمًا، وفي الشامية (قوله لم یصر مقیمًا) فلو اتم المقیمون صلوۃہم معہ فسدت لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل ظہیرۃ ای اذا قصد وامتابعہ اما بنو واما قنبر ووافقہ صوریۃ فلا فساد افادہ الخیر الرسلی (رد المحتار ص ۴۱، ج ۱) قلت واما انتظارہم عود الامام فظاہر کما نصوا علیہ فی المسبوق اذا قام امامہ بعد القعدة الاخيرة، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲ رجب ۱۲۸۶ھ

لنگڑے کی امامت:

سوال ۱۔ لنگڑا شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لنگڑے کی امامت جائز ہے مگر ایسے شخص سے عموماً طبعی انقباض ہوتا ہے اس لئے مکروہ تنزیہی ہے، اگر کسی کے علم و تقویٰ کی وجہ سے اس سے لوگوں کو انقباض نہ ہو تو کراہت تنزیہیہ بھی نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ومفلوج وابصر شاع برصه) وکذا لک اعرج یقوم ببعض قدمہ فالأقتداء بغيرہ اولیٰ تا ترخانۃ (الی قولہ) والظاہر ان العلة النفرة (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ شوال ۱۲۹۹ھ

پیتلون والے کی امامت:

سوال ۱۔ ایک شخص پیتلون میں نماز پڑھاتا ہو، اس کے لئے کیا حکم ہے، نماز ہوتی ہو یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پیتلون چست ہو یا ٹخنے چپے ہوئے ہوں تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ ربیع الآخر ۱۳۰۰ھ

بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے کی امامت :

سوال :- زید کہتا ہے کہ بے پردہ عورتوں کو، بالغہ ہوں یا قریب البلوغ، بنیا ہوں یا نابینا، نرسیں ہوں یا لیڈی ڈاکٹر یا ہولائی جہاز کی ہوسٹیس، جلوت میں ہوں یا خلوت میں، اسکول یا کالج کے کمروں میں ہوں یا مسجد کے حجرہ میں، جماعت کی صورت میں ہوں یا گھر کے اندر اکیلی، نامحرم مرد عالم ہو یا مفتی، پیر ہو یا مرید، جوان ہو یا بوڑھا، بنیا ہو یا نابینا، نہیں پڑھا سکتا، جبکہ بکراس کی اجازت دیتا ہے،

بکر کا استدلال یہ ہے کہ جب تک ان بے پردہ عورتوں کو احکام شرعیہ سے واقف نہیں کرایا جائے گا، اُس وقت تک اُن کا پردہ کرنا ممکن نہیں، اور اگر ان کو نظر انداز کر کے دینی تعلیم سے صرف اس لئے بے بہرہ رکھا جائے کہ یہ بے پردہ ہیں تو یہ صحیح نہیں، مزید یہ کہ نرسیں، لیڈی ڈاکٹر، ایئر ہوسٹس وغیرہ جو اکثر پردہ نہیں کرتیں اس پردہ والی شرط سے دینی تعلیم سے محروم رہ جائیں گی، جب کہ عملاً اس کا تجربہ کیا گیا کہ ایسی عورتوں کو دینی تعلیم دی گئی تو انہی بے پردہ عورتوں میں سے بعض تہجد گزار بن گئیں،

زید کا استدلال یہ ہے کہ شرعی حدود کو کسی بھی خود پیدا کردہ مجبوری کی وجہ سے نہیں توڑا جاسکتا بے پردگی ایک خود پیدا کردہ ضطرار ہے، شرعاً ایسے اضطرار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اگر اس طرح عوام خود ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن سے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے آئندہ چل کر ہر ایسی مجبوری کو ضطرار کا نام دیتے جائیں، اور شرعی حدود کو توڑتے جائیں تو جو د شرعی باقی نہیں رہے گا، حالانکہ پردہ کی غرض و غایت صنفی اختلاط کا ختم کرنا ہے، اگر یہ اختلاط برقرار رہا تو پردہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ اختلاط مرد و زن اسی لئے جائز نہیں رکھا کہ اس سے ہر دو صنف کے سفلی جذبات کو ہوا ملتی ہے، اگر اختلاط اس لئے ناگزیر ہے کہ بصورت عدم اختلاط دینی تعلیم سے محرومی واقع ہوتی ہے، تو پھر دنیوی مخلوط تعلیم میں کوئی قباحت نہیں رہتی، کیونکہ بعض لوگ مرد و زن کا اختلاط دنیوی تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور آپ دینی تعلیم کے لئے، حدود شرعیہ کے توڑنے میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اگرچہ اغراض مختلف ہیں، جہاں بے پردہ عورتوں میں احکام شرعیہ کی واقفیت کے بعد چند عورتیں تہجد گزار بن گئی ہیں وہاں بڑی عمر کے اساتذہ اور کم سن بچیوں سے زنا کے ارتکاب تک کی بھی نوبت پہنچی ہے، چند عورتوں کے تہجد گزار بن جانے کے ثواب کے مقابلہ میں ایک زنا ہو جانے کا نہایت سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے،

یزخیر القرون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، آج جو دھویں صدی کے معاشرہ میں پردہ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے،

اگر زید کا استدلال درست ہے تو مزید وضاحت طلب امر یہ ہے کہ بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے آدمی کو امام مسجد و خطیب بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

زید کا خیال و استدلال صحیح ہے، عورتوں کی دینی تعلیم عورتوں کی وساطت سے یا پس پردہ ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں اردو میں مستند دینی کتابوں کے مطالعہ سے یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے، بے پردہ عورتوں کو بالمشافہ پڑھانے والا فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس کو امام و خطیب بنانا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۰۲ھ

مقتدی کی قنوت ختم ہونے سے قبل امام رکوع میں چلا گیا:

سوال: اگر رمضان المبارک میں نماز وتر میں کوئی آدمی امام صاحب کے ساتھ دعا قنوت پوری نہیں کر سکتا بلکہ امام صاحب پہلے ہی دعا قنوت پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے کوئی عرج تو نہیں ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً کوئی دعا یا معروف دعا کا کچھ حصہ پڑھ لینے سے واجب ادا ہو گیا، دعا معروف پوری پڑھنا مسنون ہے واجب نہیں، لہذا اسکی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلا گیا تو قنوت چھوڑ کر امام کا اتباع واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تجیر اول میں شرکت کی حد:

سوال: جماعت میں تجیر تحریم میں شرکت کی جو فضیلت ہے وہ کس وقت تک ہے، اگر کوئی رکعت اولیٰ کے رکوع میں مل گیا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں مختلف اقوال ہیں، ادراک فاتحہ کا قول راجح ہے، قال فی الشامیۃ وفی السائر خانیۃ عن المتقی وقیل بادرک الرکعة الاولیٰ وهذا اوسع وهو الصحیح اھ وقیل بادرک الفاتحۃ وهو المختار خلاصۃ (رد المحتار ص ۲۹۱) قلت لفظ المختار اکد من لفظ الصحیح لان الاختیار یستلزم التخصیص والتخصیص لا یستلزم الاختیار، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ شعبان ۱۴۰۲ھ



انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبل من نواحي المدينة
يريد الصلوة فوجد الناس قد صلّوا فمال الى منزله فجمع اهله فصلّى بهم

الوصية الاخوانية في حكم الجماعة الثانية

مسجد مين دوسرى
جماعتى كا حاكم



مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور فقہاء عظام اس مسئلہ میں کہ اگر ایک مسجد میں جماعت کا تکرار کیا جائے اور نمازی بھی اسی محلہ کے ہوں، تکرارِ عذر سے ہو یا بلا عذر، اقدیہ تکرار دائمی ہو تا ہو یا کبھی اتفاقاً تو یہ نماز صحیح غیر مکروہ ہے یا مکروہ ؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی ؟ بیٹنوا توجروا

الجَوَابُ وَمِنْهُ الصَّدَقُ وَالصَّوَابُ

تکرارِ جماعت کی صورتیں مختلف ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف ہے لہذا ہر صورت کا حکم علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

- ① مسجد طریق ہو، یعنی اس کے نمازی معین نہ ہوں۔
- ② اس مسجد میں امام اور مؤذن معین ہوں۔
- ③ مسجد محلہ میں غیر اہل محلہ نے جماعت کی ہو۔
- ④ مسجد محلہ میں اہل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو۔
- ان صورتوں میں تکرارِ جماعت (اگرچہ تکرار اذان و اقامت کیساتھ ہو) بالاجماع جائز بلکہ افضل ہے۔
- ⑤ مسجد محلہ میں اہل محلہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرارِ جماعت بھی اذان سے ہو۔
- ⑥ صورت مذکورہ میں تکرارِ جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئتِ اولیٰ پر ہی ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو،
- یہ دونوں صورتیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہیں۔

④ مذکورہ صورت میں جماعتِ ثانیہ ہیئتِ اولیٰ پر نہ ہو، یعنی عدول عن المحراب کیا گیا، امام وسط مسجد میں محراب یا محراب کی محاذاتہ میں نہ کھڑا ہوا ہو۔ اس حالت میں کراہتِ شیخیں میں مختلف فیہا ہے۔

قال فی شرح التنویر (۵) ویکوہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ (۱) (لا فی مسجد طریق) (۲) او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن، قال فی الشامیۃ (قولہ ویکوہ) ای تحریماً لقولہ لکافی لا یجوز الجمع لا یباح وشرح الجمع الصغیرانہ بدعتہما فی رسالۃ السند (قولہ باذان و اقامۃ) عبثاً فی الخزانۃ اجمع ما ہما و نصہا (۵) ویکوہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ (۳) الا اذا صلی بمہافیہ ولا غیر اہلہ (۴) اہلہ

لكن بخافته الاذان ولو كراهه بدو فها (١١) او كان مسجد طريق جاز اجماعاً (٢) كما في مسجد ليل لأم ولا مؤذن
ويصلى الناس فوجاً فوجاً فان افضل ان يصلح كل فريق باذان واقامة عليحدة كما في امالي قاضيخان ام
ونحوه في الدرر والعراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما في الدرر وغيرها قال في
المنبع (١١) والتقيد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز عن الشارع وبالاذان الثاني احتراز
عمّا اذا صلى في مسجد المحلة جماعة بغير اذان حيث يباح اجماعاً اه ثم قال في الاستدلال على
الامام الشافعي النافى للكراهة مانصة ولنا انه عليه الصلوة والسلام كان خرج ليصلح بين
قوم فعاد الى المسجد وقد صلى اهل المسجد فرجع الى منزله فجمع اهله وصلى ولو جاز ذلك لما
اختار الصلوة في بيته على الجماعة في المسجد ولان في الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معق
فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فيه سواء ولا اختصاص
له بفريق دون فريق اه ومثله في البدائع (٥ تا ٤) ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار
في مسجد المحلة ولو بدون اذان (٥ تا ٤) ويؤيده ما في الظهيرية لو دخل جماعة المسجد
بعد ما صلى فيه اهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية اه وهذا مخالف لحكاية الاجماع
المارة (٦) وعن هذا ذكر العلامة الشيخ رحمة الله السندى تلميذ المحقق ابن
الهام في رسالته ان ما يفعله اهل الحرمين من الصلوة بأئمة متعددة وجماعات
مترتبة مكروه اتفاقاً ونقل عن بعض مشايخنا انكاره صريحاً حين حضر الموسم بمكة
سنة ٥٥١ منهم الشريف الغزنوي (٦) وذكر انه افق بعض المالكية بعدم جواز ذلك
على مذهب العلماء الاربعة (٦) ونقل انكار ذلك ايضاً عن جماعة من الحنفية والشافعية
والمالكية حضروا الموسم ٥٥١ (٦) واقره الرملى في حاشية البحر لكن يشكك عليه ان نحو
المسجد المكي او المدنى ليس له جماعة معلومون فلا يصدق عليه انه مسجد محلة بل هو
كمسجد شارع (١١) وقد مر ان لا كراهة في تكرار الجماعة فيه اجماعاً فليتأمل هذا -

(رد المحتار باب الامامة ج ١)

وايضاً في الشامية في باب الاذان (٥ تا ٤) وروى عن انس رضي الله تعالى عنه
ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا اذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في
المسجد فرادى (الى ان قال) وفي آخر شرح المنية وعن ابى حنيفة ولو كانت الجماعة
اكثر من ثلاثة يكره التكرار والا فلا (٤) وعن ابى يوسف اذا مرتكن على الهيئة الاولى

لا تکره والا تکره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة کذا فی البزازیة
وفی التتارخانیة عن الولوالجیة وبه نأخذ (رد المحتار باب الاذان ج ۱)

شامیہ میں جو جزئیہ خزانہ اور منبع سے منقول ہے اس میں مسجد محلہ میں تکرار جماعت بدون
اذان کی اباحت بالاجماع بیان کی گئی ہے مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ مسجد محلہ میں تکرار جماعت بلا اذان
کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) علی المیۃ الاولی (۲) علی غیر المیۃ الاولی۔

صورت اولیٰ بالاتفاق مکروہ ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف کے ہاں جواز تکرار کیلئے عدول
عن المحراب ضروری ہے (کما مر) علاوہ ازیں مسجد مکہ اور مسجد مدینہ میں کراہت تکرار پر فقہار مذاہب
اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع تحریر کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں مسجدوں میں تکرار بدون اذان علی المیۃ الاولیٰ
ہوتا تھا۔ جیسے کہ شامیہ کی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ شامی کا ان مساجد کو مساجد شارع میں
داخل کر کے عدم جواز تکرار پر اشکال پیش فرمانا بھی بین دلیل ہے کہ مسجد محلہ میں ایسا تکرار ہرگز جائز نہیں
دوسری صورت میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں مکروہ ہے۔ چنانچہ شامیہ نے
ظہیریہ کی روایت نقل کر کے قول جماع کو فاسد قرار دیا، بہر کیف ان دو صورتوں کو بالاجماع جائز کہنا
صحیح نہیں، بلکہ صورت اولیٰ بالاتفاق مکروہ اور صورت ثانیہ مختلف فیہا ہے۔

امام ابو یوسف کے قول "عدول عن المحراب" سے مراد حقیقی محراب نہیں، بلکہ محاذۃ محراب
مراد ہے۔ اگرچہ مسجد کے صحن ہی میں ہو، کیونکہ صلوٰۃ اولیٰ کا محراب میں ہونا ضروری نہیں بلکہ
محراب کی محاذۃ میں ہونا مسنون ہے۔ لہذا جو نماز محاذیاً للمحراب ہوگی وہ ہیئت اولیٰ پر ہوگی
ہیئت اولیٰ کے تغیر۔ کہ لئے ضروری ہے کہ عدول عن محاذۃ المحراب ہو۔ قال فی الشامیۃ
(قوله ویقف وسطاً) قال فی المعراج وفی مبسوط بک السنتہ ان یقوم فی المحراب
لیعتدل الطرزان ولوقام فی احد جانبی الصف یکرہ (الی ان قال) قال علیہ الصلوٰۃ
والسلام توسطوا الامام الخ وایضا فیہا (تنبیہ) یفہم من قوله والی ساریۃ کراہۃ قیام
الامام فی غیر المحراب (الی قوله) السنتہ ان یقوم الامام ازار وسط الصف الا ترى ان
المحارب ما نثبت الاوسط المساجد وہی قد عینت لمقام الامام (رد المحتار ج ۱)
وایضا فیہا (قوله لان العبرة للقدم) یکرہ للامام ان یقف فی غیر المحراب الا لضرورة
(رد المحتار ج ۱)

مذکورہ جزئیات سے واضح ہو گیا کہ محراب سے مراد محاذۃ محراب ہے۔ امام کے عین محراب میں قیام کی سنیت اور عین محراب سے عدول کی کراہت کا کوئی بھی قائل نہیں، بالاتفاق محاذۃ محراب ہی مستنون ہے۔

غرضیکہ صورت سب سے پہلی صورت رابعہ میں تکرار جماعت بالاجماع افضل ہے اور خامسہ و سادسہ میں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ کراہت تحریمیہ کی تصریح شامیہ کی عبارت میں تحریر ہو چکی ہے۔ صورت سابعہ یعنی تکرار جماعت عدول عن محاذۃ المحراب کی حالت میں شیخین کا اختلاف ہے اور حالت اختلاف میں تطبیق یا ترجیح کی ضرورت ہے۔ شرح التتویر میں اصول ترجیح بایں الفاظ منقول ہیں۔ واختلف فیما اختلفوا فیہ والا صح کما فی السراجیۃ وغیرہا نہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی (الحی قولہ) وصح فی الحاوی القدسی قوت المدارک (شرح التتویر مطلب رسم المفتی) لہذا سراجیہ کے قانون کے مطابق ظاہر ہے کہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قانون پر عمل کیا جائے تو بھی امام صاحب ہی کا قول مختار ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلائل عقلیہ و نقلیہ سے قوت ظاہر ہے دلیل عقلی شامیہ میں ہے ولان فی الاطلاق الخ اور ادلہ نقلیہ یہ ہیں۔

① الحدیث المرفوع الذی مر فی عبارة الشامیۃ

② قول انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الذی نقلہ العلامة الشامی و فیہ بیان تعامل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

③ عن ابی بکرۃ - ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحي المدينة يريد الصلوة وقد صلوا فمال الى منزله فجمع اهلہ فصلى بهم (رواہ الطبرانی فی الکبیر والادسط قال الہیثمی رجالہ ثقات)

④ عن ابراهیم النخعی قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یصلی بعد صلوة مثلها (ابن ابی شیبہ)

⑤ عن خرشة المحوان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کانت بکرة ان یصلی بعد صلوة

الجمعة مثلها (رواہ الطحاوی بسند صحیح)

مندرجہ ذیل دو روایتیں بظاہر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف نظر آتی ہیں۔

① عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء فی المسجد رجل وقد صلی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل وصلی معه (رواہ الترمذی)

(۲) عن انس رضي الله تعالى عنه تعليقا واني يعطى موصولا انه جاء انس رضي الله تعالى عنه الى مسجد قد صلى فيه فاذن واقام وصلى جماعة (بخاری)

ان آثار کا جواب تابع الآثار حاشیہ طحاوی میں اس طرح مذکور ہے۔ وما ورد من قوله عليه السلام من يتصدق لا يدل على جواز التكرار المتكرر فيه وهو اقتداء المفترض بالمفترض اذا ثبت به اقتداء المتنفل بالمفترض ولا يحكم بکراهته بل ورد في جوازه حديث آخر من قوله عليه السلام اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما صلوة قوم فصليا معهم واجعلوا صلاتكما معهم سبحة كما هو ظاهر ما روى البخاری تعليقا عن انس رضي الله تعالى عنه محمول على مسجد الطريق او نحوه لما نقل فيه انه رضي الله عنه اذن واقام وهو مكروه عند العامة اه (تابع الاثر) قلت ويحمل على مسجد الطريق ايضا لئلا يخالف قوله لما نقله الشافعي من حكاية تعامل الصحابة رضي الله تعالى عنهم۔

غرضیکہ دلائل کے لحاظ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قوی ترین ہے۔ علاوہ ازیں الترجیح للحرم کے اصول پر بھی امام ہی کا قول راجح ہے۔ پس اصول ترجیح میں ہر حیثیت سے حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول مفتی بہ و مختار ہے۔

صورة لتطبيق

امام ابو یوسف کراہت تحریمیہ کے نافی ہیں اور حضرت امام کراہت تنزیہیہ کے مثبت ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ شامیہ میں صورت خامسہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں کراہت کی نفی کی ہے ان میں کراہت تحریمیہ کی نفی ہے للتقابل الظاهر، نیز مطلق کراہت سے مراد تحریمیہ ہوتی ہے، کہا ہو مصرح فی کتب المذہب، تو عند النفی بھی اسی تحریمیہ کی نفی ثابت ہوگی، بعدہ کراہت تنزیہیہ کی نفی کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے پہلی چار صورتوں میں افضلیت تکرار کی تصریح کراہت تنزیہیہ کے عدم پر دلیل ہے، کراہت کی نفی سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی اور دلیل افضلیت سے کراہت تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور استحباب ثابت ہوگیا۔ اسکے برعکس صورت سابعہ میں کراہت تحریمیہ کا انتفاء ہے اور تنزیہیہ کی نفی پر کوئی دلیل نہیں بلکہ ظہیر سے منقول ظاہر الروایۃ میں کراہت کا ثبوت ہے لہذا کراہت تحریمیہ کا انتفاء اور تنزیہیہ کا ثبوت ظاہر ہے، تو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض

نہیں، اس صورت میں خزانہ اور منبع سے منقول اجماع کی تغلیط کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ مطلق (بدون اذان) کو مقید (علی غیر الہیۃ الاولیٰ) پر محمول کیا جائے گا اور ”جاز اجماعاً“ اور ”یباح اجماعاً“ سے مراد جواز و اباحت مع الکراہتہ التزہیہ ہے، کراہت تحریمیہ کی نفی مقصود ہے جواز و اباحت کا اطلاق کراہت تزہیہ پر ہوتا رہتا ہے۔ قال فی الشامیۃ وقد یقال اطلاق الجائز و ارادہ ما یعم المکروہ ففی الحلیۃ عن اصول ابن حجب انہ قد یطلق و یرادہ ما لا یمتنع شرعاً و هو یشمل المباح و المکروہ و المندوب و الواجب اھ لکن الظاہ ان المراد المکروہ تنزیہاً لان المکروہ تحریماً ممتنع شرعاً لا زمًا (رد المحتار ج ۱)

وفی شرح التنویر و یجوز بلا کراہۃ اذان صبی سراج و عبد۔ وفی الشامیۃ (قولہ بلا کراہۃ) ای تحریمیۃ لان التزہیۃ ثابتۃ لما فی البحر عن الخلاصۃ ان غیرہم اولیٰ منہم (رد المحتار ج ۱) مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ صورت سادسہ میں بھی کراہت تحریمیہ ہے۔ امام ابو یوسف کا خاص صورت سابعہ یعنی علی غیر الہیۃ الاولیٰ میں کراہت تحریمیہ کی نفی کرنا اس پر بین دلیل ہے کہ صورت سادسہ یعنی بدون اذان علی الہیۃ الاولیٰ بالاتفاق صورت خامسہ کی طرح مکروہ تحریمیہ ہے۔ بالفرض اگر اباحت کو نفی متبادر پر محمول کر کے امام ابو یوسف کے ہاں عدم کراہت تزہیہ کا قول تسلیم کر لیا جائے تو بھی تکرار کاذب اور استہباب چونکہ نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ ہی امام ابو یوسف سے منقول ہے۔ لہذا نفی کراہت سے اثبات ثواب لازم نہ ہوگا۔ قال فی الشامیۃ فی بیان کراہۃ الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی و یمکن ان یقال الجماعۃ فیہ غیر مستحبۃ ثم ان کان احیاناً کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحاً غیر مکروہ (الی قولہ) فان نفی السنیۃ لا یتلزم الکراہۃ الخ (رد المحتار ج ۱)

غرضیکہ تکرار میں امام ابو یوسف کے ہاں کوئی ثواب نہیں اور امام کے نزدیک کراہت ہے اور ترک میں امام کے ہاں ثواب ہے اور امام ابو یوسف کے ہاں کوئی نقصان نہیں حتیٰ کہ حرمان عن الثواب بھی نہیں اس لحاظ سے بھی ترک تکرار ہی اولیٰ ہوا۔ کیونکہ تکرار میں فائدہ کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ کراہت کا احتمال ہے۔ اور ترک تکرار میں کوئی نقصان نہیں بلکہ ثواب کی امید ہے یہ کل تحقیق فی نفسہ ہے، ورنہ مفاسد خارجیہ کے پیش نظر تکرار کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر امام ابو یوسف کے سامنے یہ مفاسد پیش ہوتے تو ہرگز جواز کا قول نہ فرماتے، لہذا افاد حکیم الامۃ قدس سرہ۔

انقلاب زمانہ : شریعت کا حکم یہ ہے کہ مساجد میں جماعت قائم کی جائے، بدوں غلہ

غیر مسجد میں جماعت کرنا بالخصوص اسکی عادت بنالینا مکروہ اور بدعت ہے قرون خیر میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی، چلنے سے عاجز مریض کے علاوہ صرف ایسے لوگ مسجد کی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جنکا نفاق معروف و مشہور ہوتا تھا، قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد رأیتنا وما يتخلف عن الصلوة الا منافق قد علم نفاقه او مریض ان المریض لمیشی بین رجلین حتی یأتی الصلوة وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الہدی وان من سنن الہدی الصلوة فی المسجد الذی یؤذن فیہ، (رواہ مسلم)

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسا فی بعض الصلوات فقال لقد هممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم اختلف الی رجال یتخلفون عنہا فامرہم فیمحرقوا علیہم بحزم المحطب بیوتہم، الحدیث (رواہ مسلم) البتہ کسی عذر سے مسجد کی جماعت فوت ہو جائے تو گھر میں جماعت کیجائے، جیسا کہ مضمون بالا میں مستعد احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل سے ثابت ہوا،

مگر انقلاب زمانہ دیکھئے کہ بدوں عذر گھروں پر جماعت کا عام دستور ہو رہا ہے، علماء، صلحا، مقتدا و مرجع عوام و خواص بھی اس بدعت میں مبتلا ہیں، جنکا عمل دوسروں کے لئے بھی مشعل راہ ہے، اور دوسری جانب مساجد میں جماعت ثانیہ کا عام رواج ہو گیا ہے، جس میں مندرجہ ذیل قبائح ہیں،

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق سے مخالفت

② جماعت کی تقیل و تہاون،

③ جماعت اصلہ کے ساتھ شرکت میں تکاسل اور اسکی عادت پڑ جانے کا سبب،

④ جماعت سے تخلف کے گناہ کا اظہار،

⑤ افتراق کی صورت، اور اسکا سبب،

غرضیکہ دور بدعت کی ستم ظریفی ہے کہ حکم شرع کے بالکل برعکس مسجد کی جماعت گھر نہیں ہونے لگی اور گھروں کی جماعت مسجد میں،

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اتباع سنت و اجتناب بدعات کی توفیق عطا فرمائیں، فقط واللہ

المستعان ولا حول ولا قوۃ الا بہ،

رشید احمد

۲۳ ربیع الآخر سنہ ۱۴۳۳ھ، بحبری



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ
متعلقہ آلہ مکبر الصوت پر بعض علماء نے اعتراضات کئے تھے
اُن پر غور اور اظہار رائے کے لئے حضرت مفتی صاحب نے ہندہ
سے فرمائش کی، اس کی تعمیل میں یہ رسالہ تحریر کیا گیا !



نماز میں آلہ کبر الصوت کے استعمال کا حکم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيُ عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

اقابعد، رسالہ متعلقہ آلہ کبر الصوت (مؤلفہ مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ) اور اس پر بعض علماء کی تنقیدات مؤلف مدظلہ نے بغرض تنقیح و تحقیق بندہ کے سپرد فرمائی ہیں جسکا منشا صرف حُسن ظن ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کہاں میرے جیسا فقیہ العلم اور کہاں علماء کی تحریرات کی تنقیح اور ان میں محاکمہ، بہر کیف امتثالاً لئلا امر علمی بے مانگی کے ساتھ کثرت اشغال کے باوجود جو کچھ ذہن قاتر میں آیا حوالہ قرطاس کر رہا ہوں۔ فمضى الجهد ومنه الاصابة۔ پہلے اصل رسالہ کی تنقیح کی جائے گی اسکے بعد اس پر دیگر علماء کی تنقیدات کا تجزیہ ہوگا۔ واللہ المستعان۔

(تنقیح رسالہ)

قولہ، ان دونوں مثالوں (ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا اور روپے کے کھرے یا کھوٹے ہونے سے متعلق سوال کا جواب اشارہ سے دینا) میں خارج نماز شخص کا جواب اور اتباع موجود ہے (الی قولہ) خارج نماز کے جواب یا اتباع کا مفسد نماز قرار دینا اس کے عمل کثیر ہونے کی علت پر مبنی ہے الخ (ص ۳)

اقول، جواب و اتباع مترادف قرار دیکر دونوں پر ایک حکم لگایا گیا ہے، حالانکہ دونوں کی حقیقت میں بھی فرق ہے اور دونوں کا حکم بھی جداگانہ ہے۔ اتباع خارج بہر کیف مفسد ہے خواہ اس میں عمل قلیل ہو یا کثیر، الا ان یکون امتثالاً لامر الشارع فلا یفسد وان کان عملاً کثیراً، اور جواب بلا اشارہ کا مفسد ہونا موقوف ہے عمل کثیر ہونے پر۔ مذکورہ دونوں مثالوں میں اتباع نہیں بلکہ جواب ہے۔ اس لئے کہ اسکے مفسد ہونے کی علت عمل کثیر ہونا بیان کی گئی ہے، اتباع خارج کا بہر کیف مفسد ہونا جزئیات ذیل سے ثابت ہے۔

① لیس فیہا (فی الاجابة بالرأس والید) امتثالاً لامر (تنبیہ ذوی الافہام ص ۱۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس میں امتثال امر اور اتباع خارج ہوتا تو مفسد ہوتا، اگرچہ عمل قلیل ہے مگر چونکہ اس میں اتباع خارج نہیں صرف جواب بلا اشارہ ہے اور عمل قلیل سے ہے اس لئے نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۲) اذا قيل لمصلح تقدم فتقدم او دخل فرجة الصف احد فتجانب المصلح
توسعة له فسدت صلوة (الى قوله) اقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امثال امر
الشارع فلا تفسد وبيّن كونه امثال امر الداخل مراعاة لمخاطرة من غير نظر الى
امر الشارع فتفسد (مخطاوی علی شرح التنوير ص ۲۴ ج ۱) تقدم وتأخر اور خصوصاً توسعة
عمل قليل ہے اس کے باوجود اگر امثال امر شارع کی غرض سے نہ ہو بلکہ اتباع و امثال خارج
سے ہو تو اسے مفسد قرار دیا گیا ہے۔

قولہ، اس اتباع میں جہاں عمل کثیر نہ پایا جائے اور امر غیر الشرکاء کا اتباع مقصود
نہ ہو تو صرف اس وجہ سے کہ کسی خارج شخص کے کہنے یا اس کے اشارہ کرنے پر کوئی نقل و حرکت
کی گئی اس کو مفسد نماز کہنا صحیح نہیں (ص ۲)

اقول، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اتباع خارج میں عمل قليل و کثیر میں کوئی فرق
نہیں۔ اگر اتباع خارج سے امثال امر شارع مقصود ہے تو بہر حال مفسد نہیں، ولو كان
عملاً كثيراً کدوران الصفوف عند سماع خبر تحویل القبلة وغیرہ من الجزئیات
اور اگر امثال امر شارع مقصود نہ ہو تو اتباع خارج بہر کیف مفسد ہے ولو كان عملاً قليلاً کما مر۔
قولہ، آله مکر الصوت کی آواز پر تکبیر تحریم یا تکبیرات انتقالية ادا کرنے میں اعمال نماز
کے سوا کوئی عمل تو ہے نہیں، نہ قليل نہ کثیر (ص ۳)

اقول، اتباع خارج کا مفسد ہونا اس پر موقوف نہیں کہ اس میں اعمال نماز کے
سوا کوئی دوسرا عمل پایا جائے بلکہ اعمال نماز میں بھی اتباع خارج مفسد ہے، وهو ظاهر
جداً، پس فساد نماز کی بنا عمل کا خارج من اعمال الصلوة ہونا نہیں بلکہ امثال امر غیر
شارع فساد نماز کی بنا ہے۔ لہذا عبارت مذکورہ بلا فائدہ اور حشو محض ہے۔

قولہ، اور اس کی (آلہ کی) آواز کے اتباع میں اسکا دور دور بھی کوئی احتمال
نہیں کہ اس آلہ کی خاطر سے یا اس کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ یہاں تو بجز اتباع امر اللہ کے اور
کوئی احتمال ہی نہیں (ص ۳)

اقول، یہ امر بعید از قیاس نہیں، مگر غری، حموی اور شامی و دیگر فقہاء کے خیال
کی تغلیط بھی سہل نہیں، فلیحذر۔

قولہ، مطلقاً کسی خارج شخص کا اتباع مفسد نماز نہیں ہو سکتا جب تک اس میں یا تو عمل کثیر نہ پایا جائے۔ یا امر غیر اللہ کا اتباع مقصود ہو (ص ۵)

اقول، اوپر دوبارہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ اتباع خارج کا مفسد ہونا صرف اس پر موقوف ہے کہ اس میں امر شارع کا امتثال نہ ہو۔ عمل کی قلت و کثرت میں کوئی فرق نہیں۔ امتثال امر شارع مفسد نہیں ولو كان العمل کثیراً اور امر غیر اللہ کا اتباع و امتثال مفسد ہے ولو كان قليلاً۔

قولہ، خود علامہ شامی نے اپنے رسالہ تنبیہ ذوی الافہام میں جو خاص اسی مسئلہ مکبر یا مبلغ کے لئے لکھا ہے، اگرچہ خارج نماز کی آواز پر تکبیر تحریم کہنے کو حموی کے حوالہ سے مفسد لکھا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسی رسالہ میں یہ بھی لکھ دیا و نقل عن ذلك الكتاب ان الاجابة بالرأس لا بأس بها ولما رمن صرح بخصوص مسألتنا سوى ما مر عن الحموي وهذا الفرع اشبه بها من غيره لان الاجابة فيها بالفعل اه (الى قوله) اس سے معلوم ہو گیا کہ علامہ شامی کو بھی مکبر خارج نماز کی آواز کے اتباع کو مفسد نماز کہنے پر اطمینان نہیں، بلکہ اس کے خلاف کو ترجیح ہے (ص ۵)

اقول، مضمون مذکور علامہ شامی نے صرف بحثاً ذکر فرمایا ہے۔ کما ہود اب المحققین فانهم يذنبون في اثناء تحقيقهم امور كثيرة بحثاً فقط ولا يفتون بها، اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علامہ شامی حموی اور غزی کی تحقیق پر مطمئن نہیں اور اسکے خلاف کو ترجیح دے رہے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو خود اپنے اسی رسالہ تنبیہ ذوی الافہام کے آخر میں حموی کی موافق فتویٰ نہ دیتے، ونصہ فمن ذلك ان بعضهم يجهر بالتكبير عند احرام الامام من غير قصد الاحرام ليعلم الناس وربما يفعل ذلك وهو قاعد او منحن ثم يدخل بعد ذلك في صلوة الامام ولا شك حينئذ ان من لم يكن قريباً من الامام يأخذ من ذلك المبلغ فلا يصح شروعه لانه لم يدخل في تكبيرة في الصلوة فيكون اقتداء بمن لم يدخل في الصلوة وهو لا يصح كما مر۔ ومن ذلك ان بعضهم يكون اعشى وهو بعيد عن الامام فيقع رجل الى جانب ذلك المبلغ الاعشى ويعلمه بانتقالات الامام والاعشى يرفع صوته ليعلم المأمومين كما شاهدت ذلك في مسجد دمشق وعلى ما تكون صلوة

المبلغ فاسدة لاخذہ من الخارج وكذلك صلوة من اخذ من ذلك المبلغ۔

(تنبيه ذوي الافهام ص ۱۲۲)

ان دونوں جزیوں میں علامہ شامی غری و حموی کی تحقیق پر فتویٰ دے رہے ہیں۔ پورے رسالہ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس سارے رسالے کا خلاصہ اور نتیجہ ہی حموی کی تحقیق ہے۔ ردالمحتار میں بھی شامی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ شامی نے بطور بحث و هذا الفرع اشبه بها من غيرك الخ سے جو اشکال ذکر کیا ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ اجابت بالرأس والید میں امتثال و اتباع نہیں بلکہ جواب ہے اور مسئلہ تبلیغ میں اتباع و امتثال ہے فافترقا، شامی نے دونوں مسئلوں میں وجہ شبہ ”لان الاجابة فيهما بالفعل“ سے بیان فرمائی مگر ان کی نظر فرق مذکور کی طرف نہیں گئی۔

قولہ، اور اسی رسالہ میں دو صفحہ کے بعد اسکی تصریح فرمائی ہو کہ حموی کی تخریج ایک ایسے اصول پر مبنی ہے جو صحیح نہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا علمت هذا ظهر لك ما في كلام الحموي (القولہ) علی انه تخريج علی غیر صحیح (تنبيه ص ۱۲۲) (ص ۵)

اقول، اس میں مصنف مدظلہ کو التباس ہو گیا ہے اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ایک دوسرے مستقل مسئلہ سے متعلق ہے اور یہ امر رسالہ تنبیہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ قولہ، لیکن اس رسالہ میں پھر بھی علامہ شامی نے ہدایت یہی دی ہے کہ خارج نماز شخص کی آواز پر بکثرت تحریم وغیرہ کہنے سے احتراز کیا جائے اور یہی وہ فیصلہ ہے جو احقر نے اپنے رسالہ مکبر الصوت میں اختیار کیا ہے کہ جہاں منظر اور احتمال بھی فساد نماز کا ہو وہاں احتراز ہی کرنا چاہیے اس لئے نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال مناسب نہیں (ص ۵)۔

اقول، شامی نے احتراز کی روایت کو بیان نہیں فرمایا بلکہ فساد نماز کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس رسالہ مکبر الصوت میں صحت صلوة کا فیصلہ دیا گیا ہے اور احتراز کو اولیٰ اور آلہ کے استعمال کو صرف نامناسب فرمایا گیا ہے۔

قولہ، (غیر امام کو لقمہ دینا) اس عنوان کے تحت مؤلف مدظلہ نے فتح علی غیر الامام کے مفسد نماز ہونے کے لئے تین قیود بیان فرمائے ہیں۔

- ① امام کے استفتاح پر خارج نے لقمہ دیا ہو۔
- ② خارج شخص بتلانے کی نیت سے لقمہ دے، محض اپنی تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

(۳) بتلانے والے کے پورا بتلانے کے ذریعے امام کو اپنی غلطی ظاہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے شروع کرتے ہی امام کو خود یاد آ گیا ہو۔ ان شروط کے اثبات کے لئے مؤلف مدظلہ نے جزئیات ذیل تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) وفي الدر المختار وفتحہ علی غیر امامہ الا اذا اراد التلاوة وكذا الاخذ الا اذا تكرر فتلا قبل تمام الفتح۔

(۲) قال الشامي (قوله الا اذا تكرر) قال في القنية فان اخذ في التلاوة قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد، وفي المبسوط للسرخسي بعد قوله تفسد به صلوة المصلي لانه تعليم وتعلم۔

(۳) (ثم قال) وانما هذا اذا اراد ان يفتح على غير امامه فحينئذ ينبغي ان ينوي التلاوة دون التعليم فلا يضره ذلك (مبسوط ج ۱ ص ۱۹۲)

(۴) قال في البدائع لان فتحة بعد استفتاحه جواب وهو من كلام الناس فيوجب الفساد وان كان مرة واحدة هذا اذا فتح على المصلي عن استفتاح واما اذا فتح عليه من غير استفتاح لا تفسد صلوة بمرّة واحدة وانما تفسد عند التكرار لانه عمل ليس من اعمال الصلوة (بدائع ج ۱ ص ۲۳۶)

(۵) وفي البحر واراد من الفتح على غير امامه تلقينه على قصد التعليم واما ان قصد قراءة القرآن فلا تفسد عند الكل۔

(۶) (وقال بعد ذلك) وفي القنية ارجح على الامام ففتح عليه من ليس في صلوة وتذكر فاذا اخذ قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد لان تذكره يضاف الى الفتح (مخرج ۲ ص ۷)

اقول، اصل کتب کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ ان جزئیات کے مفہوم میں مؤلف مدظلہ کو التباس ہو گیا ہے۔ چنانچہ جزئیہ ۱ و ۲ و ۳ و ۴ کو مؤلف مدظلہ نے صلوة امام کے حکم سے متعلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان میں خود فاتح کی نماز کا حکم بیان ہو رہا ہے لہذا شروط مذکورہ میں سے شرط دوم ثابت نہ ہوئی۔ نیز جزئیہ ۵ خلاف مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو بحر ص ۶ و ص کبیری ص ۴، پس شرط اول بھی ثابت نہ ہو سکی اور جزئیہ ۶ و ۷ سے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال في الحلية وفيه نظر لانه ان حصل التذكر

والفتح معاً لم يكن التذکرنا شيئاً عن الفتح ولا وجه لافساد الصلوة بتأخر
شروعہ فی القراءة عن تمام الفتح وان حصل التذکر بعد الفتح قبل اتمامہ
فالظاهر ان التذکرنا شيء عنه ووجبت اضافة التذکر اليه فتفسد بلا توقف
للمشروع فی القراءة على اتمامه اهـ ملخصاً قلت والذي ينبغي ان يقال ان حصل
التذکر بسبب الفتح تفسد مطلقاً اي سواء شرع فی التلاوة قبل تمام الفتح او
بعده لوجود التعلم وان حصل تذکرہ من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً
خلاصہ یہ کہ اگر تذکرناشی عن الفتح ہے تو بہر کیف نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ فاتح کے
شروع کرتے ہی امام کو یاد آگیا ہو اور وہ فوراً قبل تمام الفتح ہی پڑھنے لگا ہو۔ پس
شرط سوم بھی سالم نہ رہی۔

قولہ، اور اگر قرآن کریم یاد ہے مگر محض امداد کے لئے قرآن مجید کھول کر سامنے
رکھ لیا ہے کہ ضرورت پڑے تو اسپر نظر کرنے سے آیت یاد آجائے گی۔ یہ صورت باجماع مفسد
نماز نہیں ہے (ص ۷)

اقول، اس دعویٰ کے اثبات کے لئے جتنی جزئیات پیش کی گئی ہیں ان کا مفہوم
یہ ہے کہ اگر حافظ قرآن کو کھول کر نماز پڑھے مگر اسے اٹھائے نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔
اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بوقت ضرورت قرآن سے تذکر کرے تو مفسد نہیں بلکہ اس کا
ظاہر یہ ہے کہ بلا استفادہ تذکر کر کے قرآن کو دیکھ کر پڑھے تو مفسد نہیں، اگر صورت تذکر فرض
کی جائے تو یہ شامیہ ص ۵۸۲ کے جزئیہ مذکورہ بالا ان حصل التذکر بسبب الفتح سے معارض ہوگی۔
قولہ، تذکر یعنی دوسرے کی بات سُن کر کوئی چیز یاد آجانا اس کو عمل سے خارج اور
غیر مفسد قرار دیا ہے (ص ۷)

اقول شامیہ ص ۵۸۲ کے جزئیہ سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ تذکرناشی عن الفتح مفسد ہے۔
قولہ، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر اور امام طحاوی نے اس واقعہ (تحویل قبلہ) سے اس
امر کا استنباط کیا ہے کہ نازی کو خارج نماز شخص سے کسی قسم کا استفادہ کرنا مطلقاً موجب فساد نہیں (ص ۷)
اقول، اس قدر اطلاق اور وسعت معلوم نہیں ہوتی، خصوصاً جبکہ حافظ ابن حجر اس
واقعہ میں کچھ تأویلات کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

یہاں تک تو رسالہ مکبر الصوت کے دلائل سے متعلق بقدر ضرورت کلام ہوا، اب رسالہ

مذکورہ برتنقیدات سے تعرض کیا جاتا ہے۔ نفس مسئلہ کی تحقیق آخر میں تحریر کی جائے گی۔

تبصرہ برتنقید مفتی عطاء محمد صاحب

رسالہ مکبر الصوت میں تنبیہ ذوی الافہام سے منقولہ جزئیہ ”ولہذا من صرح بخصوص مسألتنا سوی ما مر عن الحموی“ کے بارے میں مفتی عطاء محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عبارت مسئلہ تبلیغ سے متعلق نہیں، بلکہ اس سے مراد قریبی مذکور مسئلہ امتثال امرالغیر کی ایک مثال اذقالہ تقدم فتقدم الخ ہے۔ ۱۵

بندہ نے پورے غور سے اس مقام کو دیکھا اور ایک دوسرے قابل اعتماد اہل علم کو بھی کھایا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ اصل رسالہ میں جو مفہوم اس جزئیہ کا لیا گیا ہے وہی صحیح ہے۔ مفتی عطاء محمد صاحب کے بیان کردہ مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں جزئیہ مذکورہ میں ”مسألتنا“ کا لفظ بھی اسکی وضاحت کر رہا ہے کہ اسکا محمل وہی مسئلہ ہے جو رسالہ کا اصل موضوع ہے۔ اور حسبکا اور پر عنوان قائم کیا گیا ہے۔ یعنی مسئلہ تبلیغ۔ شامی کے اس قول سے متعلق ضروری تحقیق اور تحریر کی جا چکی ہے۔

تبصرہ برتنقید قاضی شمس الدین صاحب

قولہ بر تقدیر تسلیم نبودن آواز مکبر الصوت آواز اصلی مشکلم دریں تحریر منیر آنحضرت از مسئلہ صدای چراگر نیز فرمودہ اند۔

اقول اس کا جواب مؤلف مدظلہ نے اپنے سابقہ رسالہ مطبوعہ میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ سجدہ میں ایک عبادت یعنی سجدہ تلاوت کا ایجاب مستقل ہے جو حسب تصریح فقہار آیت سجدہ کی تلاوت صحیحہ یا اس کے سننے پر موقوف ہے اور حسب تصریح بدائع صوت صدی کو تو تلاوت ہی نہیں کہہ سکتے اور کسی نے مجنون کی زبان سے آیت سجدہ سن لی تو وہ اگرچہ تلاوت ہے مگر تلاوت صحیحہ نہیں، کیونکہ مجنون تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس سے آیت سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا (بدائع ج ۱ ص ۱۸۶)

بخلاف اس مسئلہ کے کہ مقتدی پر امام کا اتباع اور اس کے ساتھ رکوع و سجود میں منتقل ہونا پہلے سے لازم و واجب ہے۔ مکبر کی آواز اس کے واجب ہونے کا سبب یا علت نہیں، بلکہ مکبر کی آواز صرف انتقال امام کی خبر دینے والی ہے اور امام کی حرکات انتقالیہ پر اطلاع

جیسے عام طور پر امام کی آواز سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی اگلی صف کی نقل و حرکت سے کبھی سایہ وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے اور کبھی مکبر کے با آواز بلند تکبیر کہنے سے اور کبھی آلہ مکبر الصوت سے بھی ہو جاتی ہے بہر حال اتباع امام ہی کا ہوتا ہے جو بسبب اقتدار پہلے سے اس کے ذمہ لازم تھا۔ آواز مکبر الصوت کے سننے یا نہ سننے پر اس کا مدار نہیں، اس لئے صوت صدی کا وجوب سجدہ میں اعتبار نہ کرنا اور چیز ہے اور اسکے ذریعہ انتقال امام پر استدلال کر کے نقل و حرکت کرنا دوسری چیز اھ

احقر کو اس تقریر پر اشکال ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ حکم کے موقع و محل کا تعلم من الخارج بھی مفسد ہے کما سیاتی حقیقت میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ وجوب سجدہ مبنی ہے صحت تلاوت پر جو نیت پر موقوف ہے اور تالی آلہ صدی کے استعمال کی نیت نہیں رکھتا پس آلہ صدی کے غیر مختار ہونے کی وجہ سے صوت صدی بحکم صوت تالی تو ہوگی مگر بلا نیت استعمال پیدا ہونے کے باعث تلاوت نہ کہلائے گی۔ اس کے برعکس صحت اقتدار کے لئے نیت تکبیر شرط نہیں بلکہ نفس تکبیر ہی ضروری نہیں۔ امام کے فعل کی اقتدار ہی کافی ہے۔ پس آلہ صدی کی آواز بحکم صوت امام ہے مگر امام نے اس آلہ کو استعمال کر کے اس آواز کے پیدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صحت اقتدار کے لئے یہ نیت شرط نہیں۔

قولہ اگر در میان صفوف جماعت کلاں بر جائے بلند یک خواندہ طوطی نشسته باشد و صلاۃ نقل تکبیرات امام دارد و چون امام تکبیر تحریم گوید آں طوطی تکبیر او شنیدہ با آواز بلند فوراً نقل آں آواز کند، مقتدیان بعید ایں جماعت کہ در انتظار تکبیر تحریم امام بامر الہی ند و خواہند کہ بامر الہی با اقتدار امام تکبیر گویند لیکن حال امام بوجہ دوری از امام ازیں مقتدیان مستور ست و آواز تکبیر امام نیز باین مقتدیان نہ رسد و چون آواز طوطی شنیدند پس با خبر شدہ تکبیر پس امام خود گفتہ تحریمہ بستند و از آوازیں طوطی متذکر شدند کہ اکنون امام تکبیر گفتہ است و دریں جاہر گز احتمال نیست کہ کسے وقعت ایں طوطی مسکین در نظر مے دارد و بیاس خاطر او تکبیر مے گوید و کلام طوطی کلام طوطی ست، کلام الناس ہم نیست، پس مطابق اصول زریں بیان فرمودہ آنحضرت نماز ہمہ مقتدیان صحیح باشد، زیرا کہ در تکبیر گفتن این طوطی نیز نہ عمل قلیل و کثیر ست و نہ کلام الناس۔

اقول، طوطی نہ ہی تو صدی اور مکبر الصوت کی طرح آلہ غیر مختار ہے کہ اسکا فعل مستعمل کمیل منقل ہو جائے اور اسکی صوت کو بحکم صوت امام کہا جاسکے اور نہ ہی طوطی انسان ہے کہ مستقلاً اسکی خبر پر اعتماد کیا جائے۔ معاللاً میں بھی طوطی کی خبر پر اعتماد کی گنجائش نہیں اور یہاں تو مسئلہ دیانات کا ہے۔

بیوع واجارات وغیرہا من العقود کا بذریعہ طوطی عدم انعقاد اور اسکے برعکس بذریعہ مکبر الصوت ان کا انعقاد اس قدر بین اور واضح ہے کہ شاید کوئی شخص بھی اسکے انکار کی جرأت نہ کر سکے۔

نفس مسئلہ کی تحقیق

مصلی کے معاملہ مع الخارج کی مختلف صورتیں ہیں۔

- ① اجابت بالقول۔
- ② اجابت بالعمل الكثير، یہ دونوں مفسد نماز ہیں۔
- ③ اجابت بالعمل القلیل کا لاجابة باشارة الرأس او الید، یہ مفسد نہیں۔
- ④ تذکر، اس سے متعلق شامیہ کی تحقیق گزر چکی ہے کہ اگر تذکر ناشی عن فتح الخارج ہے تو مفسد ہوگا والا فلا، مگر اس میں بندہ کو شرح صدر نہیں، اولاً اسلئے کہ عامۃ الکتب میں الا اذا تذکر قبل تمام الفتح مطلق ہے، ثانیاً اس لئے کہ تعلم کو عمل کثیر ہونے کی بناء پر مفسد قرار دیا گیا ہے اور تذکر کا عمل کثیر ہونا معرض خفا میں ہے، ثالثاً اس لئے کہ شامی کی تحقیق پر کئی مواقع ایسے پیش آئیں گے کہ ان میں اصلاح نماز نامکن ہوگی۔ اور نمازی ابطال عمل نماز پر مجبور ہو جائے گا۔ مثلاً نمازی کو قیام تہود یا دیگر ارکان نماز میں سے کسی رکن میں سهو واقع ہوا، خارج نے لقمہ دیا اور اس پر نمازی کو بھی تذکر ہو گیا۔ اب اس نماز کی تکمیل کا کوئی طریق ممکن نہیں، نہ اپنے تذکر ناشی عن فتح الخارج پر عمل کر سکتا ہے اور نہ ہی تذکر کے بعد عمداً کسی رکن کو چھوڑ سکتا ہے۔ پس ابطال نماز کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

وقال الله تعالى لا تبطلوا اعمالکم، پس اس پر عمل کرنا متعین ہو گیا۔

- ⑤ اتباع وامتثال خارج تطبیحاً لحاظہ، یہ مفسد نماز ہے۔
- ⑥ تعلم القرآن یا تعلم المسئلة یہ بھی مفسد ہے۔
- ⑦ تعلم محل المسئلة، جس کی تعلیم کو شامی نے اعلام و تذکر سے تعبیر کیا ہے جیسے تقدم، تاخر، توسعة، واقعة تحویل قبلہ، جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفسد نہیں۔ وفي العلائق لو اشتبه على المريض اعداد الركعات والسجودات لغاى يلحقه لا يلزمه الاداء ولو اداها بتلقين غيره ينبغي ان يحزى كذا في القنية وقال في الشامية تحته قد يقال انه تعليم وتعلم وهو مفسد كما اذا قرأ من المصحف او علمه انسان القراءة وهو في الصلوة طوق قد يقال انه ليس بتعليم وتعلم بل هو تذكير و اعلام فهو ك اعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل (رد المحتار ص ۱۳۱)

اس میں بھی تصریح ہے کہ تعلم محل مسئلہ مفسد نہیں۔ مسئلہ تبلیغ میں بھی تعلم محل مسئلہ ہے تعلم نفس مسئلہ نہیں۔ اس لحاظ سے اس میں تعلم من الخارج مفسد نہ ہونا چاہیے۔ شامیہ کی عبارت مذکورہ میں فہو کا علامہ المبلغ بھی اسکی کامل وضاحت کر رہا ہے مگر تنبیہ ذوی الافہام میں غری و جموی کی تحقیق کے مطابق شامی نے مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج کو مفسد قرار دیا ہے۔ پس رفع تعارض کی یہ صورت سمجھ آتی ہے کہ تقدم و تاخر اور توسعه و غيره کے عدم افساد کی وجہ مختلف بیان کی گئی ہیں۔ بعض نے منصوص علی خلاف القیاس ہونے کا حکم لگایا ہے اور بعض نے لضرورة اصلاح الصلوٰۃ بیان کیا اور بعض نے امثال امر شارع قرار دیا، ان مختلف تعبیرات کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔ لہذا منصوص علی خلاف القیاس اور لضرورة اصلاح الصلوٰۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امثال امر شارع کا مفہوم یہ متعین ہو جاتا ہے کہ اس خاص موقع پر اصلاح صلوٰۃ کی ضرورت کی خاطر امر شارع وارد ہوا ہو اور اسکا امثال مقصود ہو مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج نہ منصوص علی خلاف القیاس ہے نہ ہی ہمیں ضرورت اصلاح صلوٰۃ ہے اسلئے کہ یہ ضرورت تعلم من الداخل سے پوری کیجا سکتی ہے اور نہ ہی اس بار میں خاص طور پر امر شارع وارد ہوا ہے جسکا امثال مقصود ہو، مریض سے متعلق قننیہ کا جزئیہ ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزیہ“ بھی ضرورت اصلاح صلوٰۃ پر مبنی ہے۔ شامی نے جو اسکی علت بیان فرمائی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، اسلئے کہ اولاً اسے تذکرہ کہنا بعید ہے۔ ثانیاً یہ کہ تذکرہ کے متعلق خود شامی کا فیصلہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ تذکرہ ناشی عن التذکرہ ہو تو مفسد ہے۔ ثالثاً شامی کی یہ توجیہ اسکو مستلزم ہے کہ مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج جائز ہو۔ بلکہ تقریباً اسکی تصریح ہے جو خود شامی کے فیصلہ مندرجہ تنبیہ کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ قائل سے شامی نے اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ غرضیکہ مسئلہ تبلیغ میں تلقن من الخارج مفسد نماز ہے۔

آل مکبر الصوت

حقیقت میں یہاں دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک جواز استعمال کا اور دوسرا صحت صلوٰۃ کا، بندہ کے خیال میں ان دونوں سوالوں کا جواب مختلف ہے۔ یعنی آل مکبر الصوت کا استعمال نماز میں مکروہ ہے، مگر اسکے باوجود اگر کسی نے اقتدا کر لی تو نماز درست ہو جائے گی۔ کراہت استعمال اسلئے کہ بلا ضرورت مسنون و معتد علیہ اور یقینی طریق تبلیغ ترک کر کے ناقابل اعتماد طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، البتہ عوام میں غلبہ جہل و فقدان اہلیت یا اور کسی وجہ سے مکبرین کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو بضرورت مکبر الصوت کے استعمال میں مضائقہ نہیں، حتی الامکان احتراز اولیٰ واجب ہے،

دوسرا مسئلہ صحت نماز کا ہے جس میں وجوہ ذیل کی بنا پر بندہ بھی مؤلف رسالہ مکبر الصوت و دیگر اکابر دیوبند کی رائے سے موافق ہے اور صحت نماز کا قائل ہے۔

① مکبر الصوت کی آواز عین آواز متکلم ہے یا غیر؟ اسکا ابتک اہل سائنس فیصلہ نہیں کر سکے بصورت اختلاف بقاعدہ "البیقین لا یزول بالشک" اسکی صوت کو عین صوت متکلم کہا جائے گا، اسلئے کہ صوت متکلم کا وجود یقینی اور صوت مغائر کا وجود مشتبہ ہے خصوصاً جبکہ احکام شرع کا مدار ظاہر پر ہے۔ نہ کہ تدقیقات فلسفہ پر اور ظاہر یہی ہے کہ جب امام بول رہا ہے تو یہ آواز اسی کی ہے۔

② اگر اس صوت کو صوت متکلم کا غیر فرض کر لیا جائے تو آلہ مکبر الصوت محض آلہ غیر مختار ہے لہذا اسکی آواز بحکم آواز متکلم ہوگی۔

③ فقہار رحمہم اللہ تعالیٰ نے عدم صحت اقتدار کی صورتیں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں مگر صوت صدی کی اقتدار کا فساد کہیں بیان نہیں کیا، یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مصنفین کا ذہن صوت صدی کی طرف نہیں گیا اسلئے کہ سجدہ تلاوت کی بحث میں جملہ مصنفین اس پر بحث فرماتے ہیں۔ پس سجدہ تلاوت کے باب میں جمیع مصنفین کا اسے بیان فرمانا اور بحث اقتدار میں قاطبہ سب فقہاء کا اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور اس طرف کسی کا بھی کوئی توجہ نہ فرمانا، باوجودیکہ مسئلہ محتمل الوقوع ہے اور یہ نسبت سجدہ تلاوت کے وقوع کا زیادہ قریب احتمال رکھتا ہے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صوت صدی کی اقتدار صحیح ہے۔

④ مساجد میں محراب اور گنبدوں کے ذریعہ تبلیغ صوت کا تعال و توارث چلا آتا ہے خصوصاً ٹھٹھ کی قدیمی تاریخی مسجد میں فن معمار کی کا انجوبہ بہت سے حضرات نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ خطیب کی آواز گنبدوں کے ذریعہ کتنی دور تک صاف پہنچتی ہے، گنبدوں کے ذریعہ پہنچنے والی آواز میں قریب ترین احتمال یہ ہے کہ صدی ہے مگر آج تک کسی زمانہ میں اس پر کوئی اشکال نہیں پیش کیا گیا۔ اگر بالفرض گنبدوں کی آواز کا صدی نہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی کم از کم صدی ہونیکا احتمال تو ضرور ہے جسکا مقتضی یہ تھا کہ علماء دین اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے صدی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق کرتے، بصورت عدم تحقیق نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس سے احتراز کو ضروری قرار دیتے اور فساد نماز کا حکم صادر فرماتے مگر آج تک کسی عالم نے اس طرف قطعاً کوئی التفات نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ صوت صدی کا اتباع مفسد صلوٰۃ نہیں اور یہ توارث سے ثابت ہے۔

فقط وھذا ملجاء فی نظری القصیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر

غرة ثرم سنہ ۱۴۱۰ یوم الجمعة



وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

نیل السَّعَادَةِ بِالْإِقْتِدَاءِ فِي صَلَاةِ الْمَعَادَةِ

نماز میں وقوع نقصہ کے وجہ
سے دوبارہ جماعت کرائی گئی تو
اسے میں نے مقتدی کے شرکت
کا حکم



صلوة معاده لترك الواجب میں شرکت کا حکم

ایک اہم مسئلہ سے متعلق دو حضرات کے متضاد جوابات ارسال خدمت ہیں۔ حضرت سے درخواست ہے کہ انہیں ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں اور اپنی تحقیق عمیق سے مستفید فرمائیں۔
از منظر نگر (اندیا)،

سوال: ترک واجب کی بنا پر نماز کا اعادہ کیا گیا تو نووارد شخص اس دوسری جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امداد الفتاویٰ میں نووارد کی شرکت کا جواز مذکور ہے اور امداد الفتاویٰ کے حاشیہ پر شرکت کو مختار قول کے غیر مطابق قرار دیا ہے اور دلیل یہ بیان فرمائی کہ ثانی نماز مستقل نماز نہیں، لہذا مستقل نماز پڑھنے والوں کی اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ عرض ہے کہ مختار شرکت کا جواز ہے یا عدم جواز؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرما کر منون فرمائیں۔ ۲۰/۱۱/۹۵ھ

جواب اول

حامل و مصلیٰ، مجتہدین کے کلام میں باوجود تتبع کے نووارد کی شرکت یا عدم شرکت کی تصریح تو نہیں ملی، غالباً یہ مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ ثانی نماز نفل ہے یا فرض۔ اس کا فیصلہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ فرمایا ہے۔ یؤخذ من لفظ الاعادة ومن تعریفها بما مرّ انہ ینوی بالثانیۃ الفرض لان ما فعل اولاً هو الفرض فاعادته فعله ثانیاً اما علی القول بان الفرض یسقط بالثانیۃ فظاہر واما علی القول الآخر فلان المقصود من تکرارها ثانیاً جبر نقصان الاولی فالاولی فرض ناقص والثانیۃ فرض کامل مثل الاولی ذاتاً مع زیادة وصف الکمال ولو كانت الثانیۃ نفلاً لزم ان تجب القراءة فی رکعاتها الاربع ۱ھ (رد المحتار باب قضاء الفوائت ص ۴۹) فقہار کی تعبیرات میں ضرور اختلاف ہے۔ بعض نے الفرض سقط بالاولیٰ اور بعض نے یكون الفرض هو الثانی سے تعبیر فرمایا مگر علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ اختلاف تعبیرات کا ہے حقیقی نہیں کیونکہ سقوط الفرض بالثانیۃ کا یہ مطلب نہیں کہ اولیٰ سے سقوط فرض بالکل نہیں ہوا تھا اور ثانیہ پر اس طرح موقوف تھا کہ اگر بالفرض ثانیاً اس فعل کو نہ کیا جاتا تو مصلیٰ خارج عن الصلوٰۃ نہ ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حکم سقوط الفرض موقوف ہے عدم اعادہ پر (نظار شامیہ باب قضاء الفوائت میں مذکور ہیں) اور جب اعادہ ہو گیا تو یہ فرض محول الی النفل ہو گئے، جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر

صلوٰۃ جمعہ میں شریک ہو جائے تو فرضیت کا بطلان ہو کر عند الامام و ابی یوسف رحمہما اللہ نفلیت باقی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اگر صلوٰۃ جمعہ میں اس سے رکن فوت ہو جائے تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا اور سقوط الفرض بالاولیٰ والثانی جابر کا قول بھی ثانیہ کے نفل ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ اسکے معنی بحسب تحقیق حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ یہ ہیں کہ سقوط فرض ثانیہ کے شروع کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اگر اعادہ نہ کیا جائے تو سقوط فرض بالنقصان ہو چکا تھا، اب اس نقصان کو پورا کر نیکی خاطر ذاتِ اولیٰ کا کمال کے ساتھ اعادہ کیا جا رہا ہے جس طریقہ سے قعدہ اخیرہ پر ارکان پورے ہو جاتے ہیں، سقوط فرض کسی اور چیز پر موقوف نہیں مگر سلام سجود السہو کے بعد سے آخر تک جو حصہ ہے فرض ہی واقع ہوگا۔ چنانچہ جو اس حالت میں اقتدار کریگا بالاتفاق اسکی اقتدار صحیح ہو جائے گی تو یہ (ثانیہ) مثل سجود سہو ہے کما فی رد المحتار جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السہو چونکہ سجود سہو کی صورت میں منافی صلوٰۃ کوئی عمل نہیں ہوا اسلئے شارع علیہ السلام نے اس سجود و تشہد کی زیادتی کو مربوط بمحل السہو قرار دیکر لجزر النقصان کافی اعتبار کیا اور اعادہ کی صورت میں منافی صلوٰۃ عمل ہو چکا لہذا اس زیادتی کی بنا اصل صلوٰۃ پر ممکن نہیں رہی اسلئے جدیدہ تحریمہ کے ساتھ مستقل نماز کو جابر قبول کیا، چار رکعت والی نماز کے لئے چار رکعت اور تین رکعت والی نماز کے لئے تین رکعت کو جابر قرار دینا دلیل ہے کہ موداة بالفعل الاول اور بالفعل الثانی میں اتحاد ذات ہے تغایر و تعدد صرف صورت ہے۔ اگر لجزر النقصان محض زیادتی مطلوب ہوتی تو دو رکعت نماز کی مشروع ہے ہر نماز کے لئے دو رکعت جابر ہو سکتی تھی، معادہ صلوٰۃ لترك الواجب متروک واجب کے قائم مقام ہے اور واجبات سب نمازوں کے مساوی تو ہر نماز کے لئے ایک ہی مقدار قرین قیاس تھی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ محض زیادتی مطلوب نہیں بلکہ زیادتی مع اتحاد ذات مجبور و جابر مطلوب ہے۔ مثلاً ذات صلوٰۃ ظہر کا وجود چار رکعت سے ہوتا ہے، لہذا لجزر النقصان چار رکعت مطلوب ہوئیں۔ الغرض موداة بالفعل الثانی کا مماثل بالفعل الاول فی سائر الاجزاء مطلوب ہونا دلیل ہے کہ ثانیہ مثل اولیٰ کے عقب الوقوع فرض ہے، ذات کی ذاتیات و اوصاف ذاتیہ میں سے اگر کوئی معدوم ہو جائے تو ذات ہی باقی نہیں رہتی اور اگر اوصاف عارضہ میں خلل واقع ہو جائے تو ذات باقی رہتی ہے، مگر اس وقوع خلل فی الاوصاف کا نقص ذات ہی کی طرف راجع ہوتا ہے، پھر اگر اس نقصان کو پورا کیا جاتا ہے تو یہ جبر نقصان بلا واسطہ ذات ممکن نہیں۔ یہ بھی تصریح سامنے

نہیں آئی کہ ثانیہ میں نفل کی نیت کافی ہو جائے گی۔ طحاوی علی مراقی الفلاح میں ”نفل جابر“ مذکور ہے۔ اس کے معنی بصورت تطبیق یہ ہونگے کہ جب ارکان و شروط صلوٰۃ مکمل ہو چکے تو اب ثانیاً شروع فی الفعل فرض نہیں بلکہ غیر فرض ہے (چونکہ عند البعض اعادہ واجب ہے اور عند البعض مستحب اور بعض نے فی الوقت اور بعد الوقت کی تفصیل کی اسلئے لفظ نفل ذکر فرما دیا جو دونوں کو شامل ہے) اول کے نقصان کو پورا کرتا ہے لہذا یہ ابتداء فعل کے معاقب فرض واقع ہونے کے منافی نہیں۔ مسافر پر صلوٰۃ جمعہ فرض نہیں مگر جب پڑھیں گے تو واقع فرض ہوگی۔ چنانچہ مسافر کی اقتدار بالاتفاق صحیح ہے۔ الحاصل بعض نے قبل الاعادہ کے اعتبار سے اولیٰ کو اور بعض نے بعد الاعادہ کے اعتبار سے ثانیہ کو مسقطۃ الفرضیہ سے تعبیر فرمایا، مآل سب کا واحد ہے۔ کما فی رد المحتل و بہن اظہر التوفیق بین القولین و ان الخلاف بینہما لفظی، اس وضاحت کے بعد نووارد کی عدم شرکت کے قول کو مختار تسلیم کرنے میں تامل ہے، عدم شرکت کے قول کو غلط کہنے کی جرأت تو نہیں کی جاسکتی، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کافتویٰ عدم شرکت پر ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا القاری اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہما کافتویٰ شرکت پر ہے۔ دونوں حضرات مقتدی ہیں اور ممکن ہے بلکہ ظن ہے کہ حضرت مفتی صاحب رفعت درجاتہم کے سامنے بہت زیادہ قوی دلیل ہو جسکے سامنے خاکسار کی یہ تحریر بالکل ہیچ کس ہو مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دلیل مستور ہے اور حکیم الامت مدت فیوضہم کے فتویٰ کی دلیل اور ماخذ ظاہر ہے اسلئے قول شرکت کو مختار تسلیم کرنا قریب الفہم معلوم ہوتا ہے۔ عدم شرکت کی دلیل ثانی نماز کا غیر مستقل ہونا تحریر فرمایا ہے۔ مستقل اور غیر مستقل نماز کی تقسیم کا شرعی ماخذ اور تعریف، پھر تعریف کردہ مستقل نماز پڑھنے والے کو غیر مستقل نماز پڑھنے والے کی اقتدار کے عدم جواز کا ثبوت محتاج بیان ہے حضرت محشی صاحب حیات ہیں اور دور بھی نہیں، انکی خدمت میں پیش ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد عفی عنہ

۲۳ / ۱۱ / ۱۴۰۵ھ

جواب ثانی از محشی

علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ اصل نماز اور اعادہ کردہ نماز دونوں فرض ہیں۔ لیکن

اس تحقیق میں حضرت علامہ منفرد ہیں، جیسا کہ خود انھوں نے بحث ختم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ہذا
 نہایت ما تخریج من فتح الملک الوہاب فاعتمہ فانہ من مفردات ہذا الکتاب اہ لیکن
 مختار قول وہ ہے جو علامہ طحاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ والمختاران المعادۃ
 لتک الواجب نفل جابر والفر من سقط بالاولیٰ، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ نے حضرت
 علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق فتویٰ ارقام فرمایا اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت
 مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نے طحاوی کے قول کے مطابق فتویٰ دیا۔
 اس وقت علماء مظاہر العلوم ودارالعلوم کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ کثرت کس
 طرف ہے۔ رہی یہ بحث تو یہ ایک خاص نقطہ نظر لئے ہوئے ہے۔ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والے
 بھی ایسی ہی بحث کرتے ہیں فایں المفرد واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ مجھے بحث بار بار پڑھنے پر
 بھی شرح صدر نہیں ہوا۔ لعلہ اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔

کتبہ عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۱۱ / ۹۵ھ

جواب الجواب از عجیب اول

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت ہذا نہایت
 ما تخریج الیٰ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قولوں کی تطبیق میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ منفرد ہیں نہ کہ
 ثانیہ کو فرض قرار دینے میں منفرد ہیں۔ حضرت علامہ حلبی نے اپنی شرح کبیری میں واجبات صلوٰۃ
 کے شروع میں فرمایا ہے ومن المشایخ من قال یلزمہ ان یعید ویكون الفرض هو الثانی
 اور خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے ابوالیسر کا قول نقل کیا اور ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے ثانیہ کو فرض
 قرار دینے میں عدم سقوط الفرض بالاولیٰ بلا ترک رکن کا اشکال ظاہر فرما کر الا ان یقال المراد ان
 ذلک امتنان الیٰ جواب فرمایا نیز جواب میں منقول عبارت میں واما علی القول بان الفرض
 یسقط بالثانیۃ مصرح ہے۔ پھر علامہ شامی رحمہ اللہ کی انفرادیت کیونکر قرار دی جاسکتی ہے۔
 تفصیلی جواب کے ملاحظہ کے بعد طحاوی کی عبارت کے یہ معنی مراد لے کر کہ ثانیہ بعد الوقوع فرض
 نہیں بلا دلیل مختار کہنا کسی ہی کو زیبا ہے۔ طحاوی کی مذکورہ عبارت میں معادہ کی خبر نافلہ
 جو کہ بعد الوقوع متصرف بالفعل ہونے پر دال ہے ذکر نہ کرنا اور نفل مصدر کو ذکر کرنا جو صرف
 حدوث پر دال ہے گزشتہ جواب میں مذکور تاویل کا مؤید ہے۔ مجرد اولیٰ کی فرضیت کی دلیل

لانہ الفراض لا یتکسر کے بارے میں طحاوی شرح در مختار میں وفیہ نظر مذکور ہے۔

کثرت اس وقت رائج ہوتی ہے جبکہ جانبین کے دلائل مساوی ہوں اور ہر ایک کو جانبین کے دلائل معلوم ہوں، اس کا شاہد خلیفہ ہارون الرشید کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ چور نے مال لینے کا اقرار کر لیا۔ تمام فقہاء مجلس نے قطع ید کا حکم کیا، مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے قطع ید سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ مال لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا چوری کا اقرار ضروری ہے پھر اس نے معلوم کرنے پر چوری کا بھی اقرار کر لیا تو تمام فقہاء کا اتفاق ہو گیا کہ اب تو قطع ید ضروری ہو گیا، مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ پہلے اقرار سے ضمان واجب ہو چکا تھا، پھر چوری کے اقرار سے ضمان کو ساقط کرتا ہے لہذا اقرار مسموع نہ ہو گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل اگر ان فقہاء کو نہ پہنچتی تو سب اپنی رائے پر قائم رہتے اور یہ سب کا اتفاق صواب نہیں تھا۔ دوسرا نقطہ نظر رکھنے والوں کی بحث تحریر فرمادی جاتی تو کرم ہوتا، وہ اگر اقوی ہوتی تو تسلیم کر لی جاتی اور کم از کم مستقل نماز الخ کے بیان کا ثبوت مطلوب تھا اس کو تو تحریر فرما ہی دیا جاتا بخل مناسب نہیں۔

مفر کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کی تلاش کی فکر کریں، ماوی کی ضرورت ہے وہ بجد اللہ میسر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد عفی عنہ

۱۳ / ۱۲ / ۹۵ھ

الجواب باسم ملہم الصواب

مسئلہ کی اہمیت اور اس میں اکابر علماء کے اختلاف و بحث کے پیش نظر اس سے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة الخالق علی البحر الرائق فی باب قضاء الفوائت وخرج به ایضاً فعل مثله بعد لا لخلل غیر الفساد وعدم صحة الشرع فهو خارج عن الاقسام الثلاثة كما نبه عليه المحقق ابن الهمام فی التحریر لکن قال العلامة ابن امیر حاج فی شرحہ ان هذا مبني على ما عليه البعض والا فقول الميزان الاعادة في عرف الشارع اتيان بمثل الفعل الاول على صفة الكمال بان وجب على المكلف فعل موصوف بصفة الكمال فاداه على

وجه النقصان وهو نقصان فاحش يجب عليه الاعادة وهو اتيان مثل الاول ذاتاً
مع صفة الكمال اه يفيد انه اذا فعل ثانياً في الوقت او خارج الوقت يكون اعادة
كما قال صاحب الكشف اه ونحوه في شرح اصول فخر الاسلام للشيخ اكملة الدين
فانه قال ولم يذكر الشيخ الاعادة وهي فعل ما فعل اولاً مع ضرب من الخلل ثانياً
وقيل هو اتيان مثل الاول على وجه الكمال لانها ان كانت واجبة بان وقع
الاول فاسداً فهي داخلة في الاداء والقضاء وان لم تكن واجبة بان وقع الاول
ناقصاً لا فاسداً فلا يدخل في هذا التقسيم لانه تقسيم الواجب وهي ليست بواجبة
وبالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح فالفعل الثاني
بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو اه وهو موافق لكلام الميزان حيث لم يقيد بها
بالوقت ومخالف له حيث صرح بعدم وجوبها وفي شرح التحرير هل تكون الاعادة
واجبة فصرح غير واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانها ليست بواجبة وان
بالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح وان الثاني
بمنزلة الجبر والاوجه الوجوب كما اشار اليه في الهداية وصرح به بعضهم كالشيخ
حافظ الدين في شرح المنار وهو موافق لما عن الشيخين والى اليسر من ترك
الاعتدال تلزمه الاعادة زاد ابو اليسر ويكون الفرض هو الثاني وعلى هذا يدخل
في تقسيم الواجب ثم نقل عن شيخه ابن الهمام لا اشكال في وجوب الاعادة
اذ هو المحكم في كل صلوة ادبت مع كراهة التحريم ويكون جابراً للاول لان الفرض
لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترك الركن
لا الواجب الا ان يقال المراد ان ذلك امتنان من الله تعالى اذ يحاسب الكامل
وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سيوقعه اه اقول ويظهر من التوفيق
بان المراد بالوجوب الافتراض في عبارة الشيخ اكملة الدين لانه ذكر وجوبها
عند وقوع الاول فاسداً ولا شبهة في انها حينئذ فرض وذكر عدم الوجوب عند
وقوع الاول ناقصاً لا فاسداً ولا شبهة في عدم افتراضها حينئذ وعلى هذا يحمل
كلام شراح اصول فخر الاسلام فلا ينافي ذلك ما اشار اليه في الهداية وصرح به
في شرح المنار من ان الاوجه الوجوب لان المراد به الوجوب المصطلح لا الافتراض

(البحر الرائق ص ٤٨، ٤٩ ج ٢)

وقال الشيخ زين الدين ابن نجيم رحمه الله تعالى والاعادة فعل مثله في وقت الخلل غير الفساد وعدم صحة الشروع وهو المراد بقولهم كل صلاة اديت مع كراهة التحريم فسبيلها الاعادة فكانت واجبة فلذا دخلت في المأمور به
(البحر الرائق ص ٤٩ ج ٢)

وقال ملك العلماء الكاساني رحمه الله تعالى فان كان المتروك فرضا تفسد الصلوة وان كان واجبا لا تفسد ولكن تنقص وتدخل في حد الكراهة -
(بدائع الصنائع ص ١٦٤ ج ١)

وقال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى في الشرح الكبير ومن المشايخ من قال يلزمه ان يعيد ويكون الفرض هو الثاني والمختاران الفرض هو الاول والثاني جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام لا اشكال في وجوب الاعادة اذ هو الحكم في كل صلوة اديت مع كراهة التحريم ويكون جابرا للاول لان الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول وهو لازم ترك الفرض لا الواجب انتهى (الشرح الكبير ص ٢٨٥)

وقال في العلائقية وكذا كل صلوة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار انها جابرة للاول لان الفرض لا يتكرر قال في الحاشية (قوله والمختاران) اي الفعل الثاني جابر للاول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح كذا في شرح الاكمل على اصول البزدوى ومقابله ما نقلوه عن ابى اليسر من ان الفرض هو الثاني واختار ابن الهمام الاول قال لان الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول اذ هو لازم ترك الركن لا الواجب الا ان يقال المراد ان ذلك امتنان من الله تعالى اذ يحسب الكامل وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانه انه سيوقعها يعنى ان القول يكون الفرض هو الثاني يلزم عليه تكرار الفرض لان كون الفرض هو الثاني دون الاول يلزم منه عدم سقوطه بالاول وليس كذلك لان عدم سقوطه بالاول انما يكون بترك فرض لا بترك واجب وحيث استكمل الاول فرائضه لا شك في

كونه مجزئاً في الحكم وسقوط الفرض به وان كان ناقصاً بترك الواجب فاذا كان الثاني فرضاً يلزم منه تكرار الفرض الا ان يقال الخ فافهم (رد المحتار ص ١٣٦)

وفي الدال المختار في باب قضاء الفوائت والاعادة فعل مثله في وقتة لخلل غير الفساد لقولهم كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تعاد اي وجوباً في الوقت واما بعده فندياً، قال ابن عابدين رحمه الله تعالى تحت (قوله في وقتة) ثم اعلم ما ذكرهنا في تعريف الاعادة هو ما مشى عليه في التحريم وذكر شارحه ان التقيد بالوقت قول البعض والا ففي الميزان الاعادة في عرف الشرع ان كان يمثل الفعل الاول على صفة الكمال بان وجب على المكلف فعل موصوف بصفة الكمال فاداه على وجه النقصان وهو نقصان فاحش يجب عليه الاعادة وهو ان كان مثل الاول ذاتاً مع صفة الكمال اه (ثم قال بعد اسطر) وان كان على وجه الكراهة على الاصح فالفعل الثاني بمنزلة الجبر كالجبر بسجود السهو اه ثم قال تحت (قوله اي وجوباً في الوقت) وقال في شرح التحريم وهل تكون الاعادة واجبة فصرح غير واحد من شرح اصول فخر الاسلام بانها ليست بواجبة وانه بالاول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة على الاصح وان الثاني بمنزلة الجبر والاوجه الوجوب كما اشار اليه في الهداية وصرح به النسفي في شرح المنار وهو موافق لما عن السرخسي والجب اليسر من ترك الاعتدال تلزم الاعادة وزاد ابواليسر ويكون الفرض هو الثاني وقال شيخنا المصنف يعني ابن الهمام لا اشكال في وجوب الاعادة اذ هو الحكم في كل صلاة اديت مع كراهة التحريم ويكون جابراً للاول لان الفرض لا يتكرر وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالاول وفيه انه لازم ترك الركن لا الواجب الا ان يقال الخ (ثم قال) ومن هذا يظهر اننا اذا قلنا الفرض هو الاول فالاعادة قسم آخر غير الاداء والقضاء وان قلنا الثاني ففي احدهما اه اقول فتلخص من هذا كله ان الارجح وجوب الاعادة (الى ان قال) وقد نقلنا لخير الرملى في حاشية البحر عن خط العلامة المقدسى ان ما ذكره في البحر يجب ان يعتمد عليه لاطلاق قولهم كل صلاة اديت مع الكراهة سبيلها الاعادة اه قلت اي لانه يشمل وجوبها في الوقت وبعده اي بناء على ان الاعادة لا تختص

بالوقت وظاہر ما قد مناه عن شرح التحریر ترجیحہ وقد علمت ایضاً ترجیح القول بالوجوب فیكون المرجح وجوب الاعادة فی الوقت وبعده ویشیر الیه ما قد مناه عن المیزان من قوله يجب عليه الاعادة وهواتيان مثل الاول ذاتاً مع صفة الكمال ای کمال ما نقصه منها وذلك یعم وجوب الاتیان بها كاملة فی الوقت وبعده كما مر، وقال ایضاً تحت (تنبیه) ویؤخذ من لفظ الاعادة ومن تعریفها بما مرانه ینوی بالثانية الفرض لان ما فعل اولاً هو الفرض فاعادته فعله ثانياً اما على القول بان الفرض یسقط بالثانية فظاہر واما على القول الآخر فلان المقصود من تكرارها ثانياً جبر نقصان الاولی فالاولی فرض ناقص والثانية فرض كامل مثل الاولی ذاتاً مع زیادة وصف الكمال ولو كانت الثانية نقلاً لزم ان تجب القراءة فی رکعاتها الاربع وان لا تشرع الجماعة فیها ولم یدکره ولا یلزم من كونها فرضاً عدم سقوط الفرض بالاولی لان المراد انها تكون فرضاً بعد الركوع اما قبله فالفرض هو الاولی وحاصله توقف المحکوم بفضیة الاولی على عدم الاعادة وله نظائر کسلام من علیه سجود السهو یمخرجه خروجاً موقوفاً وفساد الوقتیه مع تذکر فائتة کما سیأتی وکتوقف المحکوم بفضیة المغرب فی طریق المزدلفة على عدم اعادتها قبل الفجر وهذا ظهر التوفیق بین القولین وان الخلاف بینهما لفظی لان القائل ایضاً بان الفرض هو الثانية اراد به بعد الوقوع والالزام المحکم ببطلان الاولی بترك ما ليس بركن ولا شرط كما مر عن الفتح ولزم ایضاً انه یلزم الترتیب فی الثانية لو تذکر فائتة والثانی على الظن انه لا یقول بذلك احد ونظیر ذلك القراءة فی الصلوة فان الفرض منها ایة والثلاث واجبة والزائد سنة وما ذاك الا بالنظر الى ما قبل الوقوع بدلیل انه لو قرأ القرآن كله یقع الكل فرضاً وكذا الوأطال القيام او الركوع او السجود وهذا نهاية ما تحرری من فتح الملک الوهاب فاغتمه فانه من مفردات هذا الكتاب والله تعالى اعلم بالصواب (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱)

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی منقولہ عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ صلوٰۃ معادہ قبل الا یتقاع واجب ہے اور بعد الا یتقاع فرض ہے۔

اعرابی تارک اعتدال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فصلت فانك لم تصلح بھی اس پر دلیل ہے کہ صلوٰۃ معادہ فرض ہے۔ آپنے صلوٰۃ اولیٰ کو غیر معتبر قرار دیکر صلوٰۃ ثانیہ کا امر فرمایا، اور اسے معتبر قرار دیا۔ قول مذکور کی ترجیح کے علاوہ اسے صورت تطبیق بھی قرار دیا جاسکتا ہے غیر واجب، واجب اور فرض کے اقوال میں تطبیق عبارات بالا میں گزر چکی ہے۔ باقی رہا قول نفل سو اس میں نفل بمعنی واجب لیا جاسکتا ہے چنانچہ وتر کو باب نوافل میں ذکر کیا جاتا ہے اور کراہت عمت فی غیر رمضان ووجوب القراءة فی جمیع الركعات وغیرہ احکام میں بھی حکم نوافل ہے خصوصاً واجب بايجاب العید پر نفل کا اطلاق عام ہے كالصلوة المنذورة وركعت الطواف، چونکہ صلوٰۃ معادہ کا وجوب بھی بفعل العید ہے اسلئے اس واجب کو اصطلاح میں نفل ہی سے تعبیر کیا جائیگا، غرضیکہ صورت ترجیح و تطبیق دونوں کا مقتضی یہ ہے کہ صلوٰۃ اولیٰ فرض ناقص ہے اور صلوٰۃ معادہ بھی فرض مثل اولیٰ مع زیادة صفة الکمال ہے، اسلئے نوادر کی اقتدار صحیح ہوگی۔

”الفرض لا يتكرر“ کا جواب یہ ہے کہ فرض کامل کا تکرار جائز نہیں لانه يراد بالمطلق

الفرد الكامل

تنقید :

محبیب اول نے جو قبل الاعادہ پڑھی ہوئی نماز کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ ”اور جب اعادہ ہو گیا تو یہ فرض محول الی النفل ہو گئے“ اس میں تاویل ہے۔ اسلئے کہ فقہار کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ صلوٰۃ معادہ مثل اولیٰ ہے مع صفة زیادة الکمال، پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اعادہ کے بعد صلوٰۃ اولیٰ نفل ہو جائیگی تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ صلوٰۃ معادہ جو مثل اولیٰ ہے وہ بھی نفل ہو، محبیب نے جو مثال پیش کی ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہو تو فرضیت کا بطلان ہو کر عند الامام دابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نفلیت باقی رہ جاتی ہے یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جمعہ کے روز ظہر کا حکم عند العجز او التخلف ہے۔ جب جمعہ پڑھ لیا تو عجز و تخلف کا تحقق ہی نہیں ہوا اسلئے صلوٰۃ جمعہ ہی کی صحت کا حکم ہوا اور جو نماز ظہر کی نیت سے پڑھی تھی وہ نفل ہو گئی۔ نیز یہاں دو الگ الگ نمازیں ہیں اور صلوٰۃ معادہ میں ایک ہی نماز کا اعادہ ہوتا ہے لہذا قیاس مع الفارق ہے۔ محبیب نے آگے چلکر خود مؤداة بالفعل الاول والثانی کو متحد بالذات قرار دیا ہے اور صلوٰۃ اولیٰ کو نفل قرار دینے سے اول و ثانی میں اتحاد بالذات نہیں رہتا۔ فافہم وتدبر

محبیب ثانی کا صلوٰۃ اولیٰ اور صلوٰۃ معادہ دونوں کی فرضیت کے قول میں علامہ شامی

رحمہ اللہ تعالیٰ کو منفرد قرار دیتا اور اس پر علامہ شامی کے قول ہذا امانت خوری الیہ سے استدلال صحیح نہیں، اسلئے کہ یہ پوری تحقیق سے متعلق نہیں بلکہ آخر بحث میں جو صورت تطبیق بیان فرمائی ہے اس سے متعلق ہے۔ چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار اور منحة الخالق میں اور علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیری میں فرضیت ثانیہ سے متعلق کئی حضرات کے اقوال نقل فرمائے ہیں اسلئے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علامہ شامی خود ایک چیز کو متعدد لوگوں کی طرف سے حکایت ذکر فرمائیں اور پھر یہ فرمائیں کہ یہ میرے تفردات میں سے ہے۔

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقات فقہیہ میں آپ کے تجسس و تعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے۔ مسئلہ زیر بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال : بعد از خروج وقت جبر نقصان مستحب است یا واجب ؟

جواب : ہر دو روایت است والا صحیح الوجوب کما فی مسائل شتی من شرح المنیۃ۔

سوال : در جبر نقصان نماز مغرب و وتر اگر سهواً بر سر رکعت نہ نشست چه کند، سهو و ہد یا جبر باز گرداند ؟

جواب : باز گرداند، (بیاض ہاشمی قلمی جلد اول باب قضا الفوائت ص ۱۳)

خلاصہ

صلوۃ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح و اوسع ہے اور قول عدم صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے یہ علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ، لہذا ایسی صورتیں قول عدم صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے۔ البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالا حوط اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۴ محرم سنہ ۱۴۰۶ ہجری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أَنِيبُ

المشكوة لمسألة المحاذاة

اگر نماز با جماعت میں عورت مرد کے ساتھ یا اس سے آگے
کھڑی ہو جائے اور امام نے عورت کے نیت کے ہو تو مرد کے
نماز نہیں ہوتی، مگر حرمین شریفین میں بوقت جماعت بعض
عورتیں مردوں کے صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں، نیز
مردوں کے صفوں سے آگے صف بنالیتی ہیں، اس صورت
میں مردوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نماز با جماعت کیسے ادا کریں
اس ابتلاء عام کے پیش نظر اس سے متعلق سوال کے جواب
میں خصوصی توجہ و تحقیق اور مردوں کے نماز کو فساد سے
بچانے کے تدبیر پر غور کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور بحمد اللہ تعالیٰ
اس کا حل مل گیا، جو رسالہ زیر نظر میں درج ہے !



حرمین شریفین میں عورتوں کی محاذاة کا حل

سوال : حرمین شریفین میں عام طور پر عورتیں مردوں کی صف میں شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

- ① اگر امام نے امامیۃ نسا کی نیت نہیں کی تو کسی عورت کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ مردوں کی صف میں شامل ہو یا مردوں سے الگ عورتوں کے لئے مخصوص جگہ میں ہو۔
- ② اگر امام نے امامیۃ نسا کی نیت کی ہو تو اس عورت کے محاذی دونوں جانب اور اس کے پیچھے بالکل سیدھ میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز فاسد ہوگی۔

③ اگر عورتیں تین سے زیادہ ایک صف میں کھڑی ہو گئیں تو ان کے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں بھی ہونگی کسی کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ صفیں اسی جہت میں ہوں یا خانہ کعبہ کی دوسری جہات میں ہوں، نیز یہ اشکال صرف اس صورت میں نہیں کہ تین سے زائد عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوں بلکہ جو عورتیں الگ مخصوص مکان میں کھڑی ہوتی ہیں ان کے پیچھے بھی مسجد سے باہر مردوں کی صفیں بن جاتی ہیں ان سب کی نماز بھی صحیح نہ ہونا چاہیے۔

ان جملہ اشکالات کا حل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، مسئلہ کی اہمیت، ابتداء عام اور حرمین شریفین کی مقدس نمازوں کی حفاظت کے پیش نظر پوری تحقیق اور مسئلہ کی ہر پہلو سے وضاحت فرما کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا فرمائیں۔ والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً متعلقہ عبارات تحریر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام لکھے جائیں گے۔

- ① قال فی التویر و اذا حاذتہ (ولو بعضو واحد و خصہ الزیلعی بالساق و الکعب، الشرح) امرأة مشتهاة و لاحائل بینہما (اقلہ قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجة تسع رجلاً، الشرح) فی صلاة مطلقة مشتركة تحریمية و اداء و اتحدت الجهة فسدت صلاتہ ان نوی (الامام وقت شروع لا بعدہ، الشرح) امامتها و الافسد صلاتها (رد المحتار ص ۵۳۸)
- ② قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله و خصہ الزیلعی الخ) حیث قال المعتبر فی المحاذاة الساق و الکعب فی الاصح و بعضهم اعتبروا القدم اه فعلى قول البعض لو

تأخرت عن الرجل ببعض القدم تفسد وان كان ساقها وكعبها متأخراً عن ساقه وكعبه وعلى الاصح لا تفسد وان كان بعض قدمها مخالفاً لبعض قدمه بان كان اصابع قدمها عند كعبه مثلاً تأمل هذا ومقتضى قوله وخصه الزيلعي ان قوله ولو بعضه واحد خارج عما ذكره الزيلعي فيكون قولاً ثالثاً في المسألة كما فهمه في البحر وظاهر كلام الزيلعي انه ليس في المسألة قول ثالث والا لذكره بل المراد بالعضو من المرأة قدمها ومن الرجل اي عضو كان على ما صرح به في النهاية ونصه وشرطنا المحاذاة مطلقاً لتناول كل الاعضاء وبعضها فانه ذكر في الخلاصة محالاً على فوائد القاضى ابى على النسخى رحمه الله تعالى المحاذاة ان يحاذى عضو منها عضواً من الرجل حتى لو كانت المرأة على الظلة ورجل يحاذيها اسفل منها ان كان يحاذى الرجل شيئاً منها تفسد صلاته وانما عين هذه الصورة لتكون قدم المرأة محاذية للرجل لان المراد بقوله ان يحاذى عضو منها هو قدم المرأة لا غير فان محاذاة غير قدمها لشيء من الرجل لا يوجب فساد صلاته نص على هذا في فتاوى الامام قاضى خان في اواسط فصل من يصم الاقتداء به ومن لا يصم وقال المرأة اذا وصلت مع زوجها في البيت ان كان قد معها يحاذى قدم الزوج لا تجوز صلاتها بالجماعة وان كان قد معها خلف قدم الزوج الا انها طويلة تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج جائز صلاتها لان العبرة للمقدم الا ترى ان صيد الحرم اذا كان رجلاً خارج الحرم ورأسه في الحرم يحل اخذه وان كان على العكس لا يحل انتهى كلام النهاية ونقله في المعراج واقره وفي القمهستانى المحاذاة ان تساوى قدم المرأة شيئاً من اعضاء الرجل فالقدم مأخوذة في مفهومه على ما نقل عن المطرئى فمساواة غير قدمها لعضوه غير مفسدة اه فقد ثبت بما ذكرناه وجود المحاذاة بالقدم في مسألة الظلة المذكورة خلافاً لما زعمه في البحر وانه لا فرق بين التعبير بالعضو وبالقدم خلافاً لما زعمه في البحر ايضاً وانه لو اقتدت به متأخراً عنه بقدمها صححت صلاتها وان لم يزل منه محاذاة بعض اعضائها القدم او غيره في حالة الركوع والسجود لان المانع ليس محاذاة اي عضو منها لاي عضو منه ولا محاذاة قدمه لاي عضو منها بل المانع محاذاة قدمها فقط لاي عضو منه (رد المحتار ٥٣٥ ج ١)

(٣) قال في الشامية تحت (قوله او فرجة تسع رجلاً) قال في السراج ولو قامت

وسط الصف تفسد صلوة واحد عن يمينها وواحد عن يسارها وواحد خلفها بازاها دون الباقيين فقد شرط ان يكون من خلفها محاذياً لها للاحتراز عن وجود الفرجة وكذا صرح به الزيلعي والحاكم الشهيد اه ملخصاً وقد مناهوه قريباً عن النهر، وافاد في النهر ايضاً ان اشتراط المحاذاة للفساد ليس خاصاً بتقدم المرأة الواحدة بل الصف من النساء كذلك اي فحيث لم يحاذهن صفوف الرجال فلا فساد، والحاصل ان المراد من افساد صلاة من خلفها ان يكون محاذياً لها من خلفها اي بان يكون مسامتاً لها غير منحرف عنها يمنة او يسرة قدر مقام الرجل لا مطلق كونه خلفها، (رد المحتار ص ٥٣٦ ج ١)

(٤) قال الرافي رحمه الله تعالى (قوله مراد البحر من تعيين المحل على المحاذاة ما ذكرنا) على ان مراد صاحب البحر ما ذكره ابن عابدين لا يندفع به الاشكال بخلافه على ما ذكره المحقق والخاسم لمادة الاشكال ان يقال ان التقدم مفسد آخر ولو مع وجود فرجة ويمنع صحة اقتداء الرجل كالنهر الفاصل والطريق فكما انهم لم يجعلوا الفرجة معتبرة في مسألة النهر مثلاً فكذلك في مسألة تقدم المرأة اه (التحريم المختار ص ٢٤ ج ١)

(٥) قال في الشامية تحت (قوله فسدت صلاتها) وظاهر عود الضمير في صلاتها على المرأة المحاذية اي لامام او لمقتل انها لو اقتدت بغير محاذية لاحد صحت اقتدائها وان لم ينوها الا اذا نفى امامة النساء كما في القمهستاني وحينئذ فلا يشترط لصحة اقتداء المرأة نية الامام امامتها الا اذا كانت محاذية والا فلا يشترط وقدم المصنف في بحث النية ان فيه اختلافاً وقد مناهناك عن المحلية انه يشترط ان لا تتقدم بعد فتحاذي احداً من امام او مأموم فان تقدمت وحازت لا يبقى اقتدائها ولا تتم صلاتها اه وذكر في النهاية هنا ايضاً ان هذا قول ابي حنيفة الاول وظاهرة ان قوله الاخير اشتراط النية مطلقاً والعمل على المتأخر كما لا يخفى ولهذا اطلق في متن المختار قوله ولا تدخل المرأة في صلوة الرجال الا ان ينوها الامام ومثله في متن المجموع (رد المحتار ص ٥٣٦ ج ١)

(٦) قال في العلائية والايينوها فسدت صلاتها كما لو اشار اليها بالتأخير فلم تتأخر لتركها فرض المقام وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله كما لو اشار) عنه كذا في الاصل ولعل الصحيح ان مراد صاحب البحر على الخ ١٢ رشيد احمد
المشكوة

اليها بالتأخير الخ قال في الفتح وفي الذخيرة والسحيط اذا حاذته بعد ما شرع ونوى امامتها فلا يمكن التأخير بالتقدم خطوة او خطوتين للكرهية في ذلك فتأخيرها بالاشارة وما اشبه ذلك فاذا فعله فقد اُخْرِفَ لزمها التأخر فان لم تفعل فقد تركت حينئذ فرضه المقام فتفسد صلاحها دونها اه واستفيد من قوله بعد ما شرع انها لو حضرت قبل شروعه ونوى امامتها محاذياً لها وقد اشار اليها بالتأخر تفسد صلاحها فالاشارة بالتأخر انما تنفع اذا حضرت بعد الشروع ناوياً امامتها قال ط والظاهر ان الامام ليس بقيد اه اي فلو حازت المقتدى بعد الشروع واشار اليها بالتأخر ولم تتأخر فسدت صلاحها دونها (رد المحتار ص ٥٣٩ ج ١)

④ قال في العلائق ويمنع من الاقتداء بصف من النساء بلا حائل قد رذراع او ارتفاعهن قد رقامة الرجل مفتاح السعادة وفي الشامية (قوله صف من النساء) المراد به ما زاد على ثلاثة نسوة فانه يمنع اقتداء جميع من خلفه والافيه تفصيل بدليل ما قد منا حاصله عن البحر وهو ما اتفقوا على نقله عن اصحابنا من ان المرأة الواحدة تفسد صلاة رجلين من جانيبيها ورجل خلفها واثنين صلوة اثنين من جانيبيها واثنين خلفهما والثلاثة صلوة اثنين من جانيبيهن وصلوة ثلاثة من خلفهن الى اخر الصفوف ولو كان صف من النساء بين الرجال والامام لا يصح اقتداء الرجال بالامام ويجعل حائلاً وايضاً فينها تحت (قوله بلا حائل) وحاصلها انه اذا كان صف النساء امام صف الرجال يمنع الا اذا كان احد الصفين على حائط مرتفع قد رقامة او كان بينهما حائل مقداره مؤخر رجل البعير او خشبة منصوبة او حائط قد رذراع وهذا مخالف لما في الحائية والبحر وغيرهما وهو قوم صلوا على ظهر ظلة في المسجد وحينئذ هم من تحتهم نساء اجزأتهم صلاتهم لعدم اتحاد المكان بخلاف ما اذا كان قد امهم نساء فانها فاسدة لانه تخلل بينهم وبين الامام صف من النساء وهو مانع من الاقتداء اه وفي الولوالجية قوم صلوا على ظهر ظلة المسجد وتحتهم قد امهم نساء لا تجزئهم صلاتهم لانه تخلل صف من النساء فمنع اقتداءهم وكذا الطريق اه فهذه اباطلاقة صريح بان الارتفاع غير معتبر في صف النساء وفي المعراج عن المبسوط فان كان صف تام من النساء ووراكن صفوف الرجال فسدت تلك الصفوف كلها استحساناً

والقياس ان لا تفسد الاصلوة صف واحد ولكن استحسن لحديث عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعاً وموقوفاً عليه من كان بينه وبين الامام نهر او طريق او صف من النساء فلا صلوة له اه فهذا اصریح فی ان الحائل غير معتبر فی صف النساء والا تفسد صلوة الصف الاول من الرجال فقط لكونه صار حائلاً بين من خلفه وبين صف النساء كما هو القياس فظهر ان ما ذكره الشارح من اعتبار الحائل او الارتفاع انما هو فيما دون الصف التام من النساء كالواحدة واثنين ه اما الصف فهو خارج عن القياس اتباعاً للاثر هذا ما ظهر فتدبر والله اعلم

(رد المحتار ص ۵۲ ج ۱)

(۸) قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله فانه يمتنع اقتداء جميع من خلفه الخ) تقدم عن النهر ان اشتراط المحاذاة للفساد ليس خاصاً بتقدم المرأة الواحدة بل لصف من النساء كذلك اي فحيث لم يحاذهن صفوف الرجال فلا فساد اه (التحرير المختار ص ۲۱۱)

(۹) قال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله فهذا اصریح فی ان الحائل غير معتبر الخ) هو صريح في ان الصف الاول من الرجال لا يعد حائلاً ولا يمكن ان يقال غيره من الحوائل مثله لنقل اهل المذهب ان الحائل يمنع الفساد كعبارة مفتاح السعادة وما نقله ط عن ابی السعود في اول مسألة المحاذاة بقوله ولو كان وراءهن حائط خلفه صفوف لا تفسد صلاتهم على الاصح ولو كان وراءهن صف من الرجال ثم الحائط ثم الصفوف فسدت صلاة الكل اه وحينئذ يقيد اطلاق ما في الخانية وغيرها بما في مفتاح السعادة (التحرير المختار ص ۱۷ ج ۱)

(۱۰) قال عبد الرحمن الجزيري الحنابلة - قالوا يشترط ان ينوي الامام الامامة في كل صلوة وتكون نية الامامة في اول الصلوة الخ (الفقه على المذاهب الاربعة ص ۲۱۷ ج ۱) عبارات بالا سمي مندرج ذیل امور ثابت ہوئے -

اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو تو

(۱) اگر ایک یا دو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو گئیں تو ان عورتوں کی نماز ہو جائے گی مگر ان کی دونوں جانب متصل اور ان کے پیچھے سیدھ میں صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہوگی (العبدۃ الثالثة والسابعة)

البتہ اگر عورت اور مرد کے درمیان ایک شخص کے کھڑے ہونے کی جگہ خالی ہو یا ایک ہاتھ لمبا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کھڑا کر لیا جائے یا تصحیح زلیعی کے مطابق عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ، اور نہایہ، خلاصہ، نسفی، خانہ، سراج، قسمستانی اور مطرزی وغیرہ کے اختیار کے مطابق عورت کا پورا پاؤں مرد کے پاؤں سے پیچھے ہو تو مرد کی نماز ہو جائے گی۔ شامی رحمہ اللہ کی تحریر سے دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے (العبادة الاولى والثانية)

اگر مرد کے پاؤں عورت کے پاؤں سے بلند ہوں تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، البتہ عبارت ثانیہ میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس صورت میں بھی مرد کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

صحت صلوٰۃ رجل کی مذکورہ بالا سب صورتیں اس مرد کے لئے ہیں جو عورت کی دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو، عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کے لئے بھی کوئی سترہ وغیرہ مفید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تصریح کہیں نہیں ملی، بظاہر اس کا فیصلہ اس پر موقوف ہے کہ عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کی نماز صحیح نہ ہونے کی علت محاذاة ہے یا کہ عورت کا تقدم؟

اگر محاذاة کو علت قرار دیا جائے تو عورت کی جانبین میں کھڑے ہونے والے مرد کی طرح یہاں بھی ایک ہاتھ اونچا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کافی ہو جانا چاہیے۔ مگر قول محاذاة پر کئی اشکالات ہیں۔ ولذا قال المحشی والحاسم لمادة الاشكال ان يقال ان التقدم مفسد اخر الخ (العبادة الرابعة)

نیز محاذاة کے عرفی معنی کی مطابق بھی قول محاذاة صحیح معلوم نہیں ہوتا، لہذا یہاں عدم صحت کی علت محاذاة نہیں بلکہ عورت کا تقدم ہے اسلئے صرف ایک انگل موٹا سترہ کافی نہ ہوگا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کی صف کے پیچھے حائل ہونے کی صورتیں اختلاف کی جو تفصیل ۷۷ میں آ رہی ہے کیا یہاں ایک یا دو عورتوں کے تقدم کی صورت میں بھی وہی اختلاف ہوگا؟ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تقدم صف نسار کی بنسبت ایک یا دو عورتوں کا تقدم اہون ہے۔ چنانچہ تقدم صف نسار آخر صفوف تک مؤثر ہے اور ایک یا دو عورتوں کا تقدم صرف ایک صف تک، اسلئے ۷۷ میں مذکور تفصیل کے مطابق حائل یا بلندی کی موجودگی میں بالاتفاق صحت نماز کا حکم ہونا چاہیے شامی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے (العبادة السابعة)

(۲) مرد نے نماز شروع کر دی اس کے بعد کوئی عورت اسکی محاذات میں کھڑی ہو گئی اور مرد نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا مگر وہ نہ ہٹی تو مرد کی نماز ہو جائے گی عورت کی نہیں ہوگی۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے قبل مرد نے عورت کو پیچھے ہٹنے کو کہا اور وہ نہ ہٹی اس کے باوجود مرد نے اسی حالت میں نماز شروع کر دی تو مرد کی نماز نہیں ہوئی عورت کی ہو گئی۔

(العبادة السادسة)

(۳) اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے سیدھ میں آخر صفوف تک کھڑے ہونے والے مردوں میں سے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ (العبادة السابعة)

عبارت سابعہ میں شامی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق تحریر ہے کہ چار عورتوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی پوری صفوف کی نماز نہ ہوگی، یعنی ان مردوں کی نماز بھی نہیں ہوگی جو عورتوں کی سیدھ میں نہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ تین اور تین سے زائد عورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں، جس طرح تین عورتوں کی صف صرف ان مردوں کی اقتدار کے لئے مانع ہے جو ان کے پیچھے انکی سیدھ میں ہیں اسی طرح چار یا اس سے بھی زیادہ عورتوں کی صف بھی صرف انکے پیچھے انکی سیدھ میں کھڑے ہونے والوں کی اقتدار کے لئے مانع ہے جو مرد انکی سیدھ میں نہیں انکی نماز ہو جائیگی

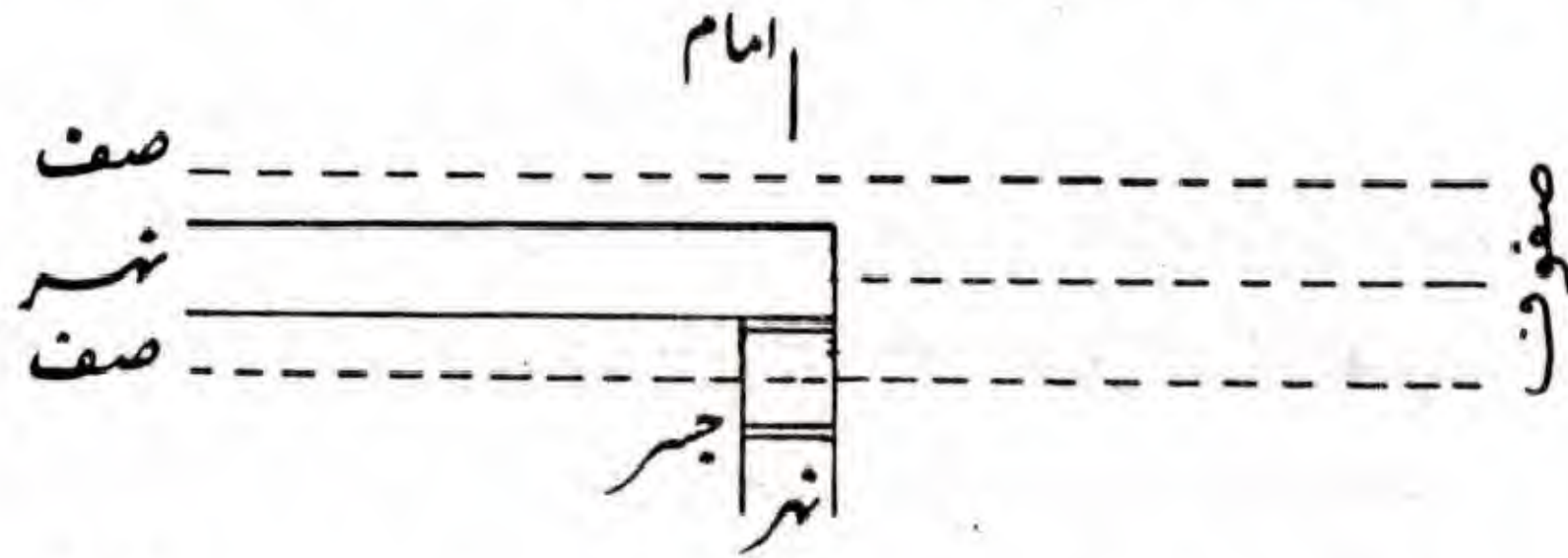
(العبادة الثامنة والثمانون)

شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بحر کی عبارت سے اشتباہ ہوا ہے۔ بحر میں تین عورتوں کی محاذ کا حکم بیان کرنے کے بعد یہ عبارت ہے ولو كان صف من النساء بين الرجال والامام لا يصح اقتداء الرجال بالامام ويجعل حائلا، تین عورتوں کے حکم کے بعد صف نساء ذکر کرنے سے یہ اشتباہ ہوا کہ یہاں تین سے زیادہ عورتیں مراد ہیں اور لا يصح اقتداء الرجال کے اطلاق سے یہ سمجھے کہ جو مرد عورتوں کی سیدھ میں نہیں انکی اقتدا بھی صحیح نہیں۔

حالانکہ بحر کی عبارت کا یہ مطلب نہیں، حقیقت یہ ہے کہ بحر میں پہلے مرد کی صف میں شامل ہونے والی عورتوں کا حکم بیان کیا ہے اس کے بعد ولو كان صف من النساء سے عورتوں کی مستقل صف کا حکم بتانا چاہتے ہیں خواہ یہ صف تین عورتوں کی ہو یا زیادہ کی، چونکہ عام طور پر سب صفوف طول میں برابر ہوتی ہیں اسلئے بظاہر مستقل صف

اور انکے پیچھے مردوں کی صف بھی آپس میں برابر ہونگی، اس بنا پر مردوں کی صف کے حکم میں تفصیل نہیں تحریر فرمائی، خصوصاً جبکہ تین عورتوں کے پیچھے کی صف میں تفصیل لکھی جا چکی ہے اسلئے دوبارہ اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، جب تین عورتوں کو بھی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صف قرار دیا ہے تو پھر تین اور چار میں فرق کیا ہے؟

غرضیکہ تین اور چار عورتوں میں فرق نہ معقول ہے اور نہ منقول اور نہ ہی عبارت بحر سے مفہوم، اسکے برعکس عدم الفرق معقول بھی ہے اور منقول بھی کما صریح العبارة الثالثة والثامنة، علاوہ ازیں عورتوں کی صف کو طریق و نہر کے حکم میں بتایا گیا ہے اور یہ دونوں صف کے صر اس حصہ کی اقتدار کے لئے مانع ہیں جو انکے پیچھے ہو دوسرے حصہ کے لئے مانع نہیں، مثلاً



عورتوں کی صف کو بحکم طریق و نہر قرار دینے کے بعد ایک اور بحث سامنے آتی ہے وہ یہ کہ عورتوں کی صف کے پیچھے انکی سیدھ میں صف اول کے مردوں کی نماز تو بعلت تقدم المرأة یا بعلت محاذاة صحیح نہوگی کما صریح المرأة القائمة في صف الرجال، مگر دوسری اور تیسری صف کے لئے صحت اقتدار سے مانع تقدم صف نسار ہے جو بحکم طریق و نہر ہے۔ لہذا جب دوسری اور تیسری صف عورتوں کی سیدھ سے دائیں یا بائیں جانب بڑھی ہوئی ہو اور صف کے اس بڑھے ہوئے حصہ سے لیکر امام تک صفوف میں حقیقۃً یا حکماً اتصال موجود ہو یعنی اقتدار سے کوئی مانع نہو جیسا کہ اوپر کے نقشہ میں ہے تو اس پوری صف کی نماز صحیح ہو جانا چاہیے، فلیحرم۔

(۴) عورتوں کی صف کے پیچھے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ اونچا کوئی حائل ہوا سکے پیچھے مردوں کی صف ہو یا مردوں کی صف عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو، ان دونوں صورتوں میں مردوں کی اقتدار کی صحت سے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف ہیں، مفتاح السعادات اور درنختار میں قول صحت تحریر ہے۔ اور خانیہ، بحر، دلوالبیہ وغیرہ میں صراحتاً اور معراج مہبوط میں دلالت عدم صحت، اور طحاوی نے ابوالسعود سے قول صحت کی صحیح نقل کی ہے جو نقل القولین کو

متضمن ہے۔ شامی رحمہ اللہ نے قول عدم صحت اختیار کر کے مفتاح السعادة اور درمختار کی عبارت کی تفسیر کی ہے اور رافعی رحمہ اللہ نے قول صحت اختیار کر کے خانیہ وغیرہ کی عبارت کو مقید قرار دیا ہے۔

(العبادة السابعة والتاسعة)

غرضیکہ شامی اور رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں مختلف عبارات میں تطبیق کی کوشش کرنے کے باوجود آپس میں مختلف ہیں۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ میں غور کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں قول مستقل ہیں۔ شامی و رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے خیال کے مطابق دونوں اقوال میں سے کسی میں تفسیر کی گنجائش نظر نہیں آتی، علاوہ ازیں طحاوی کا ابوالسعود سے دونوں اقوال نقل کرنا اوپر گزر چکا ہے۔ لہذا دونوں اقوال میں تطبیق کی بجائے ترجیح کی ضرورت ہے۔

غور و فکر کے بعد عدم صحت کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ یہ قول اکثر ہے، علاوہ ازیں قیاس علی الطرق والنہر کا بھی یہی مقتضی ہے، اگرچہ ابوالسعود نے قول صحت کو صحیح کہا ہے، واللہ اعلم۔ قول صحت میں شرط یہ ہے کہ حائل عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی پہلی صف کے آگے ہو۔ اگر مردوں کی پہلی صف کے سامنے کوئی حائل نہیں بلکہ دوسری یا تیسری صف کے سامنے ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی (العبادة التاسعة)

مردوں کی صف عورتوں کے سر سے بلند ہو تو اس میں شرط مذکور کی صراحت نہیں بظاہر حائل اور بلندی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا لہذا اس میں بھی وہی شرط ہوگی کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول بلندی پر ہو اگر صف اول نیچے ہے اور اسکے پیچھے کی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوئی۔

اگر امام عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے

⑤ جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوتی ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب میں اور پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی، عورت خواہ ایک ہو یا زیادہ عورتوں کی صف ہو۔ (العبادة الاولى والسادسة)

اگر دو سے زیادہ عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو گئیں اور ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں کوئی مرد نہیں تو دونوں جانب سے محاذاتہ کی وجہ سے دو عورتوں کی نماز بالاتفاق نہیں ہوگی بچ والی عورتوں کا حکم صراحتہً نظر سے نہیں گزرا، قاعدہ کے مطابق انکی نماز کی صحت میں بھی

وہی اختلاف ہوگا جو ۶ میں آرہا ہے۔

(۶) جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں انکی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ آخری قول یہ ہے کہ انکی نماز نہیں ہوتی، یہی قول اجماع اور مفتی ہے (العبادة الخامسة)

امام کے لئے امامت نِسار کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ آپ کا آخری اور راجح قول یہ ہے کہ امامت نِسار کی نیت ضروری ہے اگر امام نے عورتوں کی نیت نہ کی تو انکی نماز نہوگی، دوسرے ائمہ کے ہاں امامت نِسار کی نیت شرط نہیں، عبارت عاشرہ میں حنابلہ کے ہاں مطلقاً نیت امامت کو ضروری قرار دیا ہے اس سے بالخصوص نیت امامت نِسار کی شرطیت ثابت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے۔ مزید تثبت کے لئے بندہ نے اس بارے میں شیخ عبدالعزیز ابن باز سے استفتاء کیا انھوں نے جواب میں صراحتاً تحریر فرمایا ہے کہ ان کے ہاں نیت امامت نِسار ضروری نہیں۔ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء كافتوى بلفظها دمج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

المملكة العربية السعودية

رياسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

فتوى رقم ۱۴۶۰ وتاريخ ۲۵ / ۱ / ۱۳۹۷ هـ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده وبعد

فقد اطلعت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء على ما ورد الى سماحة الرئيس العام من المستفتي رشيد الحمد والمحال الى اللجنة من الامانة العامة لهيئة كبار العلماء والسؤال: ان النساء اذا صليين في جماعة الرجال فهل تشترط لصحة اقتداءن نية الامام امامتهن بالخصوص ام تكفي نية الامامة مطلقاً من غير تفصيل بين الرجال والنساء وتلزم على الامام نية الامامة مطلقاً،

وبعد دراسة السؤال اجابت بما يلي:

نية الامام للامامة كافية للرجال والنساء الذين يصلون خلفه ولا داعي لافراد

النساء بغية تخصهن لعدم الدليل الذي يدل على ذلك وقد كن يصلين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينقل انه خصهن بنيته ،

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

الرئيس

نائب رئيس اللجنة

عضو

عبد الله بن عبد الرحمن الفديان عبد الرزاق عفيفي عبد العزيز بن عبد الله بن باز

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ حرمین شریفین عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے، انکے مذہب میں نیت ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے بلکہ بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی رعایت سے متعلق کسی درخواست کی انکے ہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی لہذا امامت نسا کی نیت نہ کرنے کی صورت میں جو احکام اوپر بیان کئے گئے ہیں حرمین شریفین میں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔

خلاصہ تحقیق

اگر امام عورتوں کی نیت نہ کرے

حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے اسلئے جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں انکی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز ہو جاتی ہے اگرچہ عورتیں تین یا اس سے بھی زیادہ ہوں۔ جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں انکی نماز بھی نہیں ہوتی مگر ایک قول چونکہ جواز کا بھی ہے اسلئے عورتوں پر حرمین شریفین میں جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کی قضا واجب نہیں، البتہ قضا کر لینا بہتر ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط کا یہی مقتضی ہے۔

اگر امام عورتوں کی نیت کرے

اگر کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں تو عورتوں کی نماز بہر حال صحیح ہو جائیگی خواہ الگ کھڑی ہوں یا مردوں کے ساتھ۔

اگر مردوں کی صف میں ایک یا دو عورتیں کھڑی ہوئیں تو انکی دونوں جانب متصل اور انکے پیچھے سیدھ میں صرف صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہوگی، دوسری تیسری صف والوں کی ہو جائے گی۔

بوقت ابتلا ردائیں اور بائیں جانب والے مرد اپنی نماز کی یوں حفاظت کر سکتے ہیں کہ اپنے اور عورت کے درمیان ایک ہاتھ اونچی اور ایک انگلی کے برابر موٹی کوئی چھڑی وغیرہ گاڑ لیں یا اتنا آگے بڑھ کر کھڑے ہوں کہ عورت کے پاؤں کی انگلیاں مرد کی ایڑی سے پیچھے رہ جائیں یا پاؤں کے نیچے کوئی چیز رکھ کر اتنے اونچے ہو جائیں کہ مرد کا پاؤں عورت کے ٹخنے سے اونچا ہو جائے اور زیلعی کی تصحیح کے مطابق یہ بھی کافی ہے کہ عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ مرد کی ایڑی سے پیچھے ہو اور عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی نماز تب صحیح ہوگی کہ اپنے سامنے اپنے پورے عرض میں ایک ہاتھ اونچا تختہ وغیرہ کھڑا کرے یا عورت کے سر سے زیادہ بلندی پر کھڑا ہو۔

اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں آخر صفوف تک کے مردوں کی نماز نہوگی، مردوں کے ساتھ ہوں تو ردائیں بائیں جانب والے مرد کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

اگر عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے ایک ہاتھ اونچا کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو تو مردوں کی نماز کی صحت مختلف فیہ ہے قول صحت ادسح اور قول عدم صحت ارجح و احوط ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول بلندی پر ہو۔ اگر صف اول کے سامنے کوئی حائل نہیں بلکہ اس کے پیچھے والی کسی صف کے سامنے ہے یا پیچھے والی کوئی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

ازالہ اشتباہات :

① اوپر اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والاقتار (ریاض) کی تحریر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ائمہ حرمین شریفین کے ہاں امامت نسا کی نیت ضروری نہیں، اس پر کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید وہ مذہب حنفی کی رعایت سے امامت نسا کی نیت کر لیتے ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت مذہب غیر کے اہتمام کی سعادت صرف حنفیہ کو حاصل ہے، غیر مقلدین اور ائمہ حرمین کی رعایت مذہب غیر سے بے اعتنائی بلکہ عمداً مخالفت عام مشہور و معروف ہے، معہذا دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

(۱) ان کے مذہب میں وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا واجب نہیں، صرف افضل ہے اور مذہب حنفی میں ناجائز ہے اور اس طرح وتر کا واجب ادا نہیں ہوتا، اسکا مقتضی یہ تھا کہ رمضان میں جماعت دتر میں احناف کی رعایت سے دوسری رکعت پر سلام نہ پھیریں، مگر یہ لوگ دوسری رکعت پر لازماً سلام پھیرتے ہیں اور احناف کو علیحدہ جماعت کی بھی اجازت نہیں دی جاتی، بلکہ ان کو شرکت پر مجبور کیا جاتا ہے، فتنہ و فساد اور احناف کی نماز کی بربادی قبول مگر رعایت مذہب غیر گوارا نہیں،

(۲) موسم حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں امام حج قصر کرتا ہے حالانکہ انکے نزدیک یہاں قصر واجب نہیں سنت ہے اور مذہب حنفی میں غیر مسافر کھیلے قصر جائز نہیں، اسکے باوجود امام قصر ہی کرتا ہے، احناف کی نماز کی کوئی پردا نہیں، بندہ نے ایک بار امام حرم ابوالمسح سے گزارش کی کہ آپ گاڑی پر بٹھریں مسافت سفر چکر لگا کر عرفات پہنچیں تو ہمیں بھی آپ کی اقتدار میں نماز کا شرف مل جائے مگر وہ اس اشار پر بھی تیار نہ ہوئے جس میں ان کا ذرہ بھر بھی کوئی حرج نہ تھا۔

(۲) بعض کا خیال ہے کہ ائمہ حرمین عدم امامت نسا کی نیت نہیں کرتے اور صحت صلوٰۃ نسا کے لئے اتنا کافی ہے، یہ خیال صحیح نہیں، شامیہ میں سکی ترجیح تحریر ہے کہ نیت امامت کی نفی نہ کرنا کافی نہیں بلکہ ایجاد نیت امامت ضروری ہے،

(۳) بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ امام کو یہ علم ہوتا ہی ہے کہ عورتیں اس کی اقتدار کر رہی ہیں بس یہی کافی ہے، یہ خیال بھی صحیح نہیں، امام کو اقتدار نسا کا علم کافی نہیں بلکہ امامت نسا کی نیت شرط ہے، علم و نیت میں فرق ظاہر ہے، قال فی التنبیہ (یشترط لصحة الاقتداء نية، شرح) امامة المقتدى لوام رجالا و انہ ام نساء فانہ اقتدت به محاذیة لرجل فی غیر صلوٰۃ جنازة فلا بد من نية امامیتھا وانہ لم تقتد محاذیة مختلف فیہ (رد المحتار ۳۹۵ ج ۱) لفظ لوام کے ساتھ اشتراط نیت کی بحث سے ثابت ہوا کہ علم اقتدار نیت کے قائم مقام نہیں، چنانچہ کسی منفرد کی کسی نے جہری نماز میں اقتدار کر لی اور اس کو علم بھی ہو گیا تو جب تک یہ نیت امامت نہیں کریگا اس پر جہر قرأت واجب نہ ہوگا، تنبیہ: ائمہ حرمین کا نیت امامت نسا نہ کرنا ہی بہتر ہے، اسلئے کہ اس صورت میں علیحدہ کھڑی ہونیوالی عورتوں کی نماز مشتبہ ہوئی جس سے احتراز ان عورتوں کے اختیار میں ہو کہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں جو انکے لئے افضل بھی ہے، اور نیت امامت نسا میں یہ فساد ہے کہ عورتوں کی محاذاة یا تقدم کی صورت میں مردوں کی نماز نہیں ہوگی، اور اس سے احتراز بھی متعسر ہے، مردوں کی نماز حرم کو فساد سے بچانے کی فکر ہی اس تحریر میں محنت و کاوش کا محرک بنی، تقبلہ اللہ بھدا المقلد ولا حول ولا قوة الا بہ (اشکال وجواب تتمہ میں) ۹ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۶ھ



كان النبي صلى الله عليه وسلم
إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه (رواه البخاري)

انصراف الامام الى جهة الانام

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام نماز فجر
وعصر کے بعد دروازہ روہیہ وہیں بیٹھ کر پڑھنا
چاہے تو اس کے لئے دریں یا بائیں رخ کرنے کی
جائے مقتدیوں کی طرف رخ کرنا مسنون ہے۔

تنبیہ: اس تحریر میں کئی جگہ اوراد و ادعیہ اجتماعاً کا ذکر ہے،
اس میں یہ عیمل ہے کہ صورت ہیئت اجتماعیہ جائز ہے،
امام اور مقتدیوں کا باہم ارتباط بدعت ہے، اس کی مدلل تحقیق
رسالہ ”زبدۃ الکلمات“ میں ہے۔ (نظر ثانی)

نماز فجر وعصر کے بعد انحراف امام کی ہیئت

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد امام دائیں جانب مڑ کر بیٹھے یا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دائیں جانب رخ کر کے بیٹھنا مستحب ہے اور مقتدیوں کی طرف استقبال خلاف استحباب ہے۔ کیا ان مولوی صاحب کا یہ خیال درست ہے؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث ذیل سے استحباب تیامن کا شبہ ہو سکتا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمنہ (رواہ مسلم)
وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
احببنا ان نکون عن یمنہ یقبل علینا بوجہہ (رواہ مسلم)

مگر ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے بلکہ شراح حدیث نے اس کے دوسرے مختلف مفہوم بیان فرمائے ہیں، چنانچہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ حدیث اول کی شرح میں فرماتے ہیں (کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ای احیاناً (ینصرف) ای عن مصلاہ (عن یمنہ) فی شرح السنۃ روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال اذا کانت حاجتہ عن یمنہ اخذ عن یمنہ وان کانت عن یسارہ اخذ عن یسارہ فقلت اذا کان المصلیٰ لہ حاجتہ ینصرف الی جانب حاجتہ فان استویا بالجانبین فینصرف الی ائی جنب شاء والیمین اولی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب التیامن فی کل شیء وکان یقبل علی الناس اذا المرید الخروج من المسجد بوجہہ من جانب یمنہ (مرقاۃ ص ۳۵۲ ج ۲)

اور دوسری حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں (یقبل علینا بوجہہ) ای عند السلام اولاً قبل ان یقبل علی من علی یسارہ وقیل معناه یقبل علینا عند الانصراف (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲) حاصل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ سے اٹھ کر کہیں تشریف لیجاتے وقت اور مسجد ہی میں بیٹھنے کی صورت میں مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیامن کو پسند فرماتے تھے یعنی دائیں جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے تھے نہ یہ کہ دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ البتہ بعض فقہاء حرمہم

تعالیٰ نے دوسری حدیث سے توجہ الی الیمین کا مفہوم بھی لیا ہے کما فی شرح المنیۃ ونصہ فاذا تمت صلوٰۃ الامام فهو محیر ان شاء انحراف عن یسارہ وجعل القبلة عن یمینہ وان شاء انحراف عن یمینہ وجعل القبلة عن یسارہ وھذا اولیٰ لما فی مسلم عن حدیث البراء کنا اذا صلینا خلف النبی علیہ السلام احببنا ان نكون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ فان مفہومہ ان وجھہ عند الاقبال علیہم کان یقابل من هو عن یمینہ وذلك انما یمکن اذا کان المسجد عن یمینہ والقبلة عن یسارہ (کبیری ض ۳۳) وفي مراقی الفلاح ان الامام انحراف عن یسارہ وجعل القبلة عن یسارہ وھذا اولیٰ لما فی مسلم کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نكون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ الی معہذا ان حضرات نے دوسرے مفہوم بھی ذکر فرمائے ہیں۔ چنانچہ علامہ حبیبی رحمہ اللہ تعالیٰ مفہوم بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ وقیل معناه حتی یقبل علینا بوجھہ قبل من هو عن یسارہ فیفید الانصراف عن یمینہ لانہ یجلس منحرفاً بل یستقبلہم فی القعود بعد الانصراف عن یمینہ کما فی حدیث الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مسلم ایضاً کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ (الی قولہ) والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلوٰۃ وھی القبلة اعم من ان یجلس بعدہ اولاً (کبیری ض ۳۳)

غرضیکہ اس حدیث کے مفہوم میں مختلف احتمالات ہیں۔ پس اگر احیاناً توجہ الی الیمین تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا جواز ثابت ہوا نہ کہ استحباب۔ آپ کی عام عادت شریفہ استقبال مأمومین کی تھی۔ کما روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجھہ، قال العلامة القاری رحمہ اللہ تعالیٰ قال الابھری واصحیح ان معناه انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فرغ من الصلوٰۃ استقبل المأمومین (مرقاۃ ص ۳۵۲ ج ۲)

کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ :

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اسی ہیئت پر قائم رہنا بدعت ہے۔ اسلئے امام اپنی ہیئت تبدیل کر لے جس کی مختلف صورتیں ہیں، یعنی یا تو مصلیٰ سے اٹھ کر چلا جائے یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھے۔ اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ان کو ادا کرنے کے لئے مصلیٰ سے آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں طرف ہٹ کر بیٹھے۔ امام کے اسی ہیئت پر مستقبل قبلہ رہنے میں نودارد کو بقارجماعت کا اشتباہ ہو سکتا ہے خطرہ ہے

کہ کوئی اقتدار کر لے اور اسکی نماز صحیح نہ واسلئے امام کا ہیئت نہ بدنا مکروہ ہے۔ قال العلامة
 الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا شغل الامام من الصلوة فلا یجتلوا ما ان كانت صلوة
 لا تصلى بعد ہاسنة كالفجر والعصر فان شاء الامام قام وان شاء قعد في مكانه يشغل
 بالداء لا ان لا تطوع بعد هاتين الصلاتين فلا بأس بالعود الا انه يكره المكث على
 هيئة مستقبل القبلة لما روى عن عائشة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم
 كان اذا فرغ من الصلوة لا يمكث في مكانه الا مقدرا ان يقول اللهم انت السلام ومنك
 السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام وروى جلوس الامام في مصلاة بعد الفراغ مستقبل
 القبلة بدعة ولان مكث يومهم الداخل ان في الصلوة فيقتدى به فيفسد اقتداؤه فكان
 المكث تعريضا لفساد اقتداء غيره به فلا يمكث ولكنه يستقبل القوم بوجهه ان شاء
 ان لم يكن بجذائه احد يصلي لما روى ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من
 صلاة الفجر استقبل بوجهه اصحابه وقال هل رأى احدكم رؤيا كأنه كان يطلب رؤيا
 فيها بشرى بفقم مكة فان كان بجذائه احد يصلي لا يستقبل القوم بوجهه لان استقباله
 الصورة في الصلوة مكروه لما روى ان عمر رضي الله تعالى عنه رأى رجلا يصلي
 الى وجهه غيره فعلاهما بالدارة وقال للمصلي استقبل الصورة والاخر استقبل المصلي
 بوجهك وان شاء انحراف لان بالانحراف يزول الاشتباه كما يزول بالاستقبال ثم
 اختلف المشائخ في كيفية الانحراف قال بعضهم ينحرف الى اليسار ليكون يساره الى
 اليمين وقال بعضهم هو خير ان شاء انحراف يمينه وان شاء يساره وهو الصحيح لان
 ما هو المقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه يحصل بالامرين جميعا - وان
 كانت صلوة بعد هاسنة يكره له المكث قاعدا وكرهته مروية عن الصحابة رضي الله
 تعالى عنهم روى عن ابى بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما انما كانا اذا فرغنا من الصلوة
 قاما كأنهما على الرضف ولان المكث يوجب اشتباه الامر على الداخل فلا يمكث ولكن
 يقوم ويتنحى عن ذلك المكان ثم يتنقل لما روى عن ابى هريرة رضي الله تعالى
 عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اعجز احدكم اذا فرغ من صلوة ان
 يتقدم او يتأخر وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما انه كره للامام ان يتنقل في المكان
 الذي اقيم فيه ولان ذلك يؤدي الى اشتباه الامر على الداخل فينبغي ان يتنحى ازالة

للاشتباه واستكثارا من شهوده على ما روى ان مكان المصلی يشهد له يوم القيامة
(بدائع الصنائع ص ۱۶۷ ج ۱)

غرضیکہ تبدیل ہیئت سے اصل مقصد ازالہ اشتباه ہے جو مذکورہ بالا سب صورتوں
میں حاصل ہے اسلئے امام کا مصلی سے اٹھ کر چلے جانا یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف
مڑ کر بیٹھنا فی نفسہ تحصیل مقصد کے لئے یہ سب صورتیں برابر ہیں، مگر بعض وجوہ کی بنا پر
مقتدیوں کے استقبال کی صورت رائج ہے۔

وجوہ ترجیح :

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت مبارکہ استقبال مأمومین کی تھی کما روینا
عن سمرة بن جندب رضى الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا
صلى صلاة اقبل علينا بوجهه (رواه البخاري)

ولما روى ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من صلاة الفجر استقبال
بوجهه اصحابه الخ (بدائع الصنائع)

② قال في الهندية ويستقبل بوجهه اذا لم يكن مجذاه مسبوق فان كان
ينصرف يمنة او يسرة والصيف والشتاء سواء هو الصحيح كذا في الخلاصة
(عالمگیریہ ص ۱۷۳ ج ۱)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اصل حکم استقبال مأمومین ہے اور دائیں یا بائیں طرف انحراف
محاذیہ مسبوق کے عارض کی حالت میں ہے۔ امداد الفتاویٰ میں فقہ حنبلی سے بھی صرف استقبال
مأمومین کی صورت منقول ہے۔ ونصہ ویکرة للامام استقبال القبلة بل يستقبل المأمومين
لما تقدم انه ينصرف اليهم اذا سلم (امداد الفتاویٰ ص ۱۷۵ ج ۱)

③ تيامن وتياسر میں بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت بن جاتی ہے جو حرمت مسلم
کے خلاف ہے۔ استدبار کعبہ واستقبال مأمومین کی حکمت حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان
فرماتے ہیں کہ حرمت مسلم حرمت کعبہ سے زیادہ ہے۔ تيامن وتياسر میں اگرچہ استدبار جیسی قباحت نہیں
مگر کسی قدر صورت اعراض ضرور پائی جاتی ہے۔

④ شرعاً سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا رابطہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے سلام
کے بعد کی مجلس عام مجالس کی طرح ہے اور عام مجلس میں تقابل کی بجائے کسی کا پہلو تہی اختیار کرنا

معیوب اور آداب مجلس کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

غرضیکہ تیا من سے استقبال اولیٰ و افضل ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں تیا من کی اولویت بیان فرمائی ہے وہ بنسبت تیا سر کے ہے۔ کما ہو ظاہر من عبادۃ الحبلی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ استقبال تیا من سے بھی اولیٰ ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بوجہ ذیل تیا من مکروہ اور بدعت ہے۔
 (۱) آجکل تیا من کا اس قدر التزام ہونے لگا ہے کہ اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے، حالانکہ امر مندوب بھی التزام کی وجہ سے مکروہ ہو جاتا ہے۔ قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا يجعل احدکم للشيطان شیئاً من صلوة یری ان حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ (متفق علیہ) قال الطیبی و فیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاصلال (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲)

(۲) اس زمانہ میں فرائض سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا سے فراغت تک امام اور مقتدی آپس میں رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ اوراد اور دعا میں اشتراک و اجتماع کی صورت ہوتی ہے مقتدیوں کے ساتھ اس تعلق کا مقتضی یہ ہے کہ بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت نہ پائی جائے۔ کما لا یجوز الا اعراض عن البعض فی صورة التعليم قال فی اعلام السنن شارحاً لکیفیۃ انصرافہ صلی اللہ علیہ وسلم و اذا اراد تعليم القوم استقبلہم جمیعاً وجعل ظہرہ نحو القبلة ولا یجوز احتمال التعليم فی الوجهین الاولین (التیا من والتیا سر) لان فیہما الاقبال علی البعض دون البعض و هذا یخالف ما ثبت فی حدیث الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عند الترمذی فی شمائلہ من عادۃ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یعطی کل جلسانہ نصیبہ حتی لا یحتسب جلیسہ ان احدا اکرم علیہ منہ (اعلام السنن ص ۱۸۹ ج ۳)
 (۳) اوراد و دعا میں مقتدیوں کے ساتھ اشتراک کا مقتضی یہ ہے کہ مقتدیوں کی طرف رخ کیا جائے مگر اس کے باوجود تیا من کو ترجیح دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کسی مزید خصوصیت اور زیادہ ثواب کا عقیدہ ہے لہذا یہ عمل بدعت ہو جائے گا۔

اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اجتماعی دعا کا ذکر فرمایا ہے وہاں ضرورت استقبال ہی بیان فرمائی ہے۔ تیا من و تیا سر کو ذکر نہیں فرمایا اور جہاں استقبال کے ساتھ تیا من و تیا سر مذکور ہے وہاں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں، قال العلامة الشرنبلالی رحمہم اللہ

تعالیٰ ویستحب للامام بعد سلامہ ان یتحول الی یسارہ لتطويع بعد الفرض وان یتقبل بعدہ الناس یتغفرون اللہ ویقرؤن آیۃ الكرسي والمعوذات ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونہ کذلک ویکیبونہ کذلک ثم یقولون لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لہ الملك ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسہم وللمسلمین رافعی یدہم ثم یمسحون بہا وجوہہم فی آخرہ (نور الانصاف ص ۷۷)

عبارت مذکورہ میں اجتماعی صورتیں اوراد و دعا مذکور ہے اسلئے تیامن و تیا سر کی صورتیں بیان نہیں فرماتیں بلکہ صرف استقبال کا ذکر فرمایا ہے۔ مراقی الفلاح میں اس مقام پر تیامن، تیا سر اور ذہاب بھی مذکور ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ذہاب کی طرح تیامن و تیا سر بھی اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدیوں کے مابین کوئی رابطہ نہ ہو۔ اجتماعی دعا کی تبدیع ”زبدۃ الکلمات“ میں ہے۔

(۴) آجکل بالعموم یہ خبر سننے میں آرہی ہے کہ اکثر لوگ اس حالتیں استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں اور امام کو تیامن پر مجبور کرتے ہیں یہ دین میں زیادتی اور بدعت ہے۔ روی الامام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمالہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم یکرہون ان یتقبلوا بفروجہم القبلة فقال اراہم قد فعلوها استقبلوا بمقعد فی القبلة۔ اس روایت کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ لوگ بول و براز کے علاوہ دوسرے حالات میں بھی استقبال و استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھنے لگے تھے، اس غلو فی الدین کی اصلاح اور زعم باطل کی تردید کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجلس میں میری نشستگاہ کو قبلہ رخ کر دیا جائے۔ (ہدیۃ المجتبیٰ)

غرضیکہ امام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ البتہ اگر امام کے سامنے پہلی صف میں کوئی مسبوق ہو تو اسکا استقبال مکروہ ہے لہذا اس صورتیں تیامن یا تیا سر کرے۔ اگر پہلی صف کے پیچھے والی کسی صف میں مسبوق ہو تو اسکے استقبال کے جواز میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ قول کراہت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں واستظہر ابن امیر خاج فی الحلیۃ خلاف ہذا فقال الذی یظہر انہ اذا کان بین الامام والمصلی یحذائہ رجل جالس ظہرہ الی المصلی لایکرہ للامام استقبال القوم لانہ اذا کان ساترہ للمصلی لایکرہ المرور ورائہ فکذا ہنا وقد صرحوا بانہ لوصلی الی وجہ انسان و بینہما ثالث ظہرہ الی وجہ المصلی لمریکرہ ولعل محمد ارحمہ اللہ تعالیٰ لوریقید بن لعل لعلوہ (رد المحتار ص ۳۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۹۷، ہجری

الحاق: عقد الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب یتقبل الامام الناس اذا سلم، داورد اثباتہ ثلاثہ

احادیث۔ قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وسیاق سمرۃ ظاہرہ انہ کان یواظب علی ذلک، قیل الحکمۃ فی استقبال المؤمنین ان یعلمہم ما یحتاجون الیہ فعلیٰ ہذا ینخص بمن کان فی مثل حالہ صلی اللہ علیہ وسلم من قصد لتعلیم والموعظۃ (فتح الباری ص ۲۷۲) وذكر الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً انہ من الحکمۃ والاختصاص (عمدة القاری ص ۲۷۳) وقال الشیخ الجتجی رحمہ اللہ تعالیٰ اراد بذلک الباب اثبات ان ذلک جائز لا ضیر فیہ واما اثبات المداومۃ علیہ وانہ السنۃ فغیر مقصود ہنہنا وان کان صحیحاً فی نفسہ (لامع الدراری ص ۳۳) وقال الشیخ انور رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم ان الامام اذا اراد الانصراف الی بیتہ سلم وانصرف وان اراد القعود فالسنۃ لہ ان یتقبل القوم وبہ جزم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وصرح بہ الجوزجانی فی مبسوطہ واما التیامن والتیاسر المعول بہما فی زماننا فلیسا من السنۃ فی شئ، وانما ہما عند ارادۃ الانصراف الی البیت لا عند الجلوس بعد الصلوۃ فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند التورید انہ قال ان كانت حاجتہ عن یمینہ اخذ عن یمینہ وان كانت حاجتہ عن یسارہ اخذ عن یسارہ فہما عند الانصراف لحاجتہ وما عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند ابی داود من جہم بکونہم فی یمینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فہو ان یقع بصرہ علیہم عند التسلیم اولاً لا عند الجلوس بعد الصلوۃ دائماً وتغلط فیہ الناس عن عبارات بعض المتأخرین مع انہم ارادوا بیان الجواز الفقہی فحملوہ علی بیان السنۃ فان کنت ترید السنۃ فالسنۃ فی الاستقبال وان کنت ترید الجواز فافعل ما شئت (فیض الباری ص ۲۷۳) ان عبارات سے ثابت ہوا کہ امام بخاری، عسقلانی، عینی، حضرت گنگوہی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف استقبال ہی مسنون ہے۔ عسقلانی و عینی کی عبارات میں مذکورہ حکمت بصیغہ تملیض منقول ہے اس کو وجہ اختصاص قرار دینا غیر معقول ہے اس لئے کہ مقتدیوں کے حالات سے اطلاع اور ان کی اصلاح ہر امام کے ذمہ ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اگرچہ ترجمۃ الباب سے اثبات سنیت کو غیر مقصود قرار دیا ہے مگر معہذا نفس سنیت کی تصریح فرمائی ہے، حاشیہ لامع الدراری اور علاء السن میں احادیث انصراف میں مختلف احتمالات اور ان کے تحت مختلف خیالات لکھے ہیں وہی ماذکونا کفایۃ ونسأل اللہ ہدایۃ، ولہ الحمد فی البدایۃ والنہایۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

عہ تیامن و تیاسر فی نفسہ جائز ہے مگر اس کو سنت سمجھنا اور سنیت کو اس میں منحصر قرار دینا، اس پر اصرار اور سنیت استقبال سے انکار نیز اجتماعی اوراد و دعا کے باوجود مقتدیوں سے اعراض بدعت ہے ۱۲۰ منہ

باب المسبوق واللاحق

مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹ گیا:

سوال :- زید مقتدی نے امام کے ساتھ ایک سجدہ کر کے دوسرا سجدہ نہ کیا، یعنی دوسرے سجدہ میں سو گیا، اور دوسرے سجدہ کے بعد آنکھ کھلی تو امام کے ساتھ قیام کیا، تو آیا زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟ نہیں ہوئی تو کس طرح ادا کرے، از سر نو ادا کرے یا آخر میں بعد سلام امام کے ایک سجدہ کر کے سجدہ سہو کرے تو مذکورہ طریقہ پر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص لائق ہے، اس پر واجب تھا کہ آنکھ کھلنے کے بعد دوسرا سجدہ کر کے امام کا اتباع کرتا، اس وقت سجدہ نہیں کیا تو امام کے سلام پھرنے کے بعد ایک سجدہ کر کے تشہد دوبارہ پڑھ کر سلام پھرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی، مگر ترک واجب سے گنہگار ہوگا، سجدہ سہو واجب نہیں، کیونکہ مقتدی کے ترک واجب سے سجدہ سہو یا عاودہ واجب نہیں ہوتا، نقل فی التامیۃ عن البحر وحکمہ ائہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بالعدر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لاشطحتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثة واستیقظ فی الرابعة فائتہ یأتی بالثالثة بلا قراۃ فاذا فرغ منها صلی مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاھا وحده بلا قراۃ ایضاً فلو تابع الامام ثم قضی الثالثة بعد سلام الامام صح وانشاء رحمہ اللہ ص ۵۵ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۸ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے:

سوال :- کیا مسبوق پر بھی امام کی متابعت میں تشہد پڑھنا واجب ہے؟ اگر نہیں پڑھا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں اور گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے، چھوٹنے سے گناہ ہوگا مگر نماز ہو جائے گی،

لما فی واجبات الشامیة والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر
واجبة (رح المحتار ص ۱۳۲۹) وفي العلائق بخلاف سلامه اوقیامه لثالثة قبل اتمام
المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولولم یتتم جائز وفي الشامیة وشمل باطلا
ما لو اقتدی به فی اثناء التشهد الاول او الاخير الخ (قوله ولولم یتتم جائز) ای صحیح مع کراهة
التحریم كما افاده ح الخ (رح المحتار ص ۱۳۲۶) وفي سجود السهو من الشامیة عن شرح المنیة
عن القنیة من ادراك الامام فی القعدة الاولى فقعده معه فقام الامام قبل شروع المسبوق
فی التشهد فانه یتشهد تبعاً للتشهد امامه ام (رح المحتار ص ۱۳۶۸) فقط والله تعالی اعلم
۲۰ ربيع الاول ۱۲۸۸ھ

مسبوق کے بیٹھے ہی امام قعدہ اولی سے اٹھ گیا:

سوال :- اگر کسی شخص کے بیٹھے ہی امام قعدہ اولی سے کھڑا ہو گیا اور یہ شخص التحیات نہ پڑھ سکا
تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا قوجردا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مسبوق تشہد پورا کر کے اٹھے، بدون تشہد پورا کئے امام کا اتباع مکروہ تحریمی ہے
مگر نماز ہو جائے گی، آخری قعدہ میں شریک ہونے والے کا بھی یہی حکم ہے، کہ اس کا تشہد پورا ہونے
سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو تشہد پورا کر کے کھڑا ہو، قال فی الدر بخلاف سلامه اوقیامه لثالثة
قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه ولولم یتتم جائز وفي الشامیة
قوله فانه لا يتابعه الخ) ولو خاف ان تقوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرح به
فی الظہیریة وشمل باطلاقه ما لو اقتدی به فی اثناء التشهد الاول او الاخير
فحين قعد قام امامه او سلم ومقتضاه انه یتتم التشهد ثم یقوم ولما رده صریحاً
ثم رأیته فی الذخيرة ناقلاً عن ابی الیث المختار عندی انه یتتم التشهد وان لم یفعل
اجزاء ام والله الحمد (قوله ولولم یتتم جائز) ای صحیح مع کراهة التحریم كما افاده ح (رح المحتار)
فقط والله تعالی اعلم
۲۱ جمادی الآخرہ ۱۲۸۸ھ

مسبوق نے امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ نہ کیا:

سوال :- زید مسبوق امام کے ساتھ آخری قعدہ میں نہ بیٹھا، اور کھڑا ہو گیا۔ اور چاروں رکعات

ادا کر لیں اور آخری قعدہ کر کے سجدہ سہو کر لیا تو زید کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور امام کی متابعت قصداً یا سہواً نہ کرنے سے کسی قسم کا گناہ ہوگا؟ بینوا تو حیروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل مسبوق نے جو قراءت، قیام وغیرہ ارکان ادا کئے وہ معتبر نہیں، قدر تشہد سے امام کی تشہد سے فراغت مراد نہیں، بلکہ اتنا وقت مراد ہے جس میں جلدی سے جلدی تشہد پڑھا جاسکتا ہے، اگر ایک یا دو رکعتوں میں مسبوق ہو اور اس نے امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قدرہ ماتجوز بہ الصلوٰۃ تلاوت کی ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی، ورنہ نہیں، اور اگر تین یا چار رکعات میں مسبوق ہے تو اس کی نماز کی صحت کے لئے یہ شرط نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد بھی مسبوق کے قیام کا کچھ حصہ پایا جائے اگرچہ اس میں قدرہ ماتجوز بہ الصلوٰۃ قراءت نہ کی ہو بشرطیکہ اس کے بعد دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے،

بصورت عمدہ عدم متابعت امام کا گناہ ہوگا، ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، سجدہ سہو ہر صورت واجب نہیں، اس لئے کہ مقتدی کا ترک واجب موجب سجدہ سہو نہیں، قال فی العلائقہ ولو قام قبل السلام هل يعتد بإدائه ان قبل قعود الامام قدر التشهد لا وان بعده نعم وكراهية تحريماً الا لعذر وفي الشامية (قوله لا) اي لا يعتد بما اداه قبل قعود امامه من قیام وقراءة و انما يعتد بما اداه بعده قال فی الفتح ولو قام قبله ای قبل قدر التشهد قال فی النوانل ان قرأ بعد فراغ الامام من التشهد ماتجوز به الصلوٰۃ جاز والافلا، هذا فی المسبوق بروكعة اور كعتين فان كان بثلاث فان وجد منه قیام بعد تشهد الامام جاز وان لم يقرأ لا^{اعلم} سيقرا في الباقيتين والقراءة فرض في ركعتين ام (رحم المختار ص ۱۷۵۵) فقط والله تعالى اعلم ۲۷ شعبان ۱۳۸۷ھ

مسبوق باقی نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟

سوال:- مسبوق اپنی باقی نماز پوری کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟ امام کے دائیں جانب سلام پھرنے کے ساتھ ساتھ، یا بعد، یا امام کے دونوں طرف سلام پھرنے کے بعد؟ بینوا تو حیروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھرنے کے بعد بھی اتنی تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہ ہونا معلوم ہو جائے، قال فی المندیۃ وینبغی للمسبوق ان یمکث ساعة بعد

سلام الامام لجواز ان يكون على الامام سهو والمكبرية ص ۱۶۶) وفي العلائقة وينبغي ان يصبر حتى يفهم انه لا سهو على الامام (رح المحتار ص ۱۶۵۵۹) فقط والله تعالى اعلم
۳ جہادی الاولیٰ ۲۸

امام پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گیا تو مسبوق کیا کرے؟

سوال:- مندرجہ ذیل فتویٰ تصدیق طلب ہے؛

اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو تو مسبوق اس کی پوری نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھ کر انتظار کرے، اگر امام لوٹ آئے تو مسبوق اس کے ساتھ سجدہ سہو کر کے امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو جائے اور اگر امام نہ لوٹے تو مسبوق اپنی نماز پوری کر لے، لیکن بعد میں جبکہ مسبوق نے ابھی ایک رکعت نہ پڑھی ہو امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو، اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، رالدر المختار ص ۱۵۷ ج ۱، البحر الرائق ص ۱۶۲ اور اگر امام قعدہ اخیرہ کئے بغیر زائد رکعت میں کھڑا ہو گیا تو بھی مسبوق انتظار کرے، اگر امام پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو مسبوق سجدہ سہو کے بعد امام کے سلام پر کھڑا ہو جائے اور اپنی نماز پوری کرے، لیکن اس صورت میں اگر امام نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی (امداد الفتاویٰ ص ۱۶۲۴) اور دونوں صورتوں میں اگر مسبوق بغیر امام کا انتظار کئے اپنی نماز پوری کرنا شروع کر دے تو مکروہ تحریمی ہے، اس لئے اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے اور مسبوق ابھی تک فارغ نہیں ہوا ہو تو اب امام کے ساتھ ہو جائے اور سجدہ سہو کے بعد امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کر لے، اور اگر امام کے ساتھ شامل نہ ہو تو اپنی نماز کے آخر میں اسے سجدہ سہو کرنا لازم ہے،

الجواب باسم ملہم الصواب

تحریر مذکور میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں:-

① مسبوق کے انتظارِ عودِ امام کی حد نہیں بتائی گئی، اس کو امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ تک انتظار کرنا چاہئے،

② امام کے قعدہ اخیرہ کے بعد قیام کی صورت میں لکھا گیا ہے ”اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا“ اس میں یہ تسامح ہے کہ قعدہ اخیرہ کے بعد نفل ہو جانے کا کوئی احتمال نہیں، یہ احتمال

ترک قعدہ اخیرہ کی صورت میں ہے،

(۳) امداد الفتاویٰ سے جو حکم بطلان نقل کیا گیا ہے اس سے بطلان فرضیت مراد ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام کی نماز نفل ہو گئی، جس مقتدی مدرک نے سلام پھیر دیا خواہ امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پھیرا یا بعد ہر صورت اس کی نماز باطل ہو گئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رتمة یتقرء ایضاً علی قوله والحبرة للامام مانی البحر عن الخانیة لو تشهد له قتی وسلم قبل ان یقیہ الخامسة بالسجدة ثم قید ہا بہا فسدت صلوٰتہم جمیعاً رد المحتار ص ۱۹۹ ج ۱ مدرک یا مسبوق نے امام کا اتباع کیا تو اس کی نماز نفل ہو گئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قبیل باب الاستخلاف فان قید ہا بسجدة انقلب صلوٰتہ نفلًا فان ہم انہا سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضى ما سبق بہ وتكون له نافلة کالامام ولا قضاء علیہ لو افسدہ لانه لم یشرع فیہ قصدًا، رجمتی رد المحتار ص ۱۶۵ ج ۱ مسبوق نے بقیہ نماز افراداً شروع کر دی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی، لانه قام الی قضاء ما سبق بہ قبل تشهد الامام،

(۴) پانچویں رکعت میں اتباع امام کا حکم نہیں لکھا گیا، اس میں یہ تفصیل ہے کہ امام قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑا ہوا اور مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو اس کی نماز اسی وقت فاسد ہو گئی، اور امام بدون قعدہ کے کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے امام اور مسبوق و مدرک سب کی نماز نفل ہو گئی، قال فی العلائق ولو قام امامہ لخامسة فتابعہ ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة وفي الشامية (قوله والآلا) ای وان لم یقعد وتابعہ المسبوق لا تفسد صلوٰتہ لان ما قام الیہ الامام علی شرف الرقص وعدم تمام الصلوة فان قید ہا بسجدة انقلب صلوٰتہ نفلًا فان ضم الیہا سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضى ما سبق بہ وتكون له نافلة کالامام رد المحتار ص ۱۶۵ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ رذیقعدہ ۹۲

امام قعدہ اخیرہ کے بعد اٹھ گیا، مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہو گئی؛

سوال :- آخری قعدہ کے بعد امام سہوا کھڑا ہو گیا، اس کے ساتھ مسبوق بھی کھڑا ہو گیا، لقمہ ملنے پر امام نے واپس آکر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لی، مسبوق نے بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا اور امام کے سلام کے بعد اپنی باقی نماز پوری کر لی، تو اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں کھڑے ہوتے ہی مسبوق کی نماز فاسد ہو گئی، اس پر لازم تھا کہ بیٹھا رہتا اور امام کے ٹوٹنے کا انتظار کرتا، قال فی شرح التئیر قبیل باب الاستخلاف ولو قام امامہ الخامسة فتابعہ ان بعد لتعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة، وفي الشامية ر قوله ان بعد القعود ای قعود الامام الفعنة الاخيرة (قوله تفسد) ای صلوٰۃ المسبوق لانه اقتداء فی موضع الافراد ولان اقتداء المسبوق بغيره مفسد کما مر ر قوله والا ای وان لم یقید وتابعه المسبوق لا تفسد صلوٰۃ لان ما قام الیه الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوٰۃ فان قیدها بسجدة انقلب صلوٰۃ تفسد فان ضم الیه سادسة ینبغی للمسبوق ان یتابعه ثم یقضى ما سبق به وتكون له نافلة کالامام ولا قضاء علیه لو افسد لانه لم یشرع فیہ قصدا، جمعی، (رحۃ المحار، ص ۵۶۰ ج ۱) فقط وادته تعالیٰ اعلم

۹ شعبان ۹۹ھ

لاحق کی فوت شدہ نماز پوری ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا؛

سوال :- لاحق کو قعدہ آخری ملا اور اتنے وضو کر کے آیا اتنے میں ایک رکعت نکل گئی، تو کیا یہ لاحق ایک رکعت پہلے ادا کرے، یا امام کے ساتھ قعدہ آخری میں شامل ہو کر بعد سلام امام کے ایک رکعت ادا کرے؟ کیونکہ اگر پہلے رکعت پڑھے گا تو امام سلام پھیر کر نماز ختم کر دے گا، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا تو جردا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ شخص شرائط بناء سے واقف نہیں یا اس نے شرائط کی پابندی نہیں کی، تو یہ لاحق نہیں بلکہ مسبوق ہے، اس لئے نئی نیت کر کے امام کے ساتھ شرکت کرے اس کے بعد فوت شدہ رکعت پڑھے، البتہ جو شخص شرائط بناء سے واقف ہو اور ان شرائط کی پابندی بھی کرے تو وہ لاحق ہے، لاحق اولاً فوت شدہ رکعت ادا کرے، اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے، ورنہ تنہا ادا کرے، قال فی العلائق وید أبقضاء ما فاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادراکہ والا تابعہ ثم صلی ما نام فیہ بلا قراءۃ، وفي الشامية ر قوله ان امکنہ ادراکہ) قید لقوله وید أثم یتابع وقوله والا تابعہ الخ تصریح بمفہوم هذا الشرط ولیس بصحیح والصواب ابدال قوله ان امکنہ ادراکہ بقوله ان ادراکہ مع اسقاط بعد

ومن العبد ان يقول ويبدأ بقضاء ما فاته بلا قراءة عكس المسبوق ثم يتابع امامه
ان ادرك ثم ما سبق به الخ ففي شرح المنية وحكمه انه يقضى ما فاته اولاً ثم يتابع
الامام ان لم يكن قد فرغ وفي التنف اذا توضأ ورجع يبدأ بما سبقه الامام به ثم ان
ادرك الامام في شيء من الصلاة يصلّى معه ثم في البحر وحكمه انه يبدأ بقضاء ما
فاته بالعذر ثم يتابع الامام ان لم يفرغ وهذا واجب لا شرط حتى لو عكس يصح الخ
(رجل المختار ص ۵۵) فقط والله تعالى اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ

مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد کیا پڑھے؟

سوال :- مسبوق کو امام کے قعدہ اخیرہ میں درود شریف و دعا بھی پڑھنی چاہئے یا نہیں؟
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم السوَاب

مسبوق امام کے قعدہ اخیرہ میں درود شریف اور دعا نہ پڑھے، بلکہ تشہد سے فراغت کے بعد
خاموش رہے، یا کلمہ شہادت یا تشہد کا تکرار کرے، سب بہتر یہ ہو کہ تشہد ٹھیک ٹھیک پڑھے، تاکہ امام
کے سلام کے ساتھ تشہد سے فراغت ہو، قال فی شرح التنبیہ واما المسبوق فیتروسل لیفرغ عند
سلام امامہ وقیل یتروسل ینکر کلمۃ الشہادۃ، وفي الثانیۃ (قوله فیتروسل) اسی
یمہل وهذا ما صححه، فی الخانیۃ وشرح المنیۃ فی بحث المسبوق من باب السہو و
باقی الاقوال مصحح ایضاً قال فی البحر وینبغی الافتاء بما فی الخانیۃ کمالاً یخفی لعل
وجہہ کما فی النہی انہ یقضى آخر صلواتہ فی حق التشہد ویأتی فیہ بالصلوۃ والدعاء
وهذا لیس آخراً قال ۲ وھذا فی قعدۃ الامام الاخیرۃ کما هو صریح قولہ لیفرغ عند
سلام امامہ واما فیما قبلہا من القعدات فحکمہ السکوت کمالاً یخفی ام ومثلہ فی
الحلیۃ (قوله وقیل یکرر کلمۃ الشہادۃ) کذا فی شرح المنیۃ والذی فی البحر والحلیۃ
والذخیرۃ یکرر التشہد تأمل (رجل المختار ص ۱۲۴) فقط والله تعالى اعلم

۱۳ شعبان ۱۲۹۴ھ

مدرک اور مسبوق کے لئے ثنار کا حکم:

سوال :- مدرک اور مسبوق نماز میں امام کی قرات شروع ہونے کے بعد شریک ہو تو اس کو
ثنار پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی جہری قراءت کے ساتھ نہ پڑھے، اگر مسبوق ہو تو قضاء مافات کے وقت پڑھ لے، ستری نماز میں امام کے ساتھ بھی پڑھے، اور قضا مافات کے وقت بھی دوبارہ پڑھ لے، قال فی التور الا اذا كان مسبوقاً وامامه يجهر بالقراءة فلا يأتي به، وفي الشامية وينبغي التفصيل ان الامام يجهر لا يثنى وان كان يسر يثنى فكان المعتمد ما مشى عليه المصنف فافهم رد المحتار (ص ۲۵۶) وقال الحلبي رحمه الله تعالى في الغنية والمسبوق يأتي بالثناء اذا ادرك الامام حالة المخافته ثم اذا قام الى قضاء ما سبق به يأتي به ايضا كذا ذكره في الملتقط ووجهه ان القيام الى قضاء ما سبق كتعريضة اخرى للخروج به فاحكم الاقتداء الى حكم الانفراد الخ (كبيري، ص ۲۹) فقط والله تعالى اعلم.

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ

مسبوق امام کی ستری قراءت کے ساتھ ثناء پڑھ سکتا ہے:

سوال :- امام ستری نماز کی قراءت کر چکا ہو، اس کے بعد کوئی شخص نماز میں شریک ہو تو وہ اسی حال میں ثناء پڑھ لے؟ اس پر یہ اشکال ہے کہ جب امام کی ستری قراءت کے ساتھ بھی مقتدی کو قراءت فاتحہ جائز نہیں تو ثناء کیونکر جائز ہے؟ تشفی بخش جواب کے ممنون فرمائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قراءت جہریہ میں تو مقتدی پر استماع قراءت کے لئے انصات فرض ہے، مگر قراءت سترۃ میں حکم انصات اس لئے ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے، چونکہ امام کی ثناء مقتدی کی ثناء نہیں اس لئے مقتدی ثناء پڑھے گا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وعللہ فی الذخیرۃ بما حاصلہ ان الاستماع فی غیر حالۃ الجہر لیس بفرض بل یسن تعظیماً للقراءة فكان سنة غیر مقصودۃ لذاتہا وعدم قراءة المؤتم فی غیر حالۃ الجہر لا لوجوب الانصات بل لان قراءة الامام له قراءة واما الثناء فهو سنة مقصودۃ لذاتہا و لیس ثناء الامام ثناء للمؤتم فاذا تركه یلزم ترك سنة مقصودۃ لذاتہا لانصات الذی هو سنة تبعاً بخلاف ترك حالۃ الجہر (رد المحتار، ص ۴۵۶، ج ۱) فقط والله تعالى اعلم.

۲ شوال ۱۴۴۹ھ

راج یہ ہے کہ ثناء نہ پڑھے خواہ قراءت جہریہ یا سترۃ تفصیل تہم میں ہے۔

تین رکعات کا مسبوق قعدہ اولیٰ کب کرے؟

سوال :- ایک شخص نماز رباعی میں چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اس نے باقی تین رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ پہلی رکعت پر قعدہ کی بجائے دوسری رکعت پر قعدہ کیا، اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟
بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اولیٰ یہ ہے کہ مسبوق ایک رکعت کے بعد قعدہ کرے، اگر دوسری رکعت کے بعد قعدہ کیا تو بھی کچھ حرج نہیں، قال فی العلائقہ و یقنی اول صلوٰۃ فی حق قراءۃ و آخرھا فی حق تشہد، فمد رکعة من غیر فجر یا تبری کعتین بفاتحة وسورة وتشہد بینہما و برابعة الرباعی بفاتحة، ولا یقعد قبلہما، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ہذا قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی مبسوط السخی وعلیہ اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحاوی والاسبیجانی والفتح والدائم والبحر وغیرہم رالی قولہ) وفي الفيض عن المستصفي لو ادرکہ فی رکعة الرباعی یقنی رکعتین بفاتحة وسورة ثم یتشہد ثم یأتی بالثالثة بفاتحة خاصة عند ابی حنیفة وقال الرکعة بفاتحة وسورة وتشہد ثم رکعتین اولہما بفاتحة وسورة وثانیتهما بفاتحة خاصة وظاہر کلامہم اعتماد قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وتشہد بینہما) قال فی شرح المنیة ولولم یقعد جاز استحسانا لا قیاسا ولم یلزمہ سجود السہو لكون الرکعة اولی من وجہ ام، (رد المحتار ص ۵۵۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

لاحق نے اتباع امام کے بعد فوت شدہ نماز پڑھی:

سوال :- للاحق نے مسبوق کی طرح مافات کو بعد فراغ الامام ادا کیا، تو نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں، جبکہ اس کو مافات ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق پر واجب ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہو، اس کے خلاف سے گنہگار ہوگا، مگر نماز ہو جائے گی، مقتدی کا ترک واجب موجب اعادہ نہیں، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ ویبد ابقضاء مافاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادرکہ والا تابعہ ثم صلی ما نام فیہ بلا قراءۃ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفي البحر

وحکمہ انہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بالعدر ثم يتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط
حتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثة واستیقظ فی الرابعة فانہ یأتی بالثالثة بلا قراءة فاذا
فرغ منها صلی مع الامام الرابعة وان فرغ منها الامام صلاھا وحده بلا قراءة ایضاً فلو تابع
الامام ثم قضی الثالثة بعد سلام الامام صح وأیثم رجع المحتار ص ۱۵۵ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۹۹ھ

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن و آداب ادا کرے :
سوال :- للاحق جب ماسبق کو قضاء کرے گا تو فقط فرائض و واجبات ادا کر کے امام کے ساتھ
شامل ہونے کی کوشش کرے، یا کہ ہر رکن کو مع سنن و آداب کے ادا کرے، اگرچہ اس میں امام
کے سلام پھیرنے کا خطرہ ہو؟ بیّنوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن و آداب ادا کرے، اس کے بعد امام کو نماز میں پالیا، تو اس کے
ساتھ شریک ہو جائے ورنہ منفرداً نماز پوری کرے، قال فی الہندیۃ اللاحق اذا عاد بعد الرضوء
ینبغی لہ ان یشغل اذ لا یقضی ما سبقہ الا ما یغیر قراءۃ، یقوم مقدار قیام الامام و رکوعہ
وسجودہ ولو زاد او نقص فلا یضر، فہکذا فی شرح الطحاوی (عالمگیریۃ، ص ۹۲ ج ۱)،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۹۹ھ



وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب

القول السافر عن حكم المسبوق خلف المسافر

امام

مسافر

كے

پیچھے



مقیم مسبوق باقی ماندہ رکعات کیسے پڑھے؟



تحقیق نیت متعلق مسبوق مقیم مقتدی بالمسافر

سوال : مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہوا تو باقی رکعتیں کیسے ادا کرے؟ یہاں کے علماء اس بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں لہذا مدلل اور مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ شخص اٹھ کر پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ کر قعدہ کرے اور پھر دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے اور آخری دونوں رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ یہ مسئلہ علماء فحول میں معرکہ الارباب کا ہے اس سے متعلق ان معادن علم و معرفت کی تحریریں احقر کو پیر شیر محمد شاہ صاحب مدظلہم سامن گھوٹکی (سندھ) سے دستیاب ہوئیں جو اہل علم کے ذوق تحقیق کی خاطر حوالہ قلم کی جاتی ہیں۔

استفتاء۔ از شیخ رشید احمد صاحب دہلوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام مسافر کے پیچھے مقیم مقتدی چار رکعت والی نماز پڑھتا ہے۔ مقتدی مذکور امام مذکور کے ساتھ اول رکعت میں شریک ہوا ہو تو مقتدی اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور جو دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو کس طرح نماز پوری کرے اور جو التحتیاً میں ملا ہو تو کس طرح اپنی نماز پڑھے۔ بیلنا و نوجروا

الجواب۔ از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بہار پوری قدس اللہ سرہ۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس پر منحصر ہے کہ پہلے یہ متحقق ہو جائے کہ مقتدی کس وقت مدرک ہے اور کس وقت مسبوق یا لاحق۔ یا مسبوق اور لاحق۔ پس واضح ہو کہ جس مقیم مقتدی نے پہلی رکعت میں امام مسافر کی اقتدار کی ہو وہ لاحق ہے۔ چنانچہ درمختار کے اس قول کی شرح میں (و مقیم اثم بمسافر) صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں قوله ومقیم ای فہو لاحق بالنظر الی الاختیارات۔ نیز اس پر لاحق کی تعریف بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے واللاحق من فاتتہ الركعات کلھا او بعضھا لکن بعد اقتدائہ بعد الزمان تو یہ مقتدی جب لاحق ہے تو امام کی نماز سے جدا ہو کر اپنی دو رکعت بلا قراۃ ادا کرے۔ چنانچہ درمختار میں ہے وحکمہ کمؤتم فلا یأتی بقراءة ولا سہو الخ بناء علیہ یہ مقتدی جس نے پہلی رکعت میں اقتدار کی باعتبار آخر کی دو رکعتوں کے صرف لاحق ہے اور پچھلی دونوں صورتوں میں (جبکہ دوسری رکعت میں اقتدار کی ہو یا تشہد میں اقتدار کی ہو) ان دونوں صورتوں میں وہ مقتدی صرف مسبوق ہے۔ دوسری صورت میں تین رکعتوں میں

مُسْبُوق ہے۔ اور تیسری صورت میں چاروں رکعتوں میں مسبوق ہے چنانچہ اس پر مسبوق کی تعریف صادق آتی ہے والمُسْبُوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها (در مختار) لہذا یہ مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہو کر منفرد ہو جائے گا۔ اس کو چاہئے کہ پہلی رکعت میں شہادتین اور فاتحہ و سورت پڑھے۔ اور اگر مسبوق تمام رکعات کا ہے تو دو رکعت سورت کے ساتھ پڑھے اور دو رکعت باقی ماندہ میں (خواہ مسبوق ثلاث رکعات ہو یا اربع رکعات) صرف فاتحہ پڑھے۔ در مختار میں ہے والمُسْبُوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرا وان قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكرهية ما مفتاح السعادة فيما يقضيه اى بعد متابعتها لإمامه اور عالمگیری میں ہے وتجب الطائفة الثانية الى مكان صلواتهم فمن كان مسافرا يصلي ركعة بقراءة لانه مسبوق ومن كان مقبلا يصلي ثلاث ركعات الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانه كان مسبوقا فيهما وفي الاخرين بفاتحة الكتاب على الروايات كلها۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

املاہ بلسانہ۔ خلیل احمد عفی عنہ

۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۲ھ

الجواب صحیح : عنایت الہی عفی عنہ

فتویٰ مذکورہ کے متعلق حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کا خط

شیخ رشید احمد صاحب دہلوی کی طرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم ————— انرا بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ

بخدمت بابرکت جناب شیخ رشید احمد صاحب مد فیضہم۔ بعد ہدیہ سلام مسنون عرض ہے۔ آپ جو تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتدار مقيم خلف المسافر چھوڑ گئے تھے ان کو دیکھا اور اصل روایت عالمگیری کو بھی دیکھا، صلوٰۃ الخوف میں فتح القدیر اور خود شامی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ حکم خلاف قاعدہ کلیہ جو کہ مسبوق لاحق کے لئے مقرر ہے جس کی تفصیل میں نے پہلے لکھی ہے شاید صلوٰۃ خوف کے لئے خاص ہے۔ یا بنا بر ثانیہ روایت کے ہے جو اقتدار مقيم خلف المسافر میں ہے جسکو بعض مشائخ نے اعتبار فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مقيم خلف المسافر اپنی دو رکعت باقی ماندہ کو قرأت سے پوری کر لے۔ مگر یہ خلاف اصح ہے۔ کذا فی الہدایۃ وغیرہا۔ باقی عالمگیری میں علی الروایات لکھا کہ کئی کا یہ مطلب ہے کہ اس موقع صلوٰۃ خوف میں جملہ روایات اسی طرح ہیں کہ طائفہ ثانیہ اپنی رکعات قرأت سے پوری کرے،

عہ دفی الشامیۃ تحت (قوله لانهم لاحقون) دعم كلامه المقيم خلف المسافر حتى يقضى ثلاثا بلا قراءة

ان كان من الطائفة الاولى بقراءة ان كان من الثانية ۱۲ رشید احمد لدھیانوی

اگرچہ قاعدہ مسبوق لاحق کے خلاف ہے۔ مگر اتباع روایت سے یہ حکم دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور عالمگیریہ میں ایک رکعت کو فاتحہ اور سورت سے پڑھنے کے بعد یہ لکھنا ”لانہ کان مسبوقا فیہا“ اس کا مؤید ہے کہ مسبوق صرف اسی ایک رکعت میں ہے ورنہ آخر میں لکھتے ”لانہ مسبوق فیہا“ اے فی جمیع الركعات اور قاعدہ کلیہ جو احقر نے شامی کے حوالہ سے نقل کیا تھا اس کو صاحب فتح القدیر نے بھی مسبوق و لاحق کی بحث میں اسی طرح لکھا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص مسبوق بھی ہو اور لاحق بھی وہ حسب ترتیب عرض کردہ احقر رکعات کو پورا کرے گا اور جو تطبیق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے تحریر فرمائی ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس میں تامل ہے۔ میں نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب و مولانا انور شاہ صاحب کو بھی دکھلایا۔ سب حضرات نے بعد غور یہی فرمایا کہ اقتضاء قاعدہ کلیہ کا وہی ہے جو پہلے لکھا گیا۔ بندہ اسی تامل میں تھا کہ پرسوا ایک صاحب حافظ عبدالرحمن منڈاوری نے وہی سوال بعینہ لکھ کر اسکے نیچے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب نقل کیا ہے جو مطابق جواب احقر کے ہے مع قلیل تغیر کے بندہ نے ان سے بذریعہ خط دریافت کیا ہے کہ آپ کے پاس اصل فتویٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ کا موجود ہے یا آپ نے کہیں سے نقل کیا ہے۔ اگر موجود ہو تو اسکو بھیج دیجئے بعد ملاحظہ واپس کر دیا جائے گا۔ سوال و جواب ان کا بعینہ بغرض ملاحظہ مرسل ہے۔ ان کی غرض بھی اختلاف کا رفع کرنا ہے۔ کیونکہ انھوں نے ایک دوسرا جواب اسکے خلاف کتاب علم الفقہ سے نقل کیا ہے وہ سب مرسل خدمت ہیں۔ انتہی۔

خط از اصل مجیب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ۔ بنام شیخ رشید احمد صاحب ہلوی عنایت فرمایم جناب شیخ رشید احمد صاحب

السلام علیکم۔ عنایت نامہ مع تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتدار مقیم بالمسافر پہنچا۔ میں نے بغور ان تمام تحریرات کو دیکھا، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تمام بڑے اور چھوٹے حضرات کو اس مسئلہ میں درمختار اور شامی کی اس عبارت سے جو مسبوق و لاحق کی بحث میں لکھی ہے دھوکہ واقع ہوا ہے۔ وجہ اس اشتباہ کی یہ ہوئی کہ فقہاء نے مقیم خلف المسافر کے مسئلہ کو اس قدر مختلف مواقع اور مظان بعیدہ میں لکھا ہے کہ جن کی طرف انساب خیال نہیں ہوتا، چنانچہ صلوۃ الخوف اور سجدہ سہو اور صلوۃ المسافر اور بحث مسبوق و لاحق وغیرہ میں اس مسئلہ کو لکھا ہے۔ چونکہ تبادر اس مسئلہ میں بحث مسبوق و لاحق کی طرف ہے۔ لہذا اس مجمل عبارت کو دیکھ کر حضرات

مفتین اکتفا فرما لیتے ہیں اور دوسرے مواقع غیر متبادرہ کی طرف التفات اور تتبع کی نظر نہیں فرماتے پہلے خود میرا مسلک بھی اس عبارت کی بنا پر وہی تھا جو اور سب حضرات کا ہے لیکن غور کر نیچے بعد میرے خیال میں تغیر واقع ہوا اور یہ خیال ہوا کہ مقیم خلف المسافر جبکہ پہلی رکعت میں اقتدار کرے تو باعتبار رکعتین آخرین کے بحق قرارة بحکم لاحق ہے لیکن جب کہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں اقتدار کرے تو ان دونوں صورتوں میں وہ منفرد محض بحکم مسبوق ہے اور بحکم لاحق بالکل نہیں ہوتا چونکہ اس مسئلہ میں متعدد حضرات علماء میرے اس خیال کے خلاف ہیں لہذا میں چاہتا ہوں کہ اپنا مدعا مع تمام اسنادالات کے مفصلاً لکھ کر حضرات علماء کرام کی خدمت میں پیش کر دوں اور التماس کروں کہ اگر یہ صحیح ہے تو قبول فرماویں ورنہ جو امر صحیح ہو اور محقق ہو بدلائل مطلع فرمادیں کہ بندہ کو انشاء اللہ تعالیٰ قبول حق سے ذرا بھی انحراف و انکار نہ ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق وسیلۃ ازمۃ التحقيق۔

محل نزاع یہ ہے کہ مقیم خلف المسافر صلوٰۃ رباعی میں خواہ وہ پہلی رکعت میں اقتدار کرے یا دوسری میں یا تشہد میں وہ باعتبار رکعتین آخرین مسبوق ہے یا لاحق، یا لاحق اور مسبوق دونوں کے پس واضح ہو کہ تصریحات محققین فقہاء سے ثابت ہے کہ مقیم خلف المسافر اگرچہ اس نے رکعت اولیٰ میں اقتدار کی ہو نہ حقیقۃً مسبوق ہے نہ حقیقۃً لاحق۔ بلکہ بعض فقہاء اسکو مثل مسبوق کے کہتے ہیں، اور بعض مثل لاحق کے، اور قول اول کو محققین فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے۔ اول تو لفظ مسبوق اور لفظ لاحق کا مدلول اور ان کی تعریف خود اس پر دال ہے۔ کیونکہ مسبوق وہ ہے جس کا امام اس سے پہلے کل یا بعض رکعات ادا کر چکا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم و تعریف خلف المسافر پر باعتبار رکعتین آخرین صادق نہیں آتی اور لاحق وہ ہے جو اپنی فوت شدہ رکعات جو بعد اقتدار امام کے کسی وجہ سے فوت ہو گئی ہوں ادا کر کے امام کے برابر ہو جاتا ہے اور مقیم خلف المسافر پر یہ مفہوم بھی صادق نہیں آتا، کیونکہ اس نے بقدر صلوٰۃ امام کے نیت اقتدار کی تھی اس کو پورا کر دیا اور اس میں سے کوئی رکعت فوت نہیں ہوئی اور رکعتین آخرین نہ امام کی نماز میں تھیں اور نہ اس نے انہیں اقتدار کی تھی اور نہ وہ امام کی معیت و متابعت سے ہوئیں۔ لہذا یہ مقیم حقیقۃً لاحق بھی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں عبارات فقہاء رحمہم اللہ اس پر شاہد ہیں۔ درمختار کے باب سجود السہو میں لکھا ہے والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواء کان السہو قبل الاقتداء او بعداً فیرقیض ما فاتہ ولو سہا فیہ یسجد ثانیاً وکذا لاحقاً لکنہ یسجد فی آخر صلاۃ ولو سجد مع امامہ اعادہ والمقیم خلف المسافر کا مسبوق و قیل کا لاحق۔ علامہ طحاوی اس پر لکھتے ہیں۔ قوله کا مسبوق فیلزمہ السجود و صححہ فی

البدائع لاننا اقتدی بالامام بقدر صلوة الامام فاذا انقضت صلوة الامام صل منفرداً
 فيما وراء ذلك وانما لا يقرأ فيما يتم لان القراءة فرض في الاوليين وقرأ الامام فيهما (بحر)
 اس عبارت سے ہر سہ مسبوق ولاحق و مقیم خلف المسافر کا باہم تقابل اور نیز تشبیہ و مماثلت واضح
 دلیل ہے کہ مقیم خلف المسافر نہ حقیقہً مسبوق ہے اور نہ حقیقہً لاحق۔ البتہ بعد اختتام صلوة امام
 منفرد ہو جاتا ہے جیسا کہ مسبوق بھی منفرد ہو جاتا ہے۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ جب
 اسکو رکعتیں میں منفرد قرار دیا تو اس صورت میں ترک قراۃ کی کوئی وجہ نہیں۔ اسکا یہ جواب دیا کہ چونکہ فرض قراۃ
 رکعتیں اولیین میں اسکی طرف سے امام ادا کر چکا ہے اسوجہ سے وہ اس جگہ قراۃ ترک کرے۔ اور بدائع کی
 عبارت یہ ہے۔ واما المقیم اذا اقتدی بالمسافر ثم قام الى اتمام صلاته وسها هل يلزمه سجود السهو
 ذكره في الاصل وقال انه يتابع الامام في سجود السهو واذا سها فيما يتم فعليه سجود السهو ايضاً وذكر
 الكرخي في محققة انه كاللاحق لا يتابع الامام في سجود السهو واذا سها فيما يتم لا يلزمه سجود السهو لان
 مدارك اول الصلوة فكان في حكم المقتدى فيما يؤديه بتلك التحريمه كاللاحق ولهذا لا يقرأ
 كاللاحق والصحيح ما ذكر في الاصل لانه ما اقتدى بالامام الا بقدر صلوة الامام فصار منفرداً فيما
 وراء ذلك وانما لا يقرأ فيما يتم لان القراءة فرض في الاوليين وقد قرأ الامام فكانت قراۃ
 له۔ اور صاحب رد المحتار نقلاً عن البحر تحریر فرماتے ہیں۔ قوله والمقيم الخ ذكر في البحران
 المقيم المقتدى بالمسافر كالمسبوق انه يتابع الامام في سجود السهو ثم يستقل بالامام۔
 واما اذا قام الى اتمام صلوة وسها ذكر الكرخي انه كاللاحق فلا سجود عليه بدلية
 انه لا يقرأ وذكر في الاصل انه يلزمه السجود وصححه في البدائع انما اقتدى بالامام بقدر
 صلوة الامام فاذا انقضت صار منفرداً وانما لا يقرأ فيما يتم لان القراءة فرض في الاوليين
 وقرأ الامام فيهما ان عبارات سے مقیم مقتدی بالمسافر کا حقیقہً مسبوق ولاحق نہونا واضح ہو گیا
 نیز یہ بھی صاحب رد المحتار بعد نقل عبارات تحریر فرماتے ہیں۔ قال في النهرو بهذا علم انه
 كاللاحق في حق القراءة فقط۔ اس عبارت نے مسئلہ کے چہرہ سے بالکل پردہ اٹھا دیا اور
 اس سے ثابت ہو گیا کہ اس کا ترک قراۃ کرنا اس کے حکم مسبوق ہونے کے مزاحم نہیں۔ بلکہ اس
 کو حکم لاحق صرف قراۃ کے بارے میں قرار دیا جاتا ہے۔ باقی تمام احکام میں وہ مثل مسبوق کے
 منفرد ہے۔ ان عبارات نے واضح کر دیا کہ وہ منفرد ہو کر پہلے رکعات اخیرہ کو مثل مسبوق کے ادا

عہ یعنی اولیین کو جو بحکم لاحق قرار دینے والوں کے خیال میں اخیرہ ہیں۔ ۱۲ رشید احمد

کرے گا۔ نہ مثل لاحق کے۔ اسی مضمون کو صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں و اذا صلى المسافر بالمقيم ركعتين سلم واتم المقيمون صلاتهم لان المقتدى التزم الموافقة في الركعتين فينصرف في الباقي كالمسبوق الا ان لا يقرأ في الاصح لان مقتد تحريمه لا فعلا والفرض صلا مؤداً فيتركها احتياطاً بخلاف المسبوق لان ادراك قراءة نافلة فلم يتأد الفرض فكانت الايتان اولى۔ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے اعتراض مذکور کے جواب میں اپنی عادت کے موافق راہ تدقیق اختیار کی ہے اور ترک قراۃ کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مقيم خلف المسافر باعتبار تحريمه کے مقتدی ہے اور باعتبار فعل کے غیر مقتدی۔ تحريمه اقتدار پر نظر کر کے اس کو قراۃ پڑھنا جبکہ امام کی اول صلوٰۃ کا ادراک کر چکا ہو مکروہ تحریمی ہے اور فعلاً غیر مقتدی ہونے پر نظر کر کے اس کے لئے قراۃ مستحب ہے اور جبکہ فعل مستحب و حرام میں دائر ہوا تو اس کا ترک احتیاطاً لازم ہوا۔ بخلاف مسبوق کے کہ اس نے فرض قراۃ کو نہیں پایا بلکہ قراۃ نافلہ کا ادراک کیا ہے۔ لہذا اس کو ترک قراۃ ناجائز ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ قوله احتياطاً فان بالنظر الى الاقتداء بتحريمه حين ادركوا اول صلوٰۃ الامام يكره القراءة تحريماً وبالنظر الى عدمه فعلاً اذ لم يفتهم مع الامام ما يقضون وقد ادركوا فرض القراءة تستحب واذا دار الفعل بين وقوعه مستحباً او محرماً لا يجوز فعله بخلاف المسبوق فانه ادرك قراۃ نافلة اگرچہ عبارات بدائع اور طحاوی اور شامی وغیرہ سے واضح تھا مگر ہدایہ کی عبارت نے بہت زیادہ وضاحت کر دی کہ وہ مقيم خلف المسافر جس نے تحریم میں اقتدار کی ہو، ہر دو رکعت اخیرہ میں مثل مسبوق منفرد ہے اور بقول صحیح لاحق نہیں اور باوجود منفرد ہونے کے اس کو بوجہ ایک عارض کے ترک قراۃ کا حکم ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اس کا ترک قراۃ اس کے لاحق ہونے کو مقتضی نہیں اور اس کی لاحق کے ساتھ مماثلت صرف حکم ترک

ع الظاهر ان هذا ليس قيداً الكراهة القراءة بالنظر الى الاقتداء بتحريمه لان من لم يدرك اول صلوٰۃ الامام بل ادرك الركعة الثانية او تشهد فهو ايضا مقتدى تحريمه فزادة والله اعلم لان المقصود ههنا بيان حكم مدارك الامام المسافر في الركعة الاولى لان المدرك بعد هاليس بمقتدى تحريمه۔ فالقيد لبيان الواقع لا للاحتراز و لما كان ذلك كذلك لا يرد عليه انه يقتضي ان لا يقرأ في الاخيرين المقيم المقتدى بالمسافر بعد الاولى ايضا وكن المقتدى بالمقيم اذا كان مسبوقاً بثلاث ركعات فصاعداً ويمكن الجواب باننا ما اسقطنا اعتبار الاقتداء بتحريمه لاداء القراءة الواجبة في الاوليين لا يعود اعتباراً في الاخيرين۔ والله اعلم ۱۲ رشید احمد لدھیانوی

قرارة میں ہے نہ دوسرے احکام میں۔ کیونکہ دوسرے احکام میں یہ شخص منفرد مثل مسبوق ہے نیز یہ حکم ترک قرارة مخصوص اس مقيم مقتدی بالمسافر کے ساتھ ہے جس نے اپنے امام کی تحریمہ میں اقتدار کی ہے۔ اور جس نے تحریمہ میں اقتدار نہیں کی اور ادراک اول صلوٰۃ امام کا نہیں کیا بلکہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں شریک ہوا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کہ وہ بھی ترک قرارة کرے بلکہ اس کے لئے قاعدہ مذکورہ کے موافق قرارة کرنا مستحب ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے قرارة سے مانع تحریمۃ اقتدار تھا اور مسبوق برکعت یا برکتین کے حق میں وہ مانع مرتفع ہو گیا جو موجب کراہت تحریم قرارة تھا۔ صرف استحباب باقی رہا۔ علاوہ ازیں اس پر اور متعدد عبارات و روایات دلالت کرتی ہیں۔ فتح القدیر کی صلوٰۃ الخوف میں ہے۔ قولہ لا تلزم مسبوق ویدخل فی حکمہ المقیم خلف المسافر حتی یقضی ثلاث رکعات بلا قرارة ان کان من الطائفة الاولى وبقراءة ان کان من الثانية۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے وان کان الامام مسافراً والقوم مقیمین ومسافرین صلی الامام بالطائفة الاولى رکعة ثم انصرفوا بازاء العدو وجاءت الطائفة الثانية وصلی بهم رکعة فمن کان مسافراً خلف الامام بقى الى تمام صلاة رکعة ومن کان مقيماً بقى الى تمام صلاة ثلاث رکعات ثم ينصرفون بازاء العدو ورجع الطائفة الاولى الى مكان الامام فمن کان مسافراً یصلی رکعة بغير قراءة لانه مدرک اقل الصلوٰۃ ومن کان مقيماً یصلی ثلاث رکعات بغير قراءة فی ظاهرها الروایة فاذا انتهت الطائفة الاولى صلا تهم ينصرفون بازاء العدو وتجيئ الطائفة الثانية فمن کان مسافراً یصلی رکعة بقراءة لانه مسبوق وان کان مقيماً یصلی ثلاث رکعات الاولى بفاتحة الكتاب وسورة لانه کان مسبوقاً فیها وفي الاخرین بفاتحة الكتاب على الروایات كلها۔ اس عبارت عالمگیریہ میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے جو اشکال پیش کیا ہے اور فرمایا ہے لانه کان مسبوقاً فیها کو مقدم بیان کیا ہے۔ اگر رکعتین اخیرین میں بھی مسبوق ہوتا تو یہ دلیل اس موقع پر نہ بیان کی جاتی بلکہ وفي الاخرین بفاتحة الكتاب على الروایات كلها کے لکھنے کے بعد لکھی جاتی۔ اس اشکال کا جواب بندہ ناچیز کی تحریر سے بالکل صاف اور واضح ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جس کے بعد دلیل لانه کان مسبوقاً فیها لکھی ہے وہ شخص حقیقۃً مسبوق ہے۔ اس لئے اس کے بعد یہ دلیل لکھی اور چونکہ رکعتین اخیرین میں حقیقۃً مسبوق نہیں اس لئے اس کے بعد یہ دلیل نہ لکھی اگر رکعتین کے بعد یہ دلیل لکھی جاتی

تو واہمہ پیدا ہوتا کہ مقیم تینوں رکعتوں میں حقیقتہً مسبوق ہے والحال انہ لیسے کذلک
 کما حققناہ من قبل۔ بندہ کی گزشتہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ مقیم خلف المسافر نہ حقیقتہً
 مسبوق ہے نہ حقیقتہً لاحق بلکہ وہ رکعات باقیہ میں منفرد بحکم مسبوق ہے پس جن عبارات
 میں اس کو لاحق یا مسبوق کہا گیا ہے وہ اطلاق مجاز ہے۔ چنانچہ درمختار بحث لاحق و مسبوق
 میں لکھا ہے واللہ الحق من فاتتہ الركعات کلھا او بعضها بعد رکعة واحدة ورحمة اوسبق
 حدث ومقیم اثم بمسافر اور شامی میں ہے ومقیم اثم الخ ای فہو لاحق بالنظر
 الی الاخیرتین وقد یكون مسبوقاً ایضاً کما اذا فاتتہ اولی صلاة امامہ المسافر
 (طحطاوی) ان دونوں عبارتوں میں مقیم مقتدی بالمسافر پر لفظ لاحق اطلاق ہوا ہے۔
 پس یہ اطلاق مجاز ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ حکم ترک قرارة میں بمنزلہ لاحق ہے۔ یہ
 عبارت ہے جس سے مفتی صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند مولانا عزیز الرحمن صاحب سلمہ نے
 کہا ہے کہ مقیم خلف المسافر خواہ اس نے تحریمہ میں اقتدار کی ہو یا بعد فوت رکعت بہر حال
 بجمیع احکام لاحق ہے اور دعویٰ فرمایا ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے اور بطور شبہہ یہ بھی فرمایا ہے کہ صلوٰۃ الخوف
 میں جو حکم لکھا ہے وہ شاید صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خلاف قاعدہ کلیہ مخصوص ہو مگر دعویٰ
 کلیۃ قاعدہ اور دعویٰ اختصاص محتاج دلیل ہے۔ حالانکہ اسکے مثبت کو دلیل نہیں ہے۔
 علاوہ ازیں عبارات وتصریحات سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ قضیہ جزئیہ ہے جس سے
 مراد وہ مقیم ہے جس نے رکعت اولیٰ میں اقتدار کی ہو اور جو مسبوق برکعت یا برکتین ہو وہ
 قطعاً اس میں داخل نہیں۔ نیز طحطاوی مطبوعہ مصر کی عبارت سے صاف واضح ہے۔
 قوله ومقیم اثم بمسافر فہو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یكون مسبوقاً کما اذا
 فاتتہ اولی صلاة امامہ المسافر۔ مقیم مقتدی بالمسافر کی دو حالتیں بیان کیں۔ اول وہ کہ جس
 نے پہلی رکعت میں اقتدار کی ہو اس کو باعتبار رکعتین اخیرین کے لاحق فرمایا۔ دوسری حالت
 وہ ہے جس کو اول صلوٰۃ امام مسافر فوت ہو چکی ہو خواہ دوسری رکعت میں یا تشہد میں اقتدار
 کی ہو اس کو صرف مسبوق قرار دیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ مقیم اثم بمسافر قاعدہ کلیہ نہیں ہے
 بلکہ مقیم اس جگہ وہ مراد ہے جس نے اول رکعت میں اقتدار کی ہو۔ چنانچہ اسی طرف بندہ نے
 اپنی پہلی تحریر میں اشارہ کیا تھا۔ اور شامی نے طحطاوی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے مگر اصل
 کے خلاف اس میں لفظ ایضاً زائد ہے۔ طحطاوی میں ہے وقد یكون مسبوقاً اور شامی میں نقلاً

عن الخطاوی ہے۔ وقد يكون مسبوقاً ايضاً اور یہ لفظ ايضاً موجب خلجان اور موہم خلاف مقصود تھا اسکی بھی توجیہ کر دی ہے کہ بشرط تسلیم مزاحم مقصود نہیں مگر حضرت مفتی صاحب نے اسکی توجیہ نہیں فرمائی۔ بعض اذکار کا یہ خیال بھی سموع ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کی مشروعیت علی خلاف القیاس ہے۔ لہذا اس پر دوسری نمازوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ توجہ حکم صلوٰۃ الخوف میں ہے ضروری نہیں کہ دوسری نمازوں میں بھی ہو۔ دیکھو چلنا پھرنا وغیرہ افعال صلوٰۃ الخوف میں مشروع ہیں اور دوسری نمازوں میں غیر مشروع بلکہ مفسد صلوٰۃ ہیں۔ جواب اس منع کا یہ ہے کہ یہ منع اسوقت قابل تسلیم ہو سکتا ہے جب استدلال صرف صلوٰۃ الخوف سے ہو اور فی الحقیقت استدلال ان روایات سے ہے جنہیں مقیم خلف المسافر کو مثل مسبوق قرار دیا گیا ہے اور روایات صلوٰۃ الخوف بطور تائید و تقویت لکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ الخوف میں جو افعال من غیر جنس بصلوٰۃ جائز کئے گئے ہیں وہ افعال ہیں جن کی بوقت خوف ضرورت پڑتی ہے یہ ہرگز نہیں کہ تمام افعال صلوٰۃ خوف خلاف قیاس بضرورت مشروع ہوئے ہیں اور افعال مسجوت فیہ ان افعال میں سے نہیں ہیں جن کی مشروعیت بضرورت خوف خلاف قیاس ہوئی ہو۔ لہذا یہ خیال بھی اس بحث میں کارآمد نہیں ہو سکتا۔ معہذا بالفرض و بالتسلیم کوئی حکم معدول عن القیاس بدون نص نہیں ہو سکتا تو لامحالہ ایسی نص کا موجود ہونا ضروری ہے جو صلوٰۃ الخوف میں حکم لاحق کے لئے صارف عن القیاس ہو۔ اگر کسی صاحب کو معلوم ہو تو براہ کرم مجھ کو بھی مطلع فرما کر شکر گزار احسان فرمائیں حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں ایک فتویٰ جس کو حضرت سیدی و مولائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ایک علم الفقہ کا جواب جو غالباً مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی تالیف ہے نقل فرمایا ہے۔ جب ایک حکم روایات فقہیہ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہو گیا تو ان کے متعلق کچھ لکھنے اور عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ بلسنہما الاحقر خلیل احمد وفقہ اللہ لتزود غدا

اقول ونقل عن العلامة المخدوم محمد ہاشم التتوی (قدس سرہ) مثل قول مولانا خلیل احمد (قدس سرہ) وزاد فیہ جواب شہتہ ونصہ فان قلت قد ذکر ایضاً صاحب المحیط والسراج والجمهور ان الامام اذا جعل لناس فی صلوٰۃ اربع طوائف فصلی لكل طائفة رکعة فصلوۃ الاد والثالثة فاسدۃ لانہم انصرفوا عن القبلة فی غیر اوان الانصراف و صلوٰۃ الثانیۃ والاربعۃ صحیحۃ و یقرأ کل طائفة فیما سبقت ولا یقرأ فیما لحقت فاذا عادت الطائفة الثانیۃ صلوٰۃ الرکعة الثالثة

عہ یعنی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کما سیاتی عن امداد الفتاویٰ ۱۲ رشید احمد

والرابعة بغیر قراۃ لانہم فیہا لاحقون ثم الركعة الاولى بقراۃ لانہم فیہا مسبوقون فكان هذا مناقضاً لما ذكرتموه أولاً راي الرواية التي اوردها مولانا خليل احمد رحمہ اللہ من الهندية نقلها المخذوم رحمہ اللہ من الجوهرة والحبيط والظهيرية والخزانة قلنا لا منا قضية لان هذه المسألة الاخيرة مصورة فيما اذا كان الامام والمقتدون مقيمين كما صرح به في تلك الكتب فكان ذلك مسألة المسبوق صلاً لاحقاً بخلاف ما ذكرنا أولاً فانه مصور فيما اذا كان الامام مسافراً والمقتدون المسبوق مقيماً - فكان اختلاف في الاجوبة لاختلاف موضوع المسألة فليتأمل اه
ارسل الى تحرير المخذوم قدس اللہ تعالیٰ سرہ مولانا احمد الهالائي ناقلًا عن كراسة ابيه
مولانا محمد الهالائي رحمہما اللہ تعالیٰ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں - اسکے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقيم مقتدی نے ایک رکعت ہو جانے کے بعد خواہ دو سری رکعت میں اور خواہ اسکے بعد مسافر امام کا اقتدار کیا ہو - مدرسہ سہارنپور میں ایک فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے تو یہ شخص اپنی نماز میں قراۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے (یعنی جن میں قراۃ فرض ہے آخرین میں قراۃ فرض نہیں مندوب ہے - رشید احمد) اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق دونوں ہے اسلئے غیر قراۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر ادلی کہتا تھا وہ فتویٰ سہارنپور میں واجب ہے اور جس کو بندہ ادلی کہتا تھا وہ اس فتویٰ میں ناجائز ہے اور فتویٰ دیوبند موافق مشہور کے ہے - ناظرین اسکی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کر لیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہ تو مثل مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصداً یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً وعادۃً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگا دیا جائے - اور یہ موافق ہوگا میرے قول اول یعنی ہر دو کے جواز کے جسکے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کیلئے متعین ہو جائیگی اور ازلہ جانبین کے بعض تواستنباطات ہیں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں - چنانچہ مظاہر العلوم کی دلیل عالمگیر یہ کی صلوة الخوف کی وہ روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول سوال میں مذکور ہے جس میں یہ عبارت ہے - ونجئے الطائفة الثانية الى مكان صلواتهم فيصلون ثلاث ركعات في الاولى بفتح الكتاب وسورة لانهم مسبوقون فيها والاخرى بين بفاضة الكتاب جس سے معلوم ہوا کہ غیر ادلی میں ملنے والا مقيم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوة الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں - اور دارالعلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے وقد يكون راي المقيم

المؤثر بالمسافر) مسبوقاً ایضاً کما اذا فاتت اول صلوٰۃ امامہ المسافر ط ص ۱۲۱ ج ۱، احکام المسبوق والمدرك واللاحق۔ مگر مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے (نقلہا الشامی: رشید احمد) جو فصل ہذا کے سب سے اخیر کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے والمسبوق ان ادرك ركعة من الشفع الاول فهو من اهل الاول والا فمن الثانية (ج ۱ ص ۸۸۶ صلوٰۃ الخوف) یہ شبہ پڑ گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم (کہ شفعہ اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانے والا طائفہ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اس کو قرارت سے منع کیا گیا۔ چنانچہ طائفہ اولیٰ بقیہ نماز میں قرارت نہیں کیا کرتا ہے لہذا (لاحق حقیقۃً کمدرك الركعة الاولى او حکماً کمدرك الركعة الثانية من الشفعة الاولى) اس شخص کے عدم مسبوقیت حقیقۃً کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قرارت کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا۔ اسی طرح عالمگیریہ کا یہ حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانے والا بقیہ میں قرارت کرے اسکے عدم لاحقیق حقیقۃً کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قرارت کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ نہر کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً لاحق کہیں اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہیں گے اور جب نہر کا حکم صلوٰۃ الخوف کیساتھ خاص ہو گا عدم التعدیۃ اسی طرح عالمگیریہ کے حکم کو بھی صلوٰۃ الخوف کیساتھ مخصوص کہیں گے اور دونوں حکم کسی استحسان پر مبنی ہونگے جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیے مقیم خلف المسافر صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہونے میں مشترک بھی ہیں پس دونوں شقوں کی ایک حالت ہوگی۔ پس وہ مقدمہ کہ صلوٰۃ خوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں مخدوش ہو گیا ۱۲ (حاشیہ امداد الفتاویٰ مبوب ج ۱ ص ۳۵) **اقول** نہر کے جزئیہ کا یہ مطلب نہیں کہ رکعت ثانیہ میں شریک ہونیوالا باقی تینوں رکعتوں میں قرارت نہ کرے اور اس حکم میں وہ طائفہ اولیٰ کی طرح ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ذہاب و ایاب میں اور ترک القراءة فی الآخرین میں طائفہ اولیٰ کے حکم میں ہے نہ کہ رکعت مسبوقہ میں بھی و ہذا ظاہر جداً۔ فتح القدیر کے دو جزئیے بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔

ووجعلهم ثلاث طوائف (ای صلوٰۃ المغرب) وصلی بکل طائفۃ رکعة فصلاة الاولى فاسلة وصلاة الثانية والثالثة صحيحة والمعنى ما قد منا وتقضى الثانية والثالثة اولاً بقراءة لا نهم لا حقون فيها وتشهد واثم الركعة الاولى بقراءة لا نهم مسبوقون (وبعد سطرین) ووجعلهم اربعاً فی الرباعية وصلی بکل رکعة فسدت صلوٰۃ الاولى والثالثة دون الثانية والرابعة ثم تقضى الطائفة الثانية والثالثة والرابعة اولاً بغیر قراءة ثم الاولى بقراءة

والطائفة الرابعة تقضى ركعتين بقراءة وبتخير في الثالثة لانهم مسبوقون بثلاث ركعات (فتح القدير ج ۱ ص ۲۲۲) وكذا في الهندية ايضا. مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس سرہ کے فتویٰ میں بھی یہ جزئیہ محیط اور سراج و جوہرہ سے گزر چکا ہے۔

نیز نہر کا یہ جزئیہ مقیم خلف المسافر سے متعلق نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ خلف المسافر مدرک رکعت ثانیہ طائفہ ثانیہ سے ہوگا۔ اسے طائفہ اولیٰ سے شمار کرنے کے کوئی معنی نہیں اور یہ ”والا داعی ان لم يدرك الركعة الثانية“ فمعنى الثانية ”کے خلاف ہے اور ثانیاً اس لئے کہ اگر نہر کے جزئیہ کو خلف المسافر سے متعلق کہا جائے تو یہ بعینہ عالمگیریہ کے جزئیہ کا مفہوم ادا کرے گا۔ دونوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے گا۔ حالانکہ دونوں کے حکم میں تباین کلی ہے کہ نہر کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں ترک قرارة کا حکم متصور ہے اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں قرارة کرنے کا حکم ہے۔ غرضیکہ نہر کا جزئیہ نہ ہی صلوٰۃ الخوف کیساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی خلف المسافر ہونے میں عالمگیریہ کے جزئیہ کے ساتھ مشترک ہے۔ پس مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے جزئیہ سے جو شبہ پیدا ہو گیا تھا وہ مرفوع ہو گیا۔ علاوہ ازیں سہارنپور کی تحقیق میں صلوٰۃ الخوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے دلائل ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی تصریح کے مطابق اصل دلائل دوسرے ہیں۔ صلوٰۃ الخوف کا جزئیہ محض تائیداً لکھا گیا ہے اسکے مقابلہ میں دارالعلوم کی دلیل کا جواب مظاہر العلوم کی تحریر میں موجود ہے۔ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس سرہ کے جواب کا مظاہر العلوم کے جواب سے موافق ہونا اوپر گزر چکا ہے۔ پس جب تحقیق ادلہ سے مظاہر العلوم کا جواب راجح ثابت ہو گیا تو عمل اور تعلیم کے لئے یہی متعین ہوگا۔ فقط واللہ الحمد علی توفيقه لهذا التحري وهو على ما يشاء قد ير فاعتمه وتفكر ولعل الحق لا يعدو فتشكر۔ وهذا اما جاء في فهم هذا الفقير والعلم عند الله اللطيف الخبير۔

رشید احمد

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۹، جبری

باب مفسدات الصلوة والمکروہات

سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانے کا حکم :

سوال :- نماز میں بحالت سجدہ اگر دونوں پیر زمین سے جدا ہو جائیں تو فسادِ صلوة کے حکم سے واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز اگر فسادِ صلوة کا حکم ہے تو کس بنا پر پر مع الدلیل تفہیمل وار جواب طلب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بحالت سجدہ پاؤں زمین پر رکھنے کے بارہ میں میں قول ہیں۔ فرض، واجب، سنت۔ قول جو جامع ہے۔
دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جسز بقدر قسبہ واحدہ رکھنا کافی ہے، پس اگر پوسے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جسز زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائیگا، اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی، واضح رہے کہ ظہر قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر غدر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائیگا، مگر مکروہ ہے، اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ والحاصل ان المشہور فی کتب المذہب اعتماد الفرضیۃ والارجح من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیۃ وكذا قال فی العنایۃ والدرر انہ الحق ثم الاوجه حمل عدم الفرضیۃ علی لوجوب اللہ اعلم وبعده اسطر قال فی الفیض ولو وضع ظہر القدم دون الاصابع بان كان المكان ضیقاً او وضع احداهما دون الاخری لضیقہ جاز كما لو قام علی قدم واحد وان لم یکن المكان ضیقاً یکرہ الی قولہ المصرح بہ ان توجیہہا (الاصابع) نحو القبلة سنة یکرہ ترکہا کافی البرجندی القمصار المعارف ۴۶، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ

نماز میں ستر کھل جانے کا حکم:

سوال :- ایسی صدری پہن کر نماز ہوگی یا نہیں جس سے کہ رکوع و سجود میں جاتے وقت ناف سے نیچے کا حصہ کھل جائے جس کو ڈھکنا فرض ہے، اور نماز واجب الاعادة ہے یا نہیں؟ ستر کی کتنی مقدار کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی؟ بیذنا تو جبروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس صدری میں ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود اس میں نماز پڑھی، یا غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور رجب عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی خواہ تھوڑی سی دیر ہی کے لئے ستر کھلا ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر ستر کھل گیا تو اس میں یہ تفصیل ہو کہ اگر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک رجب عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار ہو یا وقت اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، جو عضو کھلا ہو اس کی چوتھائی معتبر ہے، اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر رجب ہو گیا تو مفسد ہوگا، اور اگر متعدد اعضا کھل جائیں تو سب کا مجموعہ ان میں سے چھوٹے عضو کی چوتھائی کے برابر ہونا مفسد ہے، ناف کی محاذات سے لے کر عانہ تک چاروں طرف ایک ہی عضو شمار ہوتا ہے، عانہ کی ابتداء ناف سے نیچے مدور خط سے ہوتی ہے، فی شرح التویر وتجمع بالاجزاء لوفی عضو واحد والا فبالقدر فان بلغ رجب ادناھا کاذن منع، وفی الشامیۃ فی بیان اعضاء عورة الرجل الثامن ما بین السرة الى العانة مع ما یحاذی ذلك من الجنبین والظهر والبطن، (رحم المختار ص ۳۸۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ محرم ۱۴۰۸ھ

تحقیق مسئلہ بالا:

سوال :- بخدمت مخدومی حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہو مزاج سامی بعافیت ہوں گے، ایک سوال تحقیق طلب ارسال خدمت ہے، محقق جواب ارقام نسرا کر احسان فرمایا جاتے، امراض ظاہر و باطن سے شفا کے لئے دعا فرما کر مزید احسان فرمایا جائے، فقط والسلام

عبدالستار مقیم دارالافتاء خیر المدارس ملتان، ۱۵/۹

اصلی بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ :- اگر نماز پڑھتے وقت چوتھائی پنڈلی یا چوتھائی ران..... کھل جائے اور

اتنی دیر کھلی ہے جتنی دیر میں تین بار سُبْحَانَ اللہ کہہ سکے تو نماز جاتی رہی (حصہ دوم، ص ۱۳) اس مسئلہ میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ زمان کثیر کی یہ مقدار (تین بار سُبْحَانَ اللہ کہہ سکتا صحیح ہے یا نہیں؟ منہ الخالق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین تسبیحات رکوع یا سجدے والی ہیں، وہ عبارت یہ ہے: (وقد ارا الکثیر ما یؤدی فیہ رکن) ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ قال شارحہا ابن امیر حاج ای بسالہ من السنۃ ای بما ہو مشروع فیہ من الکمال السنۃ کالتسبیحات فی الركوع والسجود مثلاً وهو تقييد غريب ووجهه قريب ولما قف على التقييد بكونه قصيراً او طويلاً أم ای تقييد الرکن ای هل المراد منه قدر رکن طویل بسنتہ کالقعود الاخير او القيام المثل علی قراءة المسنون او قدر رکن قصیر کالركوع او السجود بسنتہ ای قدر ثلاث تسبیحات وبالثانی جزم البرهان الحلبي فی شرح المنیۃ حیث قال وذلك مقدار ثلاث تسبیحات أم فافاد ان المراد اقصر رکن دکانہ لانہ الاحوط والله اعلم (منحة الخالق حاشیة البحر الرائق ص ۲۸ ج ۱) الغرض منیہ، کبیری، منہ الخالق وغیرہ کی عبارات سے بندہ کے فہم نارسا میں جو تحقیق آتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ائمہ ثلاثہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انکشاف عورت، قیام علی النجاستہ، تقدم علی الامام اور ان کے دیگر نظائر کا زمان قلیل کے لئے پایا جانا دفع حرج کی غرض سے معاف ہے، ہاں اگر یہ امور زمین کثیر کے لئے باقی رہے تو نماز فاسد ہو جائے گی،

زمین کثیر کی تحقیق | زمین کثیر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ: اسی حالت انکشاف وغیرہ میں بالفعل ایک رکن ادا کر لیا جائے، اور شیخین رحمہما اللہ کے

نزدیک بالفعل ادا، رکن ضروری نہیں بلکہ ادائیگی رکن بالفعل یا اتنا وقت جس میں ادا، رکن ہو سکے زمین کثیر ہے، اب چونکہ ارکان صلوٰۃ بعض طویل ہیں کالقعود والاخیر اور بعض قصیر ہیں کالركوع والسجود تو تحقیق مذہب شیخین کے لئے اس کی تشریح ضروری ہوئی، کہ رکن طویل کی ادائیگی بالقوة کا زمانہ معتبر ہے یا رکن قصیر کی ادائیگی کا، تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتیاطاً احتمال ثانی کو لے لیا ہے، فافاد ان المراد اقصر رکن وکانہ لانه الاحوط (منحة) کما مر۔ لیکن اس تشریح کے باوجود مذہب شیخین میں ابھی ابہام باقی ہے، کیونکہ قصیر رکن مثلاً رکوع کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں:

- ① درجہ فرض و رکنیت میں ادائیگی،
- ② تعدیل و اطمینان واجب سے ادائیگی،

⑤ رکوع کے ذکر مسنون کے ساتھ اس کی ادائیگی،

ان احتمالات میں سے حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتمال ثالث کو متعین فرمادیا ہے، جیسا کہ منیہ وغیرہ میں مصرح ہے، درمختار و شامی میں ہے قدر اداء رکن ای بسنتہ ام، البحر الرائق مع مختار الخ میں ہے: وقد رالکثیر مایؤدی فیہ رکن ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ ام اس تفصیل و تشریح سے مذہب شیخین یہ محقق و منقح ہوا کہ زمین کثیرا تناوہت ہے کہ جس میں رکوع یا سجدان کے ذکر مسنون و مشروع کے ساتھ ادا کیا جاسکے، اور یہ تین مرتبہ تسبیحات رکوع یا سجدہ کہہ سکنے کا زمانہ ہے، کیونکہ رکوع و سجدہ کا ذکر مشروع و مسنون تسبیحات رکوع و سجدہ ہی ہیں، نہ کہ سبحان اللہ پس رکوع کو اس کے ذکر مسنون و مشروع کے ساتھ ادا کرنے کا زمانہ تین بار سبحان ربی العظیم کا زمانہ ہو سکتا ہے، پس یہی زمین کثیر ہے، نماز کے بارے میں خود مصلیٰ کے لئے تسبیح کا لفظ عموماً جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہی تسبیحات رکوع و سجدہ ہوتی ہیں، کیونکہ نماز میں یہی تسبیح مشروع ہے، سنن صلوٰۃ میں فرماتے ہیں، والتسبیح فیہ ثلاثا، سجدہ کے متعلق فرماتے ہیں والتسبیح فیہ ثلاثا ام (در مختار) مراد یہی مخصوص تسبیح ہے، تعدیل ارکان و اطمینان کے متعلق لکھتے ہیں، ای تسکین الجوارح قدر تسبیحة فی الركوع والسجود ام (در مختار) وقال فی العتائہ و مقدار الطمانینۃ بمقدار تسبیحة ام و فی شرح الوقایہ و قدر بمقدار تسبیحة ام ان عبارات میں تسبیح سے مراد تسبیح رکوع یا سجدہ ہے، نہ کہ سبحان اللہ، کما قال فی عمدة الرعاۃ، ای قدر الاطمینان الواجب بمقدار تسبیحة واحدة من تسبیحات الركوع والسجود ام (شرح وقایہ سعیدی، ص ۱۶۳) پس اسی طرح اس مقام پر بھی ثلاث تسبیحات سے مراد تسبیحات رکوع و سجدہ ہی ہوں گی، لہذا اس سے عموم مراد لیتے ہوئے اکتفاء علی الاولیٰ (یعنی سبحان اللہ) کرنا محل نظر ہے، نیز سبحانہ یا سبحانک، سبحان اللہ سے بھی مختصر ہے، پھر یہ کیوں مراد نہ لیا جائے؟

اگر کسی فقیہ نے رکن بلا سنتہ کو مقدار سبحان اللہ کیا ہے تو اس سے رکن بسنتہ کو بھی مقدار سبحان اللہ کرنا لازم نہیں آتا، کیونکہ رکن قصیر کے اندر کوئی ذکر درجہ فرض واجب میں فرض واجب نہیں اس لئے خارج سے تعین سبحان اللہ کی حاجت ہوگی، لیکن قدر اداء رکن بسنتہ جس کی تشریح ای بمالہ من السنة ہے، اور جس کی توضیح ای بسا هو مشروع فیہ من الکمال السنی ہے، اور جس کی تمثیل کالتسبیحات فی الركوع والسجود ہے، اس کی تقدیر

سبحان اللہ کی کیا حاجت و ضرورت ہے؟ نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان دونوں میں سے افقہ و اقدم کون ہے؟ فقط

الجواب باسم ملہم الصواب

وعلیکم السلام درحمتہ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ! بخیریت ہوں، مسئلہ مرسلہ میں آپ کی تحقیق صحیح ہے، آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے دعا بھی ہوں، فقط والسلام علیکم

رشید احمد

۱۳ محرم ۱۳۵۹ھ

نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنے کا حکم:

سوال:- نماز کی حالت میں عورت کے ٹخنے کھلے رہے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواریع عضو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز قاسد ہو جاتی ہے، اور قصد اربع عضو ایک لمحہ بھی کھلا چھوڑ دیا تو نماز قاسد ہو گئی، ریع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً، تین تسیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہر حال مفسد نہیں، ٹخنے پینڈلی کے ساتھ مل کر ایک عضو ہے اور ریع عضو سے کم ہے اس لئے نماز ہو جائے گی، قال فی العلانیۃ ویمنع کشف ریع عضو قدر اداء رکن بلا صنعہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو بہ فسدت فی الحال عندہم قنیۃ قال ح ای وان کان اقل من اداء رکن ام وفی الخانیۃ اذا طرح المقتدی فی الرحمۃ امام الامام اوفی صفت النساء او مکان نجس او حولہ عن القبلة او طرحوا ازارہ او سقط عنه ثوبہ او انکشف عورتہ ففیما اذا تعدد ذلک فسدت صلواتہ وان قل والآ فان اذی رکناً فکذلک والآ فان مکث بعد رلا تفسد فی قولہم والا ففی ظاہر الروایۃ عن محمد تفسد ام رد المحتار ص ۹، ۳ ج ۱ وقال بعد ذکر الاعضاء الثمانیۃ من عورة الرجل وفي الحرة هذه الثمانیۃ ویزاد فیہا ستة عشر الساقان مع الکعبین الخ رد المحتار ص ۸۰ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۳۵۹ھ

باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی:

سوال:- باریک تمیز یا دوپٹہ اوڑھ کر عورت نے نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے باریک دوپٹے میں نماز نہیں ہوتی جس سے بالوں کی رنگت نظر آئے، اسی طرح قمیص میں سے عورت کے بدن کا رنگ جھلکے تو نماز نہ ہوگی، قال فی شرح التویر وللحرة جسیع بدنہا حتی شعرہا النازل فی الاصح خلا الوجه والكفین فظهر الکف عورة علی المذهب والقدمین علی المعتمد (رد المحتار ص ۳۶۶)، وقال فی الشامیة (رقولہ لا یصف ماتحتہ) بان لا یرى منه لون البشرة احترازاً عن الرقيق ونحو الزجاج (رد المحتار ص ۱۶۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ربیع الاول ۱۲۸۷ھ

چست لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال :- آجکل مغرب زدہ عورتیں ایسا تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں کہ اس میں سے مخفی اعضاء کی صورت و شکل نمایاں ہوتی ہے، کیا اس طرح عورت کو اپنے اعتقاد رکھنا جائز ہے؟ اور ان کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے لباس میں نماز درست ہے؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا چست لباس پہننا جس سے اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آئے حرام ہے، اس طور پر اعضاء مخفیہ دکھانا بھی حرام اور دیکھنا بھی حرام، اگرچہ بلا شہوت ہو، ایسا لباس اگر اتنا موٹا ہو کہ اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو تو اس میں اگرچہ نماز کا فرض ادا ہو جائے گا مگر حرام لباس میں نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہوگی، عورتوں کے لباس کی بنسبت مردوں کی چست پتلون زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ عورت نے چست کرتے کو چادر یا دوپٹے سے چھپا کر نماز پڑھی تو اس میں کراہت نہیں، قال ابن عابد رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یضرب التصافہ ای بالالیة مثلاً وقولہ وتشکلہ من عطف السبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظاً لا یرى منه لون البشرة الا انه التعلق بالعضو وتشکل بشکلہ فصار شکل العضو مرئياً، فینبغی ان لا یسمن جوار الصلوة لحصول الستراہ قال ط وانظر هل یحرم النظر الی ذلك المتشکل مطلقاً او حیث وجدت الشهوة ام قلت سنتکلم علی ذلك فی کتاب الحظر والذي یظهر من کلامہم هناك هو الاول، (رد المحتار ص ۱۶۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ صفر ۱۲۸۷ھ

مرد کو نماز میں ٹخنے ڈھانکنا:

سوال :- نماز میں اگر ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں تو نماز میں کیا اثر پڑتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد کے لئے نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں ٹخنے ڈھانکنا ناجائز اور گناہ ہے، حدیث میں اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، نماز کے اندر گناہ کا ارتکاب اور بھی زیادہ برا ہے، نماز میں ٹخنے ڈھانکنا سے اگرچہ نماز ہو جائے گی، مگر متکبرین کا شعار ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور واجب الاعادہ ہے، قال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی المکروہات وکذا ما ہو من عادة اهل التکبر (طحاوی علی المراقی ص ۱۸۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹخنے ڈھانکنے، ڈاڑھی کٹانے اور گانے بجانے کو ان بد اعمالیوں کی فہرست میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ قوم لوط علیہ السلام پر عذاب آیا، (در منثور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال :- ناپاک جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھی، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، بشرطیکہ کپڑا اتنا موٹا ہو کہ نیچے سے نجاست نظر نہ آتی ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ولو کان رقیقا وبسطہ علی موضع نجس ان صلح سائر اللعورة تجوز الصلوٰۃ کافی البحر عن الخلاصة (رد المحتار ص ۳۷۴ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۶ شوال ۹۶ھ

ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا:

سوال :- کسی ناپاک جگہ پر شیشہ کا تختہ بچھا کر اس پر نماز پڑھ لی تو درست ہے یا نہیں جبکہ

شیشہ کے نیچے کی ناپاکی نظر آتی ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفي القنیه لوصلي

علی زجاج یصف ما تحته قالوا جميعا يجوز (رد المحتار ص ۳۷۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الآخر ۹۶ھ

وترکی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لی :

سوال :- بھولے سے دو وتر پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور نفلوں کی نیت باندھ لی، پھر یاد آیا کہ دو رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً نیت توڑ کر کھڑا ہو گیا، اور ایک رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی، تو وتر ہوتے یا نہیں؟ یا پھر سے پڑھنا واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر دوبارہ پڑھنا واجب ہے، البتہ اگر نفل کی نیت نہ باندھی ہوئی اور بھی کوئی کام و کلام مفسد نماز نہ کیا ہو تا تو سجدہ سہو کر کے نماز صحیح ہو جاتی، قال فی الہندیۃ ومن صلی من المغرب رکعتین وقعد قدر التشہد وزعم انه اتہا فسلم ثم قام فکبر ونوی الدخول فی سنۃ المغرب وقد سجد للسنۃ اولاً فصلوۃ المغرب فاسدۃ لانه صار منتقلاً من الفرض الی النفل قبل فراغہ، اما اذا سلم وتذکر انه لم یتم فحسب ان صلواتہ فسدت فقام وکبر للمغرب ثانیاً و صلی ثلاثاً ان صلی رکعۃ وقعد قدر التشہد اجزاء المغرب والا فلا (عالمگیریہ ص ۱۰۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذیقعدہ ۸۶ھ

فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا :

سوال :- زید نے بھولے سے فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اور دعاء میں مشغول ہو گیا، اللہم انت السلام الخ پڑھنے پایا تھا کہ یاد آیا کہ تین رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر دی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ نہ قبلہ سے سینہ پھرا اور نہ کسی سے گفتگو کی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

۴ ذیقعدہ ۸۶ھ

نماز ہوگئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے :

سوال :- زید نے نماز کا ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ بکرا گے سے نکل گیا، تو بکر گنہگار ہو گیا یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے، لہذا بکر گنہگار ہوگا، تو کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب :- اس سورت میں بکر گنہگار نہیں ہوگا، کیونکہ

نماز پہلے سلام سے ختم ہو جاتی ہے، بلکہ لفظ السلام یعنی علیکم کہنے سے بھی پہلے ہی نماز پوری ہو جاتی ہے، دونوں سلام واجب ہیں، مگر سلام ثانی خارج صلوٰۃ میں واجب ہے، اس لئے اگر کوئی پہلا سلام کہنے کے بعد اور علیکم کہنے سے قبل اقتدار کرے تو اقتدار صحیح نہیں، کمافی الدر المختار و لفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الاصح، برہان، دون علیکم وتنقضی قدوة یا لاؤل قبل علیکم علی المشہور عندنا علیہ الشافعیۃ وفی السامیۃ قولہ (وتنقضی قدوة بالاول) ای یا لالاول قال فی التجنیس لامام اذا فرغ من صلوٰۃ فلما قال السلام جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلًا فی صلوٰۃ لان ہذا سلام الا تری انہ لو اراد ان یسلم علی احد فی صلوٰۃ ساهیًا فقال السلام ثم علم فسکت تفسد صلوٰۃ ام رحمتی (رد المحتار ص ۴۳۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم ۱۲۸۵ھ

نماز میں ڈکار آنا،

سوال :- دوران نماز اگر ڈکار آجائے جس سے آواز پیدا ہو، تو نماز درست ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز درست ہو جائے گی، مگر حتی الامکان آواز کو روکنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان ۱۲۹۲ھ

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- زید نے وضو کرنے کے لئے آستین چڑھائی تھی، اب رکعت جانے کے خون سے

جلدی میں بغیر آستین اتارے جماعت میں شامل ہو گیا، تو کیا زید کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اگر

مکروہ ہوگی تو تنزیہیہ یا تحریمیہ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا وجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر نماز سے پہلے کسی کام کے لئے یا وضو

کے لئے آستین چڑھائی تھیں اور اسی طرح نماز شروع کر دی، یا اس کی ہیئت ہی ایسی ہے تو اس

کی کراہت میں اختلاف ہے، بہر صورت بہتر یہ ہے کہ نماز کے اندر ہی عمل قلیل سے آستینیں کھول کر

قال فی شرح التنبیہ و کماہ کفہ امی رفعہ ولولت رب کشر کما اذیل، وقال ابن عابدین

رحمہ اللہ تعالیٰ ای کما لو دخل فی الصلوٰۃ وهو مشرک وہو مشرک وہ اذیلہ و اشار بذلک الی

ان الکراہۃ لا تختص بالکف وهو فی الصلوٰۃ کما افادہ فی شرح المنیۃ لکن قال فی القنیۃ
واختلف فیمن صلی وقد شمرکیمہ لعمل کان یعملہ قبل الصلوٰۃ او ہیئۃ ذلک ام،
ومثلہ مالو شمر للوضوء ثم عجل لادراک الركعة مع الامام واذا دخل فی الصلوٰۃ كذلك
وقلنا بالکراہۃ فهل الا فضل ارخاء کیمہ فیہا بعلم قليل او ترکہما لم ارہ والظاهر الاول
بدلیل قوله الا تی ولو قطعت قلنسوته فاعادتها افضل تأمل هذا وقید الکراہۃ فی
الخلاصۃ والمنیۃ بان يكون رافعا کیمہ الى المرفقتین وظاہرہ انه لا یکرہ الى مادونہما
قال فی البحر والظاهر الاطلاق لصدق کف الثوب علی کل ام وکن اقال فی شرح
المنیۃ الکبیر ان التقید بالمرفقتین اتفاقی قال وهذا الوشمرها خارج الصلوٰۃ ثم شرع
فیہا کذلک اما الوشمر وهو فیہا تفسد لانه عمل کثیر رردا لمحتار، ص ۱۷۵۹، وقال
ایضا تحت رقلہ ای رفعہ) وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراہۃ فیہ تحریمیۃ (رضی ۵۹۸)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ محرم ۱۲۸۸ھ

سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- بعض لوگ نماز میں عادتاً سجدہ میں جاتے وقت پاجامہ یا تہبند کو اٹھا لیتے ہیں
یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائیۃ وکرہ کفہ ای رفعہ ولولتراب کشرکما و ذیل
وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای سواء کان من بین یدیه او من خلفہ عند الانحطاط
للسجود، بحر وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراہۃ فیہ تحریمیۃ (رد المحتار، ص ۱۷۵۹،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، جمادی الآخرہ ۱۲۸۸ھ

آدھی آستین کے کرتے میں نماز مکروہ نہیں:

سوال :- آدھی آستین والا کرتے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کو درسیا
صف سے نکالنا چاہئے یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اگر اس کو ثیابِ بذلہ میں شمار کیا جاتا ہو اور اس کو عام مجلس میں پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو مکروہ ہے، بہر صورت ان کو صفت سے نکالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

رد مال و عقالِ سدل میں دخل نہیں:

سوال:- سر پر کپڑا ڈال کر اگر اس پر عقال باندھ دیا جائے، جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے، یہ سدل میں شمار ہو گا یا نہیں؟ نیز اس سے نماز مکروہ ہو گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سدل کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی کراہت کی تین وجوہ ہیں:

① اہل کتاب سے تشبہ

② کشف عورت کا خطرہ، اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ صرف سر پر کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جائے

اور ازار وغیرہ نہ ہو،

③ لبس غیر معتاد،

رد مال سر پر ڈال کر جو عقال باندھا جاتا ہے یہ لبس معتاد ہے، اس میں کشف عورت کا بھی خطرہ نہیں، اور تشبہ باہل کتاب بھی نہیں، اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ

نماز میں کے سامنے بیٹھا ہو شخص ٹھکرا جاسکتا ہے:

سوال:- اگر کوئی شخص کسی مصلیٰ کے سامنے بیٹھا ہو تو وہ ٹھکرا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جاسکتا ہے، قال فی رد المحتار تحت عنوان (رتمة) عن القنیۃ اراد المرء بین یدئ لمصلی فان کان معہ شیء یضعہ بین یدیه ثم یسرو یاخذہ ولو مرآشان یقوم احدهما امامہ وسیر الآخر ویفعل الآخر فکذا ویمران (رد المحتار ص ۵۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ صفر ۱۴۰۶ھ

نمازی کے سامنے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے؟

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نمازی کے آگے سے تین صف چھوڑ کر یا چار صف چھوڑ کر نکلنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اتنی چھوٹی مسجد یا کمرے یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کا کل رقبہ ۱۶۰۰ ہاتھ = ۳۳۴ ر ۲۵۱ مربع میٹر سے کم ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ قریب سے گزرے یا دور سے، بہر حال گناہ ہے۔ البتہ اگر کھلی فضا میں یا ۳۳۴ ر ۲۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے کمرے میں یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہو وہاں تک گزرنا جائز نہیں، اس سے ہٹ کر گزرنا جائز ہے، بندہ نے اس کا اندازہ لگایا تو سجدہ کی جگہ سے ایک صف کے قریب ہوا، لہذا نمازی کے موضع قیام سے دو صف کی مقدار (تقریباً آٹھ فٹ = ۲ ر ۲۴ میٹر) چھوڑ کر گزرنا جائز ہے، قال شارح التوہید فی مفسدات الصلوة ومرور مار فی الصحراء او فی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح او مرورہ بین یدیہ الی حائط القبلة فی بیت ومسجد صغیر فائہ کبقعة واحدة، وفی الشامیة (رقولہ فی الاصح) هو ما اختارہ شمس الائمة وقاضی خان وصاحب الہدایة واستحسنہ فی المحيط وصححہ الزیلعی ومقابلہ ما صححہ الترمذی وصاحب البدائع واختارہ فخر الاسلام ورجعہ فی النہایة والفتح انه قد رما یقع بصرہ علی المار لوصلی بخشوع اسی رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ وارجع فی العنایة الاول الی الثانی بحمل موضع السجود علی القریب منه وخالفہ فی البحر صبح الاول وکتبت فیما علقتہ علیہ عن التجنیس ما یدل علی ما فی العنایة نراجعہ (رقولہ فی بیت) ظاہرہ ولو کبیراً وفی القہستانی وینبغی ان یدخل فیہ اسی فی حکم المسجد الصغیر الدار والبيت (رقولہ ومسجد صغیر) هو اقل من ستین ذراعاً وقیل من اربعین وهو المختار كما اشار الیہ فی الجواهر قہستانی (رح المختار ص ۱۳۵۹۳) وقال الرافعی (رقولہ ظاہرہ ولو کبیراً الخ) لکن ینبغی تقيیدہ بالصغیر كما تقدم فی الامامة تقيید الدار بالصغیرۃ حیث لم یجعل قدر الصغیرین مانعاً من الاقتداء بخلاف الکبیرۃ وفی المتانة مغرباً الجواهر الفتاویٰ سئل قاضینا رحمہ اللہ تعالیٰ عن الدار ان له حکم المسجد ام حکم الصحراء فی حکم اتحاد المکان واختلافہ قال اختلفوا فیہ بعضهم قالوا ان کان ستین ذراعاً فی ستین ذراعاً بذراع الشاہجہان

فہی کبیرۃ والا فصغیرۃ وبعضہم قالوا ان کان اربعین ذراعاً فی اربعین ذراعاً فہی کبیرۃ والا فصغیرۃ ہذا ہوا المختار ہکذا الفتاۃ (المتناتۃ فی مرمۃ الخزائنۃ ص ۱۹۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

رو مال یا چھڑی کا سترہ بنانا:

سوال :- ایک شخص نمازی کے سامنے سے گزرنے کے لئے اپنا رد مال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کر کے اس کے پیچھے سے گزر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزیئہ نہیں ملا، ونصہ واذا کان معہ عصا لا تقف علی الارض بنفسہا فامسک بما بیدہ ومر من خلفہا ہل یکفی ذلک لم ارہ (رد المحتار، ص ۵۹۵ ج ۱) بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں، لہذا بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ عند البعض لکڑی زمین پر لٹا دینا یا خط کھینچ دینا بھی سترہ کے لئے کافی ہے، علاوہ ازیں مسجد کبیر اور صحرائ میں موضع سجود کے ساتھ کراہت مردور کی تخصیص کا قول بھی صحیح ہے، بوقت ضرورت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۱۳۸۶ھ

بوقت ضرورت سترہ کی مختلف صورتیں:

سوال :- اگر نمازی اپنے سامنے دستی بیگ یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لے تو اس کے سامنے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سترہ کم از کم ایک ہاتھ اونچا ہونا چاہئے، اس سے کم اونچائی کے اکتفا میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ بقدر ذراع سترہ میسر نہ ہو تو اس سے کم بھی کافی ہے، بوقت ضرورت سترہ کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً

① کوئی ایسی چیز جو ایک ذراع سے کم بلند ہو،

② چھڑی وغیرہ لٹالینا، اگر کھڑی نہ ہو سکے،

③ سامنے خط کھینچ لینا،

چھڑی اور خط طویلاً یعنی قبلہ رخ ہونا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ عرضاً بھی جائز ہے،

۴) جانماز یا کپڑا بچھا کر اس پر نماز پڑھنا،

۵) اگر دو آدمی گزرنا چاہیں تو ایک نمازی کے سامنے اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو جائے۔ دوسرا گزر جائے، پھر وہ اسی طرح نمازی کے سامنے ہو جائے اور پہلا گزر جائے،

۶) ایک قول مصحح یہ بھی ہے کہ ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۲۵۱ × ۳۳۴ مربع میٹر، یا اس سے بڑی مسجد اور صحرائ میں موضع سجود سے ہٹ کر گزرنا بدون سترہ جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رمضان ۱۴۲۸ھ

مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا کیسا ہے؟ کیا اس کا حکم دوسری مساجد کی طرح ہے یا کہ مختلف ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم اللہم الصواب

اس مسئلہ میں مسجد حرام کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ دوسری بڑی مساجد کی طرح اس میں بھی نمازی کے مقام سے دو صفوں کی جگہ چھوڑ کر گزرنا جائز ہے، اس حد کے اندر گزرنا جائز نہیں، مگر طواف کرنے والے موضع سجود چھوڑ کر گزر سکتے ہیں، قال فی الشامیۃ (تنبیہ) ذکر فی حاشیۃ المدنی لا یمنع المار داخل الکعبۃ وخلف المقام وحاشیۃ المطاف لما روی احمد وابوداؤد عن المطلب بن ابی وداعۃ انه رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی متالی باب بنی سہم والناس یسرون بین یدیه ولیس بینہما سترة وهو محمول علی الطائفین فیما یظہر لان الطواف صلوة، فصار کن بین یدیه صفوف من المصلین انتھی، ومثلہ فی البحر العمیق وحکاء عزالدین بن جماعۃ عن مشکلات الآثار للطحاوی ونقلہ المنلا رحمۃ اللہ فی منسکہ الکبیر ونقلہ سنان افندی ایضاً فی منسکہ اہ، وسیأتی انشاء اللہ تعالیٰ تأیید ذلک فی باب الاحرام من کتاب الحج (۵۹۲) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله لا یمنع المار داخل الکعبۃ الخ) المرور بین یدی المصلی فی موضع سجودہ داخل الکعبۃ لا شک فی کراہتہ وان وراۃ او خلف المقام او حاشیۃ المطاف فلا یتوہم فیہ الکراہۃ حیث کان لا فی موضع السجود ہذا معلوم من کلام المصنف فان المسجد کبیر ولا حاجۃ حینئذ الی حمل الوارد علی الطائفین (التحریر المختار ص ۱۷۸۳)

قلت حمل الوارد علی الطائفین محمول علی ان منع المثرغیر مختص بموضع السجود بل هو قد
ما يقع بصره علی المار لو صلی بخشوع ای رامياً ببصره الی موضع سجوده، فقط والله تعالی اعلم،

۱۲ محرم ۱۲۹۹ھ

فساد وضو کے عذر سے نمازیوں کے سامنے سے گزرنا؛

سوال :- زید اول جماعت میں شریک تھا کہ ریح خارج ہو گئی، اب زید نمازیوں کے سامنے سے نکل کر وضو کرنے جائے تو سامنے سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ درمیان سے گزرنا مشکل ہو بیٹو اتوجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، بلکہ صفت کو درمیان سے چیرنے کی نسبت سامنے سے گزرنا اہم و اولیٰ ہے،

فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۵ رجب ۱۲۹۹ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا؛

سوال :- گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز ادا کرنا باوجودیکہ نیچے جگہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

جبکہ اوپر بھی ایک منزل مسجد کا برآمدہ ہو، بیٹو اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فی الہندیۃ فی الباب الخامس من الکراہیۃ الصعود علی سطح المسجد مکروہ،

ولہذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقاً الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا یکرہ

الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الغرائب اھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی چھت پر

نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر اس میں یہ تفصیل بنظر فقہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اوپر مسقف منزل نہ ہو

تو چھت پر چڑھنا اور نماز پڑھنا بہر کیف مکروہ ہے، اور اگر اوپر بھی مسقف ہے تو اس میں منفرداً

نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، اور نجلی منزل میں جگہ ہوتے ہوئے اوپر کی منزل میں جماعت سے

نماز پڑھنا مکروہ ہے، ہذا عندی لعل عند غیری احسن منه، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۹ صفر ۱۲۹۹ھ

نمازی کا عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم؛

سوال :- مسجد میں سامنے دیوار کے پاس الماریاں رکھی ہوئی ہیں، جن میں قرآن شریف

رکھے جاتے ہیں، اور الماریوں میں شیشے لگے ہوئے ہیں، جو شخص صفت میں ان کی محاذات میں ہوتا ہو

اس کا عکس نظر آتا ہے، ایسا عکس نہیں جیسا کہ منہ دیکھنے کے آئینہ میں نظر آتا ہے، بلکہ ایسا عکس ہے جیسا کہ پانی میں نظر آتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا عکس نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز میں اس کی طرف توجہ جاتی ہو اور یحسوتی میں مغل ہو تو ایسا شیشہ لگانا مکروہ ہے، ورنہ فی نفسہ اس میں کوئی کراہت نہیں، جیسا کہ مصلیٰ کا سایہ بحالت نماز سامنے پڑنا موجب کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رجب ۱۴۰۸ھ

ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال:- اگر مرد سونا یا ریشم پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم دہلی جلد ہفتم، ہشتم ص ۲۳۵ میں درج ہے کہ ”سونا اور ریشم پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے،“ اس بارہ میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ وستر عورتہ ولو بما لا یحل لبسہ کثوب حریر وان اشم بلا عذر کا الصلوٰۃ فی الارض المغصوبۃ (رد المحتار، ص ۴۷۵ ج ۱) مگر حالت ارتکاب کبیرہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز کراہت کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ متکبرین اور فساق کا لباس ہے، لہذا یہ نماز واجب الاعادہ ہے، لہذا فی مکروہات الصلوٰۃ من الہدایۃ والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وھذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراہۃ (فتح القدیر ص ۲۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ شوال ۱۴۰۸ھ

لہسن یا پیاز کھا کر گھر میں بھی نماز مکروہ ہے:

سوال:- لہسن پیاز کھا کر اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو نماز مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پیاز یا لہسن کھانے کے بعد منہ کی بدبو زائل کئے بغیر گھر میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ دربار خداوندی کی عظمت کے خلاف ہے اور بدبو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز کھانے سے منع فرمایا ہے، عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نھی سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الثوم الا مطبوخاً، الترمذی (مشکوٰۃ ص ۳۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ محرم ۱۴۰۸ھ

حالت نماز میں بیڑی سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں:

سوال :- مسجد میں بیڑی، سگریٹ یا نسوار بعض جیب سے نکال کر صحن میں رکھ دیتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بدبودار چیزوں کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟ یا جیب میں رکھ کر ایسی چیزوں کو نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی بدبودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت میں جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز صحیح ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
نماز میں چلنا:

سوال :- مشی فی الصلوة کس صورت میں مفسد ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی شرح التنویر (فروع) مشی مستقبل القبلة هل تفسد ان قدر صفت ثم وقف قدر ركن ثم مشی ووقف كذلك وهكذ لا تفسد وان کثر ما لم یختلف المكان وقیل لا تفسد حالة العذر ما لم یستدبر القبلة استحساناً ذكره القهستانی وفي الشامية (قوله ما لم یختلف المكان) ای بان خرج من المسجد او تجاوز الصفوف لوالصلوة فی الصحراء فحينئذ تفسد كما لو مشی قدر صفین دفعة واحدة قال فی شرح المنية وهذا بناء على ان الفعل القليل غیر مفسد ما لم یتكرر متوالياً وعلى ان اختلاف المكان مبطل ما لم یکن لاصلاً^{هما} وهذا اذا كان قد اتمه صفوف، واما ان كان اماماً فجاز موضع سجودہ فان بقدر ما بیت هو بین الصف الذي يليه لا تفسد وان کثر فسدت، وان منفرداً فالمعتبر موضع سجودہ فان جاوزه فسدت والآفلا، والبيت للمرأة كالمسجد عند ابی على النسفی وكالصحراء عند غيره ام وقال تحت قوله وقیل لا تفسد حالة العذر، وذكر فی الحلیة ایضاً فی فصل المکروهات ان الذي تقتضيه القواعد المذهبية المستندة الى الادلة الشرعية ووقع به التصريح فی بعض الصور الجزئية ان المشی لا یخلو اما ان یكون بلا عذر او بعذر فالاول ان كان كثيراً متوالياً تفسد وان لم یستدبر القبلة وان كان كثيراً غیر متوال بل تفرق فی رکعات او كان قليلاً فان استدبرها فسدت صلواته للمنافی بلا ضرورة والآفلا، وكره لما عرف ان ما افسد كثيراً کثیره بقليله بلا ضرورة وان بعذر فان كان للطهارة عند سبق

الحديث أو في صلوٰۃ الخ لم يفسد ها ولم يكره قل أو أكثر استدبر أو لا وإن لم يكره ما ذكر فإن استدبر معه فسدت قل أو أكثر وإن لم يستدبر فإن قل لم يفسد ولم يكره وإن كثيراً متلاحقاً ففسد وما غير متلاحق ففي كونه مفسداً أو مكرهاً خلاف وتأمل أم ملخصات قال في هذا الباب والذي يظهر أن الكثير الغير المتلاحق غير مفسد ولا مكروه إذا كان لعذر مطلقاً، (رد المحتار ص ۱۷۸) وفي باب الاستخلاف من العلاءية استخلف ما لم يجاوز الصفوف لوني الصحراء ما لم يتقدم فحده السترة أو موضع السجود على المعتمد كالمفرد وما لم يخرج من المسجد أو الجبانة أو الدار لو كان يصلي فيه وفي الشامية (قوله ما لم يتقدم الخ) تخصيص لما في المتن كالهداية وحاصله أن حدة الصفوف أن ذهب يمينه أو يساره أو خلفاً وأما أن ذهب أماماً فحده السترة أو موضع السجود أن لم تكن سترة قال في الفتح أنه الوجه وفي البدائع أنه الصحيح قال في البحر فما في الهداية من أن الإمام إذا لم يكن بين يديه سترة فالمعتبر مشيه مقدراً الصفوف خلفه ضعيف أم لكن قال الخیر الرمی ان اغلب الكتب على اعتماد ما في الهداية فكيف يكون ضعيفاً (قوله كالمفرد) فان الاعتبار فيه موضع سجوده من الجوانب الأربع إلا إذا مشى أمامه وبين يديه سترة فيعطى لدخولها حكم المسجد بحر عن البدائع (قوله أو الدار) كذا أطلقها في الزيلعي والبحر والظاهر أن المراد منها الصغيرة لما قد متناه في موانع الاقتداء أن الصغيرة كالسجد والكبيرة كالصحراء وإن المختار في تقدير الكبيرة أربعون ذراعاً تأمل (رد المحتار ص ۱۷۸) وقال الرافعي رحمه الله تعالى (قوله هو أقل من ستين ذراعاً) وفي حاشية عبد الحليم الصغير ما يكون أقل من جريب كما في البرجندی أم والجريب ستون ذراعاً في ستين بذراع كسرى سبع قبضات تأمل (التحرير المختار ص ۱۸۳)

عبارت بالا کا خلاصہ یہ ہے:

- ① بلا عذر مشی کثیر متوالی مفسد ہے،
- ② بلا عذر مشی غیر متوالی خواہ کثیر ہو یا قلیل، مفسد نہیں مکر وہ ہے، البتہ اختلاف مکان مفسد ہے،
- ③ عذر طہارت اور صلوٰۃ خوف میں مشی بہر کیف نہ مفسد ہے نہ مکروہ،
- ④ عذر مذکور کے سوا کسی اور عذر سے مشی کثیر متوالی مفسد ہے،
- ⑤ بلا عذر مشی کثیر غیر متوالی اور مشی قلیل نہ مفسد ہے نہ مکروہ،

- ⑥ انحراف عن القبلة عذر طہارت و صلوة خوف کے سوا ہر حال میں مفسد ہے،
- ⑦ بقدر رد و صف مشی کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل ہے،
- ⑧ عدم اختلاف مکان سے مراد یہ کہ مسجد یا ۹۰ مربع فٹ = ۸۰۰ مربع میٹر سے چھوٹے مکان سے باہر نہ نکلے، اور بڑے مکان یا صحرار میں ہو تو مقتدی جو اربعہ میں صفوف سے تجاوز نہ کرے، اور امام جانب قبلہ کے سوا باقی تین اطراف میں صفوف سے اور جانب قبلہ میں سترہ سے تجاوز نہ کرے، اگر سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے آگے نہ بڑھے، اور ایک قول کے مطابق امام اور اس سے پچھلی صف کے درمیان جتنا فاصلہ ہو اس قدر امام آگے نہ بڑھے، تیسرا قول یہ ہے کہ پیچھے تمام صفوں کے مقام کے برابر آگے نہ بڑھے، اور منہ فرد چاروں طرف موضع سجود سے برابر مقام سے تجاوز نہ کرے، البتہ سامنے سترہ ہو تو سامنے کی طرف سترہ سے آگے نہ بڑھے،

عبارت رافعی میں ستون فی ستین سے معلوم ہوتا ہے کہ اربعون ذراعاً سے بھی اربعون فی اربعین مراد ہے، مگر عام کتب کی عبارات کا مفہوم متبادر چالیس مربع ہاتھ ہے،

⑨ مشی غیر متوالی سے مراد یہ ہے کہ قدر کثیر سے قبل کم از کم بقدر رکن توقف کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، ربيع الآخر ۸۹ھ

نماز میں بلا ضرورت کھلانا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: نماز میں کھلانے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا ضرورت ایک بار بھی کھلانا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعدادہ ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدون کھلانے نماز میں یکسوئی نہ ہو تو ایک یا دو بار کھلانا بلا کراہت جائز ہے، اور تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت میں تین بار بلا ضرورت کھلانا بھی مفسد ہے

فی مکروہات الصلوة من العلانیة وعبثہ بہ ای بثوبہ و بجسدہ للنہی الا لحاجة

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ رقلہ للنہی وهو ما اخرجہ القضاء عنہ صلی اللہ

علیہ وسلم ان اللہ کرہ لکم ثلاثا العیث فی الصلوة والرفث فی الصیام والضحک فی

المقابر وہی کراہة تحریم کما فی البحر رقلہ الا لحاجة) کحک بدنہ لشیء ماکلہ واضرہ

وسلت العرق یؤلمہ ویشغل قلبہ وھذا لو بدون عمل کثیر (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱)

وفی مکروہات المراقی کعبثہ بثوبہ وبدنہ لانتہ ینافی الحشوع الذی ہو روح الصلوة

فكان مکروها (الی قولہ) درامی علیہ الصلوٰۃ والسلام رجلاً یبیت بلحیتہ فی الصلوٰۃ فقال لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ، وقال الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (فکان مکروها) ای تحریمًا افادہ السید وغیرہ بطحاوی علی المراقی ص ۱۸۹ وقال فی البدایۃ ویکرہ للمصلی ان یبیت بثوبہ او بجسدہ فی الشرح والصلوة جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وهذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراہۃ وقال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذكور اعنی قوله وتعاد یفیدہ ایضًا علی ما عرفت والحق التفصیل بین کون تلك الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیہ فتستحب (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۱)۔ مطلق کراہت سے کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے، اور شامیہ سے بحوالہ بحر اور طحاوی سے بحوالہ سید وغیرہ کراہت تحریمیہ کی تصریح گذر چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلسل تین بار کھلانا مفسد نماز ہے :

سوال :- فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکن میں تین دفعہ کھلانے سے نماز فاسد ہوگی، اگر کسی کو خارش کا مرض ہو، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جبکہ بغیر کھلانے نہ رہا جائے، کیونکہ یہ تو معذور ہے، شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تین دفعہ کھلانے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھاؤ اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھا بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھلایا تو نماز فاسد نہ ہوگی، کذا ذکرہ ابن عابد بن رحمہ اللہ تعالیٰ ونصہ قال فی الفیض الحک بید واحدۃ فی رکن ثلاث مرّات یفسد الصلوٰۃ ان رفع یدہ فی کلّ مرّۃ وفی الجوہرۃ عن الفتاویٰ اختلافوا فی الحکم هل الذہاب والرجوع مرّۃ او الذہاب مرّۃ والرجوع اخری رد المحتار، ص ۵۹۹ ج ۱ نیز اگر تین بار اس طرح کھلایا کہ تسیری حرکت سے پہلے تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت گزر گیا تو اس طرح تین بار کھلانا بھی مفسد نہیں، لان المفسد هو کون الحركات الثلاث متوالیۃ کما فی الشامیۃ ص ۵۸۲، زیادہ مجبوری کی حالت میں نماز کو اس طرح مختصر کیا جاسکتا ہے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اکتفاء کرے، سنن و آداب کو ترک کر دے، قیام میں شمار، تقویٰ، اور تسمیہ چھوڑ دے، سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد تیس حروف تک قراءت کرے، رکوع اور سجود صرف ایک تسبیح کی مقدار ادا کرے، اور آخری قعد میں

صرف تشہد اور اس کے بعد اللھم صل علی محمد تک پڑھ کر سلام پھیر دے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر درود شریف فرض ہے، بہتر ہے کہ سلام سے قبل رَبِّ اغْفِرْ لِي جیسی مختصر دعا بھی پڑھ لے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ سوال ۸۷۰

عمل کثیر کی تعریف:

سوال :- عمل کثیر جو مفسدِ صلوٰۃ ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ اگر مثال سے واضح فرمادیں تو سمجھنے میں سہولت ہوگی، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عمل کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں :-

- ① ایسا عمل کہ اس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والے کو ظن غالب ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں، جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا ظن غالب نہ ہو بلکہ شبہ ہو وہ قلیل ہے،
- ② جو کام عادتاً درہاتھوں سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند باندھنا، اور عمامہ باندھنا وہ کثیر ہے، خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے، اور جو عمل عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ دونوں ہاتھوں سے بھی کرے تو قلیل ہے، جیسے ازار بند کھولنا اور ٹوپی سر سے اتارنا،
- ③ تین حرکات متوالیہ یعنی تین بار سبحان ربی الا علی کہنے کی مقدار وقت میں ہوں تو عمل کثیر ہی در نہ قلیل
- ④ ایسا عمل کثیر ہے جو فاعل کو ایسا مقصود ہو کہ اس کو عادتاً مستقل مجلس میں کرتا ہو، جیسے حالت نماز میں بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا،

⑤ نمازی کی رائے پر موقوف ہو وہ جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے،

پہلے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں، اور درحقیقت تینوں کا حاصل ایک ہی ہے، اس لئے کہ قول ثانی و ثانیٰ میں مذکور عمل کے فاعل کو دیکھنے سے غیر نماز میں ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے، قال فی العلانیۃ ویفسدھا کل عمل کثیر لیس فی اعمالہا ولا لاصلاحہا وفیہ اقوال خمسۃ اصحھا مالائشک بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انتہ لیس فیہا وان شک انتہ فیہا ام لا فقلیل، قال فی الشامیۃ رقلہ وفیہ اقوال خمسۃ اصحھا مالائشک الخ صححہ فی البدائع وتابعہ الزیلعی واللہ الباقی وفی المحيط انتہ الاحسن وقال الصدر الشہید انتہ الصواب وفی المنانیۃ والخلاصۃ انتہ اختیار العامة وقال فی المحيط وغیرہ رواہ الشیخ عن اصحابنا حلیۃ القول الثانی

ان ما يعمل عادة باليدین كثير وان عمل بواحدة كالتمسم وشد السراويل وما حمل
بواحدة قليل وان عمل بهما كحل السراويل ولبس القنسوة ونزعهما الا اذا تكرر ثلاثا
متوالية وضعته في الجربانه قاصر عن افادة ما لا يعمل باليد كالمضغ والتقبيل،
الثالث الحركات الثلاث المتوالية كثير والا فقليل، الرابع ما يكون مقصودا للضاعل
بان يفرد له مجلسا عليه حدة قال في التارخانية وهذا القائل يستدل بامرأة صلت
فلمسه ازوجها او قبلها بشهوة او مص سبي ثديها وخرج اللبن تفسد صلاتها، الخامس
التفويض الى رأى المصلى فان استكثره فكثير والا فقليل، قال القهستاني وهو شامل
للكل واقرب الى قول ابی حنيفة فانه لم يقدر في مثله بل يفرض الى رأى المبتلى له
قال في شرح المنية ولكنه غير مضبور وتفويض مثله الى رأى العامة مما لا ينبغي واكثر
الفرع ارجحها مفع على الاولين والظاهر ان ثانيهما ليس خارجا عن الاول لان
ما يفام باليدین عادة يغلب ظن الناظر انه ليس في الصلوة وكذا قول من اعتبر
التكرار ثلاثا متوالية فانه يغلب الظن بذلك فلذا اختاره جمهور المشايخ (في المختار ص ۵۸۳)
فائدة: بعض عبارات میں ثلاث حركات متوالية کی بجائے ثلاث حركات فی رکن
ہے، اس میں رکن سے مقدار رکن مراد ہے، یعنی جتنے وقت میں تین بار سبحان، ربی الاعلیٰ کہا جائے،
ظاہر ہے کہ اتنے وقت میں تین حركات واقع ہوئیں تو وہ متوالیہ ہی ہوں گی، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ
وحدة رکن کے ساتھ تو الی بھی شرط ہے، سو کسی طویل رکن میں تین حركات کا اس طرح وقوع کہ آخری
حركات بقدر رکن وقت کے بعد ہو مفسد نہیں، قول اول جو اصل الاقوال واضح ہے اس کے مطابق بھی ثلاث
حركات متوالیہ مفسد ہوں گی، اس لئے کہ ثلاث حركات غیر متوالیہ دیکھنے والے کو غیر نماز میں ہونے کا
ظن غالب نہیں ہوتا، اگرچہ یہ تینوں حركات ایک ہی رکن میں ہوں، بالخصوص جبکہ رکن طویل ہو اور حركات
کے درمیان وقفہ بھی زیادہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجاوی الآخرہ ۸۹ھ

نماز میں دونوں ہاتھوں سے ٹوپی سر پر رکھنا:

سوال:- دوران نماز میں ٹوپی اگر حالت سجدہ میں گر جائے تو دونوں ہاتھوں سے سر پر رکھنے

سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بیسوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس قسم کی ٹوپی ہو جو عادتاً ایک ہاتھ سے سر پر رکھی جاتی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایسی ٹوپی ہو جو عادتاً دو ہاتھوں سے پہنی جاتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، قال فی شرح التنویر ویفسد ہا کل عمل کثیر لیس من اعمالہا ولا لاصلاحہا وفیہ اقوال خمسۃ اصحہا لا یشک بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انہ لیس فیہا، وفی الشامیۃ القول الثانی ان ما یعمل عادۃ بالیدین کثیر وان عمل بواحدۃ کالتعمیم وشد الس او مل وما عمل بواحدۃ قلیل وان عمل بہما کحل الس او مل ولس القلنسۃ ونزعہا الا اذا تکرر ثلاثاً متوالیۃ (وبعد اسطر) عن شرح المنیۃ والظاهر ان ثانیہما لیس خارجاً عن الاول لان ما یقام بالیدین عادۃ یغلب ظن الناظر انہ لیس فی الصلوٰۃ (رد المحتار ص ۱۷۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

، صفر ۱۳۹۰ھ

حالت نماز میں سانپ مارنا:

سوال: زید نے دوران نماز ایک سانپ کو مار دیا، اور سینہ قبلہ سے نہ پھیرا، اور مار کر پھر نماز پوری کی، تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ جبکہ سانپ بھی قبلہ کی طرف بھاگا، ادھر ادھر نہ ہوا، مشرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سانپ مارنے میں عمل کثیر ہو، یعنی دو سے زیادہ ضربیں لگائیں یا قبلہ کی طرف اتنا چلا کہ مقام سجدہ سے آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہو گئی، ورنہ فاسد نہ ہوگی، اگر سانپ سے خوف ایذا ہو تو نماز میں عمل قلیل سے مارنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے، بحالت خوف ایذا عمل قلیل سے مارنا ممکن نہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے، مقام سجدہ سے تجاوز کا مذکور حکم منفرد کے لئے ہے، مقتدی کی نماز جب قائم ہوگی کہ سامنے کی دو صفوں تک چلے، اور امام کی اس صورت میں کہ اس کے اور اس سے پچھلی صف کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے، قال فی العلائیۃ لا یکرہ قتل حیۃ او عقرب ان خاف الاذی (الی قولہ) مطلقاً ولو بعمل کثیر علی الاظهر لکن صحیح الحلبي الفساد، وفی الشامیۃ (قولہ لکن صحیح الحلبي الفساد) حیث قال تبعاً لابن الہمام فالحق فیما یظہر هو الفساد والامر بالقتل لا یتلزم صلوٰۃ مع وجودہ کما فی صلوٰۃ الخوف بل الامر فی مثله

لاباحۃ مباشرتہ وان کان مفسداً للصلوة اھ ونقل کلام ابن الہمام فی الحلیۃ والبحر والنہر واقروہ علیہ وقالوا ان ما ذکرہ الترخی ردة فی النہایۃ بانہ مخالف لما علیہ عامۃ رواۃ شرح الجامع الصغیر ومبسوط شیخ الاسلام من ان الکثیر لا یباح اھ
رحمہ المحتار ضیاء فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رذیقہ ۵۹

نماز میں لاحول پڑھنا:

سوال :- اگر کوئی شخص عادت کی وجہ سے ہر وقت لاحول ولا قوۃ پڑھتا رہتا ہو وہ شخص اگر نماز کے اندر بھی ایک دم ۔ کسی خیال کی وجہ سے پڑھ لے تو نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امور دنیا سے متعلق کوئی وسوسہ آنے کی وجہ سے لاحول پڑھ لے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امور آخرت سے متعلق پڑھ لے تو فاسد نہ ہوگی، قال فی العلائقہ ولو حوّل لدفع الوسوسۃ ان لا مورد لایا تفسد لالا مورد الاخرۃ (رد المحتار، ص ۵۸۱ ج ۱)، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلا نیت ہی زبان سے الفاظ مذکورہ نکل گئے تو نماز نہ ٹوٹے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۱۹ شعبان ۸۸ھ

سینما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- سینما کی چھت پر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ نماز بلا کراہت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وہاں جانا ہی حرام ہے تو نماز بطریق اولیٰ مکروہ تحریمی ہے، اس لیے یہ موضع ہو تو بوجہ مجمع شیطین ہے، کما قالوا فی الصلوة فی معابد الیہود والنصارى، اگر یہ عمارت سینما کی آمدنی یا اور کسی قسم کے مال حرام سے بنائی گئی ہو تو اس کے استعمال کا گناہ بھی ہوگا، اور نماز میں مزید کراہت کا باعث ہوگا، اس نماز کا اعادہ بہر حال واجب ہے، قال شارح البدایۃ فی مکروہات الصلوة والصلوة جائزۃ فی جمیع ذلك لا یستجماع شرائطہا وتعاد علی وجه غیر مکروہ وهذا الحکم فی کل صلوة ادیت مع الکراہۃ (فتح القدیر، ص ۲۹۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ شعبان ۸۸ھ

مُصَلّیٰ کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی:

سوال :- مُصَلّیٰ کا ایک کونہ ناپاک ہو گیا تو کیا اس ناپاک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یا دوسرے کونہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟ یا اس کونے کے ناپاک ہونے کی وجہ سے تمام مُصَلّیٰ کو ناپاک کہیں گے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں نماز ہو جائے گی، صرف درزیوں پاؤں، درزیوں ہاتھوں، گھٹنوں اور سجدہ کی جگہ پاک ہونا شرط ہے، فی شرط الصلوة من التیور ہی طہا سہ بد نہ من حدث وخبث و ثوبہ ومكانہ وفي الشرح ای موضع قد میہ او احداہما ان رفع الاخری وموضع سجودہ اتفاقاً فی الاصح لا موضع ید یہ و رکبتیہ علی الظاہر الا اذا سجد علی کفہ وقال ابن عبدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول الشارح وکذا ما یتحرک بحرکتہ ای شئ متصل بہ یتحرک بحرکتہ (الی قولہ) بخلاف ما لم یتصل کبساط طہ فہ نجس وموضع الوقوف والجبہ طہ فلا یمنع مطلقاً (قولہ ومكانہ) فلا تمنع النجاسة فی طرف البساط ولو صغیراً فی الاصح (قولہ علی الظاہر) ای ظاہر الروایۃ کافی البحر لکن قال فی منیۃ المصلی قال فی العیون ہذہ روایۃ شاذۃ ام فی البحر واختار ابو اللیث ان صلواتہ تفسد وصححہ فی العیون ام فی النہر وهو المناسب لاطلاق عامۃ المتون وایدہ بکلام الخانیۃ قلت وصححہ فی متن المواہب ونور الایضاح والمنیۃ وغیرہا فکان علیہ المعول قال فی شرح المنیۃ وهو الصحیح لان اتصال العضو بالنجاسة بمنزلۃ حملہا وان کان وضع ذلک العضو لیس بفرض (رد المحتار ص ۳۷۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شوال ۱۲۸۸ھ

نماز میں ہنسنا:

سوال :- ایک شخص نماز باجماعت پڑھ رہا ہے، اچانک ہنس گیا، دانت ظاہر ہو گئے ہیں مگر آواز نہیں نکلی، اس صورت میں نماز ہوئی یا فاسد ہوئی؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر ہنسی میں فقط دانت کھل گئے آواز بالکل نہیں نکلی تو نہ وضو ٹوٹا نہ نماز گئی، اور اگر اتنی آواز نکلی کہ خود یا بالکل قریب والے شخص نے بھی سُن لی تو نماز ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر اتنی زور

سے ہنسنا کہ اہل مجلس نے آواز سن لی، تو وضو بھی جاتا رہا بشرطیکہ بالغ ہو، نابالغ کا وضو نماز میں ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا۔ قال صاحب التنویر فی نواقض الوضوء وقہقہة بالغ، وفي الشامية واحتزبه عن الضحك وهو لغة اعم من القہقہة واصطلاحاً ما كان مسموعاً له فقط فلا ينقص الوضوء بل يبطل الصلوة وعن التستيم وهو ما لا صوت فيه أصلاً بل تبدل ولسنانه فقط فلا يبطلهما وتماہ فی البحر ولم أر من قدر الجواز بشئ، ومقتضى تعریف الضحك بما كان مسموعاً له فقط ان القہقہة ما يسمعها غيره من اهل مجلسه فهم جيرانه لاخسوس من عن يمينه اذ عن يساره لان كل ما كان مسموعاً له يسمعه من عن يمينه اذ يساره تأمل (مختار ص ۱۳۲) فقط والله تعالى اعلم، ۱۲/ محرم ۱۳۸۹ھ

ایسے پلاسٹک پر نماز جس کی پچلی جانب نجس ہو:

سوال :- پلاسٹک اور نائلون کو ملا کر ایک کپڑا تیار کیا گیا ہے، جو دبیز بھی ہے، اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، کیا ایسا کپڑا اگر نیچے کی طرف سے ناپاک ہو جائے یا اس کو ناپاک یا مشتبہ جگہ بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر ایسی چیز کہ اس میں ایک جانب لگی ہوئی نجاست دوسری طرف سرایت نہ کرے اس کی پاک جانب پر نماز درست ہے، اسی طرح ناپاک یا مشتبہ زمین پر ایسا پلاسٹک بچھا کر نماز جائز ہو، بلکہ ایسے شفاف پلاسٹک پر بھی نماز درست ہے جس کے اندر سے نیچے کی نجاست نظر آتی ہو، کما قالوا فی الزجاج، البتہ اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجس مین یا نجاست نظر آتی ہو یا نجاست کی بدبو محسوس ہو تو اس پر نماز درست نہیں، قال فی الشامية عن البدائع لوصلي على حجر الرحي أو باب أو بساط غليظ أو مكعب أعلاه طاهر وباطنه نجس عند أبي يوسف لا يجوز نظراً إلى اتحاد المحل فاستوى ظاهره وباطنه كالثوب الصفيق وعند محمد يجوز لانه صلى في موضع طاهر كثوب طاهر تحته ثوب نجس بخلاف الثوب الصفيق لأن الظاهر نفاذ الرطوبة إلى الوجه الآخر وظاهر ترجيح قول محمد وهو الاشبه روي عن سطر، وذكر في المنية وشرحها إذا كانت النجاسة على باطن اللبنة أو الأجرة وصلى على ظاهرها جاز وكذا الخشبة إن كانت غليظة بحيث يمكن أن تنشر نصفين فيسا بين الوجه الذي فيه النجاسة والوجه الآخر والأفلاہ، وذكر

فی العلّیۃ ان مسأله اللبنة والاحجرة علی الاختلاف الماریینہما وانہ فی الخانیۃ جزم بالجواز وهو اشارة الی اختیارہ وهو حسن متجہ وکذا مسأله الخشبۃ علی الاختلاف وان الاشبه الجواز علیہا مطلقاً ثم ایدہ باوجه فراجعہ، وایضاً فیہا تحت رقولہ مبسوط علی نجس الخ، عن شرح المنیۃ وکذا الثوب اذا فرش علی النجاسة الیابسة فان کان رقیقاً یشف ما تحتہ او توجد منه رائحة النجاسة علی تقدیر ان لہا رائحة لا تجوز الصلوٰۃ علیہ وان کان غلیظاً بحيث لا یكون کذلک جازت اھ، (رد المحتار ص ۱۳۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربيع الاول ۱۲۸۹ھ

اللہ اکبار کہنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا امام اللہ اکبر اس طرح ادا کرتا ہے کہ بَر کی بجائے بَار سمجھ میں آتا ہے، اس کی اپنی اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا
الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے کہ تکبیر میں اسم ذات اللہ اور اکبر کے الف کو کھینچ کر پڑھنا مفسد نماز ہے، اور لام کو اتنا کھینچنا کہ ایک الف مزید پیدا ہو جائے مکروہ ہے، مفسد نہیں، اسی طرح ہا کو کھینچنا مکروہ ہے، بار کی مد کے مفسد ہونے میں اختلاف ہی، اور رار پر پیش کھینچ کر پڑھنا مفسد ہے،

مگر غلبہ جہل کی وجہ سے متاخرین کا یہ فیصلہ ہے کہ اعراب اور مد کی غلطی مفسد نہیں، البتہ اگر کوئی تنبیہ کے باوجود اصلاح کی کوشش نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اور غلط خواں کو امام بنانا بہر صورت ناجائز ہے، بجز اس مجبوری کے کہ کوئی صحیح پڑھنے والا موجود نہ ہو، اس کی تفصیل میرے رسالہ "الارشاد الی مخرج الضاد" میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ رجب ۱۲۸۹ھ

سلام علیکم کہنا:

سوال :- ایک مسجد کا امام السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم ہر نماز ختم کرتے وقت کہتا ہے، الف لام ادا نہیں کرتا، شریعت کا ایسے امام کے متعلق کیا حکم ہے؟
بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سلام علیکم خلافت سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، امام کو سمجھایا جائے کہ تصحیح کر لے،
 قال فی الشامیة (قوله هو السنة) قال فی البحر وهو علی وجه الاكمل ان یقول السلام
 علیکم ورحمة الله مرتین فان قال السلام علیکم او السلام او سلام علیکم او علیکم
 السلام اجزأه وكان تاركًا للسنة وصريح فی السلاج بکراهة الاخير اه قلت تصریحه
 بذلك لا ینافی کراهة غیره ایضاً مما خالف السنة رد المحتار ص ۴۹، فقط والله تعالیٰ اعلم
 ۱۸ رجب ۱۲۸۹ھ

کتایا عورت سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی:

سوال :- ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے کتایا لگدھایا عورت نکل جائے تو
 نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور مشکوٰۃ شریف کا حوالہ دیتے ہیں، اس کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ حدیث
 صحیح ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ یا یہ حدیث جعلی ہے یا متروک ہے یا ضعیف ہے؟ بینا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اعد لتسونا بالکلب والحصار لقد
 رأیتنی مضطجعة علی السیر فیجی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی توسط السیر فیصلی
 فاکره ان اسنعه فانسئل من قبل رجلی السیر حتی انسئل من لحافی (بخاری ص ۴۲)
 ② عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یفرش لی حیاں مصلی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی وانی حیالہ (طحاوی، ص ۲۲۳ ج ۱)
 ③ عن میمونۃ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان فراشی حیال مصلی
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوقع ثوبہ علی وانا علی فراشی (بخاری، ص ۴۲ ج ۱)
 ④ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اقبلت راكبًا علی حمار
 اتان وانا یومئذ قد ناهزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس
 بسنی الی غیر جدار فمررت بین یدئ بعض الصف فتزلت وارسلت الاتان تترج
 ودخلت فی الصف فلم ینکر ذلك علی احد (بخاری ص ۱ ج ۱)

⑤ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم عباسًا فی بادية لنا ولنا کلبة وحمارة ترعى فصلى النبی صلی اللہ وسلم العصر

چوتھی حدیث میں ہے کہ حالتِ نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گدھی گزری مگر آپ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا،

پانچویں حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور کتیا اور گدھی آپ کے سامنے تھیں،

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عورت یا گدھا یا کتا سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور جس حدیث میں فساد نماز کا حکم ہر وہ منسوخ ہے، کیونکہ اس حدیث مذکورہ بالا احادیث متاخر میں، دلیل تاخیر یہ ہے کہ پہلی تین احادیث کو حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روایت کر رہی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ان ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نزدیک عورت کا سامنے ہونا مفسد نماز نہیں، اور جس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے وہ منسوخ ہے، باقی رہا گدھے اور کتے کا حکم سو حدیث فساد کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ یہ ہے کہ گدھا اور کتا مفسد نماز نہیں، عن عکرمۃ قال ذکر عند ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما یقطع الصلوۃ قالوا لا لکلب والحصار فقال ابن عباس الیہ یصعد الکلم الطیب وما یقطع ہذا وتکذہ بکرہ (طحاوی، ص ۲۲۲ ج ۱) خود راوی حدیث کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دینا دلیل نسخ ہے،

قول نسخ کی بجائے یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ قطع نماز سے مراد یہ ہے کہ یہ اشیاء قاطع توجہ
ہیں اور بیکسوئی میں مغل ہیں، اس لئے کہ عورت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے، اور گدھے اور کتے کی شرارت
کی وجہ سے اس طرف دھیان ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول ولکنہ یکبرہ
سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ رجب ۱۲۸۹

تصویر والے مقام میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعدادہ ہے :

سوال :- جس کھر میں تصویر ہو اس میں نماز مکروہ ہے، اب اس کا اعادہ واجب ہر یا نہیں؟
 بیٹو! توجہ روا!

الجواب باسم ملهم الصواب

تصوير الی مقام میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہی، فی مکروہات
 الصلوة من التنوير ولبس ثوب فيه تماثيل وان يكون فوق رأسه اوبين يديه
 اوبعدائه تماثيل واختلف فيما اذا كان خلفه والاظهر الكراهة (رد المحتار ص ۶۱۶)،
 وفي قضاء الفوائت من الشامية عن البحران من ترك واجبا من واجباتها اوارتكب
 مكروهاً تحريمياً الزمه وجوباً ان يعيد في الوقت فان خرج اشم ولا يجب جبر النقصان
 بعده فلو فعل فهو افضل اه وبعد اسطن واما كونها واجبة في الوقت مندوبة بعده كما
 فهمه في البحر وتبعه الشارح فلا دليل عليه وقد نقل الخیر الرملی فی حاشیة
 البحر عن خط العلامة المقدسی ان ما ذكره في البحر يجب ان لا يعتمد عليه لطلا
 قولهم كل صلوة ادیت مع الكراهة سبيلها الاعادة اه، قلت ای لانه يشمل جوبها
 في الوقت وبعده ای بناءً علی ان الاعادة لا تختص بالوقت وظاهره ما قد مناه عن
 شرح التحرير ترجیحه وقد علمت ایضاً ترجیح القول بالوجوب فيكون المزمع وجوب
 الاعادة في الوقت وبعده ويشير اليه ما قد مناه عن الميزان من قوله يجب عليه الاعادة
 وهو اتيان مثل الاول ذاتاً مع صفة الكمال ای كمال ما نفسه منها وذلك يعم وجوب
 الاتيان بها كاملة في الوقت وبعده كما مر، ثم هذا حيث كان النقصان بكراهة تحریم
 لما في مكروهات الصلوة من فتح القدير ان الحق التفصيل بين كون تلك الكراهة
 كراهة تحریم فتجب الاعادة او تنزيه فتستحب اه ای تستحب في الوقت وبعده
 ايضاً، (رد المحتار ص ۱۷۶، ۹) وفي الهداية في مكروهات الصلوة ويكره ان يكون فوق
 رأسه في السقف اربین يديه اربعدائه تصاویر او صورة معلقة (الی قوله)
 والصلوة جائزة في جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد على وجه غير مكروه وهذا
 الحكم في كل صلوة ادیت مع الكراهة وفي الفتح (قوله وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشيخ
 قوام الدين الكاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذكور اعنی قوله وتعاد يفيد ايضاً علی
 ما عرف والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحریم فتجب الاعادة او
 تنزيه فتستحب فان كراهة التحريم في رتبة الواجب فان الظن ان افاذا المنع
 مدالة قطعية اعنی بطريق الحقيقة مجرد عن القرائن الصارفة عنه فالثابت

کراہۃ التحريم وان افاد الزام الفعل كذلك فالوجوب وان افاد ندب المنع فتتزيمية
او الفعل فالندوب ولذا كان لازمهما معنى واحداً وهو ترتب الاثم بترك مقتضاها
(فتح القدیر ص ۱۶۲، ۱۶۳) فقط والله تعالى اعلم

۱۳، ربيع الاول سنہ ۹

ارض منصوبہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال ۱۔ ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی اس میں نماز
پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کذا فی الشامیۃ
قبیل باب الاذان، اس لئے اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فی مکروہات الصلوة من شرح البدایۃ والصلوة جائزۃ فی جمیع ذلك لاستجماع
شأن الطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وهذا الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراہۃ
(فتح القدیر ص ۱۶۵، ۱۶۶) فقط والله تعالى اعلم

۲۲، صفر سنہ ۹

نماز میں مرد کا پاؤں عورت کے سر لگنے کا حکم:

سوال ۱۔ اگر عورت کا سر مرد کے پاؤں سے بوقت سجدہ لگ جائے اور مرد میں یا عورت
میں یا دونوں میں شہوت پیدا ہو جائے تو کیا مرد کی نماز یا عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت کے سر پر لازم دپٹ ہوگا، اس کے اوپر سے مرد کا پاؤں لگے گا، جو کسی حال میں بھی نماز کے
لئے مفسد نہیں، البتہ اگر بلا حائل مس ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد میں شہوت پیدا ہو جائے تو مرد اور
عورت دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر صرف عورت میں شہوت ہوئی تو کسی کی نماز فاسد
نہ ہوگی، کتب فقہ میں اس مقام پر بلا حائل کی قید نظر سے نہیں گزری، مگر حرمت مصاہرت اور شہوت
رجعت میں یہ قید مصرح ہے، اس لئے یہاں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی، لان العلة كونه من دعا
الجماع، ایک قول یہ بھی ہے کہ مرد کے مس بالشہوة بلا حائل سے بھی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی
قال فی الدر او متہما بشہوة او قبلہا بد ونہا ضدت لا فو قبلتہ ولم یشتہما والفرق

ان فی تقبیلہ معنی الجماع و فی الشامیۃ عن البحر عن شرح الزاہدی انہ لو قبل المصلیۃ لا تفسد صلوٰتہا ومثلہ فی الجوہرۃ وعلیہ فلا فرق (رح المحتار ص ۱۳۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شعبان ۱۲۹۲ھ

ٹائی کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے :

سوال :- ٹائی اور ہر وہ چیز جو یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان ہو مسلمان کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے، نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمان کے لئے دوسری اقوام کا مخصوص لباس اور وضع قطع اختیار کرنا ہر حالت میں ناجائز اور حرام ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، من تشبہ بقوم فهو منهم، نمازیں ایسا لباس پہننا اور بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعداء ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الآخر ۱۲۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک دینی مدرسہ کا متعلم ہے، وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر مدرسہ کے لئے چرم و شرابی کا کام کرتا ہے، جس میں جو چرم بغیر سید یا رسید سے ملتا ہے، لیکن تھوڑا بہت بدل کر اپنے اندازے کے مطابق جائز مصرف پر خرچ کرتا ہے، مثلاً شلوار کرتہ وغیرہ، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان اشیاء سے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟ یہاں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ صحیح جواب دے کر عند اللہ اجر عظیم کے مستحق بنے،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس لباس کا استعمال زید کے لئے حرام ہے، اور اس میں نماز مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے واجب الاعداء ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ رزد الحج ۱۲۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے قالین پر نماز مکروہ تحریمی ہے :

سوال :- مال حرام جیسے سودی کاروبار یا شراب کا کاروبار کرنے والا قالین مسجد میں ڈال دے

کہ اس پر نماز پڑھی جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ واپس کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے قالین پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعدہ ہے، کسی مسکین پر صدقہ کر دیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ صفر ۱۴۲۲ھ

چورمی کے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- زید نے ایک رد مال خریدا، زید کو اس کے متعلق یہ علم نہیں تھا کہ یہ چورمی کا مال ہے، خرید سے چند روز کے بعد علانیہ طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ رد مال اموال مسروقہ میں سے ہے، زید مذکور رد مال میں اب تک نماز پڑھتا رہا، جاننے کے بعد بھی، عندا شرع اس کی نماز کیسی ہوگی؟ بینوا باللیل توجروا عند الجلیل،

الجواب باسم ملہم الصواب

چورمی کا علم ہو جانے کے بعد اس رد مال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعدہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، غرۃ محرم ۱۴۲۳ھ

پیشانی پر کپڑا ہونے کی حالت میں سجدہ:

سوال:- امام صاحب کی پیشانی پر عمامہ اس قدر نیچے آجاتا ہے کہ پیشانی ڈھکی رہتی ہے اور پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا نہیں ہوتا، ایسے امام کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عمامہ کا وہ حصہ زمین سے لگا جو پیشانی سے اوپر سر پر ہے، پیشانی زمین سے نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوا، قال شارح التتویر بکرة تنزیہا بکورة عمامته الا لعن روان صبح عندنا بشرط کونه علی جہتہ کلمہ او بعضہا کما مر اما اذا کان الکور علی رأسہ فقط وسجد علیہ مقتضی ای ولم تصب الارض جہتہ ولا انفہ علی القول بہ لا یصح لعدم السجود علی محلہ (رد المحتار، ص ۱۸۶، ۱۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ شوال ۱۴۲۳ھ

قضاء حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہے :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی آدمی کو نماز کے وقت پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہوئی، اب اگر وہ آدمی حاجت پوری کر لے تو اندیشہ ہے کہ اس کی نماز قضاء ہو جائے گی۔ یا کم از کم جماعت تو ضرور فوت ہو جائے گی، تو اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے، یعنی حاجت پوری کر لے یا جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھ لے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو نماز پڑھ لے، اور اگر قضاء ہونے کا خطرہ نہیں صرف جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہے، تو قضاء حاجت سے فارغ ہو کر نماز پڑھے، ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، نماز شروع کرنے کے بعد تقاضا ہو تو بھی اسی حال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس پر واجب ہے کہ اس وقت نماز قطع کر دے اور فراغت کے بعد پڑھے، کما فی مکرہات الصلوٰۃ من التثویر و صلواتہ مع مدافعة الاخبثین، وفي الشامية قال فی الخزان سواکان بعد شروعه او قبله فان شغله قطعها ان لم یخف فوت الوقت وان اتبھا اثم اھ (وبعد سارین) بقی ما اذا غشی فوت الجماعة ولا یجد جماعة غیرھا فهل یقطعھا کما یقطعھا اذا رای علی ثوبہ نجاسة قد رالدھم لیغسلھا اولاکما اذا كانت النجاسة اقل من الدھم والصواب الاول (رد المحتار، ص ۶۰۰ ج ۱)، قلت والا قرب انه لا یجب غسل قد رالدھم من النجاسة کما فی انجاس الشامية فلا یحل قطع الصلوٰۃ لغسلھا، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ

نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا :

سوال :- اگر کاغذ پر کسی ولی اللہ کی قبر کا نقشہ ہو، اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حالانکہ نیت تقرب الی ولی اللہ نہیں ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی الحلیۃ وتکرہ الصلوٰۃ علیہ (رای علی القبر) والیہ لورود النھی عن ذلك رد المحتار ص ۸۴۶ ج ۱، وفي الدرر لغیر ذی روح لا یکرہ لانھا لا تعبد وفي الشامية فان قیل عبد الشمس والقمر

والکواکب والشجرۃ الخضرۃ قلنا عبد عینہ لا تمثاله فعلی هذا ینبغی ان یکوہ استقبال
عین هذه الاشیاء معاج ای لانہا عین ماعبد بخلاف ما لو صورہا واستقبل صورتہا
(رد المحتار ص ۱۱۶) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن
قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا مضر نہیں، کیونکہ قبر کے نقشہ کی کوئی پرستش نہیں کرتا، البتہ اگر کسی قوم میں
رسم ہو تو اس میں بھی کراہت ثابت ہو جائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی الحجہ ۹۴ھ

گدے پر سجدہ کا حکم:

سوال ۱۔ ہسپتال میں چار پائیوں پر گدے بہت موٹے ہوتے ہیں، اُن پر سجدہ کرنے سے
نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر گدے اس کے مکمل بوجھ کو برداشت کر لے تو اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی، اور اگر
برداشت نہ کر سکے بلکہ دبنا ہی چلا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، قال فی شرح التنبیہ وان یجد حجم
الارض فی الشامیۃ تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلک
(رد المحتار ص ۱۳۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۹۵ھ

نماز میں غیر عربی میں دُعا مکروہ ہے:

سوال ۱۔ اگر کسی نے نماز میں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں دُعا کی تو نماز صحیح
ہو جائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں تین قول ہیں؛ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہت تحریمیہ کا قول ارجح و
اوسط ہے، لہذا اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال شارح التنبیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ودعاء
بالعربیۃ وحرم بغیرہا، نہو وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ذکر الاقوال ولا
یبعد ان یکون الدعاء بالفارسیۃ مکروہاً تنزیہاً فی الصلوٰۃ وتنزیہاً خارجاً فیہا فلیتأمل
ولیراجع (رد المحتار ص ۱۳۸۶) خارج نماز میں غیر عربی میں دُعا مکروہ تنزیہی اس صورت
میں ہے کہ قلبی توجہ میں عربی و غیر عربی دونوں برابر ہوں، اگر غیر عربی زیادہ توجہ کا باعث ہو تو اس میں

کوئی کراہت نہیں بلکہ یہی افضل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۱، رزی قعدہ ۹۵ھ

نماز میں بلا قصد کوئی لفظ نکل جانا:

سوال :- ایک شخص نماز میں حدیث النفس میں مبتلا ہو گیا، اور اس حالت میں اس کی زبان سے اردو یا فارسی یا عربی زبان کے کسی شعر یا نثر کے صرف دو یا تین الفاظ نکل گئے، تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر کسی کو نماز جماعت میں یہ صورت پیش آئے تو کیا کرے؟ پہلی نماز کا عدم سمجھ کر دوبارہ نیت کرے اور باقی نماز امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے یا امام کے ساتھ اس نماز کو پوری کرے، اور بعد میں فرض کی پوری نماز بلا جماعت پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں اردو یا فارسی میں دعاء یا حمد و ثناء کے الفاظ کہنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعداء ہے، عربی دعاء یا حمد و ثناء کے بے موقع الفاظ سے احتراز کرنا چاہئے، مگر نماز کا اعادہ واجب نہیں، دعاء اور حمد و ثناء کے سوا کوئی اور کلمہ کہنا جو کلام الناس سے ہو مفسد نماز ہے، خواہ کسی بھی زبان میں ہو، فساد صلوٰۃ کی صورت میں از سر نو تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرے، اور سابقہ رکعات فراغ امام کے بعد پڑھے، البتہ کراہت تحریمہ کی صورت میں یہ نماز امام کے ساتھ پوری کرے، پھر بعد میں اس کو لوٹائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹، ربیع الآخر ۹۹ھ

انفرادی نماز میں عورت کی محاذاة مکروہہ:

سوال: عجاڑیں عورت مرد کے بالکل سامنے دائیں بائیں طرف ملی نہ کھڑی ہوں بلکہ ایک مرد کی جگہ خالی ہو، تو مرد کی نماز ہو جاتی ہے؟ بلا جماعت کے عورت اور مرد ایک کمرہ میں نماز پڑھ رہے ہوں اور فرض نماز ہو تو کیا جب بھی عورت اور مرد کے درمیان ایک آدمی کی جگہ چھوڑ دی جائے؟ اگر نفل نماز مرد پڑھ رہا ہو اور عورت بھی نفل نماز پڑھتی ہو تو مرد اور عورت محرم بالکل پاس کھڑے ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو جائے گی، مگر مرد اور عورت کا متصل کھڑا ہونا مکروہہ ہے، قال فی الدرفحاذاة المصلیۃ لمصل لیس فی صلوٰۃ مکروہۃ لا مفسد فتح رحمہ اللہ ۵۳، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴، شعبان ۹۳ھ

شرائط صحت بنا رہ

سوال :- اگر نماز مغرب یا کوئی نماز پڑھ رہا ہو، تین رکعتیں یا دو رکعتیں پڑھ چکا ہو، اس کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ دوبارہ وضو کرنے گیا تو پوری نماز پڑھے گا یا دو رکعتیں یا ایک رکعت جو رہتی ہے وہ پڑھے گا؟ کن صورتوں میں بنا رہ جائز ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جواز بنا رہ کے لئے تیرہ شرائط ہیں :-

① حدث میں یا اس کے سبب میں کسی انسان کا کوئی دخل نہ ہو، اگر عمداً وضو توڑا یا کسی نے زخم کر کے خون نکال دیا تو بنا رہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ پہلی صورت میں نفس حدث اور دوسری میں سبب حدث یعنی زخم انسان کی طرف سے ہے، کھانسنے سے خروج ریح بنا رہ سے مانع ہے، اور چھینکنے سے خروج ریح کا مانع ہونا مختلف فیہ ہے،

② حدث نمازی کے بدن سے ہو، اگر خراج سے کوئی نجاست اس پر گر گئی تو بنا رہ درست نہیں،

③ حدث موجب غسل نہ ہو، اگر نماز میں نیند آگئی، اور احتلام ہو گیا تو بنا رہ صحیح نہیں،

④ حدث نا در الوجود نہ ہو، مثلاً قہقہہ یا بیہوشی،

⑤ حدث کے ساتھ کوئی رکن ادا نہ کرنا، اگر حالت سجدہ میں حدث ہوا اور اتمام سجدہ کی نیت سے سراٹھایا، یا وضو کے لئے جاتے ہوئے قرات میں مشغول رہا تو بنا رہ نہیں کر سکتا،

⑥ چلنے کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کرنا، مثلاً وضو کے بعد لوٹتے ہوئے قرات کرنا، ہاں آتے جاتے تسبیح پڑھنا مانع نہیں،

⑦ نماز کے منافی کوئی کام نہ کرنا، مثلاً قدرتی حدث کے بعد عمداً حدث یا کلام وغیرہ یا کنوئیں سے پانی کھینچنا،

⑧ بے ضرورت کام نہ کرنا، مثلاً وضو کے لئے قریب جگہ چھوڑ کر دو صف سے زیادہ دور جانا، ہاں قریب مقام پر از دحام یا نسیان کی وجہ سے دور جانے میں حرج نہیں،

⑨ بلا ضرورت تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تاخیر کرنا، از دحام کے عذر سے یا

تکسیر وغیرہ کا خون بند نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر مضر نہیں،

وضو کی سنتیں بھی ادا کرے، اگر وضو کے صرف چار فرائض پر اکتفا کیا تو بنا رہ جائز نہیں،

⑩ حدث سابق کا ظاہر نہ ہونا، مثلاً موزہ پر مسح کی مدت ختم ہونا، متیمم کا پانی دیکھنا، خروج وقت کا

⑪ صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد نہ آنا، البتہ اگر یاد آنے پر قضا نہ پڑھی بلکہ وقت کی بناء کرنی، پھر مزید چار یعنی مجموعہ چھ فرض نمازیں اس کے ذمہ قضا ہو گئیں، تو بنا دالی نماز صحیح ہو جائے گی،

⑫ اگر مقتدی کو حدث ہو یا امام کو ہو اور اس نے کوئی خلیفہ بنا دیا ہو، اور وضو سے فراغت تک جماعت ختم نہ ہوئی ہو اور مقام وضو ایسی جگہ ہو کہ وہاں سے اقتدار صحیح نہ ہو تو یہ شرط ہے کہ یہ امام یا مقتدی ایسی جگہ پر آ کر بنا کرے جہاں سے اقتدار صحیح ہو، اگر مقام وضو لائق اقتدار ہو، یا وضو سے قبل جماعت ختم ہو چکی ہو، یا منفرد کو حدث ہو، یا ہو تو ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ مقام وضو ہی میں بنا کرے یا سابق مقام پر لوٹ کر آئے، مقام وضو ہی میں بنا افضل ہے،

⑬ امام کو حدث ہو تو اس کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یہ بھی منافی صلوٰۃ میں داخل ہے، جس کا بیان ۷ میں گزرا، مگر بوجہ خفاء اس کو مستقل ذکر کیا گیا ہے، درحقیقت شرائط بارۃ ہی ہیں،

شرائط مذکورہ سے بنا اگرچہ جائز ہے، مگر استیناف افضل ہے، البتہ وقت تنگ ہو تو بنا افضل بلکہ زیادہ تنگ ہو تو واجب ہے، استیناف کے لئے ضروری ہے کہ پہلی نماز کو سلام پھیر کر یا کسی فعل منافی سے ختم کرے، پھر نئی نماز شروع کرے، بدون سلام یا فعل منافی استیناف صحیح نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شعبان ۱۴۰۸ھ

سوتے شخص کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا:

سوال :- کوئی شخص سو رہا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بدون سترہ کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ویسے ہی لیٹا ہو سو یا نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں صورتوں میں جائز ہے، البتہ نماز کی طرف توجہ میں نخل ہونے کا خطرہ ہو تو مکروہ ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۱۴۰۸ھ

نماز میں بصورت کرتہ درست کرنا مکروہ نہیں:

سوال :- ایک امام صاحب جب بھی سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں، تو ایک ہاتھ سے اور

بہی دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف کرتہ پکڑ کر درست کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

گرتہ درست کرنے کی ضرورت عموماً دو وجہ سے پیش آتی ہے، ایک یہ کہ گرتہ مکروہ کے اوپر اٹک جاتا ہے، جو بعض طبائع کے لئے مشریش اور خشوع میں مغل ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے سرین کے اندر گرتہ اٹک جاتا ہے، کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے گرتے کو کھینچ کر درست کرنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اس کے لئے ایک ہاتھ کافی ہے، دوسرا ہاتھ استعمال کرنا مکروہ ہے، اور بلا ضرورت ایک ہاتھ کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہے، اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے، قال فی التنبیہ وکفرہ کفہ رعبثہ بہ فی الشامیۃ (قوله رعبثہ) هو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النہایۃ وحاصلہ ان کل عمل هو مفید للمصلی فلا یأثم بہ اصلہ ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرق فی صلوٰتہ فسلت العرق عن جبینہ اسی مسحہ لانہ کان یؤذیه فکان مفید او فی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفص ثوبہ یمنے اویسۃ لانہ کان مفید اکی لا تبقی صورۃ فاما مالیس بفقید فهو العبث ام وقوله کی لا تبقی صورۃ یعنی حکایۃ صورۃ الالیۃ کما فی الحواشی لسعد (۵۹۹) (۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

نماز میں چادر کندھے سے گر جائے:

سوال :- نماز کی حالت میں اگر چادر یا رزائی یا دوپٹہ بائیں کندھے سے گر جائے تو کیا اس کو دلہنے ہاتھ سے بائیں کندھے پر ڈال سکتے ہیں، یا اسی حالت میں رہنے دیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

کندھے پر ڈال لینا چاہئے، کپڑے کا لٹکنا نماز میں تشویش کا باعث ہے، اور ازالۃ مشویش کے لئے ایک یا دو بار ہاتھ ہلانا جائز ہے، کحکۃ الید لسلت العرق وتسویۃ الحصال للسجود، نیز کپڑا لٹکنا سدل میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور اصلاح مکروہ بعمل قلیل مندوب ہی، کما قالوا فی ارخاء الکمین لشرکتین، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

نماز میں تہبند درست کرنا:

سوال :- نماز میں تہبند کھل جانے کا اندیشہ ہو تو کیا اس کو دونوں ہاتھوں سے باندھ سکتے ہیں؟

یا کس سکتے ہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے ایک ہاتھ سے ایک جانب کس لیں، پھر تین بار شبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی دیر تک توقف کرنے کے بعد دوسری جانب دوسرے ہاتھ سے درست کر لیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

مسجد میں چٹائی کی ٹوپیاں رکھنا اور ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ ثواب کی نیت سے مساجد میں چٹائی کی ٹوپیاں نمازیوں کے استعمال کے لئے رکھ دیتے ہیں، جس سے برہنہ سر لوگ نماز کے وقت اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو براہ کرم اس کی وجہ تحریر فرمائیں، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا جائز نہیں، اور ان کو سر پر رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے،

وجہ درج ذیل ہیں:

① ایسی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا احترام مسجد کے خلاف ہے، بالخصوص جبکہ ان کے تنکے نکل کر مسجد میں بکھرتے ہیں، اور ان پر میل کی تہ نظر آتی ہے، اور پسینے اور میل کی بو آتی ہے، کیا کوئی شخص ایسی ٹوپیاں کو اپنے مکان کے زینت بنانے کو تیار ہے؟ اگر نہیں تو خدا کے گھر کے لئے اس کو کیونکر جائز و فستار دیا جاسکتا ہے؟

② اس قسم کی ضروریات مسجد میں رکھنے سے عوام کے ذہن میں یہ خیال ترقی کر رہا ہے کہ وہ مسجد کو عبادت گاہ کی بجائے خیراتی اور رفاہی ادارہ سمجھنے لگے ہیں، اور یہ مسجد کے مقصد کے خلاف ہے، اور اس میں مسجد کی توہین ہے،

③ جو لباس پہن کر انسان کسی مجلس میں جانے سے شرماتا ہو ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر دوام مکروہ تحریمی کے قریب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا:

سوال :- مسجد کے صحن میں باہر نماز باجماعت ادا کر رہے تھے، بارش زور سے شروع ہو گئی، تو

کیا نماز توڑ کر اندر مسجد میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں، البتہ بارش سے کسی کو مرض کا خطرہ ہو، یا بھیگنے سے ۳۳
(۳۴) گرام چاندی کی قیمت کے برابر مالی نقصان ہو رہا تھا، تو ایسا شخص نماز توڑ سکتا ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب ۱۲۹۸ھ

نماز میں کھکھارنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تنخج مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو مطلقاً مفسد نہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر طبعی ضرورت سے بلا اختیار کھانسی آگئی یا کسی صحیح غرض سے کھکھارا، مثلاً قرأت کے لئے آواز صاف کرنا، یا امام کو تنبیہ یا اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع مقصود ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، قال العلّاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوٰۃ والتحنج بحرفین بلاعدا ما بہ بان نشأ من طبعہ فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوته اولیٰ یمتدی امامہ اوللا علام انه فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله بحرفین) یعلم حکم الزائد علیہما بالاولیٰ لکن یوہم ان الترائد لو کان بعد ریفسد ویخالفہ ظاہر ما فی النہایۃ عن المعیط من انه ان لم یکن مدفوعاً الیہ بل لاصلاح الحلق لیتمکن من القراءۃ ان ظہر لہ حروف نحو قوله ا ح ا ح وتکلف لذلك الفقیہ السمعیل الزاهد یقول یقطع الصلوٰۃ عندها لانها حروف مہجاة ام ای والصحیح خلافہ کما یأتی (قوله بان نشأ من طبعہ) ای بان کان مدفوعاً الیہ، (در المختار ص ۵۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۰ محرم ۱۲۹۹ھ

سہو اسلام پھیر کر دوسری نیت باندھ لی:

سوال :- زید مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، جبکہ زید کی تین رکعت نماز ہوئی تھی، دعا کے بعد زید نے سنتیں شروع کر دیں، سنتوں کی تکبیر تحریم کے بعد یاد آیا کہ امام کے پیچھے تین رکعت پر سلام پھیر دیا ہے، زید نے ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا، تو نماز ہو گئی، یا اعادہ

واجب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

سنتوں کی تکبیر تحریم کہنے سے فرائض کی تحریم باطل ہو گئی، اس لئے یہ نماز صحیح نہیں ہوئی، اعادہ فرض ہے، قال فی العلائیة ولا تبطل بنية القطع ما لم يكبر بنية مغايرة وقال ابن عابد رحمه الله تعالى وكذا بنية الانتقال الى غير هات (قوله ما لم يكبر بنية مغايرة) بان يكبر اذ اتي النفل بعد شروع الفرض وعكسه او الفائتة بعد الوقتية وعكسه والاقتداء بعد الانفراد وعكسه واما اذا كبر بنية موافقة كان نوى الظهر بعد ركعة الظهر من غير تلفظ بالنية فان النية الاولى لا تبطل ويبقى عليها ولو بنى على الثانية فسدت الصلوة (رد المحتار ص ۴۱۱) وفي العلائیة ويفسدها انتقاله من صلوة الى مغايرتها ولو من وجه حتى لو كان منفردا فكبر ينوى الاقتداء او عكسه صار مستأنفا بخلاف نية الظهر بعد ركعة الظهر الا اذا تلفظ بالنية فيصير مستأنفا مطلقا، وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى (قوله ويفسدها انتقاله الخ) اى بان ينوى بقلبه مع التكبيرة الانتقال المذكور قال فى النهى بان صلى ركعة من الظهر مثلاً ثم افتتح العصر او التطوع بتكبيرة، فان كان مضاً ترتيباً كان شارعاً فى التطوع عند هاهنا خلافاً لمحمد، اولم يكن بان سقط للضيق او للكثرة صح شروعه فى العصر لانه نوى تحصيل ما ليس بحاصل فخرج عن الاول فمناط الخروج عن الاول صحة الشروع فى المغايرة ولو من وجه فلذا لو كان منفرداً فكبر ينوى الاقتداء او عكسه او امامة النساء فسد الاول وكان شارعاً فى الثانى وكذا لو نوى نفلاً او واجباً او شرعاً فى جنازة فجئى باخرى فكبر ينويهما او الثانية يصير مستأنفاً على الثانية كذا فى فتح القدير اهـ (قوله او عكسه) بالنصب عطفاً على منفرداً (قوله بخلاف نية الظهر الخ) اى نيته مع التكبيرة كما مر قال فى البحر يعنى لو صلى ركعة من الظهر فكبر ينوى الاستئناس للظهر بعينها لا يفسد ما اداه ويحتسب بتلك الركعة حتى لو صلى ثلاث ركعات بعد هاهنا ولم يقعد فى اخرها حتى صلى رابعة فسدت الصلوة ولغت النية الثانية (قوله مطلقاً) اى سواء انتقل الى المغايرة او المتحدة لان التلفظ بالنية كلام مفسد للصلوة الاولى فصح الشروع الثانى، (رد المحتار ص ۴۱۱) فقط والله تعالى اعلم، ۱۵ / صفر ۱۳۹۹ هـ

نماز سے فراغت کے بعد وضو میں شک کا حکم :

سوال ۱۔ اگر کسی شخص کو نماز کے بعد شک ہو کہ میرا وضو تھا یا نہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز ہو گئی یا اعادہ کرے؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، الیقین لا یزول الا بالیقین کا مقتضی تو یہ ہے کہ اس کا وضو ثابت نہیں، اس لئے نماز صحیح نہ ہو، مگر نماز سے فراغت کے بعد اس کی نوعیت وقوع الشک فی ارکان الصلوة بعد الفراغ جیسی ہو گئی، جو غیر معتبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز صحیح ہے، معہذا اعادہ احوط ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

کھاد والی گھاس پر نماز پڑھنا :

سوال ۲: میرے محلہ کی مسجد شریف کے صحن میں جو مسجد سے ملحق (متصل) ہے موجودہ انتظامیہ بجائے پختہ کرنے کے گٹریا گوبر کی کھاد ڈال کر گھاس لگا رہی ہے اور ظاہر ہے گھاس کو زندہ رکھنے کے لئے پانی برادیا جاتا رہے گا، کیا یہ جگہ کسی قسم کی نماز کے لئے موزوں ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس گھاس پر نماز دو صورتوں سے صحیح ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ کھاد بالکل مٹی بن جائے اور اس کا علیحدہ وجود قطعاً نظر نہ آئے، دوسری صورت یہ کہ گھاس اتنی گھنی اور بڑی ہو کہ اس میں سے کھاد تک نمازی کا کوئی عضو نہ پہنچے، کھاد سے نجس پانی جو گھاس کو لگا ہو گا وہ پانی جب گھاس پر سے خشک ہو جائے گا گھاس پاک ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ اشوال سنہ ۹۹ھ

ریح روک کر نماز پڑھنا :

سوال ۳: پیٹ میں ہمیشہ خرابی رہنے کی وجہ سے اگر بار بار وضو ٹوٹے ریح کے ذریعے تو اس ریح کو روک کر نماز تراویح یا فرائض وغیرہ پڑھا سکتے ہیں اور خود پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دوسرے وقت میں اطمینان سے پڑھنے کا موقع مل جاتا ہو تو ریح کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر منفرداً مختصر طور پر اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہوں تو جماعت کے پڑھنے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۸ رمضان ۱۴۲۷ھ

پاک کپڑا نہ ہو تو ناپاک میں نماز پڑھ لے :

سوال : زید کے کپڑے ناپاک ہو گئے اور نماز کا وقت ہو گیا، پانی موجود نہیں، نماز قصار کرے یا ناپاک کپڑوں ہی میں ادا نماز پڑھ لے شرعاً کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس وقت ناپاک کپڑے ہی میں پڑھ لے مگر اسکے بعد دوسری نماز کے وقت کے اندر پاک کپڑا ملنے کا ظن غالب ہو تو اس وقت نماز پڑھنا فرض نہیں، معہذا بہتر ہے کہ اس وقت بھی پڑھ لے اور بعد میں قضا بھی پڑھے کما قالوا فی العاجز عن القيام ویغلب علی ظنہ القدرة بعدہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۱ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

نماز میں چھینک پر الحمد للہ کہنا :

سوال : کسی کو نماز میں چھینک آئی اور اسنے قصداً یا بلا قصد الحمد للہ کہنا تو یہ جائز ہے یا مکروہ ہے یا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چھینک کے بعد الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر قصداً نہیں کہنا چاہیے، قال فی البدایہ ومن عطس فقال له اخرج یرحمک اللہ وهو فی الصلوة فسدت صلوتہ، وفی الشرح لانه یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامہم بخلاف ما اذا قال العاطس والسمع الحمد للہ علی ما قالوا لانه لم یتعارف جواباً (شرح البدایہ ص ۱۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

کسی کی چھینک پر نماز میں یرحمک اللہ کہنا :

سوال : زید نماز پڑھ رہا تھا، اسنے کسی نمازی یا غیر نمازی کی چھینک سکر یرحمک اللہ کہ دیا، قصداً یا بلا قصد، چھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو یا نہ کہا ہو، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ یرحمک اللہ کہنا جائز ہے یا مکروہ یا مفسد؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان سب صورتوں میں یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوة وتشمیت عاطس یرحمک اللہ ولو من العاطس لنفسه لا (رد المحتار ص ۵۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسائل زلہ القاری

دو رکعتوں کی قرارت کے درمیان ایک چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے :

سوال :- پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی ہو اس کے بعد ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت پڑھنا کیسا ہے؟ یا کہ متصل ساتھ والی سورت پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورت کے بعد والی سورت اس سے اتنی زیادہ طویل ہو کہ جتنا دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ ہے، تو اس کا ترک کرنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ ایک سورت کا ترک مکروہ ہے، دریا زیادہ سورتوں کے ترک میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التویر رحمہ اللہ تعالیٰ ویکرہ الفصل بسورة قصيرة وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اما بسورة طويلة بحيث يلزم منه اطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلا يکرہ شرح المنية كما اذا كانت سورتان قصيرتان (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۴ رمضان ۱۴۰۸ھ

پہلی رکعت میں سورۃ ناس پڑھ لی :

سوال :- ایک شخص نے غلطی سے رکعت اولیٰ میں سورۃ ناس پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟ اوپر سے پڑھنا مکروہ ہے، اور ایک ہی سورت کا تکرار بھی مکروہ ہے، ایسی مجبوری میں کیا کرے؟ دوسری رکعت میں سورۃ فلق پڑھے یا اس میں بھی سورۃ ناس ہی پڑھے؟ حکم شرع تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوسری رکعت میں بھی سورۃ ناس ہی پڑھے، سہو کی حالت میں سورت کا تکرار مکروہ نہیں، قال فی المنتح تراوی الاولی بقل اعوذ برب الناس یقرأ فی الثانية هذه السورة ایضاً رفتح القدیر ص ۲۴۳ ج ۱) وفی شرح التویر لا بأس ان یقرأ سورة ولعیدها فی الثانية وفی الشامیة افاد انه یکرہ تنزیها وعلیه یحمل جزم القنیة بالکراهة ویحمل فعله علیه الصلوة والسلام لذلك علی بیان الجواز هذا الم یضطر فان

اضطربان قرأ فی الاولی قل اعوذ برب الناس اعادها فی الثانية ان لم یختم نحران التکرار اھون من القراءة منکوسا بزایة واما لو ختم القرآن فی رکعة فیا قی قریباً انہ یقرأ من البقرة (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۲ھ

پہلی رکعت میں سورۃ ناس شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال :- امام نے پہلی رکعت میں غلطی سے سورۃ ناس شروع کر دی، مگر فوراً ہی اس کو چھوڑ کر سورۃ فلق پڑھ لی، اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا اتوجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

سورۃ ناس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے، اسی کو پوری کر کے دوسری رکعت میں بھی یہی سورت پڑھنی چاہئے، قال فی الفتح ولو قصد سورۃ وافتتح غیرھا فاراد ترکھا الی المقصود کبرہ ذلک ولو کان حرفاً واحداً (فتح القدیر، ص ۲۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۲ھ

دوسری رکعت میں اوپر کی سورت شروع کر کے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال :- امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۃ تبت پڑھی، اور دوسری میں اذا جاء شروع کر دی، مگر ابھی ایک آیت بھی نہ پڑھی تھی کہ اس کو چھوڑ کر سورۃ اخلاص پڑھ لی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا اتوجروا

الجواب منہ الصدق والصواب

دوسری رکعت میں سورۃ نصر ہی پوری کرنا چاہئے تھی، اس کو چھوڑ کر سورۃ اخلاص پڑھنا مکروہ۔ فی شرح التویر عن القنیۃ قرأ فی الاولی الکافرون و فی الثانية الموتر او تبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ، و فی الشامیۃ افاد ان التکیس او الفصل بالقصیۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سهوا فلا کما فی شرح المنیۃ واذا انتفت الکراہۃ فاعراضه عن التی شاع فیہا لا ینبغی و فی الخلاصۃ افتتح سورۃ وقصد سورۃ اخری فلما قرأ آیۃ او ابین اراد ان یترک تلك السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ ام و فی الفتح ولو کان ای المقصود حرفاً واحداً، (رد المحتار، ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۲ھ

ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف انتقال؛

سوال :- ایک سورت کو چھوڑ کر دوسری کی طرف انتقال سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس میں فرض و نفل کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

نماز ہو جائے گی، مگر عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، فرائض اور نوافل دونوں کا ایک ہی حکم ہے، قال ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی الخلاصة هذا آكله في الفرائض اما في النوافل فلا يكره، وعندی فی الكلية نظر فانه صلى الله عليه وسلم نهى بلائاً عن الانتقال من سورة الى سورة وقال له اذا ابتدأت بسورة فانتها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة الى سورة في التهجد، (فتح القدير، ص ۱۳۲۳) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ

نماز میں خلاف ترتیب قرأت مکروہ ہے؛

سوال :- نماز میں منکوساً قرآن مجید پڑھنے سے سجدہ سہولاً لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

سجدہ سہو نہیں، البتہ عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، سہواً مکروہ نہیں، ایک ہی رکعت میں عمداً ایسا کیا تو فرض اور نفل دونوں میں مکروہ ہے، اور اگر دوسری رکعت میں اوپر سے پڑھا تو صرف فرض میں مکروہ ہے نفل میں نہیں، قال فی المندية اذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الاخرى او في تلك الركعة سورة فوق تلك السورة يكره وكذا اذا قرأ في ركعة آية ثم قرأ في الركعة الاخرى او في تلك الركعة آية اخرى فوق تلك الآية (الى قوله) هذا آكله في الفرائض اما في السنن فلا يكره (عالمگیریہ، ص ۱۳۲۰) وفي الشامية ان التكبیس او الفصل بالقصير انما يكره اذا كان عن قصد فلو سهواً فلا وايضاً فيها تحت (قوله ولا يكره في النفل شيء من ذلك) واعترض ح ايضاً بانهم نصوا بان القراءة على الترتيب من واجبات القراءة فلو عكسه خارج الصلوة يكره فكيف لا يكره في النفل تأمل واجاب ط بان النفل لا تساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلاً مستقلاً فيكون كما لو قرأ انسان سورة ثم سكت ثم قرأ ما فوقها فلا كراهة فيه، (رد المحتار، ص ۱۳۵۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۵ شعبان ۱۴۲۷ھ

قرآن دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے :

قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں، جبکہ ورق نہ پلٹے جائیں، اگر فاسد ہوگی تو فساد کی وجہ کیا ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ اوراق نہ پلٹے، اس لئے کہ یہ حاج سے تلقن ہے، جو کہ مفسد ہے جیسا کہ کسی حاج نماز آدمی سے لقمہ لینا مفسد ہے، فی مفسدات الصلوۃ من شرح التنبیہ و قراءتہ من مصحف ای ما فیہ قرآن مطلقاً لانہ تعلم الخ، و قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ انہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ (رد المحتار، ص ۱۷۵۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ارجادی الآخرہ ۸۸ھ

قرارت میں فاحش غلطی کی، پھر صحیح کر لیا تو نماز ہو گئی :

سوال :- اگر کسی نے غلطی سے اقامت موازینہ فاتمہ ہاویۃ پڑھ لیا، مگر پھر فوراً ہی صحیح کر لیا، تو نماز صحیح ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، فی الہندیۃ ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوۃ بخطاً فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلوۃ جائزۃ (عالمگیریۃ، ص ۱۷۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ شعبان ۸۸ھ

سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا :

سوال :- امام صاحب نے عشاء کی نماز کی پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تأتیہم البیتۃ پڑھا، رسول من اللہ یتلوہ قیمۃ تک نہیں پڑھا، وما تفرق الذین سے آخر سورت تک پڑھا، نماز کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ نماز دھرائی جائے، کیونکہ شروع میں تین آیتوں کی قراءت نہیں پڑھا گیا، امام صاحب نے کہا کہ میں نے صرف ایک آیت چھوڑی ہے باقی سورت پوری پڑھ لی نماز ہو گئی، اس بار میں کیا فتویٰ ہے نماز دھرائی جائے یا ہو گئی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، دھرانے کی ضرورت نہیں، بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، قال فی الشامیۃ لو

انتقل فی الركعة الواحدة من آية الى آية يكره وان كان بينهما آيات بلا ضرورة فان سها
ثم تذكر يعود مراعاة لترتيب الآيات، شرح المنية (رد المحتار، ص ۵۱۰ ج ۱) یہ حکم جب ہے کہ
دوسری آیت کو پہلی کے ساتھ ملانے سے فساد معنی لازم نہ آئے، جیسا کہ صورت سوال میں ہے، اگر ملانا
مفسد معنی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں نماز ہو جائے گی، اور اگر
بدون وقف دوسری آیت ملائی تو نماز نہ ہوگی، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال :- اما صاحب نے سورہ غاشیہ پڑھی، تَسْقِي مِنْ عَيْنٍ اَنِیَّةٍ کے بعد چند آیات
چھوڑ کر فیہا عین جاریہ سے پڑھا، اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر انیۃ پر وقف کئے بغیر آگے فیہا عین جاریہ پڑھا تو فساد معنی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی،
وقف کیا ہو تو نماز صحیح ہے، ایک آیت کی بجائے دوسری آیت پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ معنی میں فساد
نہ آئے تو بالاتفاق نماز صحیح ہے، اور اگر معنی میں فساد آگیا تو پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں بالاتفاق
نماز ہو جائے گی، اور وقف نہیں کیا تو اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ مفسد ہے، قال فی الخانیۃ
وان ذکر آية مكان آية ان رقت على الاولى وقفًا تامًا وابتدأ بالثانية لا تفسد صلوته
كما لو قرأ والتين والزيتون ووقف ثم ابتدأ لقد خلقنا الانسان في كبد لا تفسد
صلوته وكذا لو قرأ ان الذين امنوا وعملوا الصالحات ووقف ثم قرأ اولئك هم
شر البرية وان لم يقف وقرأ موصولاً ان لم تتغير الاولى بالثانية كما لو قرأ ان
الذين امنوا وعملوا الصالحات فلم يجز آء الحسنی او قرأ وجوه يومئذ علیہا
غبرة اولئك هم الکفرون حقاً، لا تفسد صلوته وان تغير المعنى بان قرأ ان
الابرار لفي جحيم وان الفجار لفي نعيم او قرأ ان الذين امنوا وعملوا الصالحات
اولئك هم شر البرية او قرأ وجوه يومئذ علیہا غبرة اولئك هم المؤمنون
حقاً، لا تفسد صلوته لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالى به، وقال بعضهم لا تفسد
صلوته لعموم البلوى والاول اصح، (وقال قبيل هذا) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ
فیہ روایتان الصحیح هو الفساد لانه اخبر بخلاف ما اخبر الله تعالى به (خانیۃ علی ہا مثل لہذا ص ۱۵۱)

وفیہا وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا شَقِیْ قَرَأَ اِلَّا تَقٰی بالتاء وقال ان وصل به الَّذِیْ یُصَلِّی النَّارَ الْکُبْرٰی
تفسد صلوٰتہ وان لم یصل بل وقف ثم ابتدأ بِالَّذِیْ یُصَلِّی النَّارَ الْکُبْرٰی لا تفسد
صلوٰتہ وکن الوقراً وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا تَقٰی الَّذِیْ سَبَّجَنَّبُہَا اِلَّا شَقِی الَّذِیْ ان وصل به
الَّذِیْ یُوْتِی مَالَهُ یَتَزَكٰی تفسد صلوٰتہ والا فلا رخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۱۲۶ (۱۲۶)
وفی العلائیۃ وصحح الباقی الفساد ان غیر المعنی نحو رَبِّ الْعَالَمِیْنَ للاضافۃ
کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو اِنَّ الْفَجَّارَ لَفِیْ جَنَّتٍ، وقال ابن عابدین رحمہ
اللہ تعالیٰ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف وقفاتاً ما اما لو وقف ثم قال لَفِیْ
جَنَّتٍ فلا تفسد الخ (رد المحتار، ص ۵۹۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ

اشقی کی بجائے اتقی پڑھ گیا؛

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز جمعہ پڑھائی
ہوئے پہلی رکعت میں سورۃ اعلٰی پڑھی اور اس کی آیت سَیِّدٌ کَرِّمٌ یَّخْشٰی وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا شَقِی
الَّذِیْ یُصَلِّی النَّارَ الْکُبْرٰی کی بجائے وَیَتَجَنَّبُہَا اِلَّا تَقٰی الَّذِیْ یُوْتِی مَالَهُ یَتَزَكٰی وَمَا لِحَدِّ
عِنْدَہٗ مِنْ نَّعْمَۃٍ تُجْزٰی اِلٰی الْاٰخِرِ سورۃ اللیل ختم کر دی، پھر بغیر درست کئے پہلی رکعت کا رکوع
کر دیا، نماز درست ہو گئی یا فاسد ہو گئی اور اعادہ کی ضرورت ہے؟ بحوالہ تحریر فرمائیں، بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یخشیٰ پر وقف کر کے آگے پڑھا تو نماز ہو گئی، ورنہ نہیں، قال فی العلائیۃ وصحح الباقی
الفساد ان غیر المعنی نحو رَبِّ الْعَالَمِیْنَ للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی
نحو اِنَّ الْفَجَّارَ لَفِیْ جَنَّتٍ، وفی الشامیۃ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف
وقفاتاً ما اما لو وقف ثم قال لَفِیْ جَنَّتٍ فلا تفسد (رد المحتار، ص ۵۹۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۵ ربیع الآخر ۱۲۹۸ھ

دوسری رکعت کے اطالہ مکروہہ کی مقدار؛

دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بڑی سوت پڑھنا مکروہہ ہے، اس زیادتی کی مقدار کیا؟
کتنی آیتیں زیادہ ہوں تو کراہت ہوگی؟ نیز یہ کراہت نوافل میں بھی ہے کہ صرف منسراتھ
میں ہے؟ بینواتوجروا،

باب الوتر والنوافل

قنوت وتر میں کوئی دوسری دعا پڑھنا؛

سوال؛ ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں قنوت پڑھنا ضروری نہیں اور نہ ہی دعا، قنوت کا سیکنا ضروری ہے، اس کے سوا بھی نماز ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

وتر کی تیسری رکعت میں سورت کے بعد کوئی دعا پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی دعا بھی نہ پڑھی تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، کوئی دعا ربنا انا نستعینک الخ یا کوئی دوسری دعا پڑھ لی تو نماز صحیح ہو جائے گی البتہ دعا مشہور اللهم انا نستعینک الخ پڑھنا مسنون ہے، دعا مسنون کا نہ سیکھنا یا یاد نہ ہونے کے عذر ترک کرنا گناہ ہے، قال شارح التوہید رحمہ اللہ تعالیٰ فی واجبات الصلوٰۃ وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء، وفي الشامية ای القنوت الواجب يحصل بائی دعاء کا، قال فی النہر واما خصوص اللهم انا نستعینک فسنۃ فقط حتی لو آتی بغیرہ جازا جماعاً (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳) وایضاً فی باب الوتر من شرح التوہید وقت فیہ ویسن الدعاء المشہور، وفي الشامية ومن لا یحسن القنوت یقول ربنا انا فی الدنیا حسنة الآية وقال ابو اللیث یقول اللهم اغفر لی یکررها ثلاثا وقیل یقول یارب ثلاثا ذکرہ فی الذخیرۃ امہ ررح المحتار ج ۱ ص ۶۲۲ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳۰ جمادی الآخرہ ۱۲۵۵ھ

تکبیر قنوت چھوٹ جانے کا حکم؛

سوال ۱۔ وتر میں قنوت کی تکبیر چھوٹ جانے سے سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس کے وجوب میں اختلاف ہے، شامیہ میں عدم وجوب کو ترجیح دی ہے، معہذا سجدہ سہو

کرنے میں احتیاط نہ کرنے کی گنجائش ہے، (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السہو وما الخ بقہ ای بالقنوت تکبیرہ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بتوکلہ و ذکر فی الظہیریۃ انہ لو ترک لا ردایۃ فیہ وقیل یجب السجود اعتباراً بتکبیرات العید وقیل لا اہ و ینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ الاصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید اہ (رد المحتار، ج ۱ ص ۲۳) فقط واللہ اعلم

۲۰ سفر ۱۶۱ھ

دعائے قنوت کا تکرار :

سوال :- دعائے قنوت وتر میں درود فبعہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب آیا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں کوئی غیر معین دعا پڑھنا واجب ہی، اور جو دعا مآثور عام طور پر وتر میں پڑھی جاتی ہے سنت ہے، اس کے علاوہ اور دعائیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، لہذا اس موقع پر جتنی دعائیں بھی پڑھی جائیں یا ان کا تکرار کر لیا جائے، بہر کیف سجدہ سہو واجب نہ ہوگا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

دعائے قنوت سے ترک یا تکرار :

سوال :- اگر وتر میں دعائے قنوت آدھی پڑھی یا بھولنے کے بعد پھر ابتداء سے شروع کر کے پوری پڑھی تو کیا ان صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قنوت میں کوئی بھی دعا مختصر یا طویل پڑھ لی جائے تو واجب ادا ہو جاتا ہے، دعا معروف پوری پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں، لہذا اس میں سے کسی حصہ کے ترک یا تکرار یا پوری دعا کے تکرار سے سجدہ سہو نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ محرم ۱۲۸۹ھ

پانچوں نمازوں میں سنتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں :

سوال :- ایک شخص پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، اور ہتجد بھی پڑھتا ہے، مگر سنتیں نہیں پڑھتا، اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتیں پڑھنا یا حکم دینا کہیں ثابت نہیں، کوئی عالم ثابت نہیں کر سکتا، بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جو شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں نہیں پڑھیں وہ جاہل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنتیں پڑھنا اور امت کو ترغیب دینا اور بعض سنتوں کے ترک پر وعید فرمانا صریح اور صحیح احادیث سے ثابت ہے،

① عن عائشة رضي الله تعالى عنها كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي قبل الظهر أربعاً وبعد هاركتين وبعد المغرب ثنتين وبعد العشاء ركعتين وقبل الفجر ركعتين، (رواه مسلم وأبو داود وابن حنبل)

② عن أبي أيوب رضي الله تعالى عنه كان يصلي النبي صلى الله عليه وسلم بعد الزوال أربع ركعات فقلت ما هذه الصلاة التي تداوم عليها فقال هذه ساعة تفتح أبواب السماء فيها قاحب أن يصعد لي فيها عمل صالح فقلت أفى كل من قراءة قال نعم فقلت بتسليمة واحدة أم بتسليمتين فقال بتسليمة واحدة (رواه الطحاوي وأبو داود والترمذي وابن ماجه) قال في الشامية رودة من غير فصل بين الجمعة والظهر فيكون سنة كل واحد منهما أربعاً،

③ روى ابن ماجه رحمه الله تعالى باسناده عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيء منهن (ابن ماجه)
④ عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه صلى الله عليه وسلم قال من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً (رواه مسلم)

⑤ عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صابر على اثنتي عشرة من السنة بنى الله له بيتاً في الجنة أربع ركعات قبل الظهر وركعتين بعد هاركتين وبعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل الفجر، (رواه الترمذي وابن ماجه)

⑥ روى الجماعة إلا البخاري رحمه الله تعالى من حديث أم حبيبة رضي الله تعالى عنها أنها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من عبد مسلم يصلي في كل يوم اثنتي عشرة ركعة تطوعاً من غير الفريضة إلا بنى الله له بيتاً في الجنة زاد النسائي والترمذي أربعاً قبل الظهر وركعتين بعد هاركتين

درکعتین بعد المغرب درکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل صلوة الغداة،

④ لاند عوارکعتی الفجر و لو طردت کما الخیل، (رواه ابوداؤد)

⑤ رکعتا الفجر خیر من الدنيا وما فیها (رواه مسلم)

⑥ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی شیء من النوافل اشد تعاهداً منه علی رکعتی

الفجر، (رواه البخاری)

⑩ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من ترک اربعاً قبل ان ینزل من شفاعتی (شامیہ ج ۱)

⑪ واما الاربع قبل العشاء فاخرج ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیئہ علی البحر

المسماۃ بمنعہ الخالق فیہا حدیثاً، وایضاً استدلال علیہا بعموم قولہ علیہ السلام بین

کل اذا نین صلوٰۃ بین کل اذا نین صلوٰۃ بین کل اذا نین صلوٰۃ لمن شاء (رواه الجماعة)

واما کونها اربعاً فیتمشی علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حیث قال ان الافضل فی

صلوٰۃ اللیل کونها اربع رکعات او بالقیاس علی صلوٰۃ الظهر والعصر، والوجه ظاہر،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ صفر ۱۳۵۵ھ

سنت مؤکدہ اور نفل ایک سلام سے پڑھنا؛

سوال :- مندرجہ ذیل فتویٰ کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں :-

اگر کوئی شخص دو رکعت سنت بعد از ظہر یا بعد مغرب کو دو رکعت نفل سے جمع کر کے ایک ہی

تحریر اور ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

جواب :- صحیح ہے، چاہے نیت سنت کی کرے یا نفل کی، یا مطلق نماز کی، سنت بھی ادا

ہو جائے گی اور نفل بھی، اس کی تحقیق تفصیل کے ساتھ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے نیز

ردالمحتار وغیرہ میں بھی ہے قال فی الدر المختار وسبب بعد المغرب لیکتب من الاربابین

(الی قولہ) وهل تحسب المؤکدة من المستحب ویؤدی الکل بتسلیمۃ واحدة اختار

الکمال نعم وفی رد المحتار بعد ذکر الاختلاف واختار هو انه اذا صلی اربعاً بتسلیمۃ

او تسلیمتین وقع علی السنۃ والمندوب وحقق ذلك بما لا مزید علیہ وافرغ فی

شرح المنیۃ والبحر والنہر، انتہی،

تحقیق بالا سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا بیانا شافیا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

تحقیق بالاصح ہے، مگر خروج عن الاختلاف کے لئے علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہی بہتر ہے، صورتِ ضم کے عدم جواز پر درمختار کے اس جزئیہ سے شبہ نہ ہو، صلی اربعاً فوق رکعتان بعد طلوعہ (امی الفجر) لا تجزیہ عن رکعتیہا علی الاصح تجنیس لان السنة ما واطب علیہ لرسول صلی اللہ علیہ وسلم بتحریم مبتدأ، وکن فی الشامیة ایضاً ورجعہ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۲) کیونکہ سنن فجر میں مواظبت بتحریم مبتدأ ثابت ہے، اور صورتِ مسئلہ میں مواظبت علی عدم لغنم ثابت نہیں، بعد الظہر رکعتین واربع رکعات دونوں قسم کی روایات ہیں، اربع رکعات والی روایت میں بتسلیمتین کی تصریح نہیں، اور متبادر بتسلیمتہ واحدة ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ صفر ۱۴۵۵ھ

دو رکعت نفل میں قعدہ کے بعد سہوا کھڑا ہو گیا:

سوال :- دو رکعت نفل کی نیت باندھی اور قعدہ کے بعد سہوا کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت کو مقید بسجدہ کرنے سے قبل یاد آ گیا، تو عود کرنا بہتر ہے یا کہ چار رکعت کا پورا کرنا؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

شفع ثانی پورا کر لینا بہتر ہے، اس لئے کہ عود میں شفیع ثانی کا ابطال لازم آتا ہے، معہذا شفیع ثانی کی تکمیل ضروری نہیں، کیونکہ وجوب اتمام مقید ہے، شروع قصد اسے، اور صورتِ مسئلہ میں شروع قصد نہیں، لزم نفل شرع فیہ قصداً (شرح القنویر باب النوافل) (مزید دلائل تفصیل باب صفة الصلوة وما يتعلق بہا میں عنوان "توہم فساد کی بناء پر الخ" میں ملاحظہ ہو، مرتب)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب ۱۴۵۵ھ

قنوت وتر کے ساتھ قنوت نازلہ ملانا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص وتر کے اندر دعاء قنوت کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں اللہم انا نستعینک الخ اور اللہم اهدنا الخ پڑھنا ماثور ہے، ان دونوں کے ساتھ

مزید جو دعاء چاہے ملا سکتا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی شرح المنیۃ والصیح
ان عدم التوقیت فیما عدا المأثور لان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتفقوا علیہ ولانہ
ربما جرى علی اللسان ما یشبه کلام الناس اذا المیوقت ثم ذکر اختلاف الالفاظ الواردة
فی اللہم انا نستعینک الخ ثم ذکر ان الاولی ان یضم الیہ اللہم اهدنی الخ وان ماعد
هذین فلا توقیت فیہ ومنہ ما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انه کان یقول بعد
عذابک الحمد بالکفار ملحق اللہم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الف
بین قلوبہم واصلح ذات بینہم وانصرہم علی عدوک وعدوہم اللہم العن کفرۃ الکثا
الذین یکنون رسلاک ویقاتلون اولیائک اللہم خالف بین کلماتہم ونزلزل
اقدامہم وانزل علیہم بأسک الذی لا یرد عن القوم المجرمین، (رد المحتار ص ۶۲۳)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ شوال ۸۶ھ

وتریں دو تشہد کا ثبوت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وتر کی تین رکعت بیک سلام اگر پڑھی جائے
تو وتر کی صرف آخری رکعت ہی میں تشہد پڑھا جائے یا دوسری رکعت میں بھی پڑھنا چاہئے، جس طرح
کہ مغرب کی نماز فرض تین رکعت میں دوسری اور تیسری رکعت میں تشہد پڑھا جاتا ہے،
زید کہتا ہے کہ تین رکعت وتر میں صرف آخری رکعت میں ایک ہی بار تشہد آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم (فداہ ابی دمی) سے ثابت ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کوئی صحیح حدیث جس میں دو دفعہ
تشہد ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین رکعت وتر پڑھتے تو دوسری اور تیسری رکعت ہر دو
میں تشہد پڑھنا ثابت ہو، تحریر فرمائیں، بینوا اتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث ذیل میں دو تشہد کی صراحت ہے،

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الوتر ثلاث کثلاث المغرب، رواہ الطبرانی فی الاوسط،

② عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

الصلوة مثنی مثنی تشہد فی کل رکعتین، الحدیث (مشکوٰۃ، ص،،،) یہ حدیث اگرچہ نوافل

کے بارے میں ہر لیکن تشہد فی کل رکعتین کا عموم و ترکو بھی شامل ہے،

③ عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال الوتر ثلاث كوتر النهار صلوة المغرب (راه الطحاوی) فيه دلالة على ان الوتر ثلاث ركعات وتشبيهه بصلوة المغرب يفيد وجوب القعدة على الركعتين الغنائما في المشبه به ويشعر بمنع نقصه عن الثلث ايضا كما في المغرب وهذا اثر صحيح موصول،

④ عن حفص بن سليمان عن ابان بن ابي عياش عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال ارسلت امي ليلة لتبيت عند النبي صلى الله عليه وسلم فتظركيف يوتر فصلي ما شاء الله ان يصلي حتى اذا كان اخرا الليل واراد الوتر قرأ بسم الله ربك الاعلى في الركعة الاولى وقرأ في الثانية قل يا ايها الكفرون ثم قعد ثم قام ولم يفصل بينهما بالسلاط ثم قرأ بقل هو الله احد حتى اذا فرغ كبر ثم قنت فدعا بما شاء الله ان يدعوك ثم كبر وركع ام اخرجته الحافظ ابن عبد البر في الاستيعاب له ولم يتكلم عليه بشيء من اعلاء السنن ج ۶ ص ۵۱ فقط والله تعالى اعلم،

۹ رمضان ۸۶ھ

جماعت وتر کی رمضان کے ساتھ تخصیص:

سوال :- رمضان شریف کے سوا باقی سال میں وتر کی جماعت کیوں نہیں کرائی جاتی، اس کی کیا علت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے، اس لئے یہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الذی یظہران جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وان كان الوتر نفسه اصلا في ذاته لان سنة الجماعة في الوتر انما عرفت بالاشتر تابعة للتراويح (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۹ رمضان ۸۶ھ

سنن ونوافل کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے:

سوال :- جمعہ کے بعد والی سنن ونوافل کی نیت میں بعد جمعہ کے کہنا مستحب ہے یا اس وقت کا نام لے؟ مثلاً اس طرح چار رکعت سنت بعد جمعہ منہ میرا قبلہ کی طرف اللہ اکبر اور دل میں

کیا ارادہ کیا جائے گا، بعد جمعہ کا یا اس وقت کا؟ اور جمعہ سے قبل والی سنت میں جمعہ کہا جائے گا یا کیا؟
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن ونوافل میں مطلقاً نماز کی نیت کافی ہے، چاہے جمعہ کی سنتیں ہوں یا دوسرے اوقات کی، صرف دل سے نیت کافی ہے، زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں، کہہ لے تو بہتر ہے، قال فی التنبیہ والمعتبر فیہا عمل القلب للآزم للارادة وهو ان يعلم بداهة انی صلوة یصلی والتلفظ بہا مستحب وقیل سنة (الی قولہ) وكفی مطلق نية الصلوة لنفل وسنة وتراویح وفي شرح علی المعتمد اذ تعینہا بوقوعہا وقت الشروع والتعین احوط (رد المحتار ص ۳۸۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۸ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- زید کی ظہر سے قبلہ چار سنت چھوٹ گئیں، جماعت ختم ہونے کے بعد زید نے دو سنت کی نیت کر کے نماز شروع کی، قعدہ کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا، اور چار کی نیت کر لی، تو یہ چار قبل از جماعت والی ادارہ ہوئیں یا دو بعد الفرائض والی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت ونفل میں بدون تعیین رکعات مطلق نماز کی نیت کافی ہے، لہذا قبلہ چار رکعتیں گئیں دو رکعتیں بعد پڑھ لے، قال فی التنبیہ وكفی مطلق نية الصلوة لنفل وسنة وتراویح، وفي الشامية بان يقصد الصلوة بلا قيد نفل أو سنة أو عدد (رد المحتار ص ۳۸۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

قبلہ سنت مؤکدہ چھوٹ گئیں تو وقت کے اندر قضا سنت مؤکدہ ہی:

سوال:- جمعہ و ظہر کی سنت مؤکدہ قبل والی اگر پہلے فرضوں کے نہ پڑھی جائیں تو بعد فرض پڑھنا سنت مؤکدہ ہی رہے گا یا نفل؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد الفرائض بھی سنت مؤکدہ ہی ہے؛ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ

على انها سنة) اى اتفاقا وما فى الخانية وغيرها من انها نقل عنده سنة عند هما فهو من تصرف المصنفين لان المذكور فى المسألة الاختلاف فى تقديرها وتأخيرها والاتفاق على قضائها وهو اتفاق على وقوعها سنة كما حققه فى الفتح وتبعه فى البحر والنهر وشرح المنية (رد المحتار ص ۱۷۶۷) فقط والله تعالى اعلم

۲۲ شوال ۱۲۸۶ھ

وتر کے بعد فرض کا فساد معلوم ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں:

سوال :- زید نے عشاء کی سنن کے بعد چار فرض تنہا ادا کئے مگر بھول کر چار کی بجائے دو پڑھ لئے اور بعد کی سنتیں اور نفل اور وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ فرض دو رکعت پڑھے گئے ہیں تو اب سنتوں اور وتر کا اعادہ بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر فرض کے تابع نہیں، مگر دو رکعت سنت مؤکدہ فرض کے تابع ہیں، لہذا فرض صحیح نہ ہونے کی صورت میں وتر کا اعادہ لازم نہیں، صرف دو سنت کا اعادہ کرے، قال فى الشامیة عن ح لوصلى العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به يعيد العشاء والسنة لا الوتر (رد المحتار ص ۱۷۶۸) فقط والله تعالى اعلم

۲ صفر ۱۲۸۶ھ

وتر کے بعد معلوم ہوا کہ فرض میں سجدہ سہو نہیں کیا:

سوال :- زید نے نماز پڑھائی، اور اس میں سجدہ سہو واجب ہو گیا، لیکن بوجہ جہالت کے اس نے سجدہ سہو نہیں کیا، جب مقتدیوں نے سنن و نوافل و وتر سے فراغت حاصل کی، تب جناب زید صاحب کو علم ہوا کہ میرے اوپر سجدہ سہو واجب تھا، پھر اس نے دوبارہ جماعت کرائی، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مقتدی اب جو سنن وغیرہ پڑھ چکے تھے وہ بھی اب فرض کے ساتھ لوٹائیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دو رکعت سنت مؤکدہ دوبارہ پڑھیں، وتر چونکہ مستقل نماز ہے اس لئے اس کو دو لوٹائیں قال فى الشامیة لوصلى العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به يعيد العشاء والسنة لا الوتر لانه اداها ناسيا ان العشاء فى ذمته فقط الترتيب افاذه ح (رد المحتار ص ۱۷۶۸) فقط والله تعالى اعلم

۲ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ

فرض صحیح نہ ہوئے تو بعد والی سنت دوبارہ پڑھے:

سوال :- کسی کے فرض عشاء نہ ہوئے، مثلاً سجدہ سہو واجب تھا اور یاد نہ آیا، اور سلام کے بعد دوسری نماز یعنی سنن نوافل وتر کے بعد یاد آیا تو فرض کا اعادہ کرنے کے بعد سنن نوافل وتر کا اعادہ بھی لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وتر غلطی سے دو پڑھ گیا اور اس کے بعد نفل بھی پڑھ لئے، اور نفل کے بعد یاد آیا، تو آیا نفل کا اعادہ بھی واجب ہے یا نہیں یا صرف وتر کا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن بعدیہ فرض کے تابع ہیں، لہذا ان کا اعادہ ضروری ہے، وتر اور نوافل کا اعادہ ضروری نہیں قال فی الشامیۃ لو صلی الوتر ناسیاً انہ لم یصل العشاء ثم صلاھا لا یعید الوتر لقولہم انہ لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به یعید العشاء والسنة لا الوتر لانه اذا ناسی ان العشاء فی ذمتہ فسقط الترتیب افادہ ح (رد المحتار ص ۱۶۸۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ

فرض یا تراویح منفرداً پڑھنے والے کی جماعت میں شرکت:

سوال :- اگر کوئی شخص فرض کی جماعت ختم ہونے کے بعد آیا، اور اکیلے فرض پڑھ کر تراویح میں شریک ہو گیا، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر تراویح میں بھی جماعت نہ ملی ہو تو کیا وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شامی کی تحریر کے مطابق اگر فرض اور تراویح یا صرف فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شرکت مکروہ ہے، اور اگر فرض جماعت سے پڑھے مگر تراویح منفرداً پڑھیں، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، قال فی العلائیۃ ولو لم یصلھا ای التراویح بالامام او صلاھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ بقى لو ترکھا کلہا یصلون الوتر بجماعة فلیراجع وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تعت (قوله ولو لم یصلھا الخ) رأیت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر فقوله ولو لم یصلھا ای وقد صلی الفرض معہ لکن ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازاً عن صلوتھا منفرداً اما لو صلاھا بجماعة مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ

لا کراحتہ تأمل (قوله بقی الخ) الذی ینظر ان جماعۃ الوتر تبع لجماعۃ التراویح وان کان الوتر نفسه اسلا فی ذاته لان سنة الجماعۃ فی الوتر انما عرفت بالاشترک تابعۃ للتراویح علی انهم اختلفوا فی افضلیۃ صلاتها بالجماعۃ بعد التراویح کما یناقش فی رد المحتار ص ۶۶۳) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الذی ینظر ان جماعۃ الوتر تبع لجماعۃ التراویح) الذی ینظر ان جماعۃ تبع لجماعۃ الفرض لا التراویح فان المفہوم من قول المصنف ولا یصلی الوتر الخ انه یصلی جماعۃ فی رمضان فیعمل بعومہ حتی یوجد ما یقتضی تخصیصہ بما اذا صلی التراویح جماعۃ نعم التقیید بما اذا صلی الفرض جماعۃ نقلہ القہستانی، والتحریر المختار ص ۱۷۹۲

مگر علامہ علی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ بہر صورت وتر کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے، البتہ اگر کسی نے بھی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو یہ لوگ تراویح اور وتر کی جماعت نہ کریں، اس صورت میں تراویح کی جماعت سے مانعت مہرچ ہے، وتر کی صراحت نظر سے نہیں گزری، مگر ظاہر ہے کہ اس کا حکم بھی یہی ہے، اس لئے کہ جماعت وتر جماعت تراویح یا جماعت فرض کے تابع ہے، قال العلی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح المنیۃ الصغیر فاتتہ ترویجۃ وتر و یحتمل وقا الامام الی الوتر یتبع الامام ثم یقضى ما فاتہ و اذا لم یصل الفرض مع الامام قبل لا یتبع فی التراویح ولا فی الوتر و کذا اذا لم یصل مع التراویح لا یتبع فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبع فی ذلك کله حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض و شرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولاً و حده ثم یتابع فی التراویح، و فی القنیۃ لو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعۃ (صغیری ص ۲۱۰) و فی الدرر مفصلیہ حد یصلیہا معہ و فی الشامیۃ ما مالو صلیت بجماعۃ الفرض و کان رجل قد صلی الفرض وحده فله ان یصلیہا مع ذلك الامام لان جماعتہم مشروعۃ فله الدخول فیہا معہم لعدم المحذور (رد المحتار ص ۶۶۳) علامہ و شامیہ کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ تراویح باجماعت پڑھ سکتا ہے، اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اس صورت میں وتر باجماعت جائز ہو، اس لئے کہ تراویح فرض کے تابع ہیں اور وتر مستقل نماز ہے، قال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله فلیراجع) قضیۃ التعلیل فی المسألة السابقة بقولہم لانہا تبع ان یصلی الوتر بجماعۃ فی هذه الصورة لانه لیس بتبع

للتراویح ولا للعشاء عند الامام رحمه الله تعالى (طحطاوی علی الدرر ص ۲۹ ج ۱) جب جماعت فرض سے مختلف تابع یعنی تراویح کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے تو مستقل نماز یعنی وتر کی جماعت میں بطریق اولیٰ شرکت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۲۸۶ھ

فرض اور وتر میں امام مختلف ہو تو کراہت نہیں:

سوال :- ایک امام نے فرض نماز پڑھائی اور دوسرے امام نے پڑھائے، تو جائز ہی یا نہیں یا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا کراہت جائز ہے، لما نقلنا فی المسألة السابقة عن الشامية ينبغي ان يكون قول القهستاني معه احترازاً عن صلواتها منفرداً اما الوصلها جماعة مع غيره ثم صلت الوتر معه فلا كراهة تأمل (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۲۸۶ھ

جماعت فجر کے وقت سنت پڑھنا:

سوال :- جماعت فجر کی کھڑی ہو جائے تو سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ سکتا ہے تو کس صورت میں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ تشہد ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، جہاں تک ہو سکے مقام جماعت سے علیحدہ ہو کر پڑھے، مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو کسی دیوار یا ستون کی آڑ میں پڑھے، صف کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ مسجد کے دو حصے ہوں تو دوسرے حصے میں پڑھنے کی گنجائش ہے، قال فی شرح التتویر واذ اخاف فوت رکعتی الفجر لا شغلہ بسنتہا ترکھا لكون الجملة اکمل والابان رجا ادراک رکعة فی ظاہر المذہب وقيل التشهد واعتمده المصنف وانشربلا لی تبعاً للبحر لکن ضعفه فی النہر، لا یتربھا بل یصلیہا عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکھا لان ترک المکر وہ مقدم علی السنة، وفي الشامية ر قوله لکن

ضعفه فی النہر، قلت لکن قواء فی فتح القدیر (الی قولہ) لان المدارہنا علی ادراک فضل الجماعۃ وقد اتفقوا علی ادراکہ بادراک التہجد فیأتی بالسنة اتفاقا كما اوضحہ فی الشرنبلالیۃ ایضا واقترع فی شرح المنیۃ وشرح نظم الکنز وحاشیۃ الدر لنوح افندی وشرحہا للشیخ اسمعیل ونحوہ فی القہستانی وجزم بہ الشارح فی مواقیت الصلوۃ (قولہ عند باب المسجد) ای خارج المسجد کما صرح بہ القہستانی وقال فی العنایۃ لانہ لو صلاہا فی المسجد کان متنفذاً فیہ عند اشتغال الامام بالفریضۃ وهو مکروہ فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوۃ یصلیہا فی المسجد خلف ساریۃ من سواری المسجد واشدہا کراہۃ ان یصلیہا مغالطاً للصف مغالطاً للجماعۃ والذی یلی ذلک خلف الصف من غیر حائل ومثلہ فی النہایۃ والمعالج، وقال تحت (قولہ والا ترکہا) اذا کان للمسجد موضعان والامام فی احدہما ذکر فی المحيط انہ قیل لا یکرہ لعدم مخالفتہ القوم وقیل یکرہ لانہما مکان واحد قال فاذا اختلف المشایخ فیہ فالافضل ان لا یفعل قال فی النہر وفیہ افادۃ انہما تنزیہیۃ الخ لکن فی الحلۃ قلت وعدم الکراہۃ اوجہ للأثار التی ذکرناہا (در المحتار ص ۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۱ رمضان المبارک ۱۲۹۳ھ

سنت فجر ایسی جگہ پڑھنا جہاں قرأت امام سنائی دے:

سوال :- اگر کسی مسجد کا ایک درجہ ہو اور اس میں جماعت فجر پورہ ہی ہو تو صبح کی سنت کس جگہ ادا کریں؟ اگر صف کے پیچھے ادا کریں تو قرأت سنائی دے گی، بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت فجر گھر میں ادا کر کے مسجد جانا چاہئے، خصوصاً جبکہ قیام جماعت کا وقت ہو چکا ہو، اگر گھر میں سنت نہیں پڑھی تو مسجد سے باہر پڑھے، اگر باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی ستون یا دیوار کی آڑ میں پڑھے، امام کی قرأت سنائی دینے میں کوئی حرج نہیں، صف کے پیچھے بلا حائل سنت پڑھنا مکروہ تحریمی ہی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۶ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ

نفل کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا:

سوال :- زید نفل نماز کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا، اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا، سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا؟

اگر قعدہ اخیرہ کر کے سہوا کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت بھی پڑھ لی اور پھر یاد آیا تو کیا حکم ہوگا؟

سجدہ سہو سے دوسری صورت میں ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلی صورت میں اگر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یا دیا گیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر تیسری کے سجدہ کے بعد یا دیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار کر لے اور آخر میں سجدہ سہو کرے، اگر تین ہی پر سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہوگئی، دو رکعتیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے،

دوسری صورت میں سجدہ سہو سے دو رکعتیں صحیح ہو گئیں، چونکہ تیسری کی طرف قیام سہوا ہوا ہے، اس لئے اس کے نقض سے شفع ثانی کی قضاء واجب نہیں، اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ چار رکعتیں پوری کر لے، چار پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں، قال فی التذویر وقضی رکعتین لو نوى اربعاً ونقض فی النفع الاول او الثاني وفي العلائق ای وتشهد للاول والا یفسد الكل اتفاقاً، والاصل ان كل شفع صلوة الابعاض اقتداءً او نذراً وترك قعود اول، وفي الشامية ر قوله او الثاني، ای وكذا يقضى ركعتين لو اتم الشفع الاول بقعدته ثم شرع في الثاني فنقضه في خلا له قبل القعدة فيقضى الثاني فقط لتعم الاول لكن ينبغي وجوب اعادة الاول لترك واجب السلام مع عدم انجبار سجود سہو كما هو الحكم في كل صلوة اديت مع ترك واجب ر قوله او ترك قعود اول، لان كون كل شفع صلوة على حدة يقتضي افتراض القعدة عقيبہ فيفسد بتركها كما هو قول محمّد وهو القياس لكن عند هالمآقام الى الثالثة قبل القعدة فقد جعل لكل صلوة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الاخيرة هي الفرض وهو الاستحسان وعليه فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتباراً بصلوة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الاخيرة لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها (رد المحتار، ص ۶۲۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۱۳ شوال ۱۲۹۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال ۱۔ اگر نفل کی دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا، سہوا کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یا دیا اور چوتھی رکعت ملا کر آخر میں سجدہ سہو کر لیا، تو اس کی دو رکعتیں ہوئیں یا چار؟ نفل کے ہر دو گانہ پر قعدہ فرض ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں صرف دو رکعتیں ہوں گی، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قیاس کا مقتضی تو یہ ہے کہ پوری نماز فاسد ہو، شفع اول ترک فرض قعدہ کی وجہ سے اور شفع ثانی اس لئے کہ وہ شفع اول پر مبنی ہے، والمبني على الفاسد فاسد، مگر استثنائاً چاروں رکعتیں صحیح ہیں، اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدہ اول کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہو گئی، اور ترک واجب کے نقصان کا تدارک سجدہ سہو سے ہو گیا،

چونکہ فرائض چار سے زائد نہیں، اس لئے صورت مذکورہ میں استحساناً صحت صرف چار رکعات کے ساتھ مخصوص ہے، چار سے زائد رکعات پڑھنے کی صورت میں نماز فاسد ہے، اسی طرح تین رکعتیں پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اس میں اگرچہ نماز مغرب کے تشبہ موجود ہے، مگر نفل کی ایک رکعت غیر مشروع ہے، اور وہ ماقبل کو بھی فاسد کر دیتی ہے، قال فی العلائقہ والاصل ان کل شفع صلوة الا بعرض اقتداء او نذرا او ترك قعود اول، وفي الشامية (قوله او ترك قعود اول) لان كون كل شفع صلوة على حدة يقتضي افتراض القعدة عقيبہ فيفسد بتركها كما هو قول محمد رحمه الله تعالى وهو القياس لكن عندهما لما قام الى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلوة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الاخيرة هي الفرض وهو الاستحسان وعليه نلو تطوع ثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتباراً بصلوة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصل به القعدة وهو الركعة الاخيرة لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها ولو تطوع بست ركعات بقعدة واحدة قيل يجوز والاصح لا، فان الاستحسان جواز الاربع بقعدة اعتباراً بالفرض وليس في الفرض ست ركعات تؤدى بقعدة فيعود الامر الى اصل القياس كما في البدائع (رد المحتار، ص ۶۳۸ ج ۱)، فقط والله تعالى اعلم،

۲۲، ذیقعدہ ۹۹ھ

وتر کا آخری قعدہ بھول گیا:

سوال :- اگر وتر کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا ہو اور چوتھی رکعت بھی ادا کر گیا، پھر یاد آیا تو سجدہ سہو کرنے کے بعد وتر ہوئے یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہے؟ اور اگر قعدہ اخیرہ کر کے چوتھی رکعت کو کھڑا ہو گیا اور سجدہ کے بعد یاد آیا تو پھر بھی سجدہ سہو سے وتر ادا ہوئے یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کا واجب ہو گا یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر وتر میں تعدہ اخیرہ نہیں کیا اور چوتھی رکعت ادا کر گیا تو تراویح ادا نہ ہوں گے، بلکہ یہ رکعات نفل ہو جائیں گی، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، وتر دو بارہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ اگر فرض نماز کی چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پانچویں رکعت ادا کر لی تو اس رکعت کو ضیاع سے بچانے کے لئے چھٹی رکعت بھی ملائے گا، اور یہ سب رکعات نفل ہو جائیں گی، قال فی التنبیہ ولوسہا عن القعود الاخیر عاد ما لم یقیدھا بسجدة وان قیدھا تحول فرضہ نفلاً برفعه وضم سادسة ان شاء ولا یسجد للمہو علی الاصح (رد المحتار، ص ۶۹۸ ج ۱)

اور اگر وتر کے تعدہ اخیرہ کے بعد چوتھی رکعت پڑھی تو وتر صحیح ہو گئے، بہتر ہے کہ ایک رکعت اور ملائے، تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں، مکافی التنبیہ وان قعد فی الرابعة ثم قام عاد و سلم وان سجد للخامسة سلموا و ضم الیہا سادسة لتصیر الرکعتان نفلاً وسجد للمہو (رد المحتار، ص ۶۹۸ ج ۱) دونوں صورتوں میں وتر کو فرض پر قیاس کیا جائے گا، اس لئے کہ وتر بھی عملاً فرض ہے، لہذا قال صاحب التنبیہ هو فرض عملاً (رد المحتار، ص ۶۹۸ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۱۰۔ ارشوال

سنت فجر کی چار رکعتیں پڑھ لیں:

سوال: فجر کی سنت کا آخری تعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت پڑھنے کے بعد یاد آیا، اور چوتھی رکعت بھی ملالی اور سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی، تو سنت ہوئی یا نہیں؟ یعنی دو سنت اور دو نفل، یا چاروں نفل ہوں گی، اور سنت پھر ادا کرنی پڑے گی؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا و جروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں دو رکعت سنت ہوئیں، اور دو نفل، چونکہ یہ نفل قصداً نہیں پڑھے اس لئے وقت مکروہ میں کوئی حرج نہیں،

فائدہ:

صورت مذکورہ میں چوتھی رکعت ملانا واجب ہے، اس لئے کہ تیسری پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور شفع اول چونکہ قصداً شروع کیا ہے اس لئے اس کا اتمام واجب ہے، افسار جائز نہیں، البتہ اگر فجر کے فرض میں یہ صورت پیش آگئی تو بہتر ہے کہ تیسری رکعت پر سلام پھیر دے چوتھی نہ ملائے، اس لئے کہ ترک تعدہ سے فرض نفل ہو گئے تو نفل کا شفع اول قصداً شروع نہیں ہوا

لہذا اس کا اتمام واجب نہیں، اور مکروہ وقت میں اگرچہ ایسے نوافل کا اتمام جائز ہے مگر ترک اولیٰ ہے، اگر عصر میں تعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو چھٹی رکعت ملانا واجب نہیں، پانچویں پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور یہ افساد جائز ہے، لہذا ذکر نافی صلوٰۃ الفجر البتہ عصر میں چھٹی رکعت ملانا بہتر ہے، اس لئے کہ ترک تعدہ اخیرہ سے فرض نفل ہو گئے، تو وقت مکروہ نہ ہوا، کراہت فرض عصر کے بعد ہے، اور صورت مذکورہ میں فرض تا حال نہیں ہوئے، لہذا اتمام اولیٰ ہے، کذا فی الشامیۃ وغیرہا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱/ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

اشراق چاشت اور اوابین کی رکعات:

سوال :- اشراق چاشت، اوابین کی کم سے کم کتنی رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ کتنی رکعتیں ہیں؟ بیٹو! توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اشراق وچاشت دونوں کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، اشراق کی زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں، اور چاشت کی زیادہ سے زیادہ بارہ، اوابین دو رکعت سنت مؤکدہ سمیت کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الفجر فی جماعة ثم قعد ینکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین كانت لہ کاجر حجة وعمرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تامة تامة تامة (ترمذی، ص ۱۰۹ ج ۱) عن نعیم بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یقول اللہ عزوجل یا ابن آدم لا تعجزنی من اربع رکعات فی اول نهارک اکفک اخرہ (ابوداؤد، ص ۱۲۹ ج ۱) وفی العلائق عن المنیۃ اقلہا رصوۃ الضحیٰ رکعتان واكثرہا اشاعشر ووسطہا ثمان وھو افضلہا لما فی الذخائر الاشرفیۃ لثبوتہ بفعلہ وقولہ علیہ السلام واما اکثرہا بقولہ فقط، وفی الشامیۃ (قولہ واکثرہا اشاعشر) لما رواہ الترمذی والنسائی بسند فیہ ضعف انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی الضحیٰ ثنتی عشرة رکعة بنی اللہ لہ قصر امن ذھب فی الجنة، وقد تقران الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الفضائل، شرح المنیۃ ۳۰ (رد المحتار ص ۱۳۹ ج ۱) عن محمد بن عمار بن یاسر قال رأیت عمار بن یاسر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلیٰ بعد المغرب ست رکعات وقال رأیت حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلیٰ بعد المغرب ست رکعات وقال من صلیٰ بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر للطبرانی (جمع الفوائد، ص ۱۳۰، ۱۳۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلیٰ بعد المغرب عشرين رکعة بنی اللہ له بیتا فی الجنة (ترمذی ص ۱۳۰، ۱۳۱) ابن ماجہ ص ۲۹۸، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲، محرم ۸۸ھ

دو رکعت سنت مؤکدہ او ابین میں داخل ہیں:

سوال :- او ابین کے نوافل کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے ہیں؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے، اسی کو او ابین کہتے ہیں اور حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے: یتستحب ست بعد المغرب (شرح التتویر ج ۱ ص ۵۰) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ او ابین کے کم از کم نوافل چھ ہیں، اور بہشتی زیور کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات علماء کا خیال ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ او ابین کے نوافل صرف چار ہیں، چھ نوافل جو مشہور ہیں ان میں مغرب کی دو سنتیں مؤکدہ بھی شامل ہیں، یعنی مغرب کے فرض اور سنتوں کے علاوہ او ابین کے نوافل کم از کم چار پڑھنا کافی ہے کیا یہ خیال صحیح ہے؟ اس طرح او ابین کے نفل کی تعداد کم از کم چھ بنتی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلیٰ بعد المغرب ست رکعات لم یشکلم فیما بینہن بسوء عدلن له بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ (رواہ الترمذی، ص ۱۳۰، ۱۳۱) وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلیٰ بعد المغرب عشرين رکعة بنی اللہ له بیتا فی الجنة، (رواہ الترمذی، ص ۱۳۰، ۱۳۱) قال علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ المفہوم ان الركعتین الراتبین داخلتان فی الست وکذا فی العشرین المذكورۃ فی الحدیث الآتی، قال الطیبی (مرقاة، ص ۱۱۴ ج ۲) وفي شرح التتویر وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمة او ثنتین او ثلاث والاول ادرم واشق وهل تحسب المؤکدۃ من المستحب

ویؤدی الكل بتسلیمة واحدة اختار الکمال نعم، وفي الشامية ر قوله اختار الکمال ذکر الکمال فی فتح القدیر انه وقع اختلاف بین اهل عصره فی أن الاربع المستحبة هل هی اربع مستقلة غیر رکعتی الراتبة أو اربع بهما وعلى الثاني هل تؤدی معهما بتسلیمة واحدة أولا فقال جماعة لا واختار هو انه اذا صلی اربعاً بتسلیمة أو تسلیمتین وقع عن السنة والمندوب، وحقق ذلك بما لا مزيد علیه واقرة فی شرح المنیة والبحر والنهر (رد المحتار، ص ۱۶۳۱) مذکورہ بالا حدیثوں اور شامیہ کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اربعین کی تعداد کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں ہیں، اور مغرب کی دو سنتیں اربعین میں داخل ہیں، بہشتی زیور کے حاشیہ میں محررہ حوالہ کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ علیہ
۲۳ شوال ۱۳۸۸ھ

اشراق، چاشت اور تہجد کے اوقات:

سوال :- مندرجہ ذیل نوافل کے اوقات وضاحت سے تحریر فرمائیں :

- ① اشراق کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے منٹ بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت طلوع آفتاب کے بعد کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟
- ② چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟
- ③ تہجد کا وقت غروب آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور طلوع آفتاب سے کتنے گھنٹے پہلے تک رہتا ہے؟ بینواتوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- ① طلوع کے بعد جب آفتاب میں اتنی تیزی آجائے کہ اس پر کچھ دیر تک نظر جمانا مشکل ہو، تو اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس کی مقدار ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتی ہے، میری کتاب صبح صادق میں نقشہ اوقات اشراق کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے، یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے، اور احسن الفتاویٰ جدید جلد دوم میں بھی،

اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے، مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے،

- ② چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہو کر نصف النہار تک ہے، اور اس کا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے، قال فی العلانیة وندب اربع

فصاعداً فی الضحیٰ علی الصحيح من بعد الطلوع الی الزوال ووقتها المختار بعد ربح
النهار (رد المحتار ص ۱۳۶۳۹)

③ وقت تہجد عشاء کی نماز کے بعد صبح صادق تک ہی غروب آفتاب سے ابتداء عشاء اور صبح
صادق سے طلوع آفتاب تک وقت کی گھنٹوں سے تعیین نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ یہ وقت ہر مقام
اور ہر موسم میں مختلف ہوتا ہے، البتہ ایک گھنٹہ سے کم کبھی نہیں ہوتا، مختلف مقامات کے اوقات عشاء
صبح صادق کا نقشہ میری کتاب ”صبح صادق“ میں ملاحظہ ہو،

جو شخص رات کی ایک تہائی تہجد میں مشغول رہنا چاہے اس کے لئے افضل وقت یہ ہے کہ رات
کے تین حصے کر کے درمیانی حصہ میں تہجد پڑھے، اول و آخر میں سوئے، اور اگر نصف شب تہجد میں
گزارنا چاہے تو آخری نصف افضل ہے،

اگر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت بنیت تہجد
پڑھ کر سو جائے اور پھر اٹھ کر تہجد پڑھنے کا ارادہ بھی رکھے، اگر آنکھ نہ کھلی تو تہجد کا ثواب مل جائے گا،
لحدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنا فی سفر
فقال ان هذا السفر جهد وثقل فاذا اوتر احدکم فلیرکم رکعتین فان استیقظ والا کانتا
لہ (شرح معانی الآثار ص ۱۶۸ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۵ ربیع الآخر ۹۶ھ

نوافل کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ ہے:

سوال: عموماً ہمارے اکابر علماء شیعینہ سے منع فرماتے ہیں، اور وجوہ کراہت میں ایک وجہ
یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے، مگر ایک عالم فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت
صرف غیر رمضان میں مکروہ ہے، رمضان میں مکروہ نہیں، اُن کی تحریر ارسال ہے، امید ہے کہ اس کا
شافی جواب تحریر فرمائیں گے،

فی الدرر لا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلك لو علی
التداعی بان یقتدی اربعة بواحد، وفي الرد عن البدائع ان الجماعة فی التطوع لیست
بسنة الا فی قیام رمضان (رو بعد اسطر) والنفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم تفعله
الصحابہ فی غیر رمضان (رد المحتار ص ۱۳۶۶۳ ج ۱) وفي الفتح عن کافی الحاكم ویکرہ
صلوة التطوع جماعة ما خلا قیام رمضان (فتح القدیر ص ۲۳۸ ج ۱) وفي الموطا

للإمام محمد، قال محمد وبهذا نأخذ لأبأس بالصلاة في شهر رمضان أن يصلي الناس بامام تطوعاً لأن المسلمين قد أجمعوا على ذلك (موطأ محمد، ص ۱۱۱)

عبارات بالا میں تطوع، نفل اور قیام رمضان کے الفاظ ہیں، ان میں سے تطوع اور نفل کا عموم ظاہر ہے، اسی طرح قیام رمضان بھی تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نوافل کو بھی شامل ہے، قال الحافظ العینی ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعة فی لیالی رمضان ویقال یرید صلاة التراويح وقال بعضهم لا یختص ذلك بصلاة التراويح بل فی ائی وقت صلی تطوعاً حصل له ذلك الفضل (عمدة القاری، ص ۲۳۳ ج ۱) وقال ایضاً فی باب فضل من قام رمضان قال الكرمانی اتفقوا علی أن المراد بقیامه صلاة التراويح، قلت قال النووی المراد بقیام رمضان صلاة التراويح ولكن الاتفاق من این اخذہ بل المراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام سواء كان قليلاً أو كثيراً (عمدة القاری، ص ۱۲۲ ج ۱) وقال الحافظ العسقلانی والمراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام كما قد مناه فی التهجید سواء و ذکر النووی أن المراد بقیام رمضان صلاة التراويح یعنی انه یحصل بها المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یكون الا بها وغرب الكرمانی فقال اتفقوا علی أن المراد بقیام رمضان صلاة التراويح (فتح الباری، ص ۲۱۰ ج ۲)

الجواب باسم ملهم الصواب

اس تحریر میں بعض اکابر کی ایک قدیم تحریر کا مضمون نقل کیا گیا ہے، جس کا جواب بھی اسی وقت کے مختلف علماء نے لکھ دیا تھا، مذہب حنفی میں امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں تو یہ جماعت بالاتفاق مکروہ ہے، اور مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ جماعت اگرچہ بلا کراہت جائز ہے، مگر اس میں بھی جماعت کی فضیلت اور ثواب نہیں، قال فی العلائق یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اما اقتد او واحد بواحد او اثنين بواحد فلا یکرہ وثلاثة بواحد نیه خلاف، بحر عن الکافی، وهل یحصل بهذا الاقتداء فضيلة الجماعة ظاهراً قد مناه من أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة یفید عدمه تأمل (رحم المختار، ص ۶۶۲ ج ۱)

وقال الطحطاوی والتداعی سببه الاجتماع لأن اجتماعهم علی ذلك یدعو من

نراهم الى الدخول معهم (طحاوی علی الدر المختار ص ۱۲۹ ج ۱)

یہ حکم رمضان اور غیر رمضان دونوں کو عام ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی مطلب فی احیاء لیاالی العیدین والنصف من شعبان وعشذی الحجة ورمضان "وفی الامداد ویحصل القیام بالصلوة لفلأفرادی من غیر عدد مخصوص وبقرأة القرآن الاحادیث وسماعها وبالتسبیح والثناء والصلوة والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال (تتمة) اشار بقوله فرادی الی ما ذکره بعد فی متنة من قوله وبیکرة الاجتماع علی احیاء لیلہ من هذه الیالی فی المساجد وتماہ فی شرحہ وصرح بکراہة ذلك فی الحاروی القدسی وقال ماروی عن الصلوات فی هذه الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح، (رد المحتار ص ۶۳۲ ج ۱)

وقال الحلبي رحمه الله تعالى واعلم ان النقل بالجماعة على سبيل التداعى مكره على ما تقدم ماعد التراویح وصلوة الكسوف والاستسقاء فعلم ان كلا من صلوة الرغائب لیلہ اول جمعة من رجب وصلوة البراءة لیلہ النصف من شعبان صلوة القدر لیلہ السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة وقال حافظ الدين البزازی شرعا فی نقل فاسداه واقتدى احد هما بالآخر فی التثناء لا يجوز لاختلاف السبب وكذا اقتداء الناذر لا يجوز وعن هذا كراهة الاقتداء فی صلوة الرغائب وصلوة البراءة ولیلہ القدر (شرح المنية ص ۴۱۱)، ان عبارات میں رمضان وغیر رمضان دونوں میں جماعت نوافل کی کراہت مصرح ہے،

وقال الامام الكاسانی رحمه الله تعالى اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان يصلوها ثانياً يصلون فرادی لا بجماعة لان الثانية تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعة مكروه (بدائع ص ۲۹۰ ج ۱)

ونقل ابن نجيم رحمه الله تعالى عن الخلاصة ولو صلوا التراویح ثم ارادوا ان يصلوا ثانياً يصلون فرادی (البحر الرائق ص ۶۸ ج ۲) وقال ايضاً وانما لم يذكر التراویح مع السنن المؤكدة قبل النوافل المطلقة لكثرة شعبها واختصاصها بحكم من بين سائر السنن والنوافل وهو الاداء بجماعة (البحر ص ۷۱ ج ۲)، وقال ايضاً فی الاشباه يكره الاقتداء فی صلوة الرغائب وصلوة البراءة ولیلہ القدر (الاشباه والنظائر، ص ۲۱۹ ج ۱)

وقال الشيخ الحموي ادعاء النفل بجماعة على سبيل التداعي مكروه الا ما استثنى كصلوة التراويح (الاشباه، ص ۱۷۲۱۹)

وقال العلامة البابري رحمه الله تعالى ذكر التراويح في فصل على حدة الاختصاصها بما ليس لمطلق النوافل من الجماعة (رعاية على هامش الفتح ص ۱۷۳۳۳)

وفي الهندية ولو صلى التراويح ثم اراد وان يصلوها ثانيًا يصلون فرادى كذا في التارخانية (عالمگیریہ ص ۱۱۶)

وفي البزازية صلواتها بجماعة ثم ارادوا اعادتها بالجماعة يكره بل يصلون فرادى لان النفل بجماعة على التداعي يكره الا بالنص (بزازية على هامش الهندية ص ۷۲)

وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري ولوزاد على العشرين بالجماعة يكره عندنا بناءً على ان صلوة التطوع بالجماعة مكروه (خلاصة الفتاوى، ص ۶۳)

وقال العلامة الطحطاوي رحمه الله تعالى وهي الجماعة (سنة عين الا في التوايح فانها فيها سنة كفاية ووتر رمضان فانها فيه مستحبة واما وتر غيره وتطوعه فمكروهة فيهما على سبيل التداعي (طحطاوي على المراقي ص ۱۵۶)

وفي شرح التنوير ولا تقضى اذا فاتت اصلاً ولو وحده في الاصح وقال لطحطاوي وقيل يقضيها منفرداً (طحطاوي على الدر المختار، ص ۲۹۶)

وفي شرح التنوير لو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لانها تبع وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى اي لان جماعتها تبع لجماعة الفرض فانها لم تقم الا بجماعة الفرض فلو اقيمت بجماعة وحدها كانت مخالفة للوارد فيها فلم تكن مشروعة (رد المحتار، ص ۶۶۳)

وفي شرح التنوير بقي لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى الذي يظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وان كان الوتر نفسه اصلاً في ذاته لان سنة الجماعة في الوتر انما عرفت بالاشتر تابعة للتراويح (رد المحتار، ص ۶۶۳) اس سے ثابت ہوا کہ تراویح اور وتر کی جماعت بھی بالتبع مشروع ہے، مطلقاً نہیں، تو نوافل کی جماعت بطریق اولیٰ مشروع نہ ہوگی، لہذا ہادی حالاً منہما، بلکہ نوافل کو نذر سے واجب کر لیا، تو تو بھی ان کی جماعت مشروع نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر

اگر نوافل بالجماعت کی نذر کی ہو تو بھی کراہت سے خالی نہیں، قال فی شرح التویر وفي الاشباه عن البزازية يكره الاقتداء في صلوة رغائب وبراءة وقدر الا اذا قال نذرت كذا ركعة بهذا الاما جماعة اه قلت وتتمه عبارة البزازية من الامامة ولا ينبغي ان يتكلف كل هذا التكلف لامر مكروه، وقال ابن عابد بن رحمه الله تعالى ر قوله قلت الخ لم ينقل عبارة البزازية بتمامها ونصها ولا ينبغي ان يتكلف لا التزام ما لم يكن في الصدر الاول كل هذا التكلف لاقامة امر مكروه وهو اداء النفل بالجماعة على سبيل التداعى فلو ترك امثال هذه الصلوات تارك لم يعلم الناس انه ليس من الشعار فحسن اه وظاهره انه بالنذر لم يخرج عن كونه اداء النفل بالجماعة (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱) وقال الرافعي ر قوله لم ينقل عبارة البزازية بتمامها الخ وصدرها وعن هذا كره الاقتداء في صلوة الرغائب و صلوة البراءة و ليلة القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت كذا ركعة بهذا الامام بالجماعة لعدم امكان الخروج عن العهدة الا بالجماعة ولا ينبغي الخ (التحرير المختار ص ۹۲) وقال الطحاوی ر قوله لا امر مكروه فيه منافاة للاستثناء فان مقتضاه عدم الكراهة ومراعاة بالتكلف النذر وقد يقال ان المكروه هو الاجتماع والاستثناء من كراهة الاقتداء فلا منافاة (طحاوی علی الدر ص ۱۷۲۹ ج ۱)

قال ابن عابد بن رحمه الله تعالى شكواهل صواتع تسليمات او عشرا يصلون تسليمة اخرى فراذی فی الاصح للاحتياط فی اكمال التراویح والاحتراز عن التنفل بالجماعة (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱)

وقال الشيخ عبد الحق الدهلوی رحمه الله تعالى اذا فاتت التراویح هل تقضى بعد وقتها بالجماعة او بغیر الجماعة فالجواب لا تقضى بجماعة وما ثبت بالسنة ص ۹۳) وقال ايضا اذا شكوا انهم صلوا تسليمة او عشرا اختلف المشايخ فيه (الى قوله) والصحيح انهم يصلون تسليمة اخرى فراذی حتى يقع الاحتياط فی السنة باتمامها ويقع الاحتراز عن اداء النافلة بجماعة غير التراویح وما ثبت بالسنة اخر الفصل الاول من بيان شهر رمضان، وقال ايضا قال مالك و يروى عن الشافعي ايضا انها ست وثلاثون او تسع وثلاثون مع الوتر فهو عمل اهل المدينة خاصة وكان سبب ذلك ان اهل مكة يطوفون بالبيت اسبوعا و يصلون ركعتي

الطواف بين ترويحيين واهل المدينة لما ارادوا ادراك هذه الفضيلة صلوا بين ذلك
 اربع ركعات وليتموها الستة عشرية واستمر عادتهم على ذلك الى الآن وقد يروى ذلك
 عن عمرو بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما لكنه غير مشهور عنهما فان صلى غيرهم ايضا لا بأس ويستوى
 فيه الامام وغيره وينبغي ان يصلوا فرادى لان التنفل بجماعة في غير التراويح مكروه عندنا
 لكن اهل المدينة يصلونها بجماعة والتنفل بجماعة لا يكره عندهم قال الشيخ
 القاسم الحنفي من متأخري علماء مصر التنفل بجماعة مكروه لانه لو كان مستحباً
 لكانت افضل كالمكتوبات ولو كانت افضل لكان المتعبدون القائمون بالليل يجمعون
 فيصلون جماعة طلباً للفضيلة فلما لم يرو ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم
 والصحابة رضوان الله عليهم اجمعين علم انه لا فضل في ذلك وما ثبت بالسنة مثله
 وقال الامام السرخسي رحمه الله تعالى فانها عشرون ركعة سوى الوتر عندنا
 وقال مالك السنة فيها ست وثلاثون قيل من اراد ان يعمل بقول مالك ويسلك مسلكه
 ينبغي ان يفعل كما قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى يصلي عشرين ركعة كما هو السنة ويصلي
 الباقي فرادى كل تسليمتين اربع ركعات وهذا من هبنا وقال الشافعي لا بأس باداء
 الكل بجماعة كما قال مالك بناء على ان النوافل بجماعة مستحبة عنده وهو مكروه عندنا
 والشافعي قاس التنفل بالفرض لانه تبع له فيجوز مجرى الفرض فيعطى حكمه ولنا ان
 الاصل في النوافل الاخفاء فيجب صيانتها من الاشتهار ما امكن وفيما قالت الخصم
 الاشتهار فلا يعمل به بخلاف الفرائض لان مبناها على الاعلان والاشتهار وفي
 الجماعة اشتهار فكان احق، ويوضح ما قلنا ان الجماعة لو كانت مستحبة في حق النوافل
 لفعله المتعبدون القائمون بالليل لان كل صلوة جوزت بالافراد وبالجماعة كانت
 الجماعة فيها افضل ولم ينقل ادائها بالجماعة في عصره صلى الله عليه وسلم ولا في
 زمن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ولا في زمن غيرهم من التابعين رحمهم الله تعالى
 فالقول بها مخالفة لامة اجمع وهذا باطل (مبسوط، ص ۱۲۲ ج ۲)

وفي شرح التنوير والافضل في النفل غير التراويح المنزل الا لخوف شغل عنها
 وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله غير التراويح) اي لانها تقام بالجماعة
 ومحلها المسجد واستثنى في شرح المنية ايضا تحية المسجد وهو ظاهر واقول يستثنى

ایضاً رکعتا الاحرام والطواف فان الاولى تصلى في مسجد عند الميقات ان كان كما في اللبابة
والثانية عند المقام وكذا ركعتا القدوم من السفر بخلاف انشاء فانها تصلى في البيت
كما يأتى وكذا انزل المعتكف وكذا ما ينحرف فوترها بالتأخير وكذا صلوة الكسوف لانها تصلى
بجماعة، وعلى هامش الثامية قوله وكذا صلوة الكسوف لانها تصلى بجماعة وجد
هنا في نسخة المؤلف لكن بغير خطه مانصه وكذا سنة الجمعة القبلية لان الافضل
في الجمعة التبكير قبل الوقت فيلزم وقوع سنتها في المسجد فصارت جملة المستثنيات
تسعة (رد المحتار ص ۶۳۸ ج ۱)

وفی شرح التنویر وکل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه افضل قاله الحلبي (رد المحتار ص ۶۳۸)
ان نصوص صریحہ کثیرہ سے ثابت ہوا کہ جن عبارات میں رمضان میں جماعت کے ساتھ تطوع نفل،
اور قیام کے الفاظ ہیں، ان سے تراویح مراد ہے، بالخصوص جبکہ جن کتب میں یہ الفاظ ہیں خود انہی میں
رمضان میں بھی جماعت نوافل کی کراہت مفرح ہے، علاوہ ازیں ان عبارات میں "لأنه لم تفعله
الصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی غیر رمضان" اور "لأن المسلمين قد اجمعوا علی ذلك"
بھی مستقل دلیل ہے کہ یہاں نفل اور تطوع سے تراویح مراد ہے، اس لئے کہ بجز تراویح کے دوسرے
نوافل کی جماعت رمضان میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اورتابعین وائمہ دین رحمہم اللہ
تعالیٰ سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے خلاف ترک جماعت پر اجماع ہے کما قد منافق الشیخ
الذہلوی والامام السرخسی رحمہما اللہ تعالیٰ وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ
وزادت الصحابة ومن بعدهم في قيام رمضان ثلاثة اشياء، الاجتماع له في
مساجدهم وذلك لانه يفيد التيسير على خاتمهم وعامةهم وأداعه في أول الليل مع القول
بان الصلوة آخر الليل مشهورة وهي افضل كما نبه عمر رضي الله تعالى عنه لهذا
التيسير الذي اشرنا اليه، وعدده عشرون ركعة (حجة الله البالغة ص ۱۸ ج ۲)
اول الليل اور عشرون ركعة سے ثابت ہوا کہ اجتماع فی المسجد صرف تراویح کے لئے ہوتا تھا،
وقال الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدثناروح بن الفرج قال حدثنایوسف
ابن الفرج قال حدثنایوسف بن عدي قال حدثنابرا الحوص عن مغيرة عن ابراهيم
قال كان المتجهدون يصلون في ناحية المسجد والامام يصل بالناس في رمضان
رشرح معاني الآثار ص ۱۷۲ ج ۱) ونقل الحافظ العيني رحمہ اللہ تعالیٰ عن البيهقي عن

السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى رضي الله تعالى عنهما مثله (عمدة القاری ص ۲۶۷) باقی رہی قیام رمضان سے متعلق حافظ عینی اور حافظ عسقلانی رحمہما اللہ کی تحقیق، سو اس کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اس تحقیق سے مقصود یہ ہے کہ حدیث میں قیام لیل کی جو فضیلت وارد ہے وہ تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام ہے، مگر عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں جہاں رمضان میں قیام یا الجماعۃ مذکور ہے وہاں تراویح ہی متعین ہے، اور یہ تعین خود انہی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہو رہی ہے، کما مر،

اس سے بھی بڑھ کر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر تنصیص فرمائی ہے کہ قیام لیل اور تراویح دونوں مترادف ہیں، جیسا کہ کتب فقہ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، خانیہ، بیسوط، بدائع وغیرہ کے تتبع سے ظاہر ہے، خوف طوالت سے ان کی نصوص نقل نہیں کی جاتیں، ومن شاء فلیراجع، بلکہ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثریت بھی قیام لیل سے تراویح مراد لیتی ہے، بالخصوص قیام بالجماعۃ میں تو سب تراویح ہی مراد لینے پر متفق ہیں، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضل قیام میں تو مطلق قیام کو ترجیح دی ہے، کما مر نصہ، مگر قیام بالجماعۃ سے وہ بھی تراویح ہی مراد لیتے ہیں، چنانچہ حدیث ”صلوا ایہا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا الصلوۃ المکتوبۃ“ کے تحت فرماتے ہیں واستثنیٰ من عموم الحدیث عدة من النوافل ففعلہا فی غیر البیت اکمل وہی ما تشرع فیہا الجماعۃ کالعیدین والاستسقاء والکسوف (وبعد اسطر) قال الامام حمید الدین الضریٰ نفس التراویح سنۃ اما اداہا بالجماعۃ فمستحب (وبعد سطر) وفی جوامع الفقہ التراویح سنۃ مؤكدة والجماعۃ فیہا واجبة وفی الروضة لاصحابنا ان الجماعۃ فضیلة وفی الذخیرۃ لاصحابنا عن اکثر المشایخ ان اقامتہا بالجماعۃ سنۃ علی الکفاۃ (عمدة القاری، ص ۲۶، ج ۵)

موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ”لا یأس فی شہر رمضان ان یصلی الناس تطوعاً بامام لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك ورأوه حسناً“ کی تشریح میں مولانا عسکری الحنفی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (قولہ تطوعاً) اطلاق التطوع علی التراویح باعتبار انها زائدة علی الفرائض الخ (قولہ علی ذلك) ای علی صلوۃ ہم بامامہم فی لیالی رمضان فی زمان الغلاء عمر و عثمان و علی فمن بعدہم الی یومنا ہذا (قولہ ورأوه حسناً) لما یدل علیہ قول عمر نعمت البدن (التعلیق المجدد، ص ۱۳۰)۔

غرضیکہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رمضان میں جماعت تطوع سے تراویح کی جماعت مراد ہے،
 قال الشاہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ قال الفقہاء ان الجماعة فی النوافل مکروہۃ الا فی رمضان
 ولم یفہم مرادہم بعض الاغبیاء فحملہ علی جواز الجماعة فی النفل المطلق فی رمضان مع
 ان مرادہم التراویح لا غیر فافہم فان العلم لا یتحصل الا بعد السبر فیض الباری ص ۳۳۳
 آخر میں نوافل کو باجماعت پڑھنے کی بدعت سے متعلق حضرت محدث دالہ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی
 شکایت ملاحظہ ہو،

”افسوس ہزار افسوس! بعضے از بدعتیہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست، دریں طریقہ علیہ احداث
 نموده اند و نماز تہجد را بجماعت می گذارند از اطراف و جوانب در آن وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند
 و بجماعت تمام ادا می نمایند و این عمل مکروہ است بکراہت تحریمہ، جمیع از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت
 داشته اند جواز جماعت نفل را مقید بنا حیۃ مسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را بالاتفاق مکروہ گفته اند،
 مکتوبات ۱۳ ص ۲۳ دفتر اول

مخدوما، مکرم! احداث و ابداع را دریں طریقہ علیہ بحیثیت رواج داده اند کہ اگر مخالفان گویند کہ
 دریں طریقہ التزام بدعت است و اجتناب از سنت ہم گنجائش دارد، نماز تہجد را بجماعت تمام ادا می نمایند
 و این بدعت را در رنگ سنت تراویح در مسجد رواج در وقت می بخشند و این عمل را نیک می دانند و مردم را
 بران ترغیب می کنند، و حال آنکہ ادارہ نوافل را بجماعت فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سعیم مکروہ گفته اند
 اشد کراہت، و جمیع از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت در جماعت نفل داشته اند جواز جماعت نفل را
 مقید بنا حیۃ مسجد ساختہ اند و زیادہ از سہ کس بالاتفاق مکروہ گفته اند (مکتوبات ۱۶ ص ۲۸ دفتر اول)
 فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم،
 ۲۸ رزیقہ ۸۵

سنت فجر کی قضا:

سوال: سنت فجر تنہا رہ جائے تو طلوع آفتاب سے قبل بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور
 ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو نقل کر دیں، عین کرم ہوگا، بینوا توجروا،

الجواب یا سہم ملہم الصواب

طلوع آفتاب سے قبل جائز نہیں، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت
 غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وكان من اجتهامهم الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وعن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس (ترمذی ص ۱۳۵۲، صحیح بخاری ص ۱۸۲ ج ۱) بھی اس مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، (بخاری ص ۱۸۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : صبح غسل جنابت کرنا بھول گیا، اور فجر کی نماز ادا کر لی، اور بعد ادا کرنے نماز کے یاد آیا تو اب اس نماز کی قضاء تو لازم ہے، تو قضاء صرف فرض کی کرے یا سنتوں کی بھی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر طلوع آفتاب قبل جلدی سے غسل کر کے سنت و فرض دونوں ادا کر سکتا ہو تو دونوں پڑھے، ورنہ صرف فرض پڑھ لے، زیادہ تنگ وقت میں فرض کی سنن و مستحبات کو چھوڑ دے، قضا کی صورت میں اگر اسی روز دوپہر سے قبل قضا کی تو سنتیں بھی پڑھے، ورنہ صرف فرائض کی قضا کرے، اگر تنہا سنت چھوٹ گئیں تو فرض کے بعد طلوع سے قبل پڑھنا جائز نہیں، طلوع کے بعد زوال تک پڑھ لے تو بہتر ہے ضروری نہیں، قال فی الدنسی المضمضة او جزءاً من بدنه فصلی ثم تذكروا فلولا لم يعد لعدم صحة شرعه، وفي الشامية (قوله لعدم صحة شرعه) ای النفل انما تلزم اعادته بعد صحة الشرع فيه قصد او سكت عن الفرض لظهور انه يلزمه الاتيان به مطلقاً رد المحتار، ص ۱۲۳ ج ۱، وقال فی شرح التنوير ولا يقضيها الا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده في الاصح لورود الخبر بقضاءها في الوقت المهل بخلاف القياس فغير عليه لا يقاس، وفي الشامية (قوله ولا يقضيها الا بطريق التبعية) ای لا يقضى سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر في قضائها تبعاً لقضائه وقبل الزوال واما اذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالاجماع لكراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فذلك عندهما وقال محمد احب الى ان يقضيها الى الزوال كما في الدرر (قوله لورود الخبر) وهو ما روى انه صلى الله عليه وسلم قضاها مع الفرض غداة ليلة التعرّيس بعد ارتفاع الشمس كما رواه مسلم في حديث طويل (رد المحتار ص ۱۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

استخارہ کی حقیقت:

سوال: بہشتی زیور میں استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ لکھا ہے ”پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد خوب دل لگا کر یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الْخَیْرِ، اور جب ہذا الامور پہنچے تو اس کام کا جس کے لئے استخارہ کیا ہے خیال کرے، اس کے بعد پاک و صاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کر کے با وضو سو جائے، جب سو کر اٹھے اس وقت جو بات دل میں مضبوطی سے آئے رہی بہتر ہے، اسی کو کرنا چاہئے، اگر ایک دن میں کچھ نہ معلوم ہو اور دل کا خلجان اور تردد نہ جائے تو دوسرے دن پھر ایسا ہی کرے، اسی طرح سات دن تک کرے، انشاء اللہ ضرور اس کام کی اچھائی برائی معلوم ہو جائے گی۔“

معلم الحجاج میں مفتی سعید احمد صاحب نے استخارہ کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ ”دو رکعت نماز پڑھو، اول رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص اور سلام کے بعد حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو، درود شریف پڑھو، اور یہ دعا نہایت خشوع و خضوع سے پڑھو۔ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الْخَیْرِ اور جب ہذا الامور پہنچے تو اس چیز کا خیال دل میں کرو جس کے لئے استخارہ کرنا ہے، اس کے بعد جس جانب دل کا رجحان ہو وہی بہتر ہے، اس کے موافق عمل کرنا چاہئے، ایک نفع میں اطمینان نہ ہو تو پھر کئی دسات و نفع تک، انشاء اللہ رجحان اور اطمینان حاصل ہو جائے گا، استخارہ میں اصل چیز یہی ہے کہ تردد رفع ہو جائے اور ایک جانب کو ترجیح ہو جائے، خواب کا دیکھنا وغیرہ ضروری نہیں ہے،

مناجات مقبول میں جہاں استخارہ کی دعا لکھی ہے یہ لکھا ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرے تو چاہے کہ دو رکعت نفل ادا کرے، پھر یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ الْخَیْرِ

مرشدی و سیدی حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز نے بعد میں تحریر فرمایا ہے کہ استخارہ مقصود محض طلب خیر ہونہ کہ استخبار، فرمایا کہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعا ہے، جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے، یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو، اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے، پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے، اور اسی کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بناء پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے، کیونکہ پہلی صورت میں الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے، اور لازم صحیح نہیں، لہذا ملزوم بھی صحیح نہیں، پس حاصل یہ ہے کہ استخارہ مقصود محض طلب خیر ہونہ کہ استخبار، درود اللہ اور سورہ انفاس عینی جلد ۲۵۲ (۲۵۲)

دریافت طلب یہ امور ہیں کہ :-

① کیا استخارہ جیسا کہ بعض حضرات کا معمول ہے اس طرح کرنا ضروری ہے کہ بعد نماز عشاء دو رکعت نفل پڑھکر اور دعاء استخارہ پڑھکر پاک بستر پر با وضوء قبلہ رخ لیٹ کر سو جائے، یا شب در روز میں جس وقت چاہیں استخارہ کر سکتے ہیں؟

② جب حضرت کی تحقیق کے مطابق استخارہ محض طلبِ خیر ہے نہ کہ طلبِ خیر (استخبار) اور نہ استخارہ میں خواب کا نظر آنا یا تردد کا رفع ہو جانا اور ایک جانب کو ترجیح ہو جانا ضروری ہے تو کیا اس صورت میں بھی بعد نماز و دعاء استخارہ پاک بستر پر با وضوء اور قبلہ رخ سونا چاہئے؟ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ دن رات میں جس وقت چاہے (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل پڑھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ دعاء استخارہ عربی میں یا اس کا ترجمہ اردو میں یاد دونوں زبانوں میں پڑھ لیں اور بس؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث صحاح میں صرف دو رکعت نفل کے بعد دعاء کا حکم ہے، البتہ روایت ابن السنی میں اعتبار وارد قلبی بھی مذکور ہے، باقی تفصیلات علماء کی بیان فرمودہ ہیں، ان کی رعایت ضروری نہیں، دعاء عربی ہی میں ہونا چاہئے، کسی کو دشوار ہو تو اپنی زبان میں کر لے،

حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق صحیح ہے کہ وارد قلبی پر عمل کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسباب و موانع پر نظر رکھے، وارد قلبی سے متعلق روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اعتبار بدرجہ سبب ہو گا نہ بدرجہ لزوم، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ومنہا رکعت الاستخارۃ) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلہا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ہم احدکم بالامر فلیرکم رکعتین من غیر الفریضۃ ثم لیقل اللہم انی استخیرک بعلمک الخ رواہ الجماعة الا مسلما شرح المنیۃ، (ولبعد) فی الحلیۃ ویستحب افتتاح ہذا الدعاء وختمہ بالحمد لہ والصلوۃ و فی الاذکار انہ یقرأ فی الركعة الاولى الکافرون و فی الثانية الاخلاص ام وعن بعض السلف انہ یزید فی الاولى وربک یخلق ما یشاء ویختار الی قوله یعلنون و فی الثانية وما کان لم من ولا مؤمنۃ الا یہ و ینبغی ان یکررها سبعاً لما روی ابن السنی یا انس اذا هممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوۃ استخار بالداء الخ ملخصاً و فی شرح الشرعۃ المسموع

من المشايخ انه ينبغي ان ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور فان رأى في منامه بياضاً أو خضرةً فذلك إلا من خير وان رأى فيه سواداً أو حمرةً فهو شرٌ ينبغي ان يجتنبه (رد المحتار ص ۱۶۳ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۲۵ ذیقعدہ ۸۸ھ

نماز کسوف عصر کے بعد مکروہ ہے:

سوال: نماز کسوف یعنی سورج گرہن کی نماز عصر کے بعد پڑھنا کیسا ہے، جبکہ عصر کے بعد شروع ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کسوف و خسوف وغیرہ وقت مکروہ میں پڑھنا جائز نہیں، ان اوقات میں کسوف یا خسوف ہو تو نماز کی بجائے صرر دعا میں مشغول رہنا چاہئے، قال فی الدر فی غیر وقت مکروہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لان النوافل لا تصلی فی الاوقات المنہی عن الصلوة فیہا و هذه نافلة جوهرية و ما مر عن الاسبيجاني من جعله الوقت مستحباً قال فی البحر لا یصح قال طوفی الحموی عن البرجندی عن الملقط اذا انكسفت بعد العصر او نصف النهار دعوا ولم یصلوا (رد المحتار ص ۸۹ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۳۰ محرم ۸۹ھ

نماز مغرب سے قبل تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد کا حکم:

سوال: کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد مغرب کی اذان سے پانچ منٹ قبل ادا کرنا بلا کراہت درست ہو گا یا نہیں؟ اور ان ہر دو نماز میں کسی سورت کی تخصیص ہوگی یا نہیں؟ مثلاً فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص کو ہی ہر رکعت میں بعض لوگ تین تین مرتبہ پڑھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عصر کے بعد غروب تک کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل مختصر طور پر پڑھنا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نماز مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے، اس میں کسی سورت کی تخصیص نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ و افاد فی الفتح واقرة فی الحلیۃ والبحران صلوۃ رکعتین اذا تجوز فیہا لا تزید علی السیر فیہما فعلہما

وقد اطلال فی تحقیق ذلك فی الفتح فی باب الوتر والنوافل (رد المحتار، ص ۱۳۳۹ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر ۱۲۸۹ھ

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوقت صبح صادق اذان فجر کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء قبل از ادائیگی دو رکعت سنت مؤکدہ جائز ہیں یا کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقت صبح صادق اذان کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ براہ کرم و لطف جواب جلد عنایت فرمائیں،

الجواب باسم ملہم الضوایب

صبح صادق کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز نہیں، دو رکعت سنت مؤکدہ کے سوا ہر قسم کے نوافل مکروہ ہیں، اوقات مکروہہ میں مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہنے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے۔ نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن القہستانی در رکعتان ادا رہی وھی افضل لتحیۃ المسجد الا اذا دخل فیہ بعد الفجر او العصر فانه یستحب ویجوز ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانه حینئذ یؤدی حق المسجد کما اذا دخل للمکتوبۃ فانه غیر مأثور بہا حینئذ کما فی الترمذی ۱۰۸۰ (رد المحتار، ص ۴۳۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

تحیۃ الوضوء و تحیۃ المسجد کی تفصیل:

سوال: جب مسجد میں داخل ہوں اور وضو بھی مسجد کے وضو خانہ میں کریں تو پہلے تحیۃ الوضوء پڑھیں یا پہلے تحیۃ المسجد جبکہ دونوں ادا کرنا ہو؟ بینوا تجروا،

الجواب باسم ملہم الضوایب

مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت پڑھ لے تو وہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد دونوں کے قائم مقام ہو جائیں گی، بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی بھی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا، اسی طرح وضو کی تری خشک ہونے سے قبل کوئی بھی نماز پڑھ لے تو تحیۃ الوضوء ادا ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ

سوال متعلق بالالا:

سوال: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسجد میں دخول کے بعد فرض نماز پڑھے تو یہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی، ایک عالم فرماتے ہیں کہ اس نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرے تو تحیۃ المسجد کا ثواب ملے گا، ورنہ نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مفصل کلام کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ طلب تعظیم مسجد تو بڑی نیت بھی ساقط ہو جائے گی، البتہ ثواب نیت پر موقوف ہے، لیکن بندہ کے خیال میں رائج یہ ہے کہ تعظیم مسجد کی نیت کرے، سنت تحیۃ المسجد کی نیت نہ کرے، اس لئے کہ اس صورت میں صحت نماز میں اختلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
یوم العرۃ سنہ ۱۲۰۲ھ

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضا خشک ہونے سے قبل ہے:

سوال: گھر سے وضو کر کے مسجد کو جائے تو مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ جب وضو کے اعضا خشک ہو جائیں تو تحیۃ الوضوء نہیں پڑھ سکتا، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضا خشک ہونے سے قبل ہے، قال فی شرح التنویر وندب
رکعتان بعد الوضوء یعنی قبل الجفاف کما فی الشرنبلالیۃ عن المواہب (۶۳۹ ص ۱۳۹)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۵ محرم ۱۴۰۵ھ

بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید مسجد میں جا کر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ جماعت کا وقت قریب ہے، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی کچھ وقت ہے، اس لئے دو رکعت نفل پڑھ لئے تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، مگر بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتا، اس لئے بیٹھنے کے بعد اگر جلد ہی جماعت قائم ہو گئی تو یہ فرض تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیں گے اور اگر جماعت میں تاخیر ہو تو اٹھ کر تحیۃ المسجد ادا کر لے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۳ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

تختہ المسجد وقتی نمازوں کے ساتھ مخصوص نہیں:

سوال: کیا تختہ المسجد صرف اس وقت مسنون ہے جب پنجوقتہ نماز کے لئے مسجد میں جائے یا جب بھی اور جس کام کے لئے بھی مسجد میں جانا ہو ہر حال میں تختہ المسجد پڑھے؟ بینوا قوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اوقات مکروہہ کے سوا جب بھی مسجد میں داخل ہو تختہ المسجد مسنون ہے، وقتی نمازوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ پنجوقتہ نماز کے لئے تو مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل یا بیٹھنے کے بعد جلد ہی اگر وقتی و نذر یا سنت شروع کر دیں تو یہ نماز تختہ المسجد کے قائم مقام ہو گئی، مستقل تختہ المسجد کا حکم صرف اسی صورت میں ہے جب بلا نیت نماز مسجد میں داخل ہو البتہ اگر نیت نماز داخل ہوا مگر جماعت میں تاخیر ہے اور سنتیں وغیرہ بھی جلد پڑھنے کا قصد نہیں تو تختہ المسجد مستقل پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رزی الحجہ ۹۹ھ

دن میں ایک بار تختہ المسجد سنت مؤکدہ ہے:

سوال: اگر کسی کام سے بار بار مسجد میں جانا پڑے تو کیا ہر بار تختہ المسجد مسنون ہے، بینوا قوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دن میں ایک بار تختہ المسجد پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، خواہ پہلی مرتبہ دخول میں پڑھے، یا آخری مرتبہ، اگر اسی روز اس مسجد میں کوئی نماز پڑھ لی تو تختہ المسجد کی سنت ادا ہو گئی، قال فی التوسیر ولسن تعیۃ المسجد، و فی الشامیۃ کتب الشارح فی ہامش الخزائن ان ہذا رد علی صاحب الخلاصۃ حیث ذکر انہا مستحبۃ، و فی العلائق و تکفیه لکل یوم مرقۃ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای اذا تکرر دخولہ لعذر و ظاہر اطلاقہ انہ مخیر بین ان یؤدیہا فی اول المرات او اخرها ط (رد المحتار، ص ۶۳۶، ۱۲۶)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رزی الحجہ ۹۹ھ

تختہ المسجد کے قائم مقام تسبیحات:

سوال: زید ضروری کام سے مسجد میں جاتا ہے، اتنی فرصت نہیں کہ وضو کر کے تختہ المسجد ادا کرے تو کیا کچھ ذکر کر لینے سے تختہ المسجد کا ثواب مل جائے گا؟

بینوا قوجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بالکل محروم ٹوٹنے کی بجائے کچھ تو کر ہی لینا چاہیے، خواہ چند بار سبحان اللہ والحمد للہ
ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہی کہہ لے، نقل فی الشامیۃ عن الضیاء وقال بعضهم
من دخل المسجد ولم يتمكن من تحية المسجد اما لحدث او لشغل او نحوه يستحب
له ان يقول سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر، قاله ابو طالمی
فی قوت القلوب اھ وقد منانحوہ عن الفہستانی (رد المحتار، ص ۶۳۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۳ ذی الحجہ ۹۹ھ

چار رکعت نفل نماز تیسری رکعت پر توڑ دی:

سوال :- اگر کوئی شخص چار رکعت نفل شروع کر کے بعد میں تیسری یا چوتھی رکعت پر
نماز توڑ دے تو کیا چاروں رکعت کی قضاء ہے یا صرف دو کی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چاروں رکعات کی قضاء واجب ہے، شفع ثانی افساد کی وجہ سے اور شفع اول ترک سلام کے
جبر نقصان کے لئے، قال فی الدر وقضی رکعتین لو نوى اربعاً غیر مؤکدة علی اختیار
الجلبی وغیرہ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثاني ای وتشهد للاول والا یفسد
الكل اتفاقاً والاصل ان كل شفع صلوة، وفي الشامیۃ (رقولہ او الثاني) ای وکذا
یقضی رکعتین لو اتم الشفع الاول بعد تہ ثم شرع فی الثاني فنقضه فی خلاله
قبل القعدة فیقضى الثاني فقط لتسام الاول لكن ینبغی وجوب إعادة الاول لتروک
واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سهو كما هو الحكم فی كل صلوة اذیت مع ترک
واجب ولا یخالف ذلك کلامهم هنا لان کلامهم فی لزوم القضاء وعدمه بناء
على الفساد وعدمه والاعادة هی فعل ما اذی صحیحاً مع الکراهة مرة ثانية
بلا کراهة (رد المحتار، ص ۶۳۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ

قبلہ سنتیں چھوٹ گئیں تو بعد یہ کے بعد پڑھے:

سوال :- قبل اظہر چار سنتیں اگر چھوٹ جائیں تو ان کو بعد الفرض جو دو رکعت سنت
ہیں ان کے بعد ادا کرنا چاہیے یا کہ ان سے قبل؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اب جبکہ اپنی جگہ سے

ہٹ گئی ہیں تو ان کی حیثیت کیا ہوگی؟ سنت مؤکدہ کی یا کہ نفل کی؟ اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ اب یہ ادا سمجھی جائیں گی یا قضاء؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد فرض پہلے دو رکعت سنت پڑھے، پھر پہلی چار رکعت کی قضاء کرے، اپنے اصل مقام سے ہٹ جانے کے باوجود وقت کے اندر ان کی قضاء سنت مؤکدہ ہے، قال فی الدر بخلاف سنة الظهر وكذا الجمعة فانه ان خاف فوت ركعة يتركها ويقتدي ثم يأتي بها على انها سنة في وقته أي الظهر قبل شفعه عند محمد رحمه الله تعالى و به يفتي جوهرة وفي الشامية (قوله وبه يفتي) اقول وعليه المتون لكن رجم في الفتح تقدماً الركعتين قال في الامداد وفي فتاوى العتبات انه المختار وفي مبسوط شيخ الاسلام انه الاصح لحدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فاتته الاربع قبل الظهر یصلیہن بعد الركعتین وهو قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا فی جامع قاضی خان ام (رد المحتار ص ۱۳۶، ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رجب ۱۲۸۹ھ

جمعہ کی قبلہ سنتیں رہ گئیں تو کس وقت پڑھے؟

سوال :- قبل الجمعہ والی چار رکعت سنتیں اگر خطبہ سے پہلے نہ پڑھ سکا تو فرض کے بعد پہلے ان کی قضاء پڑھے یا کہ جمعہ کے بعد والی چار سنتیں پہلے پڑھے پھر پہلی سنتیں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت اور نفل نماز کی نیت میں تعیین وقت کی ضرورت نہیں، اس لئے فرض کے بعد مطلقاً آٹھ رکعات پڑھ لینا کافی ہے، قبلہ و بعدیہ کی تعیین کی حاجت نہیں، اگر تعیین کرنا ہی چاہے تو پہلے بعدیہ کی نیت کرے پھر قبلہ کی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ رجب ۱۲۸۹ھ

نماز جمعہ کے بعد تعداد رکعات :

سوال :- بعد از فرض جمعہ جو چھ رکعتیں سنت کی پڑھی جاتی ہیں ان کے بارے میں بعض علماء اس بات پر مصر ہیں کہ پچھلی دو رکعت مستحب ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ از حوالہ کتب حنفیہ روشنی ڈالیں، مزید برائیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد از نماز جمعہ

چھ رکعات سنتیں پڑھی ہیں یا کہ چار؟ بینوا تو جبراً،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز جمعہ کے بعد مرفوع حدیث میں چار رکعات مذکور ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھ مروی ہیں، لہذا چھ پڑھنا افضل ہے، پہلے چار مؤکدہ پھر دو غیر مؤکدہ، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ و سن مؤکداً أربع قبل الظهر وأربع قبل الجمعة وأربع بعدھا بتسلیمة (رد المحتار، ص ۱۳۶۳۰) وقال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ والدلیل علی استئنا الأربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً اذا صلی احدکم الجمعة فلیصل بعدھا أربعاً فی رواية اذا صلیتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً ذکر فی البدائع انه ظاهر الروایة وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انه ینبغی ان یصلی أربعاً ثم رکعتین و ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یدکث فی المسجد الجامع مقدراً ما یصلی أربعاً وستاً ثم، فی الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشایخنا علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی منیۃ ثم یصلی والا فضل عندنا ان یصلی أربعاً ثم رکعتین وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحة الخالق قال فی الذخیرۃ وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه یصلی ستاً رکعتین ثم أربعاً عنہ رواية اخرى انه یصلی بعدھا ستاً أربعاً ثم رکعتین وبہ أخذ ابو یوسف والطحاوی وکثیر من المشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ وعلی هذا قال شمس الائمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصل ان یصلی أربعاً ثم رکعتین فقد اشار الی انه منخیر بین تقدیم الأربع و بین تقدیم المثنی ولكن الا فضل تقدیم الأربع کیلا یصیر متطوعاً بعد الفرض مثلہا ام بالبحر الرائق، ص ۲۹ ج ۲) وقال الحلبي رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ السنة بعد الجمعة ست رکعات وهو مروی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا فضل ان یصلی أربعاً ثم رکعتین للخروج عن الخلاف (غنیۃ ص ۳، ۴) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ

نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: مسجد کے اندر فرض ادا کر کے مدرسہ کے صحن میں جو مسجد سے ملحق ہے سنن

نوافل ادا کرنے میں مسجد سے زیادہ ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نوافل و سنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے، بشرطیکہ راستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو، اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں محفل ہو تو مسجد افضل ہے، قال فی شرح التنویر والافضل فی النفل غیر البتراء یح المنزل الا لخوف شغل عنہا والاصح افضلیۃ ماکان اخشع واخلص و فی الشامیۃ (رقولہ والافضل فی النفل الخ) شمل ما بعد الفریضۃ وما قبلہما الحدیث المصححین علیکم بالصلوۃ فی بیوتکم فان خیر صلوۃ المرء فی بیئہ الا المكتوبۃ واخرج ابوداؤد وصلوۃ المرء فی بیئہ افضل من صلوۃ فی مسجدی ہذا الا المكتوبۃ وتما فی شرح المنیۃ و حیث کان ہذا افضل یراعی ما لم یلزم منہ خوف شغل عنہا لو ذهب لبیئہ او کان فی بیئہ ما یشغل بالہ ویقلل خشوعہ فیصلیہا حیث عن فی المسجد لان اعتبار الخشوع ارجح (رد المحتار ص ۸۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب ۱۲۸۹ھ

سنن جمعہ کی نیت:

سوال :- جمعہ سے قبل اور بعد والی سنتیں جمعہ کی کہلاتیں گی یا ظہر کی، زید عالم کہتا ہے کہ یہ ظہر کی ہیں، جمعہ کے صرت دو فرض ہیں، شرعاً زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جمعہ اور ظہر کی علیحدہ مستقل سنتیں مذکور ہیں، قال فی العلائیۃ و سن مؤکد اربع قبل الظہر واربع قبل الجمعة واربع بعد ہا بتسلیمۃ (رد المحتار ص ۱۳۰ ج ۱) البتہ ان کی نیت میں ظہر یا جمعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں، سب سنتوں اور نفلوں کا یہی قاعدہ ہے کہ اُن میں وقت کی نیت ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اپنے ذمہ بطور حرامانہ نفل واجب کرنا:

سوال :- بکرنے اپنے اوپر بطور حرامانہ کہا کہ اگر فلاں کام کروں تو بطور حرامانہ تنور کعت نفل پڑھوں گا اور بکر کا خیال تھا کہ یہ سور کعت پڑھنا واجب ہو جائے گا، کیا بکر کے اس خیال کی سور کعت واجب ہو گئیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر ایسا لفظ جس سے اپنے اوپر ایجاب والزام ثابت ہوتا ہو اس سے نذر منعقد ہو جاتی ہے،

اور اس کا ایفاد واجب ہو جاتا ہے، لفظ بطور جرمانہ اسی قسم کا ہے، جرمانہ کا واجب الاداء ہونا ظاہر ہے، اس لئے تشریعت نفل ادا کرنا واجب ہو گیا، خواہ وجوب کا خیال ہو یا نہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ذی قعدہ ۱۴۹۱ھ

تکبیر قنوت واجب نہیں:

سوال: کیا وتر میں دعا، قنوت پڑھنا واجب ہے یا صرف تکبیر واجب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں تکبیر کے بعد کوئی دعا پڑھنا واجب ہے، اور معروف دعا، سنت ہے، قنوت قبل تکبیر واجب نہیں بلکہ سنت ہے، فی واجبات الثلاثیہ وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء وکذا تکبیر قنوتہ، وفي الشامیہ (قوله وهو مطلق الدعاء) ای القنوت الواجب یحصل بآئی دعاء کان، قال فی النہر واما خصوص اللہم انا نستعینک فسنة فقط حتی لو اتی بغيره جاز اجماعاً وقوله وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السہو ومما الحق به ای بالقنوت تکبیرہ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ و ذکر فی الظہیریۃ انه لو ترکہ لا رواۃ فیہ وقیل یجب السجود اعتباراً بتکبیراً العید وقیل لا اہم وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانه الاصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیراً العید اہم (رحمہم اللہ ص ۲۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرہ ۱۴۹۲ھ

تکبیر قنوت میں رفع یدین کا ثبوت:

سوال: نماز وتر میں آخری رکعت میں جو رفع یدین کرتے ہیں اس کے متعلق بھی

تحریر فرمائیں کہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عمر و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے، اور غیر مدرك بالقیاس ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث مرفوع ہے، علاوہ ازیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حقیقہ مرفوع حدیث بھی مروی ہے، عن الاسود عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه کان یقرأ فی اخر رکعة من الوتر قل هو اللہ احد ثم یرفع یدین فیقنت قبل الركعة رواہ

الامام البخاری فی جزء رفع الیدین وقال صحیح (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۶) عن ابی عثمان
 كان عمر رضی اللہ تعالیٰ یرفع یدیه فی القنوت اخرجہ البخاری ایضاً فی الجزء المذكور
 وصححه وعنه ایضاً باسناد صحیح قال کنا وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنه یؤم الناس ثم
 یقنت بنا عند الركوع یرفع یدیه حتی یسد کفاه ویخرج ضبعیه اخرجہ البخاری ایضاً
 فی الجزء المذكور (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۶)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اُرِیتُم قیامکم عند فراغ الامام من السورۃ
 ہذا القنوت واللہ انہ لبدعة ما فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر شہر ثم
 ترکہ، اُرِیتُم رفعکم ایدیکم فی الصلوة واللہ انہ لبدعة ما زاد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم علی ہذا قط فرفع یدیه حیال منکبیه رواہ الطبرانی فی الکبیر وفيہ بشر
 ابن حرب ضعفہ احمد وابن معین وابوزرعة وابوحاتم والنسائی وثقہ ابو یوسف ابن عکرم
 (مجمع الزوائد) قلت فالحدیث حسن (اعلاء السنن ص ۵۴ ج ۶)

آخری حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قنوت میں دعا کی طرح اطالہ رفع یدین نہیں، قال فی
 الاعلاء واما قوله اُرِیتُم رفعکم ایدیکم فی الصلوة واللہ انہ لبدعة ففيہ دلیل
 علی کراهة اطالہ رفع الیدین فی القنوت کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوة وليس
 معناه ان مطلق رفع الیدین للقنوت بدعة لان قوله ما زاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم علی ہذا قط فرفع یدیه حیال منکبیه یفید سنیۃ رفعہما لہ فی الجملة ولا بد
 من التغایر فی الرفع الذی جعلہ بدعة والذی اثبتہ فالظاهر انہ کراهہ اطالہ رفعہما
 کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوة واثبت رفعہما حیال المنکبین سنة لیس
 هو الا الرفع القصیر الذی یکون قبل القنوت فان الرفع الطویل فی الدعاء
 لا یکون بحیال المنکبین بل انما ہو بحداء الوجه او الصدر کما مر فی بابہ ہذا
 وقد تقدم ان نفس رفع الیدین للقنوت ثابت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی النحر
 وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الوتر فیبعد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما جعلہ بدعة فالظاهر انہ اراد ما قلنا ان اطالہ الرفع بدعة والحدیث یفید بمفہومہ
 ثبوت رفع الیدین للقنوت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعاً واللہ تعالیٰ اعلم
 (اعلاء السنن ص ۵۸ ج ۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 ۱۵/ رجب ۱۴۲۲ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں رد و دعا اور تیسری رکعت میں ثنا پڑھنا اولیٰ ہے؛
سوال :- سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کی چار رکعات کی نیت باندھی تو کیا دو رکعت پر
بیٹھ کر رد و شریف اور دعا بھی پڑھے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر رد و شریف اور دعا پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع
میں ثنا پڑھنا افضل ہے، سنن مؤکدہ میں رد و شریف نہ پڑھے، اگر سہواً پڑھ لیا تو سجدہ سہواً جب
ہوگا، البتہ جمعہ کے بعد کی سنتوں کے قعدہ اولیٰ میں رد و شریف پڑھنا جائز ہے، اس سے سجدہ سہو
نہیں، اس لئے کہ یہ چار رکعات اگرچہ مؤکدہ ہیں، مگر چاروں کو ایک سلام سے پڑھنا مؤکدہ نہیں،
قال فی شرح التنویر ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدة الاولى فی
الاربع قبل الظهر والجمعة وبعد ہا ولو صلی ناسیا فعلیہ السہو وقیل لا، شمنی
ولا یستفتح اذا قام الی الثالثة منها لانہا التا کدھا اشبهت الفریضة وفی البواقی
من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویعوذ ولونذرا
لان کل شفیع صلوة وقیل لا یأتی فی الكل وصححه فی القنیة، وفی الشامیة رقلہ ولا
یصلی الخ) اقول قال فی البحر فی باب صفة الصلوة ان ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر
لما صرحوا بہ من انه لا تبطل شفعة الشفیح بالانتقال الی الشفع الثانی منها ولو
افسدھا قضی اربعاً والاربع قبل الجمعة بمنزلتها واما الاربع بعد الجمعة فغیر
فانہا کغیرھا من السنن فاتہم لم یثبتوا لھا تلك الاحکام المذکورة ام ومثله فی
الحلیة وھذا مؤید لما بحثہ الشر نیلا لی من جوازھا بتسلیمتین لعذر رقلہ
وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاهر الاول زاد فی المنح ومن ثم عولنا
علیہ وحکینا ما فی القنیة بقیل، (رح المحتار ص ۶۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۸ ذیقعدہ ۹۶ھ

سنن و فرائض کے درمیان فصل:

سوال :- اگر کوئی شخص ظہر کی سنن قبلہ پڑھ کر مسجد گیا، اور جماعت میں تاخیر ہو،
تو کیا تحیۃ المسجد یا دوسرے نوافل پڑھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

عہ جمعہ کی سنن بعدیہ کا حکم بھی قبلہ کی طرح ہی ہے، تفصیل تتمہ میں ہے ۱۲

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن قبلیہ اور فرائض کے درمیان نوافل پڑھ سکتا ہے، البتہ سنن و فرائض کے درمیان بلاغذ کوئی ایسا کام کرنا جو تحریمہ کے خلاف ہو منقص ثواب ہی، بعض نے مسقط سنن کہا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، سنن بعدیہ کا بھی یہی حکم ہے والتفصیل فی العلائق والشامیۃ ص ۶۳۶ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الاول ۱۴۹۷ھ

صلوۃ التسبیح میں دوسری اور چوتھی رکعت کی طرف قیام کے وقت تکبیر نہ کہے:

سوال :- صلوۃ التسبیح میں پہلی اور تیسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد اللہ اکبر کہہ کر بیٹھے گا اور تسبیحات پڑھے گا اس کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اُس وقت تکبیر ثابت نہیں، نیز سجدہ اور قیام کے درمیان جلو س شرعاً غیر معتبر ہے، کجلستہ الاستراحة، لہذا سجدہ سے قیام تک انتقال حکماً واحد ہے، اس لئے حسب قاعدہ ایک انتقال کے لئے ایک ہی تکبیر ہوگی، تکرار تکبیر مشروع نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رمضان ۱۴۹۸ھ

صلوۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنا مستنون ہے:

سوال :- ایک عالم فرماتے ہیں کہ صلوۃ التسبیح میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر جب تسبیحات پڑھتے ہیں اس حالت میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر طویل قیام میں وضع الیدین مستنون ہے، اس کلیہ کے تحت صلوۃ التسبیح کے قومہ میں بھی ہاتھ باندھنا مستنون ہوگا، قال العلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لایسن (الوضع) فی قیام بین رکوع وسجود لعدم القیام ولابین تکبیرات العید لعدم الذکر والمرتبط لقیام فیضع سراجیۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقوله لعدم القیام لیس علی اطلاقہ لقولہم ان مصلی النافلۃ ولو سنة یسن لہ ان یأقی بعد التحمید بالادعیۃ الواردة نحو ملء السموات والارض الخ واللہم اغفر لی وارحمنی بین

السجدتين، فهو، ومقتضاه انه يعتمد بيديه في النافلة ولم أر من صرح به تأمل
لكنه مقتضى اطلاق الاصلين المارين ومقتضاه انه يعتمد ايضاً في صلوة التسابيح
ثم رأيت ذكره ط، والرحمى الساعى بخار قوله ما لم يطل القيام فيضع، اى فان طال
لكثرة القوم فانه يضع رء المختار ص ۲۵۵ ج ۱، وقال الطحطاوى رحمه الله تعالى
وظاهره نعم اى قيام طال وعليه فيضغ في قيام صلوة التسابيح الذى بين الركوع
والسجود (طحطاوى على الدرر ص ۲۱۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۲۸ رجب ۱۲۸۹ھ

نفل پڑھتے ہوئے صبح ہو گئی:

سوال ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نوافل پڑھتے ہوئے درمیان میں فجر
طلوع ہو گئی تو نفل صحیح ہوتے کہ نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد طلوع فجر سوائے سنت فجر کے نفل اور واجب غیرہ مکروہ ہے، البتہ نفل پڑھتے ہوئے
فجر ہو گئی تو یہ نفل صحیح ہیں، اور ان کا اتمام افضل ہے، قال فی الشامیة (قوله قصد) احتز
به عما لو صلى تطوعاً في آخر الليل فليتما صلي ركعة طلع الفجر فان الافضل اتمامها
لان وقوعه في التطوع بعد الفجر لا عن قصد ولا ينوبان عن سنة الفجر على الاصح،
(رد المختار ص ۳۷۸ ج ۱) فقط والله تعالى اعلم،

۲ شعبان ۱۲۸۹ھ

مکروہ وقت میں شروع کئے ہوئے نفل کا حکم:

سوال ۲۔ کسی نے مکروہ وقت میں نفل شروع کر دیئے، بعد میں تنبتہ ہوا، تو کیا یہ نفل
پورے کر لے یا کہ نماز توڑ ڈالے؟ اگر نماز توڑ دی تو ان نوافل کی قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟
اور اگر اسی وقت میں نماز پوری کر لی تو بھی دوسرے وقت میں قضاء واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ وقت میں نفل شروع کرنے سے واجب ہو گئے، مگر اس وقت ان کا نقص واجب
ہے، دوسرے وقت میں قضاء پڑھے، اگر اس وقت نماز نہ توڑی بلکہ پوری کر لی تو گناہ ہوگا،
مگر واجب ادا ہو گیا، قضاء لازم نہیں، قال فی التتویر ولزم نفل شرع فيه قصد ولو
عند غروب وطلوع واستواء فان افسده حرم الابعن وروجب قضائه وقال

ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله الأبعد) استثناء من قوله حرم ای انه عند
العذر لا یحرم افسادہ بل قد یباح ویستحب ویجب کما قد مر فی آخر مکروہات
الصلوة ومن العذر اذا کان شروع فی وقت مکروہ ففی البدایع الا فضل عندنا ان
یقطعہا وان اتم فقد اساء ولا قضاء علیہ لانه اداها کما وجبت فاذا قطعہا
لزمہ القضاء قال فی البحر وینبغی ان یکون القطع واجبا خروجا عن المکروہ تحریمیا
ولیس بابطال للعمل لانه ابطال لیؤدیہ علی وجه اکمل فلا یعد ابطالا رجح المختار ص ۶۲۶
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ محرم ۱۲۹۸ھ

دو تین افراد نے نفل کی جماعت شروع کی بعد میں زیادہ شریک ہو گئے؛
سوال :- ایک یا دو آدمی امام کے ساتھ نوافل کی جماعت میں شریک تھے، مگر بعد میں کچھ اور
لوگ بھی شریک ہو گئے تو یہ جماعت مکروہ ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مقتدی شروع میں تھے ان پر کوئی کراہت نہیں، بعد میں مجموعہ چار مقتدیوں سے زائد
جو لوگ شریک ہوئے ان پر کراہت ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لو اقتدی
بہ واحد او اثنان ثم جاءت جماعة اقتدوا به قال الرحمتی ینبغی ان تكون
الکراهة علی المتأخرین ام (رجح المختار، ص ۶۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال ۱۲۹۸ھ

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں؛

سوال :- کیا نماز تہجد کے لئے بعد نماز عشاء سونا شرط ہے، اگر کوئی شخص تمام رات جاگتا
ہے، یا رات کا کافی حصہ جاگتا ہے، جیسا کہ عام طور پر طالب علم رات کو دیر تک پڑھتے ہیں، اگر وہ
رات کے اخیر حصہ میں نماز پڑھے تو کیا یہ تہجد نہیں کہلائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں، ویسے بھی تہجد کی نماز ہو جائے گی،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم ۱۲۹۹ھ

رکعاتِ تریں شک کی صورت میں قنوت مکرر پڑھے:

سوال :- عمر کو دو تریں شک واقع ہو گیا کہ یہ دوسری رکعت ہو یا تیسری، اس لئے اس میں بھی قنوت پڑھ لی اور بیٹھ گیا، اس کے بعد پھر ایک اور رکعت کو بھی ملا لیا اور اس میں بھی قنوت پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز صحیح ہو گئی، تکرار قنوت صحیح ہے، قال فی العلائق قنت فی اولی الوتر او ثانیۃ سہواً لم یقنت فی ثالثہ اما لو شک انه فی ثانیۃ او ثالثہ کررہ مع القعود فی الاصح والفرق ان الساہی قنت علی انه موضع القنوت فلا یتکرر بخلاف الشاک ورجح الحلبي تکرارہ لہما، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بقولہ ورجح الحلبي تکرارہ لہما، حیث قال الا ان هذا الفرق غیر مفید اذ لا عبرۃ بالظن الذی ظہر خطؤہ واذا کان الشاک یعید لاحتمال ان الواجب لم یقع فی موضعه فکیف لا یعید الساہی بعد ما یتقن ذلک وقد صرح فی الخلاصۃ عن الصدر والشہید بان الساہی یقنت ثانیاً فان کان ما مژروایۃ فہی غیر موافقۃ للدرایۃ ام قلت وکن ارجحہ فی الحلۃ والبحر بنحو ما مژر رد المحتار ص ۱۲۸ ج ۱ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ محرم ۱۲۹۹ھ

نماز اشراق کا ثبوت:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ نماز اشراق اور چاشت دو نوں ایک ہی نماز کے نام ہیں، یا الگ الگ ہیں؟ عام کتب فقہ میں صلوٰۃ الضحیٰ کا ذکر ہے، مگر اشراق کی نماز کا کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ملتا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اشراق وچاشت الگ نمازیں ہیں، ہر ایک کا ثبوت احادیث میں موجود ہے، اللکوب الدرر میں ہے: قوله باب ما جاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، وقت الضحیٰ من وقت ارتفاع الشمس الی الزوال وهو نصفان، الضحوة الکبریٰ والضحوة الصغریٰ، فالاولی الاخر منه والثانیۃ الاول منه واكثر اطلاق الضحیٰ علی الاول، والغرض من وضع الباب الرد علی من لم یرہ ثابتاً بالسنة وقال ان صلوٰۃ الضحیٰ بدعة لکن لا اختلاف فی صلوٰۃ الضحوة الصغریٰ

التي نسميها صلوة الاشراق بل الاختلاف في الاخرى (الكوكب الدرر ص ۱۹۲ ج ۱)
 لامح الدرر میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ہے، کتب فقہ میں سے بھی حاشیہ الطحاوی علی الدرر
 میں نماز اشراق کا ذکر موجود ہے؛ ونصہ (قوله وندب اربعاً) هو المعتمد وقيل لا تندب
 ومن شمراتها انها تقوم مقام صلوة الليل وقورث الغنى والبركة في الرزق ويؤدي
 بها صدقات مفاصل الانسان المأمور بها في حديث كل سلامي من الناس عليه
 صدقة والمستحب ان يقرأ في الاولى والشمس وضحاها وفي الثانية والضحى كما
 ورد في الحديث وهي غير صلوة الاشراق وهي ركعتان كما ورد في بعض
 الآثار وطحاوی علی العلائیة ص ۱۸۰ ج ۱ فقط والله تعالى اعلم،

۱۰ ربيع الاول ۹۹ھ

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے دو رکعت واجب ہوئیں:

سوال :- اگر کسی شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھی، پھر دو رکعت پر سلام
 پھیر دیا، باقی دو رکعت اس کے ذمہ واجب ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے صرف دو رکعت واجب ہوتی ہیں، اس لئے دو رکعت پر
 سلام پھیرنا جائز ہے، باقی دو رکعت اس پر واجب نہیں، فقط والله تعالى اعلم

۱۱ رجب ۹۹ھ

دُعَاء قنوت کا حوالہ:

سوال ۱- دعاء قنوت مرتج عند الاحناف فی الوتر کا ثبوت سند کے ساتھ بحوالہ درکار، بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

المدونة الكبرى ص ۱۰۰ ج ۱، الاعتبار للعاظمی معنی یا الی مراسیل الی داود؛
 اعلام السنن ص ۶۸ ج ۴، طحاوی ص ۱۲۲ ج ۱، فقط والله تعالى اعلم،

۱۶ رجب ۹۹ھ

نفل میں سجدہ سہونہ کیا تو اعادہ واجب ہے:

سوال :- نفل نماز میں سجدہ سہو واجب تھا، اور بھول کر نہ کیا، دوسرے وقت میں یاد آیا
 تو ان نفلوں کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ نفل کی قضاء تو نہیں ہے، مگر جب شروع

کر دی جائے تو پھر اس کا پورا کرنا واجب ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ نفل واجب الاعادہ ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رجب ۱۲۸۹ھ

وتر کا فدیہ بھی واجب ہے؛

سوال :- کیا وتر کا بھی فدیہ دیا جائے، جبکہ مرحومہ نے فرض نمازوں کا فدیہ دینے کی

وصیت کی ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر کا بھی فدیہ واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رزی الحجہ ۱۲۹۹ھ

قنوت کے بعد درود پڑھنا افضل ہے؛

سوال :- وتر کی نماز میں قنوت کے بعد درود پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ فتاویٰ ہندیہ ص ۱۱

الباب الثامن فی صلوۃ الوتر میں تحریر فرماتے ہیں، ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القنوت

وہو اختیار مشایخنا کن فی الظہیریۃ، در مختار اور شرح طحاوی نے قنوت میں درود پڑھنے کو ترجیح

دی ہے، اور لکھا ہے کہ قنوت کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے، قول راجح تحریر فرمائیں، انشاء اللہ

عند اللہ ماجور ہوں گے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قول استحب راجح اور مفتی بہ ہر کما صرح بہ فی العلائق، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ محرم ۱۳۱۰ھ

ناپاک کپڑے سے پڑھے ہوئے نوافل کا اعادہ واجب نہیں؛

سوال :- ناپاک کپڑے سے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے

تو فرائض اور واجبات کا اعادہ ہی یا سنن اور نوافل کا بھی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض اور واجبات کا اعادہ ہر صورت فرض اور واجب ہے، سنن مؤکدہ کا اعادہ وقت

کے اندر ضروری ہے، بعد میں نہیں، اور نفل کا اعادہ وقت کے اندر بھی ضروری نہیں، اس لئے کہ

نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہوتے ہیں، اور صورت مستولہ میں نوافل میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

وتر تراویح سے پہلے پڑھ لئے تو ان کا اعادہ واجب نہیں:

سوال :- رویت ہلال کی اطلاع نہ ملنے پر ۲۹ شعبان کے بعد آنے والی رات میں عشاء کی نماز اور وتر حسب معمول پڑھ لئے بعد میں اطلاع ملی کہ رمضان کا چاند ہو گیا، اس لئے تراویح ادا کر لیں، تو کیا ایسی صورت میں وتر مرد و بارہ جماعت کے ساتھ ادا کرے اور عورت بلاجماعت گھر ہی پر پڑھ لے؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں وتر کا اعادہ نہیں، قال فی التنبیہ و وقتہا بعد صلوٰۃ العشاء قبل الوتر و بعدہ (رد المحتار، ص ۶۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ شوال ۱۳۹۸ھ

فرض پر نفل کی بناء مکروہ ہے:

سوال :- زید نے فرض پورے کر کے آخر میں سلام نہیں پھیرا، بلکہ اسی حال میں سنت یا نفل کی نیت سے اور دو رکعت پڑھ کر آخر میں سلام پھیرا، تو اس کی فرض نماز اور سنت یا نفل کی دو رکعت ہو گئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

- فرض پر نفل کی بناء مکروہ ہے، نیز اس میں عمدًا تاخیر سلام کی وجہ سے فرض واجب الاعداء ہے، نفل کی دو رکعتیں ہو گئیں، مگر سنت مؤکدہ ادا نہیں ہوئی، لانہا شرعت بتحریم مبدئۃ، قال فی الشامیۃ ان بناء النفل علی النفل یصدۃ صلوٰۃ واحدۃ بخلاف بناء النفل علی الفرض و لکن اکان البناء فیہ مکروہا لان النفل صلوٰۃ اخری غیر الفرض (و بعد سطر) لما بنی النفل عمدًا صار مؤخرًا للسلام عن محلہ عمدًا و العمد لا یجبرہ سجود السہو بل تلزمہ الاعادۃ (رد المحتار، ص ۶۹۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ

فرض اور سنت کے درمیان تبلیغ کرنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں :-

ہماری مسجد میں یہ دستور ہے کہ روزانہ بعد ادا کے فرض ظہر فوراً پیش امام صاحب ایک حدیث شریف ریاض الصالحین سے پڑھ کر سُناتے ہیں مع مختصر تشریح کے بقدر پانچ منٹ جیسا کہ اگر کوئی شخص ان تمام ادعیہ مآثورہ کو جو کہ احادیث سے ثابت ہیں، بعد فرضوں کے پڑھے درمیان فرض و سنت تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا یا جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے معمول کے اور ادو و وظائف درمیان فرض و سنت پڑھتا ہے تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا، تو ہم لوگ (مجلس منتظمہ ہذا) بجائے ادعیہ مآثورہ و اوراد مخصوصہ کے پانچ منٹ درمیان فرض و سنت برائے تبلیغ دین متین اور نفع عوام مسلمین صرف کرتے ہیں کہ بعد سنت و نفل کوئی ٹھیرا نہیں ہے، تو بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ طریقہ ناجائز ہے بسبب تاخیر سنت کے، اور جو لوگ اس درس میں شرکت نہیں کرتے ہیں اُن کی نماز میں خلل پڑتا ہے، جبکہ عند المصلّین تلاوت بالجہر کی اجازت نہیں فہذا الدرس اولیٰ ان یتروک بعد الفرض،

جناب والا سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہم اس تبلیغ بعد الفرض و قبل السنّت کو جاری رکھیں یا موقوف کر دیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اوراد و تسبیحات مآثورہ کا وقت سنتوں کے بعد ہے، فرائض کے بعد بہت مختصر دعائیں مآثورہ یا نیز اس وقت ادعیہ مآثورہ کی بجائے کوئی دوسرا عمل احداث فی الدین ہے، علاوہ ازیں فرائض کے بعد متصل کتاب سُنانے میں یہ قباحت بھی ہے کہ مسبوقین کی نمازوں میں خلل واقع ہوگا، لہذا تبلیغ کا سلسلہ نماز عصر یا فجر کے بعد ہونا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ رجب ۱۴۰۸ھ



اجعلوا آخر صلواتكم بالليل وترا (رواه البخاری)

اعدل الانظار في الشفاع بعد الایثار

وتریک بعد دو گانه نفل کا حکم



رکعتین بعد الوتر کا حکم :

سوال : جو نوافل و تروں کے بعد پڑھے جاتے ہیں کیا وہ سنت سے ثابت ہیں ؟ اور کیا ان کا بیٹھ کر پڑھنا مسنون اور افضل ہے یا کھڑے ہو کر ؟ اس بارے میں ائمہ کا مذہب کیا ہے اور احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کیا ہے ؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت سی احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ قولیہ و فعلیہ سے یہ ثابت ہے کہ وتر کی نماز کو رات کی تمام نمازوں سے مؤخر کرنا چاہیے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں :

(۱) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل حتی یكون اخر صلوة الوتر قال النوی فی شرحہ فیہ دلیل لما قد مناه من ان السنة جعل اخر صلوة اللیل وتراویہ قال العلماء كافة وسبق تأویل الرکعتین جالساً (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱)

(۲) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترّاً (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱) وخرج السيوطی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما معزياً الى الصحیحین والی داود برمز صحیح اجعلوا اخر صلوتکم باللیل وترّاً (الجامع الصغير ص ۹) وخرج مثله المندادی معزياً الى الشيخین (کنوز الحقائق علی ہامش لجامع الصغير ص ۱ ج ۱)

(۳) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلاً سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوة اللیل فقال مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشیت الصبح صل رکعة توتر صلاتک (طحاوی ص ۱۳ ج ۱)

(۴) روی الامام احمد فی مسندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان اذا سئل عن الوتر قال اما انا فلو اوترت قبل ان انام ثم اردت ان اصلی باللیل شفعت بواحدة ما مضی من وتری ثم صلیت مثنیٰ مثنیٰ فاذا قضیت صلوتی اوترت بواحدة لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا ان نجعل اخر صلوة اللیل الوتر قال فی جمع الزوائد فیہ ابن اسحق وهو مدلس وهو ثقة وبقیة رجالہ رجال الصحیح ھ (نیل الاوطار ص ۵۳ ج ۳) وخرج الطحاوی مثله فی شہام

معانی الآثار (ص ۱۶ ج ۱)

(۵) وفي الصحيح لمسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من صلی من اللیل فلیجعل اخر صلوتہ وترافان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأمر بذلك (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱)

ابن عمر سے یہی روایت صحیح مسلم ہی میں کئی دوسرے طرق اور الفاظ سے بھی مروی ہے من شاء فلیراجع الیہ، وتر کو بالکل آخر میں پڑھنے کی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے طوالت کا خوف مانع ہے، ان کی کثرت کو دیکھ کر تو اتر کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ ان روایات کی صحت، شہرت اور قوت کی بنا پر بعض حضرات حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی مسلک یہ رہا کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا ناقض وتر ہے اور اس صورت میں وتر کا اعادہ واجب ہے چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قال ابو جعفر فذهب قوم الى ان الوقت الذي ينبغي ان يجعل فيه الوتر هو السحر وان لا يتطوع بعدك وان من تطوع بعدك فقد نقضه وعليه ان يعيد وتر آخر ولا يجزئ في ذلك بتأخير رسول الله صلى الله عليه وسلم الوتر الى آخر الليل وبما روى عن جماعة من اصحابه من بعدك انهم كانوا يرون ان من تطوع بعد وتره فقد نقضه (شرح معاني الآثار ص ۱۶۱ ج ۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ نقص وتر کے قائل تھے اگرچہ قوی مسلک یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا ناقض وتر نہیں لیکن اگر تاخیر وتر کے لئے کوئی صریح روایت نہ بھی ہوتی تب بھی اتنے علماء بالخصوص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نقص وتر کے مسلک کو اختیار کرنا تاخیر وتر کی اہمیت اور اس کی شہرت کے اثبات کے لئے کافی وزن رکھتا ہے چہ جائیکہ اس پر روایات صریح بھی موجود ہیں۔

روایات ذیل میں رکعتین بعد الوتر کا ذکر ہے۔ بعض محدثین نے ان پر ”رکعتین بعد الوتر“ کا عنوان قائم کیا ہے۔

① عن ابی سلمة قال سألت عائشة رضي الله تعالى عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كان يصلي ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والاقامة من صلاة الصبح (صحیح مسلم ص ۲۵۲ ج ۱)

وذكر نحوه الامام النسائي في باب اباحة الصلوة بين الوتر وبين ركعتي الفجر

(نسائي ص ۱۸ ج ۱)

② عن ابی سلمة قال حدثتني عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع (ابن ماجه ص ۸۳)

③ وفي حديث طويل عن زهارة رضي الله تعالى عنه ثم يصلي ركعتين بعد ما يسلم (ای)

عن صلوة الوتر (وهو قاعد) (صحیح مسلم ص ۲۵۷ ج ۱)

(۴) عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين وقد روى نحو هذا عن ابي امامة وعائشة وغير واحد عن النبي صلى الله عليه وسلم (ترمذی ص ۹۴)

(۵) عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين خفيفتين وهو جالس (ابن ماجه ص ۸۳)

(۶) وقد عقد الامام ابو جعفر الطحاوی باباً فی التطوع بعد الوتر ذکر فيه اختلاف العلماء واخرج احاديث منها حديث ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنا فی سفر فقال ان هذا السفر جهد وثقل فاذا وتر احدكم فليركع ركعتين فان استيقظ والا كان ناله (شرح معانی الآثار ص ۱۶) او پر حتمی روایات نقل کی گئی ہیں اگرچہ ان سے رکعتیں بعد الوتر پر استدلال کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے ان میں سے حدیث اول کے سوا اور کسی سے بھی استدلال تام نہیں کیونکہ انہیں یہ قوی احتمال موجود ہے کہ یہ دو رکعتیں سنت فجر ہوں۔ اس احتمال کی موجودگی میں ان احادیث سے کعتیں بین الوتر و کعتی الفجر پر استدلال صحیح نہیں لانا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اور حدیث ۷ میں "فاذا وتر" میں "اراد ان یوتر" کی تاویل ہو سکتی ہے، کما فی قولہ تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم الخ تاخیر وتر سے متعلق احادیث کثیرہ مشہورہ کا وجود اس تاویل پر قرینہ قوی ہے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ایسے حضرات کے لئے جو آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی شکایت کرتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد وتر سے قبل تہجد کی ہدایت فرماتے تھے ملاحظہ ہو وعظ کساء النساء اور ملفوظات کمالات اشرفیہ باب اول ص ۲۲ ملفوظات ۱۰۲۰ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ بھی حدیث میں "اذا وتر" کو بمعنی "اراد ان یوتر" قرار دیتے تھے۔ سیٹھکر پڑھنے کی روایات کو وتر علی الدابہ کی طرح قبل التاگد یا سفر وغیرہ کسی عذر پر محمول کیا جاسکتا ہے، البتہ صرف ایک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نمبر اول میں مذکور ہے اس میں سنت فجر مراد لینے کا احتمال نہیں، اس لئے ان نوافل کا ثبوت تو ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کس انداز سے پڑھا ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ جس طرح دوسری نمازوں سے قبل یا بعد آپ نے دیگر نوافل پڑھے ہیں یہ دو نفل اس طرح نہیں پڑھے، علامہ نووی کی تصریح کے مطابق آپ نے یہ نفل صرف دو تین مرتبہ پڑھے ہیں ولم یواظب علیہا بل فعلہ مرة او مرتین او مرات قليلة (مسلم مع نووی ص ۲۵۲ ج ۱)

در اصل یہ نوافل آپ نے وتر کے بعد کبھی کبھار بیانِ جواز کے لئے پڑھے ہیں۔ اگرچہ بہتر اور ولیٰ یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جائیں۔ تاخیر وتر کی روایات، خصوصاً وہ روایات جن میں تاخیر وتر کا امر موجود ہے مثلاً اجعلوا آخر صلاتکم من اللیل و تراویحہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ وتر کو آخر الصلوات بنانا واجب ہے کما هو مقتضی لافراس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے محسنِ عظم صلی اللہ علیہ وسلم نے علیٰ سبق دیکر یہ سمجھا دیا کہ یہاں امر او بویت اور استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔ اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ ”کان یصلی“ کے الفاظ دوامِ عادت یا کم از کم کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے دوام و تکرار پر استدلال صمیم نہیں۔ ونصہ قلت والصلوات ان ھاتین الرکتین فعلھا صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوتر جالساً لبيان جواز الصلوة بعد الوتر و بیان جواز النفل جالساً ولم یواظب علی ذلك بل فعلہ مرة او مرتین او مرات قليلة ولا تغتر بقولھا کان یصلی فان المختار الذی علیہ اکثرہون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لا یلزم منها الدوام ولا التکرار وانما هی فعل ماض یدل علی وقوعہ مرة فان دل دلیل علی التکرار عمل بہ والا فلا یقتضیہ بوضعھا وقد قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحملہ قبل ان یطوف ومعلوم انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحج بعد ان صحبت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا الا حجة واحدة وھی حجة الوداع فاستعملت کان فی مرة واحدة الخ (مسلم ص ۲۵۴ ج ۱)

مذاہب الائمة رحمہم اللہ تعالیٰ :

قاضی عیاض نے امام اوزاعی اور امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی بنا پر بعد الوتر دو رکعت نفل کو مباح قرار دیا ہے لیکن امام احمد کا دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ لا افعلہ ولا امنع عنہ، امام مالک ان نوافل کا انکار فرماتے تھے۔ قال النووی ھذا الحدیث اخذ بظاہرہ الاوزاعی واحمد فیما حکاہ القاضی عنھما فاباحا رکعتین بعد الوتر جالساً وقال احمد لا افعلہ ولا امنع عنہ قال (القاضی) وانکرہ مالک اور خود قاضی عیاض روایات مشہورہ کی بنا پر روایت رکعتین بعد الوتر کا رد فرماتے تھے۔ قال النووی وامامنا اشار الیہ القاضی عیاض من ترجیحہ الاحادیث المشہورة ورد رواية الرکتین جالساً فلیس بصواب الخ (مسلم ص ۲۵۴ ج ۱)

عامہ محدثین اور شراح حدیث نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہی بیان کیا ہے کہ وہ رکعتین بعد الوتر کے جواز کے منکر تھے لیکن فقہ مالکی کی کتاب "الشرح الصغیر" میں علامہ دردی نے دو شرطوں کے ساتھ مالکیہ کا مذہب جواز کا نقل کیا ہے۔ ایک شرط یہ کہ وتر شروع کرنے سے قبل ان نوافل کے پڑھنے کی نیت نہ ہو۔ دوسری یہ کہ ان کو وتر کے بعد متصل نہ پڑھے۔

قال (وجاز) لمن صلى الوتر اول الليل او آخره (نفل بعد) اذا لم يوصله به (الى ان قال) (ان لم ينو) اى النفل (قبل الشروع فيه) (ثم قال بعد اسطر) فالحاصل ان جواز النفل بعد صلوة الوتر مقيد بقيد ين ان لا ينوي قبل شروعه فيه النفل بعده وان لا يوصله به (الشرح الصغیر ص ۱۳۱ ج ۱)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک معلوم نہ ہو سکا، البتہ التعلیق المجدد ص ۱۲۴ میں بحوالہ ابن عبد البر عدم نقض الوتر بالنوافل بعدہ کے مسئلہ میں امام شافعی، امام مالک، اوزاعی، امام احمد، ابو ثور، علقمہ، ابو مجلز، طاؤس اور نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے قریب قریب ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ بیان فرمایا ہے کہ بالخصوص رکعتین بعد الوتر کا کوئی ثبوت نہیں، ویسے وتر کے بعد جتنے نوافل چاہے پڑھ لے۔ اس سے وتر پر کوئی اثر نہ پڑیگا۔ قال امامنا محمد لا نرى ان يشفع الى الوتر بعد الفراغ من صلوة الوتر ولكنه يصلى بعد وتره ما احب ولا ينقص وتره وهو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ (موطال امام محمد ص ۱۲۴)

امام طحاوی التطوع بعد الوتر کا عنوان قائم کر کے عدم نقض الوتر کو ثابت فرما کر آخر میں فرماتے ہیں وهذا القول الذي بينا قول ابی حنیفہ و ابی یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ (شرح معانی الآثار ص ۱۶۶ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مختار بھی یہی ہے کہ وتر کے بعد نوافل نہ پڑھے جائیں، اسی لئے فقہ اور فتاویٰ کی کسی کتاب میں بھی ان نوافل کا کہیں ذکر نہیں یہ امر مقلدین کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے اس لئے کہ مقلد کے لئے قول امام حجت ہے۔ حدیث کی بحث ہم نے محض تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ مقلدین کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ کتب مذہب میں ان

نوافل کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

صنیع المحللین رحمہم اللہ تعالیٰ :

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کا صنیع بھی بعض مرتبہ بہت بڑے اہم مسائل کی عقدہ کشائی کرتا ہے اس لئے مسئلہ مذکورہ اس لحاظ سے بھی قابلِ توجہ ہے۔

رکعتیں بعد الوتر کی روایات صریحہ و محتملہ کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جنہوں نے رکعتیں بعد الوتر کا باب قائم کر کے اس کے تحت یہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جیسے امام ابو جعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں الشطورع بعد الوتر کا عنوان رکھا ہے اور امام نسائی نے باب "ابحۃ الصلوۃ بین الوتر و بین رکعتی الفجر" کا عنوان قائم کیا ہے اور محدثین کے دوسرے گروہ نے نقص الوتر بالنوافل بعدہ یا اور کسی عنوان کے تحت ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے باینہمہ طریق بحث میں اگرچہ ائمہ حدیث مختلف ہیں لیکن مدار بحث میں متفق ہیں۔ چنانچہ کسی نے وتر کے بعد نوافل کی سنیت یا استحباب کو مدار بنا کر بحث نہیں کی بلکہ نقص الوتر بالنوافل بعدہ او عدمہ کو مدار بنا کر بحث کی ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک بھی ان نوافل کی حیثیت صرف جواز اور عدم نقص وتر کی ہے استحباب کا کوئی قائل نہیں۔

جمہور محدثین نے تاخیر وتر کی روایات مشہورہ کے مقابلہ میں رکعتیں بعد الوتر کی روایت کو رد کرنے کی بجائے صورت تطبیق اختیار فرمائی ہے۔ وهو الطريق الاول عند التعارض، چنانچہ تطبیق کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ نوافل بعد الوتر بیان جواز کے لئے پڑھے گئے تھے اور اس کی ضرورت امرنا ان فجعل آخر صلوۃ اللیل الوتر جیسی روایات میں صیغہ امر کی بنا پر پیش آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھلا دیا کہ تاخیر وتر کا امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

(۲) حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر بعض علماء کا خیال ہے کہ جو حضرات سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے بوقت سحر تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے تہوں وہ اول شب میں وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیں، پھر اگر تہجد کے لئے بیدار ہو گئے تو فہا ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کے قائم مقام ہو جائیگی مگر اس تطبیق میں اول اللیل اور آخر اللیل کے درمیان وجہ الفرق ظاہر ہے اور اس حدیث میں فاذا وتر کی تاویل اراد ان یوتر اور اس صورت سے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(۳) اعلار السنن میں ایک اور لطیف توجیہ بیان کی ہے حیث قال قال العبد الضعیف معناه اوتروا باللیل مَرَّةً (امرتین لتکون اخر صلوٰتکم باللیل وترا فان من اوتر مرتین فقد جعل اخر صلوٰتہ باللیل شفعایویدہ ما اخرجہ الطحاوی رحمہ اللہ ان اباہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لو جئت بثلثة ابعرة فانختہما ثم جئت ببعیرین فانختہما الیس کان یشکون ذلک وترا قال وکان یضربہ مثلاً لنقص الوتر (اعلام السنن ص ۶۳)

(۴) قال فی فتح الملہم قال الشیخ الاخور والوجہ فیہما انتہ صلی اللہ علیہ وسلم انتما صلاہما جالساً لیبقوا آخریۃ الوتر لصلوۃ اللیل صورتہ عند ہذا ایضاً (کأن ہذا الجلس اعلیٰ بانتهاء قیام اللیل) ولیدل علی ان من اسقطہا فذلک الیہ اھ (فتح الملہم ص ۲۹۲ ج ۲)

تطبیق کی ان آخری دونوں صورتوں کو حدیث فاذا خشیت الصبح فصل رکعة تو نزلک صلاتک (طحاوی ص ۱۶۳) رد کرتی ہے لہذا تطبیق کی صحیح صورت صرف یہی ہے کہ بیان جواز کے لئے کبھی کبھار اپنے یہ نفل پڑھے ہیں اور اصل قاعدہ یہی ہے کہ وتر آخر میں پڑھے جائیں۔

خلاصہ بحث :

مستحب اور افضل طریقہ یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنا چاہے وتر سے پہلے پڑھ لے اور وتر آخر میں پڑھے، اس کے بعد نوافل نہ پڑھے، اگر پڑھ لے تو مباح ہے مگر نہ تو دو رکعت کی کوئی تفصیل اور نہ ہی ان نوافل کا وتر کے ساتھ کوئی تعلق ہے بلکہ عام اوقات مباحہ کی طرح جتنے نوافل چاہے پڑھے کما مرن عن الامام محمد عن امامنا الاعظم رحمہما اللہ تعالیٰ۔

مذکور بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض علماء کی اس بحث سے کہ ان نوافل کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ وہ انکے استحباب کے قائل ہیں بلکہ انکی بحث کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی خلاف اولیٰ پر عمل کرے اور ان نوافل کو پڑھے تو وہ کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر۔

مذکور سے متعلق احادیث مذکورہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں پوری نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔ دوسری وہ جنہیں پہلے بیٹھ کر شروع کرنے اور پھر کھڑے ہو کر رکوع میں جانی کا بیان ہے لیکن یہ احادیث فعلی ہیں۔ دوسری طرف وہ قولی احادیث ہیں جن میں للقاعد نصف اجر القائم کی تصریح ہے ان میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوۃ الرجل وهو قاعد فقال من صلی قاسماً فهو افضل ومن صلاها قاعداً افلہ نصف

اجر القائم (ترمذی ص ۸ ج ۱)

(۲) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان ميسورًا قال سألت رسول اللہ ﷺ عليه وسلم عن صلوة الرجل قاعدًا فقال ان صلى قائمًا فهو افضل ومن صلى قاعدًا اقله نصف اجر القائم ومن صلى نائمًا اقله نصف اجر القائم رواه البخاری (اعلاء السنن ص ۳ ج ۷)

(۳) اخرج النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب فضل صلوة القائم علی صلوة القاعد عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رأیت النبی ﷺ عليه وسلم يصلي جالسًا فقلت حدثت انك قلت ان صلوة القاعد علی النصف من صلوة القائم وانت تصلي قاعدًا قال اجل ولكني لست كاحد منكم (نسائی ص ۱ ج ۱)

یہ احادیث مبارکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتی ہیں لہذا اصول ترجیح کے مطابق اس قاعدہ کو دو جزئیہ پر ترجیح ہوگی۔ نیز یہ احادیث قولی ہیں اور قولی کی ترجیح فعلی پر مسلم ہے لہذا انہیں تخصیص کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ فعلی احادیث کو بیان جواز پر محمول کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ آخری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعود میں بھی پورا ثواب حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی، امت کے لئے وہی قاعدہ کلیہ ہے للقاعد نصف اجر القائم۔ امام العصر حضرت گنگوہی اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہما کا بھی یہی فتویٰ ہے (فتاویٰ رشیدیہ^۳، امداد الفتاویٰ ص ۳۰۳-۳۰۵) حضرت مولانا محمد سحری کا بھی یہی مختار تھا کما فی ناشئة اللیل (حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ^۴) فقط و هذا ما ظهر لفكری السقیم وفوق كل ذي علم علیہ

رشید احمد

الحاق :

۳۰ صفر ۹۶ ہجری

(۱) بندہ نے "اوتر" بمعنی "اراد ان یوتر" لکھا ہے بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں متقدمین سے بھی اس کا ثبوت مل گیا (السنن کبریٰ للبیہقی ص ۳ ج ۳، مرقاة ص ۱ ج ۳، کشف الستر للعلامة النور شاہ)

(۲) بندہ نے کتبتین جالساً کو سنت فجر پر محمول کیا ہے بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں حدیث میں بھی سنت فجر جالساً کی تصریح مل گئی جالساً بین الاذانین (البوداؤد ص ۱ ج ۱)

(۳) حدیث ۱ کے تین جواب دیئے گئے ہیں (۱) منسوخ ہے (بیہقی ص ۳ ج ۳، مرقاة ص ۱ ج ۳) (۲) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ احادیث تاخیر و تر کے مقابلہ میں یہ حدیث غیر مقبول ہے (نودی ص ۲ ج ۱) (۳) بیان جواز کے لئے کبھی کبھار اس کا وقوع ہوا ہے، وہو الصحیح کما قد منا و اختاره ائمة الحدیث والفقه،

(۴) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا خلاف استحباب ہے (فتح القدیر ص ۳۱۲ ج ۱ آخر باب ۱۲)

فصل فی التراویح

تراویح میں بقرہ پر ختم کرنا :

سوال : جب منکوساً قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے تو تراویح میں بقرہ پر کیوں ختم کیا جاتا ہے ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ جزئیہ قاعدہ مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں غاشیہ پڑھنا ماثور ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ حالانکہ غاشیہ کی آیات زیادہ ہیں۔ قال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورة قصيدة وان یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیکرہ من البقرة وفي الشامية عن شرح المنية عن الولوالجية من یختم القرآن فی الصلوة اذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الاولى یرکع ثم یقرأ فی الثانية بالفاتحة وشیء من سورة البقرة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس حال المرتحل ای الخاتم المفتوح ۱۵ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۰)

نیز تنکیس صرف فرائض میں مکروہ ہے نوافل میں نہیں۔ مکاصحہ فہلہندیہ۔ اس بنا پر شارح التنویر کے استثناء ”الا اذا ختم“ کا محل یہ ہوگا کہ فرائض میں ختم قرآن کیا ہو۔ یا یہ کہ تراویح کو من حیث الجماعۃ فرائض سے مشابہت ہے۔ عالمگیریہ کے جزئیہ ”واذا کرأیة واحدة مراراً فان كان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلک غیر مکروہ“ میں لفظ وحده اس پر دال ہے کہ تراویح من حیث الجماعۃ بحکم فرض ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے)

۲۵ شعبان ۱۴۲۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : تراویح میں حافظ نے اٹھارہ رکعت میں قرآن پاک ختم کر کے انیسویں رکعت میں ایک رکوع سورہ بقرہ کا پڑھا، بیسویں رکعت میں پھر التم سے ہوا مقلحون پر کلام پاک ختم کیا، یا بیسویں رکعت میں سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا، آیا تراویح میں قرآن مجید کا اس طرح ختم کرنا سنت کے خلاف تو نہیں؟ بتینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خلاف سنت ہے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ انیسویں رکعت میں سورہ ناس تک پڑھے اور بیسویں رکعت میں سورہ بقرہ کے شروع سے کچھ حصہ پڑھے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح المنية عن الولوالجية من یختم القرآن فی الصلوة اذا فرغ من المعوذتين فی الركعة الاولى

یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشیء من سورة البقرة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتوح ۵ (رد المحتار ص ۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے) ۴ ذی قعدہ ۹۸ھ

تراویح میں سورۃ اخلاص کا تکرار :

سوال : تراویح میں آجکل قل ھو اللہ احد کا تکرار تین دفعہ جو مروج ہے یہ جائز ہے یا کہ ناجائز؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصلح والصواب

فرائض میں سورت کا تکرار مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں مکروہ نہیں۔ قال فی الشامیة افادانہ یکرہ تنزیہاً (ج ۱، ص ۵۱۰) وقال فی شرح المنیة قراءة قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشایخ وقال الفقیہ ابواللیث ہذا شیء استحسنہ اهل القرآن وائمة الامم فلا بأس به الا ان یمکن الختم فی المکتوبة فلا یزیدہ علی مرة، والیضافیہ ویکرہ تکرار قراءة السورة فی الفرض ولا یمکرہ تکرار السورة فی التطوع لان باب النفل اوسع۔ مگر مندرجہ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں تراویح بھی جماعت کی وجہ سے فرائض کے حکم میں ہیں۔ قال فی الہندیة واذا کسر ایتة واحدة مرارا فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده، فذلک غیر مکروہ وان کان فی الصلوة المفروضة فهو مکروہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تطوع منفرداً ہو تو تکرار مکروہ نہیں۔

وقال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورة قصیرة وان یقرأ منکوساً الا اذا ختم فیقرأ من البقرة (الی قولہ) ولا یمکرہ فی التفلیشی من ذلک۔ آخر میں حکم نوافل مصرح ہونے کے باوجود الا اذا ختم سے استثناء دال ہے کہ تراویح بحکم فرض ہیں۔

پس عبارت شرح المنیہ میں تطوع سے مراد منفرداً لیا جائے گا۔ مگر یوں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ شرح التنویر میں ”الا اذا ختم“ سے ختم فی الفرض مراد ہو اور عالمگیریہ میں ”فی التطوع الذی یصلی وحده“ کی قید احترازی نہ ہو بلکہ واقعی ہو کیونکہ عموماً نوافل منفرد ہی پڑھے جاتے ہیں۔ غرضیکہ تکرار کا ثبوت قرون شہود لہا بالخیر سے قطعاً نہیں اور کراہت وعدم کراہت میں تردد ہے۔ اس لئے اس کا ترک ہی بہتر ہے خصوصاً جبکہ اسکا التزام ہو رہا ہو تو کراہت یقینی اور ترک لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ، ۲۵ شعبان ۱۴۰۸ھ

چار رکعت تراویح میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو دو ہوئیں :

سوال : ولو صلی اربعاً بتسلیمة ولم یقعد فی الثانية ففی الاستحسان لا تفسد وهو ظہر

الروایتین عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة وهو لصحیح کذا فی السراج الوہاج وھکذا فی فتاویٰ قاضیخان وعن ابی بکر الاسکافی انہ سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانية قال انہ تذکر فی القیام ینبغی انہ یعود ویقعد ویسلم وان تذکر بعد ما سجد للثالثة فانہ اضاف الیہا رکعة اخرى کانت ہذہ الاربعۃ عن تسلیمة واحدة وانہ قعد فی الثانية قد والشہد اختلافوا فیہ فعلى قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو لصحیح ھکذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریہ جلد ۱ ص ۷۵) اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کر لیا تو رابعہ ملانے سے چار نفل نہوں بلکہ دو ہوں۔ اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل ہوں۔ حالانکہ عامہ کتب میں فجر میں چار اور ظہر میں چھ کا نفل ہونا مذکور ہے جو تحقیق ہو مطلع فرمائیں۔ والہو عند اللہ الکریم

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فتاویٰ عالمگیریہ کا جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو فاسد۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنت مؤکدہ) ہوئیں اور دو نفل، اسی وجہ سے ”تنوب الاربع عن تسلیمة واحدة“ کہا ورنہ ”صحۃ الركعتان“ کہنا چاہیے تھا۔ ومن الدلیل علی صحۃ الاربعۃ ما فی شرح التنویر ان کل مشفع صلوۃ الابعاض اقتداء وندرا وترک قعود اول

(رد المحتار جلد ۱ ص ۶۳۸)

فان قلت ان ہذا اذا کان نومی اربعاً لما فی الشامیۃ ر بعد ذکر الخلاف فی العود وعلیہ بنو القعود الاول من النفل) والخلاف فیما اذا احرم بنیۃ الاربع فان نومی ثنیتین عاد اتفاقاً (ج ۱ ص ۷۰۱) فالجواب انہم وان اتفقوا علی الحکم بالعود ولکنہم لم یصرحوا بالفساد فی صورۃ عدم العود بل عدم الفساد مصرح فی الجزئیۃ المذكورۃ فی السؤال ای قعله انہ سئل عن رجل الخ

محاصل، مقصد یہ ہے کہ یہ چار تراویح کے قائم مقام نہوں گی بلکہ دو کے ہوں گی جیسا کہ ظہر کی صورت میں خامسہ و سادسہ قائم مقام دو رکعت سنت مؤکدہ بعد یہ کہ نہیں ہوتیں، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت ہی باطل ہو گئی وضم الیہا سادسہ لتصیر الركعتان لہ نفلاً وسجد للسہو ولا تنوباً عن السنۃ الراتبۃ بعد الفرض فی الاصح (شرح التنویر باب سجود السہو) حالانکہ اس صورت میں

قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا ہے کہ چار فرض بھی صحیح ہو گئے اور دو نفل بھی مگر چونکہ سنن بعدیہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے اس لئے یہ دو رکعت اسکے قائم مقام نہ ہونگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۲ رجب ۱۳۵۷ھ

سوال مثل بالا:

سوال: تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سہواً تیسری و چوتھی بھی پڑھ لی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہو گئی تو چاروں رکعات یا کہ دو؟ اگر دو ہوئیں تو پہلی دو یا کہ آخری؟
بینوا بالدلیل اجرکم اللہ الجلیل

الجواب ومنہ الصلح والصواب

شفیع ثانی تراویح ہے اور شفیع اول نفل ہو گیا، تراویح میں شمار نہ ہو گا قال الامام قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمۃ واحدة ولم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلوٰتہ وهو قول محمد وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ ویلزمہ قضاء هذه التسلیمۃ وهو رواية عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ونی الاستحسان وهو اظهر الروایتین عن ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ لا تفسد و اذا لم تفسد اختلفوا قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انها تنوب عن تسلیمۃ او تسلیمتین، قال الفقہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ تنوب عن تسلیمتین لان الاربع لما جاز وجب ان ینوب عن تسلیمتین کم ان وجب علی نفسه ان یصلی اربع رکعات بتسلیمتین فصلی اربعاً بتسلیمۃ واحدة ذکر فی الامالی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انه یجوز کذا اھتاو کذا الوصلی الاربع قبل الظہر ولم یقعد علی رأس الرکعتین جاز استحساناً وقال الفقہ ابو جعفر والشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہما اللہ تعالیٰ فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدة وهو الصحیح لان القعدۃ علی رأس الثانیۃ فرض فی التطوع فاذا ترکھا کان ینبغی ان تفسد صلوٰتہ اصلاً کما هو وجه القیاس وانما جاز استحساناً فاخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الاول واخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمۃ و اذا بقیت التحریمۃ صح مشروعہ فی الشفع الثانی وقد اتہا بالقعدۃ فجاز عن تسلیمۃ واحدة و عن ابی بکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالیٰ انه سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیۃ (الی قولہ) فان هذه الاربعۃ عن ترویجۃ واحدة یعنی عن الرکعتین (خانیۃ بہا مش الہندیۃ ۲۴)

وقال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى فاما اذا لم يقعد فسدت صلواته عند محمد رحمه الله تعالى
وعند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى يجوز واصل المسألة يصلي التطوع
اربع ركعات اذا لم يقعد في الثانية قدر التشهد وقام وانتهى صلواته انه يجوز استحسانا
عندهما ولا يجوز عند محمد قيا سا ثم اذا اجاز عندهما فهل يجوز عن تسليمتين او لا
يجوز الا عن تسليمته واحدة الاصح انه لا يجوز الا عن تسليمته واحدة لان السنة ان
يكون الشفع الاول كاملا وكما لم بالقعدة ولم توجد والكمال لا يتأدى بالناقص (رد المحتار ج ۲۸)
خاتمه في فساد شفع اول سے وقوع تراویح کا فساد مراد ہے، مطلقاً فساد صلوة مراد نہیں، خود خاتمہ
ہی میں فقیہ ابو جعفر اور امام ابو بکر محمد بن افضل رحمہما اللہ تعالیٰ سے تنوب الاربع عن تسليمته واحدة
اور ابو بکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالیٰ سے فان هذه الاربعة عن توديعة واحدة سے ثابت ہوتا ہے کہ چاروں رکعات
صحیح ہیں مگر تراویح میں صرف دو شمار ہوں گی اور بدائع میں شفع اول کے کمال کی نفی سے بھی ثابت ہوا کہ شفع اول
فاسد نہیں بلکہ ناقص ہے اس لئے تراویح میں شمار نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵، صفر ۱۲۸۶ھ

تراویح سہواً چار رکعات پڑھ لیں :

سوال : زید تراویح کی دو رکعت پر بیٹھ کر سہواً اٹھ گیا اور چار رکعت پوری کر لی تو تراویح
کی دو رکعت ہونگی یا چار رکعت؟ اور سجدہ سہو بھی واجب ہے یا نہیں؟ اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا
تو پھر کیا حکم ہے؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دو رکعت پر بیٹھ کر کھڑا ہوا تو چار رکعات ہو گئیں، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور اگر دو
رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو دو رکعت ہونگی اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے، پہلی دو رکعتوں
کا اعادہ کرے اور ان میں پڑھا ہوا قرآن مجید بھی لوٹائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱، شوال ۱۲۸۶ھ

ایک قعدہ سے تین رکعات تراویح :

سوال : امام تراویح کی دوسری رکعت پر بدو قعدہ کئے سہواً کھڑا ہو گیا، تین رکعتیں
پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا تو دو رکعتیں صحیح ہونگی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دو رکعتیں نہیں ہوں گی، مگر
ایک کتاب میں عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس صورت میں دو رکعتیں ہو جاتی ہیں اس پر غور

فرما کر تحریر فرمائیں، بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگرچہ ایک قول جواز کا بھی ہے مگر عدم جواز رائج ہے، عالمگیریہ باب النوافل کے آخر میں دونوں قول نقل کئے گئے ہیں، مگر اسی باب کے شروع میں عدم جواز کو ترجیح دی ہے ونصہا ولو صلی التطوع ثلاث رکعات ولم يقعد على رأس الركعتين، الا صمنا تفسد صلوة (عالمگیریہ ص ۱۳۱) اسی طرح شامیہ وفانیہ وغیرہ میں بھی فساد ہی کو رائج قرار دیا ہے، قال فی الشامیہ تحت (قوله) او ترك قعود اوله) فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتبارا بصلوة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الاخيرة لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها (رد المحتار ص ۱۶۲ ج ۱)

عبارات مذکورہ اگرچہ نوافل سے متعلق ہیں مگر تراویح کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ چار سے زیادہ رکعات قعدہ واحدہ سے پڑھنے کی صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک جزئیہ نوافل سے متعلق اور رد سر اس کے خلاف تراویح سے متعلق نقل فرمایا اس کو اختلاف تصحیح پر محمول فرمایا ہے ونصہ (قوله فاکثر) هذا خلاف الاصح كما قد مناه عن البدائع والمخلاصة وفي التتارخانية لو صلی التطوع ثلاثا ولم يقعد على الركعتين فالاصح انه يفسد ولو ستا او ثمانيا بقعدة واحدة اختلفوا فيه والاصح انه يفسد استحسانا وقياسا لكن مصحوا في التراویح انه لو صلاها كلها بقعدة واحدة وتسليمه انها تجزئ عن ركعتين فقد اختلف التصحيح (رد المحتار ص ۱۶۲ ج ۱) وقال ايضا في شرح قول العلائی والانايت عن شفع واحد به يفتى، لمرار من صرح بهذا اللفظ هنا وانما صرح به في النص عن الزاهدی فیما لو صلی اربعاً بتسليمه وقعدة واحدة واما اذا صلی العشرين جملة كذلك فقد قاسه عليه في البحر نعم صرح في الخانية وغيرها بانه الصحيح مع انا قد مناه عن البدائع والمخلاصة والتتارخانية انه لو صلی التطوع ثلاثا او ستا او ثمانيا بقعدة واحدة فالاصح انه يفسد استحسانا وقياسا وقد منا وجه فقد اختلف التصحيح في الزائد على الاربعة بتسليمه وقعدة واحدة هل يصح عن شفع واحد او يفسد فليتنبه (رد المحتار ص ۱۶۲ ج ۱)

اور قاضی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو صراحتہ تراویح و تطوع دونوں سے متعلق عدم جواز کی ترجیح نقل فرمائی ہے، چنانچہ تراویح کے بیان میں فرماتے ہیں وان صلی ثلاث رکعات بتسليمه واحدة فهو على وجهين اما ان قعد في الثانية او لم يقعد (الحی قولہ) وان لم يقعد في الثانية ساھیا او

عامداً الاشک ان فی القیاس وهو قول محمد و زفر رحمہما اللہ تعالیٰ و احدى الروایتین عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ تفسد صلوٰۃ و یلزمہ قضاء رکعتین لا غیر و اما فی الاستحسان ہل تفسد صلوٰۃ فی قول ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اختلفوا فیہ قال بعضهم تفسد و لا یجزئ عن شیء و قال بعضهم تجزئ عن تسلیمة واحدة و علیٰ ہذا الخلاف اذا تنفل بثلاث رکعات و لم یقعہ فی الثانیۃ علی قول الفریق الاول لا یجزیہ ، و جہ قول الفریق الثانی ان التطوع معتبر بالمکتوبۃ و لو صلی المغرب ثلاث رکعات و لم یقعہ فی الثانیۃ یجوز فکذا التطوع یجوز عن تسلیمة لانه لم یضم الرابطة الی الثالثة ، و جہ من قال انہ لا یجوز عن شیء و هو الصحیح انہ ترک القعدة المشروعة و هو القعدة علی رأس الثانیۃ و القعدة علی رأس الثالثة غیر مشروعة فی التطوع فصار کأنہ لم یقعہ اصلاً فلا یجوز بخلاف ما اذا صلی اربعاً و لم یقعہ علی رأس الثانیۃ (لانہ القعدة علی رأس الرابعة مشروعة فجازت (خانیۃ علی ہامش العالمگیریہ) فقط و اللہ تعالیٰ اعلم ، ۱۴ رمضان سنہ ۹۵ھ

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے :

سوال : رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں ، ویسے ہی اہل مسجد انکی کچھ خدمت کر دیں یا کپڑوں کا جوڑا بنادیں تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ بتینواتوجروا

الجواب باسدر ملہم الصواب

خدمت کے نام سے نقد یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے ، اس لئے کہ اسمیں دو گناہ ہیں ، ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ ،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی اللہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی بشر ان کی خدمت کرتے ہیں معاوضہ مقصود نہیں ، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں ؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں ؟ اب دورِ حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے ، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو ان کو اسکی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا ، اس سے ثابت ہوا کہ جا نہیں کی نیت معاوضہ کی ہے اور للہیت

کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہٰذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اسکی اقتدار میں نماز پڑھ لی جائے ترک جماعت جائز نہیں مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتدار میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر کے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اسکی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشرافِ نفس ہے جو حرام ہے۔

اگر کسی قاری کو اشرفِ نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مردّج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لئے بہر کیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے، فقط واللہ الموفق،

۲۳ شوال سنہ ۱۴۰۶ھ

بوقت ختم قرآن امام اور مؤذن کو کچھ دینا :

سوال : عام مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے چندہ وصول کر کے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور امام مؤذن کو بطور امداد عطیہ دیا جاتا ہے، کیا امام اور مؤذن کو یہ رقم لینا شرعاً درست ہے؟ اور اگر چندہ کی بجائے دوسرے کسی ذریعہ سے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وجوہ ذیل کی بنا پر امام اور مؤذن کے لئے یہ عطیات خواہ از قسم نقد ہوں یا بصورت لباس وغیرہ جائز نہیں،

① بالعموم چندہ وصول کرنے میں ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اس لئے یہ وصول کردہ رقم حرام ہے جب تک دینے والے کی طیب خاطر کا یقین نہ ہو اس سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں،

② چند دہندگان میں بنک اور بیمہ کے ملازمین اور دوسرے حرام ذرائع آمدنی رکھنے والے

بکثرت ہوتے ہیں،

③ یہ رسم عام ہو جائیگی وجہ سے ایک قسم کا معاوضہ ہے جسکی تفصیل سوال سابق کے جواب میں لکھی جا چکی ہے، امام اور مؤذن کو تنخواہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر اس رقم کی مقدار مجہول ہے اسلئے یہ لین دین ناجائز ہے۔
④ اگر امام واقعہً اس رقم کو معاوضہ نہ سمجھتا ہو، جس کا امتحان سوال سابق کے جواب میں لکھا جا چکا ہے تو اشراف نفس کی وجہ سے حرام ہے۔

⑤ اگر بالفرض اشراف نفس نہ بھی ہو تو بھی اس سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے،

اگر یہ عطیہ چندہ سے نہ ہو تو بھی آخری تین وجوہ کی بنا پر ناجائز ہے۔

اگر اہل مسجد واقعہً امام اور مؤذن کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ان کی مقرر تنخواہ میں اضافہ کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
سامع کی اجرت :

سوال : سامع کو اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور امداد الفتاویٰ جلد اول کا حوالہ دیتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بدینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امداد الفتاویٰ میں اس کو تعلیم قرار دیکر اس پر اجرت کا جواز تحریر فرمایا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں بلکہ تذکیر ہے، ثانیاً اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں جس پر جواز اجرت کا فتویٰ ہے، جب تراویح میں ختم قرآن ہی ضروری نہیں اسی لئے اس پر اجرت لینا جائز نہیں تو قاری کو تعلیم یا تذکیر ایسی ضروری کیونکر ہو سکتی ہے کہ اس پر اجرت لینا جائز ہو، لہذا قاری کی طرح سامع کو بھی اجرت لینا جائز نہیں، خواہ اجرت متعین ہو یا بلا تعین بنام امداد و خدمت ہو بہر حال ناجائز ہے بلکہ بدون تعین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اس میں اجرت مجہول ہے اس لئے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ رمضان المبارک سنہ ۱۴۲۲ھ

نابالغ سامع کو صفِ اول میں کھڑا کرنا :

سوال : تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہے اور سامع کو صفِ اول میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے کیا اس صورت میں نابالغ کو صفِ اول میں کھڑا کرنا جائز ہو گا یا

اس میں کوئی کراہت ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ بلا ضرورت بھی بالغین کی صف میں بلا کراہت کھڑا ہو سکتا ہے، ضرورت سے بطریق

۱۱ رجب سنہ ۱۸۷۷ھ

اولی جواز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو کیا زید وضو کر کے وتر میں شامل

ہو جائے یا عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے فرض پڑھے اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہو جائے اسکے اور تراویح

۱۳ شوال سنہ ۱۸۷۷ھ

پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شریک ہونا:

سوال: بکر ایسے وقت آیا کہ تراویح کی جماعت ختم پر تھی، بکر نے وضو کر کے عشاء کی نماز

فرض و سنن مؤکدہ ادا کیں تو تراویح کی جماعت ختم ہو کر وتر کی جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا بکر بغیر

تراویح ادا کئے وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے یا اپنی تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں

اور پھر وتر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو جماعت میں شرکت کرے یا اپنی بقیہ تراویح تنہا ادا

کرے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر کی جماعت میں شریک ہو جائے اس کے بعد تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں تو

وہ بھی جماعت وتر کے بعد پڑھے، قال فی الدار و وقتہا بعد صلوٰۃ العشاء الی الفجر قبل الوتر و

بعده فی الاصح فلو فاتہ بعضہا و قام الامام الی الوتر و تر بعدہ صلی ما فاتہ، و فی الشامیۃ الی علی وجہ

۱۲ شوال سنہ ۱۸۷۷ھ

الافضلیۃ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے وہ اپنی ڈاڑھی کو کبھی مشین سے خنسی کرتا ہے اور کبھی قینچی سے

کتراتا ہے، یعنی اس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہے اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت یا

اس سے زیادہ کیوں نہیں رکھتے تو جواب دیتا ہے کہ ڈاڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے، ایک

مُشت یا اس سے زائد ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے، ہمسی زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے اور ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے اور وہ بھی اپنی ڈاڑھی کتراتا ہے اس کی ڈاڑھی زید کی طرح ہی صورت و سیرت میں متبع شریعت حافظ باسانی مل سکتے ہیں، اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سُنانے کے لئے مقرر کر دیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہی یا نہیں؟ جو مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر یا ممبر ہونے کی وجہ سے پابند شریعت حافظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں جبکہ ان کو مسئلہ بھی بتا دیا جائے ایسے ارکان کے لئے کیا حکم ہے؟ ایسے حافظ یا ائمہ جو ڈاڑھی کتر کر مُشت سے کم رکھ کر تراویح یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں انکے لئے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مساجد یا مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر یا متولی یا مہتمم کا صورت و سیرت میں حتیٰ الوسع متبع شریعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ وما کانوا اولیاءہ انہ اولیاءہ الا المتقون (پ سورہ انفال) کا مفہوم کیا ہوگا؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈاڑھی ایک مُشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبار سے بھی شدید گناہ ہے قال فی شرح التنویر واما الاخذ منها وہی دونہ ذلک (القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربة وخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد (رد المحتار ص ۲ ج ۲) لہذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ بھی ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں، فرائض میں صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ اس کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے مگر تراویح میں فاسق کی اقتدار کسی صورت میں بھی جائز نہیں، صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں، اگر ڈاڑھی کٹانے والے کو مسجد کی منتظمہ متعین کر دے تو بھی اس کی اقتدار میں تراویح پڑھنا جائز نہیں، ایسے ارکان جو مسئلہ کا علم ہونیکے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر بضد ہوں خود فاسق ہیں اہل محلہ پر فرض ہے کہ ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فوراً برطرف کر دیں یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں اگر اہل محلہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اور ان کو مناسب سزا دے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہراً و باطناً متبع شریعت ہونا ضروری ہے اگر

کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ شوال سنہ ۸۴ھ

تراویح کے بعد دعاء :

سوال : تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کیسا ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزیئہ نہیں البتہ دعاء بعد الصلوٰۃ کے کلیہ میں یہ بھی داخل ہے کیونکہ

تراویح مستقل نماز ہے لہذا انفرادی دعا کی گنجائش ہے، امام کے ساتھ بصورت اجتماعی دعا بدعت ہے، باوازیلند ہو تو دوسری بدعت، اور بالالتزام ہو تو تین بدعات کا مجموعہ، اس سے احتراز لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ شوال سنہ ۸۸ھ

دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم :

سوال : پورا کلام پاک جب تراویح میں پڑھا جاتا ہے تو تسمیہ بین السورتیں کا کیا حکم ہے؟

آیا جہراً پڑھا جائے یا سراً، یا بالکل ترک کر دیا جائے جیسے بعض ایسے کیا کرتے ہیں اور نیز فرائض میں تسمیہ بین السورتیں کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض اور تراویح دونوں میں تسمیہ بین السورتیں افضل ہے مگر قراءت خواہ جہریہ ہو یا سریہ

بہر کیف بسم اللہ آہستہ پڑھے، اس میں جہر خلاف سنت ہے، البتہ تراویح میں ایک بار جہر ضروری ہے تاکہ

مقتدیوں کا قرآن مکمل ہو جائے، قال فی الشامیۃ (قوله ولا تکره اتفاقاً) ولہذا صرح فی الذخیۃ والمجتبیٰ

بانہ انہ سمیٰ بین الفاتحۃ والسورۃ المقروءۃ سراً و جہراً کان حسناً عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و

رحمہ المحقق ابن الہمام وتلمیذہ المجلع لشبہۃ الاختلاف فی کونہا آیۃ من کل سورۃ بحر،

(رد المحتار ص ۲۵۸ ج ۱)

بعض کو اشکال ہوا ہے کہ بسم اللہ کا نزول جب متعدد بار ہے تو یہ متعدد آیات ہوئیں جیسا کہ

فبائی الاء ربکماتکذبان، ویلے یومئذ للمکذبین، ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرہم مؤمنین و

ان ربک لہوالعزیز الرحیم، ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل منہ مذکر، وغیرہا، لہذا ہر سورت سے قبل

تسمیہ جہراً ہونا چاہیے ورنہ مقتدیوں کا قرآن مکمل نہ ہوگا

اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار نزول تعدد کو مستلزم نہیں جیسا کہ ایک قول کے مطابق سورہ فاتحہ

دو بار نازل ہوئی ہے معہذا اس کی آیات سات ہی ہیں، چودہ نہیں قال فی العلائقۃ وہی آیۃ ولحدۃ من القرآن کله (رد المحتار ص ۱۴۳)

اگر کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے لہذا تراویح میں ہر سورت سے قبل جہراً پڑھنا افضل ہونا چاہیے تاکہ مقتدیوں کے قرآن کی تکمیل میں شبہ اختلا نہ رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سنت میں رعایت مذہب غیر مستلزم ہے اپنے مذہب میں ترک سنت کو اس لئے کہ مذہب حنفی میں اخفاء سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ ذی الحجہ سنہ ۱۴۸۸ھ

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت :

سوال : نماز تراویح مسجد چھوڑ کر مکان میں یا کسی دوسری جگہ حافظ مقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کر کے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ محلہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلہ میں کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوئی تو سب گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
قضا نمازوں کے لئے تراویح چھوڑنا جائز نہیں :

۲۱ رمضان سنہ ۱۴۹۱ھ

سوال : ایک شخص شکی مزاج ہے اور اس کے ذمہ بہت قضا نمازیں ہیں، مرض مذکور کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی کر کے قضا نمازیں پڑھتا ہے اگر یہ شخص عشاء کی جماعت بھی چھوڑ دے اور تراویح بھی چھوڑ دے اور قضا نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قضا نمازوں کے لئے عشاء کی جماعت اور تراویح کی نماز چھوڑ دینا جائز نہیں، فقط واللہ اعلم
۱۹ رمضان المبارک سنہ ۱۴۹۱ھ

بدوں سامع قرآن مسنانا :

سوال : کیا تراویح میں حافظ کے پیچھے سامع ہونا ضروری ہے؟ بغیر سامع بھی پورا قرآن مجید کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۱۴۱۱ھ

شبینہ کا حکم :

سوال : گزشتہ چند سال سے یہ طریقہ رائج ہے کہ تراویح پڑھانے والا بارہ رکعت کے بعد مصلیٰ چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ آٹھ تراویح امام صاحب پڑھاتے ہیں، مقتدی بھی حافظ کے ساتھ تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور بعد وتر کی جماعت کے حافظ صاحب اپنی بقیہ آٹھ رکعت تراویح شروع کرتے ہیں تو بہت سے مقتدی بھی ان کے ساتھ نوافل کی نیت سے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں شبینہ تقریباً دو ڈھائی بجے تک رہتا ہے اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا خاص انتظام ہوتا ہے بعض حضرات کو متوجہ کیا گیا کہ چند آدمیوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سوائے نمائش کے کچھ بھی نہیں تو انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ گانا بجانا عام ہے جگہ جگہ ریکارڈنگ ہوتی ہے، تو ہم کیوں نہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کریں اسکا شرعاً حکم کیا ہے؟ بیٹنوا تو جروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس قسم کے متعارف شبینہ میں کئی قبائح ہیں، مثلاً

① نوافل کی جماعت، وان مالک ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الی جواز اقتداء المتنظیلین بمن یصلی التراويح ولكن فیہ نظر،

② لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اہل محلہ کے کام، آرام اور عبادات میں خلل،

③ نام و نمود

④ بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑے ہونا اور بقیہ کا بیٹھے رہنا جو جماعت اور قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے۔

⑤ ضرورت سے زیادہ روشنی اور مٹھائی وغیرہ کا التزام،

⑥ ایسی خرافات کے لئے چندہ کرنا،

عہ وجہ نظر آئندہ سوال کے جواب میں ملاحظہ ہو ۱۲

اس قسم کی اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جنکی بنارس پر مروج شبینہ جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ شوال سنہ ۹۶ھ

سوال مثل بالا :

سوالے : حافظ اپنی باقی ماندہ تراویح میں شبینہ پڑھے اور مقتدی کچھ تراویح اور کچھ نوافل پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مقتدی بیس پچیس پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر سارے مقتدی نوافل میں شبینہ سنیں اور حافظ اپنی بقیہ تراویح میں شبینہ پڑھے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

جماعت میں اکثر افراد تراویح پڑھ رہے ہوں، نوافل پڑھنے والے کم ہوں تو یہ صورت جائز ہے مگر متعارف شبینہ میں دیگر قبائح بہر حال ہوتے ہیں لہذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ثم اقتدے متنفلاً) ای ان شاء و هو افضل امداد و اور ان التنفل بجماعة مکروہ خارج رمضان واجب بنعم اذا كان الامام والقوم متطوعین اما اذا ادی الامام الفرض والقوم النفل فلا لقوله عليه الصلوة والسلام للرجلیه اذا صلیتما فی رحاکما ثم اتیتما صلوۃ قوم فصلیا معہم واجعلوا صلوۃکما معہم سبحة ای نافلة کذا فی الکافی بحر (رد المحتار) ۶۸۵ اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح پڑھنے والے امام سے متنفلین کی اقتدار مکروہ نہیں، مگر حدیث سے استدلال محل تامل ہے اس لئے کہ اس میں صرف دو مقتدیوں کو تنفل کا حکم ہے اس سے سب مقتدیوں کے تنفل کی عدم کراہت پر استدلال تام نہیں، قاعدہ کا مقتضی یہ ہے کہ مقتدیوں کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۹۷ھ

مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم :

سوالے : جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں، مثلاً مسافر، مریض، عورت اور غلام، اگر وہ تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے، قال فی العلائق التراويح سنة مؤکدة

لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء اجماعاً (رد المحتار ص ۶۹ ج ۱) والیضاً فیہا ویأتی المسافر بالسنة انہ کان فی حال امن وقرار الا بانہ کان فی خوف وقرار لایأتی بہا هو المختار لانه ترك للعذر تجنیس (رد المحتار ص ۷۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۲ھ

ایک امام کا دو جگہ تراویح پڑھانا :

سوال : زید نے ایک مسجد میں قرآن کا ایک پارہ سُنایا، پھر دوسری مسجد میں یہی ایک پارہ سُنایا تو کیا ایک حافظ دو مسجدوں میں اس طرح قرآن مجید سُننا سکتا ہے، اور اس طرح سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اگر امام دونوں مسجدوں میں تراویح پڑھے مثلاً ایک مسجد میں دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھا اور پھر دوسری مسجد میں دس رکعتوں میں یہی پارہ پڑھا، یا ایک روز ایک مسجد میں اور دوسرے روز دوسری مسجد میں پڑھا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی، اور اگر ایک مسجد میں تراویح بیس رکعت پوری کر کے اسی رات دوسری مسجد میں بھی تراویح کی امامت کی تو امام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں مگر مقتدیوں کی تراویح صحیح ہیں، اس لئے کہ تراویح میں متنفل کی اقتدار جائز ہے۔ نقل ابنہ نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ الخلاصة امام یصلی التراويح فی مسجدین کلے مسجد علی وجہ الکمال (یحوز لاند لا یتکرر) (بحر ص ۶۸ ج ۲) وفي امامة الشامية تحت (قوله فی الصبح خانية) یصلح الاقتداء فی التراويح وغیرہا بمفترض وغیرہ ومثلہا سائر السنن الرواتبہ کما تفیدہ عبارة الخانية، تأمل (رد المحتار ص ۵۵۲ ج ۱) وفي التراويح منها (قوله وفي التارخا^{نیۃ}) عبارتها نقلاً عن المحيط و ذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمین صلی العشاء والتراويح والوتر فی منزله ثم امّ قوماً اخرین فی التراويح ونوی الامامة کرہ له ذلك ولا یکرہ للمأمومین ولولم یبنو الامامة و شرع فی الصلوة فاقتدی الناس به لم یکرہ لواحد منهما ام (رد المحتار ص ۶۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۴ رمضان سنہ ۱۲۹۲ھ

سامع کے لئے جگہ کی تعیین :

سوال : تراویح میں سامع کے لئے جانماز بچھا کر جگہ پر قبضہ کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسمہم الصواب

اصلاح نماز کے لئے اسکی ضرورت ہے اسلئے جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۶ شوال سنہ ۱۲۹۲ھ

قرآن دیکھ کر لقمہ دینا منفسد ہے :

سوال : قرآن دیکھ کر لقمہ دینا حافظ کو تراویح میں جائز ہے یا نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز جاتی رہی، (لأنه عمل كثير وتلقين من الخارج، فقط والله تعالى علم

۲۴، شوال سنہ ۱۴۳۵ھ

تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے :

سوال : ایک مسجد تنگ ہے، صحن بھی بہت چھوٹا ہے، مگر مسجد سے ملحق خالی جگہ ہے، اگر گرمی کی وجہ سے مسجد کی بجائے اس خالی جگہ میں تراویح کی جماعت کر لی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر محلہ سے ایک مسجد میں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے لہذا اگر اس محلہ کی کسی دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو مسجد سے باہر جماعت کی گنجائش ہے مگر فرض کی جماعت بہر صورت مسجد میں ضروری ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قول صاحب التنویر والجماعة فيهما سنة على الكفاية (وهل المراد انها سنة كفاية لاهل كل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها ومن المحلة، ظاهر كلام الشارح الاول واستظهر ط الشافعي ويظهر في الثالث لقول المنية حتى لو ترك اهل محلة كلام الجماعة فقد تركوا السنة واساؤا الله وظاهر كلامهم هنا ان المسنون كفاية اقامتها بالجماعة في المسجد حتى لو اقاموها جماعة في بيوتهم ولم تقم في المسجد اثر الكل (رد المحتار ج ۶) فقط والله تعالى علم

۲۵، محرم سنہ ۱۴۳۰ھ

فرض منفرد اُپڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے :

سوال : حافظ صاحب کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فرض کی جماعت ہوگئی، اس کے بعد حافظ صاحب بھی آگئے انھوں نے اکیلے فرض پڑھ کر تراویح کی جماعت کرائی تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ بتینواتوجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جزئیہ ذیل سے اس صورت میں کراہت معلوم ہوتی ہے لوصلیت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده له ان يصليها مع ذلك الامام لان جماعةهم مشروعة فله الدخول

فیہا معہم لعدم المحذور (رد المحتار ص ۶۶ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی نے فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وہ تراویح کی جماعت میں اس لئے شریک ہو سکتا ہے کہ وہ تابع ہے، امام چونکہ جماعت میں اصل ہے اس لئے اس کے لئے مکروہ ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والوں کی جماعت کو علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اگرچہ مقتدی چار سے زیادہ ہوں، ابن عابدین کی اس تحقیق میں اگرچہ بندہ کو اشکال ہے مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ امام کی حالت زیادہ قابل لحاظ ہے البتہ یہ کراہت صرف امام پر ہوگی مقتدیوں پر نہیں قال ابن عابدین (رحمہ اللہ تعالیٰ) (قوله وفي التارخانية الخ) عبارتها نقلاً عن المحيط وذكر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزله ثم اقم توماً اخرین فی التراویح ونوی الامامة کوله ذلك ولا یکرہ للمؤمنین ولولم یوالا امامة وشرع فی الصلوة فاقتدى الناس به لم یکرہ لواحد منهما اھ (رد المحتار ص ۶۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رذی قعدہ سنہ ۹۸ھ

عورتوں کے لئے بھی بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے :

سوال : عورتوں کے لئے رمضان المبارک میں تراویح کم سے کم کتنی رکعتیں جائز ہیں؟ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعت پوری پڑھی جائیں ورنہ بالکل نہ پڑھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے بھی تراویح کی بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ قال فی العلائیة التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین للرجال والنساء اجماعاً (رد المحتار ص ۶۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ شعبان سنہ ۹۴ھ

تراویح میں نابالغ کی اقتدار صحیح نہیں :

سوال : حافظ نابالغ کو تراویح پڑھانے کے لئے امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کی اقتدار میں تراویح صحیح نہیں، قال فی العلائیة ولا یصح اقتداء رجل بامرأة وختی وصی مطلقاً ولو فی جنازة ونفل علی الاصح وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قوله ونفل علی الاصح) قال

مع وجہ اشکال حکم شبیہ کے تحت ملاحظہ ہو ۱۲

فی الهدایۃ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزۃ مشایخ بلخ ولم یجوزۃ مشایخنا ومنہم من حققت
المخلافۃ فی النفل المطلق بین ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات
کلہا (رد المحتار ص ۵۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰/ رمضان سنہ ۱۴۹۹ھ

بیٹھ کر تراویح پڑھنا :

سوال : زید تراویح میں قرآن طویلہ کی وجہ سے قائماً نماز ادا نہیں کر سکتا آیا وہ جماعت
کے ساتھ قاعداً تراویح ادا کر سکتا ہے یا علیحدہ قائماً تراویح ادا کرے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بیٹھ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے، اس لئے کہ تراویح میں قیام فرض نہیں، ہاں بلاغذ
بیٹھ کر تراویح پڑھنا خلاف استحباب ہے، قلے فی البرازیۃ وادائمہا قاعداً یجوز فی المختار ولو بلا
عذر لکن لا یتحب بخلاف سنۃ الفجر فانہ لا یجوز قاعداً (برازیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۳۳) و
فی الخانیۃ (فصل فی اداء التراویح قاعداً) اختلفوا فی الجواز قلے بعضهم لا یجوز بغیر عذر و
استدلوا بما روی الحسن عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لو صلی سنۃ الفجر قاعداً بغیر عذر لا
یجوز فکذا التراویح اذ کل واحد منہما سنۃ مؤکدہ وقالے بعضهم یجوز اداء التراویح قاعداً بغیر عذر و
فرقوا بین التراویح و بین سنۃ الفجر وهو الصحیح الا ان ثوابہ یكون علی النصف من صلوۃ القائم و
وجہ الفرق ان سنۃ الفجر سنۃ مؤکدہ لا خلاف فیہا والتراویح فی التکید دونہا فلا یجوز التسویۃ
دونہا (خانیۃ علی ہامش العالمگیریۃ ص ۲۳ ج ۱) واقرہ ابن امیر الحج فی شرح المنیۃ ومثلہ فی الظہیر
وغیرہا وفی فتاویٰ الشیخ قاسم بن قطوبغا ناقلاً عن الامام حسام الدین الشہید اجمعوا علی ان
رکعتی الفجر قاعداً من غیر عذر لا تجوز لانہا سنۃ شاہتہ المفروضہ واما التراویح فالصحیح انہا
تجوز قاعداً بغیر عذر و لکن لا یتحب، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۰/ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں :

سوال : دو منزلہ مسجد کی ہر ایک منزل میں تراویح کی الگ جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور
ایک ہی منزل میں مختلف جگہوں پر کچھ فاصلہ سے دوسری جماعت کا کیا حکم ہے؟ بیٹنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے اور اسکا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے لہذا یہ بھی مکروہ ہے
خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یا مختلف اوقات میں ہوں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳/ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ



اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة والوتر

لمعا المصباح فی رکعت التراويح

بیسے رکعات تراویح کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثبوت اور اسے پر حضرات صحابہ کرام
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ
کا اجماع



تعداد تراویح پر مفصل بحث

سوال : ایک عالم کہتا ہے کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعتیں ثابت نہیں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دلیل میں بخاری مسلم اور ابن خزمیہ کی روایات پیش کرتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات تراویح۔ اور کہتا ہے کہ خود فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیس رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ کنز کی شرح الشرح فتح المبین میں ہے کہ تراویح گیارہ مع وتر ہیں۔ ماروی کان یصلی فی رمضان عشرين سوی الوتر ضعیف۔ اور موطا مالک وابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے۔

دوسرا عالم آٹھ رکعات کے قائل کو کافر اور ملعون کہتا ہے۔ کیونکہ بیس رکعات اجماع سے سنت مؤکدہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پہلا عالم کافر ہے؟ کیا بیس رکعات اجماع سے ثابت ہیں۔ اجماع کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بیاننا شافیا، توجروا اجرا وافیا

الجواب ومنه الصدق والصواب

اہل حدیث مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

① عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سأل عائشة رضي الله تعالى عنهما كيف كان صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا عائشة ان عيني تنام ولا ينام قلبي (بخاری ص ۱۵۴ ج ۱)

② حد ثنا محمد بن حميد الرازي ثنا يعقوب بن عبد الله ثنا عيسى بن جارية عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان ليلة ثمان ركعات والوتر فلما كان من القابلة اجتمعنا في المسجد ورجونا ان يخرج الينا فلم نزل فيه حتى أصبحنا قال افى كرهت وخشيت ان يكتب عليكم الوتر۔ (قيام الليل للإمام ابن نصر المروزي ص ۹)

(۳) و بہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان منی لیلۃ شیء قال وما ذلک یا ابی قال نسوتہ داری قلن انا لانقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وكان شبہ الرضا (قیام اللیل ص ۹)

(۴) مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یرید انہ قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی بن کعب و تمیما الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعة (موطا مالک ص ۹۸)

حدیث اول کے جوابات

(۱) اس حدیث میں اضطراب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال تام نہیں۔ قال القزطی اشکلت روایات عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علی کثیر من اھل العلم حتی نسب بعضهم حدیثہا الی الاضطراب (فتح الباری ص ۲ ج ۲)

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیرہ رکعات کی روایت بھی بسند صحیح موجود ہے۔ چنانچہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ رفع اضطراب کی یہ صورت بیان فرماتے ہیں۔ والصواب ان کل شیء ذکوۃ من ذلک محمول علی اوقات متعدده واحوال مختلفہ (فتح الباری ص ۲ ج ۲) اس سے غیر مقلدین کا آٹھ رکعات میں تراویح کبہ انحصار اور اس سے زیادہ کے عدم ثبوت کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ خود اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری فرماتے ہیں انہ قد ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلاث عشرۃ رکعة سوی رکعتی الفجر (تحفۃ الاحوذی ص ۲ ج ۲)

غرضیکہ اس حدیث میں اضطراب یا آٹھ رکعات میں عدم انحصار میں سے کوئی ایک امر ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام سے چار چار رکعات اور آخر میں ایک سلام سے تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے، حالانکہ غیر مقلدین کا عمل اس کے خلاف ہے۔ وہ تراویح دو دو رکعت پڑھتے ہیں اور وتر کی ایک ہی رکعت یا تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں۔ لہذا جو حدیث خود مستدل کے ہاں متروک العمل ہے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

(۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے اس میں تراویح کا بیان نہیں ذیل

میں اس پر چند قرآن ذکر کئے جاتے ہیں۔

حدیث میں بیان تہجد پر شواہد :

(۱) حدیث کے الفاظ "ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" بتا رہے ہیں کہ سوال ہی ایسی نماز سے متعلق تھا جو پورا سال پڑھی جاتی تھی۔ سوال میں خاص رمضان کے ذکر کی یہ وجہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ، اسلئے سائل کو خیال ہوا کہ شاید رمضان میں تہجد کی رکعات بھی زیادہ پڑھتے ہوں۔

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی بنسبت رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سند کرھا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث زیر بحث میں صرف رکعت تہجد کا بیان ہے (۳) اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فقالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا رسول اللہ اتمام قبل ان توتر الخ، تراویح میں یہ بعید ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا علم مردوں کو زیادہ ہونا چاہئے تھے لتقدم صفوفہم، اس کے برعکس نماز تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے اس میں گاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے تھے۔

(۴) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا، چنانچہ امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں باب عدد الركعات الی یقوم بها الامام للناس فی رمضان، کے تحت بہت سی روایات لائے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث اصح مافی الباب ہونے کے باوجود ذکر نہیں فرمائی بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں فرمایا۔

(۵) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلقہ ابواب میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے۔

باب ما جاء فی الوتر (ص ۱۳۵ ج ۱)

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ (ص ۱۵۴ ج ۱)

باب فضل من قام رمضان (ص ۲۶۹ ج ۱)

باب كان النبي صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه (۱۷۵۰۳)
 پہلی جگہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یصلیٰ احدى عشرة ركعة كانت تلك صلوة
 تعنى بالليل فيسجد السجدة من ذلك قد رما يقرأ احدى خمسين آية - یہ الفاظ
 کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کر رہے ہیں۔ نیز اس باب سے تثلیث وتر کا اثبات مقصود ہے
 نہ کہ عدد رکعات تراویح۔

دوسرے باب میں قیام باللیل فی رمضان کے الفاظ ہیں اور قیام اللیل تہجد کو بھی کہا جاتا ہے
 پھر رمضان کے ساتھ وغیرہ کے اضافہ نے مزید وضاحت کر دی کہ تہجد ہی مراد ہے۔
 تیسرے باب میں بھی عدد رکعات کا بیان مقصود نہیں بلکہ بیان فضل مقصود ہے۔
 چوتھے باب میں نوم قبل الوتر کا بیان مقصود ہے نہ کہ عدد رکعات، نیز نوم قبل الوتر مستقل
 دلیل ہے کہ یہاں نماز تہجد مراد ہے کما مر

⑥ قال الحافظ رحمه الله تعالى تحت الحديث المذكور وظهري ان الحكمة في
 عدم الزيادة على احدى عشرة ان التهجد والوتر مختص بصلوة الليل فرائض
 النهار الظهر وهي اربع والعصر وهي اربع والمغرب وهي ثلاث وتر النهار فناسبت
 تكون صلوة الليل كصلوة النهار في العدد جملة وتفصيلاً واما مناسبة ثلاث عشرة
 فبعضهم صلوة الصبح لكونها نهائية الى ما بعدها (فتح البلاء ص ۳۱ ج ۲)
 حکمت مذکورہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس نماز سے تہجد مراد ہے۔ علاوہ ازیں عبارت مذکورہ
 میں لفظ تہجد کی تصریح بھی ہے۔

تہجد و تراویح میں فرق :

اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد و تراویح ایک ہی چیز ہے انکا یہ خیال وجوہ ذیل سے باطل ہے۔

- ① تہجد میں تداوی جائز نہیں اور تراویح میں تداوی ہوتی ہے۔
- ② تراویح کا وقت قبل النوم ہے اور تہجد کا وقت معین نہیں افضل و زنت بعد النوم ہے
- ③ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے۔ کصنیع
 الامام مسلم وغیرہ۔ صحیح مسلم کے ابواب اگرچہ خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قائم نہیں فرمائے
 مگر احادیث کی ترتیب اور مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ
 ہی کا فعل ہے۔ نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین

میں سے ہیں۔

(۴) نماز تہجد پہلے فرض تھی اسکے بعد وحی الہی نے اسکی فرضیت منسوخ کر دی اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل پر دوام نہ فرمایا کی حکمت خشیت فرضیت بیان فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قیام لیل تہجد سے منغایر ہے کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے منسوخ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرمادیا گیا تھا۔

(۵) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَلَيَّ إِنِّي بَعَثْتُكَ رَبِّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا — يَأْتِيهَا الْمُرْتَقِلُ قَدِ الْيَلُ الْآقِلِيلًا نَصْفَةً أَوْ انْقِصَ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتَلَ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا اور تراویح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سنت لکم قیامہ (نسائی ص ۳ ج ۱) یعنی تراویح کا حکم وحی غیر متلو سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہجد کے علاوہ ہے اسمیں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اس لئے کہ اس حدیث میں بصورتہ تقابل ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسُنَّتَ لَكُمْ قِيَامَهُ، حالانکہ صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمایا ہے۔ معنہذا صورت تقابل سے ثابت ہوا کہ حکم صوم وحی متلو سے ہے اور حکم تراویح وحی غیر متلو سے۔

(۶) حدیث میں تراویح کا نام ”قیام رمضان“ مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ ہے۔ کیونکہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

(۷) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا ہے اور تراویح کا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد۔

(۸) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدھا في الجماعة فان كان له تہجد یوتر بعدھا (مقنع ص ۱۸۴)

اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تہجد اور تراویح کو متغایر سمجھتے تھے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کیساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اسمیں ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد افراد پڑھتے تھے

(۱۰) تہجد کی متعین رکعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ یعنی مع الوتر زیادہ سے

زیادہ تیرہ اور کم از کم سات، اور تراویح سے متعلق خود اہل حدیث حضرات کی شہادتیں ہیں کہ انکا کوئی معین عدد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

اہل حدیث حضرات کی شہادات:

- (۱) قال شیخ الاسلام العلامة ابن تیمیہ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد ولا ینقص منه فقد اخطأ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۶۳)
- (۲) قال العلامة السبکی اعلو انہ لم ینقل کمر صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی تلك اللیالی ہل هو عشر و ن اقل (شرح المنہاج)
- (۳) قال العلامة جلال الدین السیوطی ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذلك من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ (المصابیح ص ۷۷)
- (۴) قال العلامة الشوکانی والحاصل الذی دللت علیہ احادیث الباب وما یشاہیہا هو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلوة فی جماعة وفرادی فقصر الصلوة المسماة بالتراویح علی عدد معین وتخصیصہا بقراءة مخصوصة لم ترد بہ سنة (نیل الاوطار ص ۲۶ ج ۱)
- (۵) مولوی وحید الزماں صاحب فرماتے ہیں، ولا یتعین لصلوة لیاالی رمضان یعنی التراویح عدد معین (نزل الابرار ص ۱۲ ج ۱)

(۶) ابوالخیر میر نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں وبالجملة عددے معین در مرفوع نیامدہ۔

(العرف المجادی ص ۸۷)

(۷) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں، ان صلوة التراویح سنة باصلها لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی لیاالی ثم ترکھا شفقة علی الامۃ ان لا تجب علی العامة او یحسبوا واجبة ولم یأت تعین العدد فی الروایات الصحیحة المرفوعة لکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلمان عددها کثیر (الانتقاد الرجیع ص ۷)

دوسری حدیث کا جواب:

اس حدیث سے اسلئے استدلال صحیح نہیں کہ اسمیں دو راوی ضعیف ہیں۔

(۱) محمد بن حمید الرازی۔ ضعفہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی التقریب۔

(۲) عیسیٰ بن جاریہ۔ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ ذہبی نے میزان

الاعتدال میں فن جرح و تعدیل کے مسلم امام یحییٰ بن معین سے اسکی تضعیف اور منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن عدی اور ساجی عقیلی نے بھی اسے ضعیف میں شمار کیا ہے، امام نسائی

نے متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابو داؤد نے بھی اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری سخاوی سے نقل فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث وصف فی الرجل یتحقق بہ الترتیب لحدیثہ (ابکار الملتن ص ۱۹۱)

- اتنے ائمہ نے عیسیٰ بن جاریہ پر اتنی شدید جرح کی ہے۔ اتنی بڑی جماعت کے مقابل صرف ابو زرہ نے ”لا بائس“ کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بوجہ ذیل جمع راجح ہے۔
- ① اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔
 - ② جارحین کی ایک جماعت ہے اور وہ مسلم امام ہیں۔
 - ③ جرح بہت شدید ہے۔ چنانچہ منکر الحدیث سے متعلق خود اہل حدیث کا فیصلہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

لہذا یہ روایت قابل قبول نہیں بالخصوص جبکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسیٰ متفرد ہے۔ قال الامام الطبرانی لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بهذا الاسناد کسی دوسرے صحابی سے بھی اس حدیث کا کوئی شاہد نہیں۔

تیسری حکایت کا جواب :

اس حدیث کی سند بھی بعینہ وہی ہے جو دوسری حدیث کی ہے۔ اسلئے یہ بھی قابل قبول نہیں۔
چوتھی حکایت کے جوابات :

- ① یہ روایت مضطرب المتن ہے۔ اختلف فیہ علی محمد بن یوسف فروی عنہ مالک فی الموطا و یحیی القطان عن ابن ابی شیبہ و عبد العزیز بن محمد عن سعید ابن منصور لکن احدی عشرة رکعة و رواہ محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق محمد ابن اسحق عن محمد بن یوسف فقال ثلاث عشرة و رواہ عبد الرزاق من وجه آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی و عشرین قالہ الحافظ فی الفتح ص ۲۱۹ ج ۲ (اعلاء السنن ص ۷۳ ج ۱)

محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں۔ ان میں سے تین گیارہ رکعات، ایک تیرہ اور ایک اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔ پھر گیارہ رکعت نقل کرنے والوں کے بھی متن آپس میں مختلف ہیں۔ تینوں کے متون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام مالک : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ

لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔

یحیی القطان : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبدالعزیز بن محمد : ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی الحدیث احدى وعشرين وهو صحيح ولا اعلم احدا قال فيه احدى عشرة الا مالكا (الئی ان قال) الا غلب عندی ان قوله احدى عشرة وهم كذا فی التعليق لحسن نقله عن الزرقانی فی شرح الموطأ ۵ قلت لم يهمل فيه مالك لم تابعة اثنين له في ذلك عن محمد بن يوسف بل الوهم عندی فيه من محمد بن يوسف فانه قال مرة احدى وعشرين ومرة احدى عشرة وتارة ثلاث عشرة والجمع بينها بالحمل على اختلاف الاحوال ونحوه كما قال الحافظ وغيره بعيد مستغنى عنه فان المخرج واحد فكيف يصح حمله على اختلاف الاحوال والمحفوظ ما رواه يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة كما ذكرناه في المتن اخرج البيهقي وسنده صحيح وعزاه الحافظ في الفتح الى مالك ايضا (اعلاء السنن ص ۴۸ ج ۷)

سائب بن يزيد کے دو شاگرد ہیں محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ محمد بن یوسف کا شدید اختلاط اوپر بیان ہوا کہ ان کے پانچوں شاگرد ان سے مختلف متن روایت کرتے ہیں حافظ ابن عبد البر نے اکیس رکعات کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اب یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت کی وجوہ قوت ملاحظہ ہوں۔

بیہقی نے سنن کبریٰ ص ۴۹۶ ج ۲ میں اس روایت کو عن ابی الذئب عن یزید بن خصیفہ نقل کیا ہے اور یہی روایت بیہقی نے معرفة السنن والآثار میں عن محمد بن جعفر عن یزید بن خصیفہ ذکر کی ہے۔ غرضیکہ یزید کے دونوں شاگرد متفق ہیں ان میں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی طرح اختلاف نہیں۔ پہلی سند کی امام نووی، امام سیوطی اور امام عراقی وغیرہم نے تصحیح کی ہے۔

(ارشاد الساری، تحفة الاخيار ص ۱۹، تحفة الاحوزی ص ۲ ج ۲)

دوسری سند کو امام سبکی نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح موطا میں صحیح

قرار دیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۷۷ ج ۲)

کسی متعسف کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس روایت میں ابو عبد اللہ ابن فنجویہ دینوری ہیں جنکی عدالت معلوم نہیں۔ اولاً اتنے جلیل القدر ائمہ حدیث کی طرف سے اس روایت کی توثیق ثابت ہو جانے کے بعد یہ اشکال محض تعسف ہے۔ ثانیاً کسی راوی کی تعدیل کے لئے اسپر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اسکی شہرت تعدیل کے لئے کافی ہے، قال ابن الصلاح فی المقدمة عدالة الراوی تارة تثبت بتنصيص العدلین علی عدالة و تارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالة بين اهل النقل او نحوهم من اهل العلم وشاع الشناء علیه بالشقة والامانة استغنى فيه بذل عن بيعة شاهدة بجلالة تنصيصاً هذا هو الصحيح في مذهب الشافعي وعليه الاعتماد في فن اصول الفقه (مقدمہ ص ۷۷)

د قال المحافظ ابو عمرو ابن عبد البر كل حامل علم معروف العناية به فهو عدل محمول في امره ابدأ على العدالة حتى يتبين جرحه (حوالہ بالا) ابو عبد اللہ ابن فنجویہ پر کوئی جرح منقول نہیں اور اہل فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے سلمہ میں وفات پانے والے مشہور محدثین میں آپ کو ذکر کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴ ج ۳) اور ابن اثیر جزری فرماتے ہیں عرف بها ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن الحسین فنجویہ الفنجوی الدینوری المحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الاودی الموصلی وابی بکر بن مالک القطعی وغیرہما روی عنه ابواسحق الثعلبی فاکثر فی تفسیرہ ویدکر کثیراً فیقول اخبرنا الفنجوی۔ علاوہ ازیں سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں آپ کا ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں آپ سے بکثرت روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری صحیح اور قوی روایات کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی مزید قویۃ الاسناد روایات ہم آگے ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو قابل عمل نہیں سمجھا اسی لئے وہ آٹھ رکعات کے قائل نہ ہوئے۔

(۵) خود موطا ہی میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں (موطا ص ۴۰، فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۴)

(۶) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہوتا تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ومن بعدہم سے بھی اس قسم کی روایت یا اس پر عمل منقول ہوتا مگر ایسی کوئی بھی روایت نہیں۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولاً حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات کی روایت پہنچی ہو اس لئے یہ حکم دیا۔ بعد میں بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی تو اس کا حکم نافذ کیا۔

موطائی ایک اور روایت کی وضاحت :

موطائی میں ایک اور روایت ہے عن الاعرج قال ما أدركت الناس الا وهم يلعنون الكفرة في رمضان قال وكان القاري يقرأ سورة البقرة في ثمان ركعات فاذا قام بها فلي ثنتي عشرة ركعة رأى الناس انه قد خفف (موطأ مالك) اس میں اس پر دلیل نہیں کہ کبھی آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی بارہ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقدار قرارت اتنی ہوتی تھی کہ بقرہ جیسی سورت آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے۔ مجموعہ رکعات کی تعداد کا بیان اس میں نہیں۔ لما جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

بیس تراویح کا ثبوت

(۱) قالت عائشة رضي الله تعالى عنها كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لا يجتهد في غيره (رواه مسلم)

(۲) وعنها رضي الله تعالى عنها قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شد منزرة واحين ليلة وايقظ اهله اخرجه البخاري (فتح الباري ج ۲ ص ۲۳۲)

(۳) روى البيهقي في شعب الایمان عن عائشة رضي الله تعالى عنها مرفوعاً كان اذا دخل شهر رمضان شد منزرة ثم لم يأت فراشة حتى ينسلخ واسناده حسن۔

(۴) وعنها رضي الله تعالى عنها قالت كان اذا دخل رمضان تغیر لونه وكثرت صلاته وابتهل في الماء واشفق لونه كذا في العزیزی ج ۳ ص ۱۲۷۔ احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ یہ احتمال کہ آٹھ رکعت میں رات گزار دیتے تھے بہت بعید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طویل قیام کی مشقت شدیدہ ہے اور آخری حدیث میں ”طالت صلاتہ“ کی بجائے ”کثرت صلاتہ“ کا

لفظ اس پر بین دلیل ہے کہ رکعات میں زیادتی مراد ہے۔ نواب صدیق حسن خان اہل حدیث تحریر فرماتے ہیں یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتہد فی رمضان ما لا یجتہد فی غیرہ رواہ مسلمان عدداً کثیراً (الانتقاد الرجیع ص ۶) مذکورہ بالا روایات میں آٹھ رکعتوں سے زیادتی ثابت ہوئی اگرچہ بیس کی تعیین نہیں، اور ذیل کی روایت میں بیس کی تعیین ہے۔

(۵) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة والوتر اخرجة ابن ابی شیبہ فی مصنفہ والبخاری فی معجمہ والطبرانی فی الکبیر لہ والبیہقی فی سننہ (التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۶) صاحب فتح القدیر اور دیگر بعض مصنفین کا اس حدیث کو راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف کتاباً وجوہ ذیل صحیح نہیں۔

(۱) مختلف محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ قال ابن عدی لہ احادیث صالحة وهو خیر من ابراہیم بن ابی حنیفہ وقال یزید بن ہارون وکان علی کتابتہ ایام کان قاضیاً ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانہ عدل فی قضائہ منہ (تھذیب ج ۱ ص ۱۴۵) اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان، ابراہیم بن ابی حنیہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ حالانکہ ابراہیم بن ابی حنیہ بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔ نقل عثمان الدارمی عن یحییٰ بن معین انہ قال شیخہ ثقہ کبیر کذا فی اللسان (ج ۱ ص ۵۳) جب ابراہیم بن ابی حنیہ ثقہ ہیں تو ابراہیم بن عثمان بطریق اولیٰ ثقہ ثابت ہوئے۔ یزید بن ہارون کی تعدیل بہت وزن رکھتی ہے اس لئے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ نہایت ثقہ اور زبردست حافظ ہیں۔ نیز یہ ابراہیم کے حالات سے بنسبت خارجیین کے زیادہ باخبر تھے اس لئے کہ یزید ان کے محکمہ میں مقرر تھے۔

(۲) ضعیف حدیث کی صحت پر جب قرائن موجود ہوں تو یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اس پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں۔

(۱) خود ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے اور مثال میں بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب غسل ثلاثاً من دلوغ الکلب اس پر قرینہ ہے کہ اس بارہ میں حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت صحیح ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲)

(۲) وفيہ ایضاً والحاصل ان غیر المرفوع او المرفوع المرجوح فی الثبوت عن مرفوع آخر

قد يقدم على عديله اذا اقترنت بقرائته تفيد انه صحيح عنه عليه الصلوة والسلام مستمر عليه (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۵)

(۳) حدیث مرسل عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ضعیف ہے۔ مگر اس سے قول صحابی موافق ہو جائے تو بالاتفاق حجت ہے اس کی بھی ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے۔ و قول الترمذی العمل علیہ عند اهل العلم یقتضی قوۃ اصلہ وان ضعف خصوص ہذا طریقہ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۸)

(۴) روی اسد بن عمرو بن ابی یوسف قال سألت ابا حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ عن التراويح وما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال التراويح سنة مؤكدة ولو يتخصره عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعاً ولو يأمر به الا عن اصله لدايه و عهد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی مراقی الفلاح نقلاً عن الاختیار (ص ۲۳۹) غرضیکہ حدیث نمبر ۵ کو بالفرض ضعیف بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی پہلی چار روایتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم ساری اُمت کا اجماع اس حدیث کی صحت پر حجت بینہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اعتراف کرتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو اُمت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں (اخبار الہدیث ۹ اپریل ۱۹۷۷ء) اور آٹھ رکعات والی حدیث اسکے خلاف نہیں۔ اسلئے کہ یہ آٹھ رکعتیں تہجد کی تھیں۔ علاوہ ازیں آٹھ رکعات والی حدیث میں اضطراب ہے۔ (فتح الباری ص ۱۱) یعنی ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة اور حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی باللیل ثلاث عشرة رکعة ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین رواہ البخاری (فتح الباری ص ۱۱) وقد مر تفصیلہ ،

(۶) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسکوا بها وعضوا علیہا بالنواجذ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ) اس حدیث میں سنت خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ پس جو امر خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا وہ حکماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت اور آپ کی طرف سے مامور بہ قرار پائیگا پس اگر بیس رکعات تراویح کا ثبوت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی ہوتا تو بھی اس حدیث سے بیس رکعات کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہوا۔

بين ركعات اجماع صحابه رضي الله عنهم

- ① عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة والوتر رواه البيهقي في المعرفة وصححه السبكي في شرح المنهاج (التعليق الحسن ص ٢٥٢ ج ٢)
- ② وفي لفظه من طريق اخر قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة وقال كانوا يقرؤون بالمئين وكانوا يتكئون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه من شدة القيام صححه النووي في الخلاصة وابن العراقي في شرح التقريب والسيوطي في المصابيح (حواله بالا)
- ③ عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه امر رجلاً يصلي بهم عشرين ركعة رواه ابو بكر ابن ابى شيبة في مصنفه واسناده مرسل قوي (اشار السنن ص ٥٥ ج ٢)
- ④ عن عبد العزيز بن رفيع قال كان ابى بن كعب رضي الله تعالى عنه يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة يوتر بثلاث اخرجه ابو بكر ابن ابى شيبة في مصنفه واسناده مرسل قوي (حواله بالا)
- ⑤ عن ابى الحسن ان علي بن ابى طالب رضي الله تعالى عنه امر رجلاً يصلي بالناس خمس ترويجات عشرين ركعة رواه البيهقي في سننه وضعفه (كنز العمال ص ٢٨٢ ج ٢)
- ⑥ اخبر البيهقي رواية ابى عبد الرحمن السلمي عن علي رضي الله تعالى عنه وسجى مفصلاً عن قريب انشاء الله تعالى
- ⑦ عن شتير بن شكل وكان من اصحاب علي رضي الله تعالى عنه انه كان يؤمهم في رمضان بعشرين ركعة والوتر بثلاث وفي ذلك قوة (بيهقي ص ٢٩٦ ج ٢)
- ⑧ عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة رواه مالك واسناده قوي مرسل (بيهقي ص ٢٩٦ ج ٢)
- ⑨ عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثاً وعشرين ركعة بالوتر (ابو بكر ابن ابى شيبة واسناده حسن)

(١٠) عن أبي الخضيب قال كان يؤمننا سويد بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويجات عشرين ركعة (بيهقي ص ٢٩٦ وإسناده حسن)

(١١) عن نافع بن عمر قال كان ابن أبي مليكة يصلي بنا في رمضان عشرين ركعة (ابن أبي شيبة وإسناده حسن)

(١٢) عن سعيد بن عبيد ان علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويجات ويوتر بثلاث (ابن أبي شيبة وإسناده حسن)

(١٣) قال محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث (قيام الليل ص ٩)

(١٤) قال الأعمش كان (عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه) يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث (حواله بالا)

(١٥) سيأتي عن المغيرة رواية صالح مولى التوأمة

(١٦) قال الحافظ ابن قدامة في المغيرة والمختار عند أبي عبد الله رحمه الله فيها عشرين ركعة وبهذا قال الثوري وأبو حنيفة والشافعي وقال مالك ستة وثلاثون وزعم ابن الأثير القدير وتعلق بفعل أهل المدينة فان صالح مولى التوأمة قال أدركت الناس يقومون بأحدى وأربعين ركعة يوترون منها بخمس ولنا ان عمر رضي الله تعالى عنه لما جمع الناس على أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه كان يصلي بهم عشرين ركعة رواه أبو داود ورواه السائب بن يزيد وروى عنه من طرق وروى مالك عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر رضي الله تعالى عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة وعن علي رضي الله تعالى عنه انه امر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة وهذا كالأجماع وأما ما رواه صالح فان صالحا ضعيف ثم لا ندري من الناس الذين أخبر عنهم فلعله قد أدرك جماعة من الناس يفعلون ذلك وليس ذلك بحجة ثم لو ثبت ان أهل المدينة كلهم فعلوه لكان ما فعله عمر واجمع عليه الصحابة رضي الله تعالى عنهم في عصره أولى بالاتباع قال بعض أهل العلم انما فعل هذا أهل المدينة لانهم أرادوا مساواة أهل مكة فان أهل مكة يطوفون

سبعاً بین کل ترویجین فجعل اهل المدينة مکان کل سبع اربع رکعات وما کان علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی واحق ان یتبع (المغنی ۸ ج ۱)

(۱۷) قال ابن حجر المکی الشافعی اجتمعت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم علی ان التراويح

عشرون رکعة (مراقبة)

(۱۸) التراويح سنة مؤكدة عشرون رکعة برمضان والاصل فی مسنونيتها الاجماع

(نیل المارب فی لفقة الحنبلی)

(۱۹) قال العلامة القسطلانی فی شرح الصحیح للبخاری وقد عدا واما وقع فی زمان عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالاجماع -

(۲۰) روى محمد بن نصر من طريق داود بن قيس قال ادركت الناس في اماراة ابی

ابن عثمان وعمر بن عبد العزيز بالمدينة يقومون بست وثلاثين ويوترون بثلاث -

(فتح الباری ص ۲۲۰ ج ۴)

(۲۱) عن الزعفرانی عن الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت الناس يقومون بالمدينة بتسع

وثلاثين وبمكة بثلاث وعشرين (حوالہ بالا)

قال لشيمخ يرد على هؤلاء احداث البداة في الدين فان قيام رمضان بستة وثلاثين لم يثبت

عن احد من الخلفاء ولم يرو ذلك في اثر من الصحابة ثم اجاب قال واللہ اعلم لعلمهم لم يرو التحديد

فيه وظنوا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راغب الناس وحثهم علی قيام رمضان من

غير تحديد فيه ولا تعيين ركعات واختيار الخلفاء عشرين ركعة كان لدخوله تحت

هذا الترغيب العام لا لمعنى في عشرين حتى يكثر الزيادة عليها فاختر والحكمة قاسمة

وثلاثين بناء على زعمهم ان في الامرسة واما نحن فلا نجيز الزيادة على العشرين ركعة

في الجماعة العامة ونجيز في غير الجماعة لان الجماعة من الشعائر فلا تشرع الا ما ورد به النص

او المواظبة من الصحابة ولم يرد النص ولا مواظبة الصحابة بازيد من عشرين ركعة في رمضان

واما قولهم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حث على قيام رمضان من غير تحديد فالجواب عنه

انه صلی اللہ علیہ وسلم حث عليه بالاطلاق ونحن نقول به ولم يحث عليه بالجماعة لا الى

حد فلا يجوز قيامه بالجماعة الا بالقدر الذي ورد فيه الجماعة واللہ اعلم (حاشية على السنن ج ۴)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بیس سے کم نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم کا

اجماع ہے۔ معنی، قسطلانی، مرقاة اور نیل المآرب کی خط کشیدہ عبارات میں اسکی بالکل تصریح ہے۔
بیس سے زیادہ کا تو بعض نے قول کیا ہے اس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

روایات مذکورہ میں بعض مراسیل ہیں اور ابو الحسنار کی روایت ضعیف ہے اسقدر کثرت
روایات کی موجودگی میں ان سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں معہذا تئیم فائدہ اور مزید تائید کی
غرض سے قدرے توضیح کی جاتی ہے۔

حجۃ المرسل :

حجۃ المرسل کے انکار میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، امام احمد
رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اگرچہ قول انکار ہے مگر ان کا راجح قول حجیت کا ہے۔ ابو داود اور ابن جریر
نے امام شافعی سے قبل حجیت مرسل پر تمام اسلاف کا اجماع نقل کیا ہے۔ سب سے پہلے امام
شافعی نے اس کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے اجماع نقل کر کے اسے ساقط کرنے کی بہت
کوشش کی ہے مگر بڑی مشکل سے پانچ نام پیش کر سکے ہیں (مقدمة ففتح الملہم ص ۷۷)

علاوہ ازیں جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مستقل روایت مسند یا مرسل سے ہوتی ہو تو یہ
مرسل امام شافعی کے ہاں بھی مقبول ہے۔ قال المحافظ وقال الشافعی یقبل اذا اعتضد بحجۃ
من وجہ آخر یباین الطريق الاولیٰ مسنداً کان او مرسلًا (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۷) بلکہ شیخ الاسلام
ذکر یا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائیگا (حاشیہ شرح نخبہ)
علاوہ ازیں یزید بن رومان کی روایت مرسل مالک ہے اور مراسیل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام
شافعی کے ہاں بھی بلاشبہ حجت ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، قال الشافعی اصح الكتب
بعد کتاب اللہ موطا الامام مالک واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رأى
مالك ومن وافقه واما على رأى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا قد اتصل
السند به من طرق اخرى وقد صنف فى زمان مالك موطات كثيرة فى تخريج احاديثه
ووصل منقطعہ مثل کتاب ابن ابی ذئب وابن عیینہ والثوری ومحمد (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶)

ابو الحسنار کی روایت :

اس روایت کے ضعف کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

① تقریب التہذیب میں ابو الحسنار کو مجہول لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو الحسنار سے انکے دو شاگرد ابو سعد اور عمرو بن قیس روایت

کرتے ہیں اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والے دو ہوں وہ مجہول الذات نہیں۔ لہذا ابوالحسنار مجہول نہیں بلکہ مستور ہیں اور مستور کی روایت کو ایک جماعت قبول کرتی ہے اور عند الجمہور بشرط مؤید مقبول ہے۔ یہاں اسکا مؤید عبدالرحمن سلمیٰ اور شتیر بن شکیل کی روایت موجود ہے جس کو بیہقی نے قوی قرار دیا ہے وقد مر نصہ هذا الحدیث وان کان ضعیفا لکن مجہر بتعدد طرقہ (ابکار المین ص ۱۱۸) بلکہ کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں اور وہ سب ضعیف ہوں تو وہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے ولو سلمان کلھا ضعیفۃ فہی مجموعھا تبلغ درجۃ الحسن (ابکار المین ص ۱۳۱)

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوالحسنار کا لقار ثابت نہیں لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ابوالحسنار دو ہیں ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں یہ حکم بن عتبہ کے شاگرد اور شریک نخعی کے استاد ہیں (تہذیب التہذیب) دوسرے ابوالحسنار جو حدیث مذکور کے راوی ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور ابوسعید بقال و عمرو بن قیس کے استاد ہیں۔

بیس رکعات پر خلفاء راشدین کی مواظبت

صاحب ہدایہ کے قول (بیس رکعات پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہے) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بیس رکعات جماعت کیساتھ شامل ہو کر پڑھنا ثابت نہیں۔ یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ لفظ خلفاء راشدین تغلیباً اطلاق کیا گیا ہے۔ مقصود خلفاء ثلاثہ ہیں (فتح القدیر ص ۱۱۷ ج ۱)

باقی خلفاء کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے عدم مواظبت ثابت کرنا کوتاہ نظری ہے اس لئے کہ مواظبت کی دو قسمیں ہیں :

- ① عملاً کمواظبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الجماعۃ والسنن الرواتبہ وغیرھا۔
- ② مواظبت تشریعیاً۔ یعنی کسی فعل پر ہمیشہ برا نیگہتہ کرتے رہنا اور ترغیب دیتے رہنا مثلاً اذان اقامت کی سنیت پر اجماع ہے۔ حالانکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر

تمراً مواظبت نہیں فرمائی بلکہ کبھی بھی اذان یا اقامت خود نہیں کہی (الا ان یكون نادراً) غرضیکہ اذان اقامت کی سنیت صرف مواظبت تشرعی یعنی ترغیب کی وجہ سے ہے۔ اب بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے تو بھی مواظبت تشرعی ثابت ہے۔ علاوہ ازیں یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے۔

(۱) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزمأ فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کیساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جماعت سے پڑھتے تھے (المغنی لابن قدامة)

(۲) قال الشوكاني واختلفوا في ان الافضل صلاة في بيته منفرد ام في جماعة في المسجد فقال الشافعي وجمهور اصحابه وابو حنيفة واحمد وبعض المالكية وغيرهم رحمهم الله تعالى الافضل صلاة في جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنہم واستمر امر المسلمین علیہ لانہ من الشعائر الظاہرة (نیل الاوطار ص ۲۹ ج ۲)

(۳) قد اخرج البيهقي في سننه عن ابي عبد الرحمن السلمي عن علي رضي الله تعالى عنه قال ودعا القراء في رمضان فامر منهم رجلاً ان يصلي بالناس عشرين ركعة قال وكان علي رضي الله تعالى عنه يوترهم وروى ذلك بوجه آخر عن علي انتهى كذا في التعليق المحسن قال النيموي فيه حماد بن شعيب وهو ضعيف (ص ۵۶ ج ۲) ثورنقل اقوال مضعفيه عن الميزان قلت وفي اللسان وقال ابن عدي يكتب حديثه مع ضعفه واخرج له مع هذا الحاكم في مستدرکه ۵ (ص ۳۲۸ ج ۲) فالأثر حسن مع كونه مروياً من وجه آخر أيضاً وفيه تضرع بامر علي رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة و اشعار بقيامه معهم (انہ كان يوترهم فافهم) (اعلاء السنن ج ۴ ص ۵۰)

مدونہ میں روایت ہے عن یحییٰ بن سعید انہ سئل عن صلوة الامیر خلف القاری قال ما بلغنا ان عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانا یقومان فی رمضان مع الناس فی المسجد (مدونہ ص ۱۹۲) اس سے خلفاء ثلاثہ کا جماعت سے نماز نہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا اسلئے کہ اس میں بصورت اقتدار نماز نہ پڑھنے کی نفی ہے۔ ممکن ہے کہ امام بن کر نماز پڑھاتے ہوں جس سے روایت ساکت ہے علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کامل یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت سے تراویح

پڑھتے تھے۔ اور حضرت علی، جابر، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی امام احمد کی تصریح گزر چکی ہے کہ یہ حضرات جماعت سے تراویح پڑھتے تھے۔

قول ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں۔ کیونکہ آٹھ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے۔
(فتح القدیر ج ۱ ص ۲۰۷)

یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایت و درایت ہر طرح سے باطل ہے۔ روایت اس لئے کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور درایت اس لئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا۔ حالانکہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظبت سے سنیت ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں :

(۱) قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی البناۃ شرح الہدایۃ، سیرۃ العمرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما لا شک فی ان فعلہا ثواب وفی ترکہا عقاب لاننا امرنا بالاعتداء بہما لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام اقتدوا باللذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء مأثوراً بہ یکون واجباً وتارک الواجب یشحق العقاب والعتاب (مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۱ ج ۱)

(۲) وقال کمال الدین بن الہمام فی تحریر الاصول قسم المحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومہ وواجب ما ظن، وسنة الطریقة الدینیۃ منہ علیہ الصلوۃ والسلام والخلفاء الراشدین وبعضہم (حوالہ بالا)

(۳) وقال بحر العلوم فی شرح التحویر ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرة فی الدین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم بان باثرة اولایان استمر النائم علیہا اذ نہ او باذن الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم (حوالہ بالا)

(۴) وفي التبیین شرح الحساعی، وفي عرف الشرع یراد بہا طریقۃ الدین اما للرسول صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی یقال سنة الرسول او سنة الخلفاء الراشدین (مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۱ ج ۱)

ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین عضو
علیہا بالنواجذ قال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ص ۹۲ ج ۲)

علیکم کالفظ وضعا لزوم پر دل ہے اور معطوف بہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے معلوم
ہو کہ سنتہ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی سنتہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے، لہذا دونوں
میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں کیونکہ مندوب لازم نہیں ہوتا۔ پھر عضو علیہا
بالنواجذ بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں سنتہ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے
تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی۔ کیونکہ جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر
عمل کرنا مستحب ہے لما روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صریحا سألت ربی عن اختلاف اصحابی
من بعدی فأوحی الیّ یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقویٰ من
بعض ولکل نور فمن اخذ شیء مما ہم علیہ من اختلافہم فهو عندی علی ہدی رواہ زرین
(مشکوٰۃ ص ۲۷۳) اسی لئے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتہ الخلفاء اور خصوصاً سنتہ اشیخین
کے اتباع کی بنسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو بھی خلفاء راشدین
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موافقت موجب سنیت ہے۔ صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے
کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اقتدار و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

بیس رکعت سے کم تراویح نہ ہونے پر ائمہ اربعہ غیر ہم کا اجماع

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی
پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں۔

① مغنی کی مفصل عبارت اوپر گزر چکی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا مذہب منقول ہے۔

② المسنون عند ابی حنیفۃ والشافعی واحمد عشرین رکعة وحکی عن مالک ان

التراویح ست وثلاثون رکعة (رحمة الامة ص ۲۳)

③ واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس فی رمضان

فاختار مالک فی احد قولیه وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداود القیام بعشرین رکعة

سوی الوتر و ذکر ابن قاسم عن مالک انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعة والوتر ثلاث

(القولہ) و ذکر ابن القاسم عن مالک انه الامر القدير، (بداية المجتهد ص ۲۲۱ ج ۱)

(۴) وقد قالت المالكية انها كانت ثلاثا وعشرين ثم جعلت تسعا وثلاثين (قسطلاف)

(۵) قال الامام الترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ واختلف اهل العلم في قيام رمضان فرأى

بعضهم ان يصلي احدى واربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا

عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما من اصحاب النبي صلى الله

عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وقال الشافعي و

هكذا ادركت ببليدنا بمكة يصلون عشرين ركعة وقال احمد روى في هذا الوان لم ينص فيه

بشيء وقال سفيان بن عيينة واربعة ركعة على ما روى عن ابى بن كعب (ترمذی ص ۱۱۳ ج ۱)

غرضیکہ بیس رکعات کی سنیت خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدهم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا اجماع ہے کہ بیس رکعات سے

کم تراویح نہیں۔ لہذا انکے خلاف قول کرنا ضلالت اور گمراہی ہے والاغۃ اذا اختلفوا في مسألة

في اى عصر كان على اقوال كان اجماعا منهم على ان ما عداها باطل ولا يجوز لمن بعدهم احدا

قول آخر (نور الانوار ص ۲۲۳)

اجماع کی تعریف :

اجماع کی تعریف میں حسامی کی تعبیر بہترین ہے۔ ونصہ واصحہ عندنا ان اجماع كل عصر

من اهل العدالة والاجتهاد حجة ولا عبرة لقلة العلماء وكثرتهم ولا بالشبهة على ذلك حتى

يموتوا ولا لمخالفة اهل الهواء فيما نسبوا به الى الهواء ولا لمخالفة من لا رأى له في الباب

الا فيما يستغنى عن الرأى ثم الاجماع على مراتب فالاقوى اجماع الصحابة رضي الله تعالى

عنهم نعتا لانه لا خلاف فيه فيهم اهل المدينة وعترۃ الرسول عليه السلام ثم الذي ثبت

بعض بعضهم وسكوت الباقيين لان السكوت في الدلالة على التقرير دون النص ثم اجماع من

بعد الصحابة على حكم لم يظهر فيه قول من سبقهم مخالفا ثم اجماعهم على قول سبقهم فيه مخالفا

فقد اختلف العلماء في هذا الفصل فقال بعضهم هذا لا يكون اجماعا لان موت المخالف

لا يبطل قوله وعندنا ان اجماع علماء كل عصر حجة فيما سبق فيه الخلاف وفيما لم يسبق لكنه

فيما لم يسبق فيه الخلاف بمنزلة المشهور من الحديث وفيما سبق فيه الخلاف بمنزلة الصحيح

من الاحاد واذا انتقل اليها اجماع السلف باجماع كل عصر على نقله كان في معنى نقل

الحديث المتواتر واذا انتقل اليها بالافراد كان كمنقل السنته بالاشهاد وهو يقين باصله
ولكنه لما انتقل اليها بالاحاد اوجب النقل دون العام وكان مقدماً في القياس (حسامي)
منكر اجماع كافر ہے یا نہیں ؟

اس سے متعلق شامیہ میں یہ تفصیل ہے۔ ثمر نقل فی نور العین عن رسالۃ الفاضل
الشہید رحمہ اللہ من عظماء علماء السلطان سلیم بن بایزید خان ما نصہ اذا لم تکن
الایۃ والخبر المتواتر قطعاً الدلالۃ اولم یکن الخبر متواتراً او کان قطعياً لکن فیہ شبهۃ
اولم یکن اجماعاً لجمیع او کان ولم یکن اجماعاً الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم او کان
ولم یکن اجماعاً جمیع الصحابة او کان اجماعاً جمیع الصحابة ولم یکن قطعياً بان لم
یثبت بطریق التواتر او کان قطعياً لکن کان اجماعاً سکو تیباً ففی کل من ہذا الصورۃ
یکون الجحد کفراً یظهر ذلک لمن نظر فی کتب الاصول فاحفظ ہذا الاصل فانه ینفعک
فی استخراج فروعه حتی تعرف منه ما قبل انہ یلزم الکفر فی موضع کذا ولا یلزم فی موضع اخر اھ۔
(رد المحتار ص ۲۹۳ ج ۳ کتاب المرتد)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تراویح سے متعلق منعقد اجماع کے منکر کی تکفیر جائز نہیں، البتہ
تفصیل کی جائے گی۔ یعنی بیس رکعت سے کم کی سنیت کا قائل ضلالتِ بینہ میں ہے۔ فقیم روضۃ
بعشرین رکعة والوتر هو السنۃ المؤکدة یصلک تارکھا ویلام من نقص عنها (اعلاء السنن ص ۲۷ ج ۷)
نقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و حکم

رشید احمد

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۴۳۳ھ بمطابق

تمت :

اقتباسات از رسالہ خیر المصابیح مؤلفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

① پاکستان کے اہل حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ
تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا۔ جمہور مسلمان جو بیس تراویح
پڑھتے ہیں یا بیس سے زائد پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر
چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ
عنہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین

علماءِ راسخین کا عمل بیس یا بیسٹس سے زائد کا نہ ہوتا۔ حالانکہ مشترکہ ہندوستان میں دو صدی قبل پورے بارہ سو سال تک تمام مساجد شرق و غرب اور جنوب و شمال میں بیس یا بیسٹس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا بیسٹس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں۔ کیا اہل حدیث کے سوائے جمہور اُمت گمراہی میں رہی، یا بغیر ثبوت کے ہی بیس یا بیسٹس سے زائد پڑھتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں، ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا، مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

② اہل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت

پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست الخ (العرف الجہادی ص ۸۷) پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد الخ (ہدایۃ السائل ص ۱۳۸) گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اما آنکہ جمع از اہل علم این نماز بست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعت قرار معین راستحس داشتہ این عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجملہ چیزے ست کہ بر آن ایں معنی صادق ست کہ انہ صلوٰۃ اند جماعة وانہ فی رمضان پس حکم بتبدیل آں چہ معنی (بدولالہ) لیکن جو اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرأت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد بخصوصہ ثابت نہیں لیکن ایک مجمل چیز ہے جس پر یہ صادق ہے کہ یہ نماز ہے یہ جماعت ہے یہ رمضان میں ہے۔ پس اسکے بدعت ہونیکا حکم لگانے کے کیا معنی؟ نیز فرماتے ہیں۔

ان صلوٰۃ التراويح سنة باصلها لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا فی لیالی ثم

ترکہ شفقة علی الامة ان تجب علی العامة او یجبواھا واجبة ولم یأت تعین العدد فی الروایة الصحیحة المرفوعة ولكن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددها کان کثیراً (الانتقاد الرجیع ص ۷۱)

نماز تراویح اپنے اصل کے لحاظ سے سنت ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں۔ پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں یا عوام انہیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرمادیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتیٰ) عدد کا تعین نہیں آیا لیکن اس حدیث سے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیرہ رواہ مسلم معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

(۳) اہل حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں۔ کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابو الحسن صاحب مولوی وحید الزماں صاحب، علامہ شوکانی، علامہ سبکی، علامہ ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی۔ اسلئے آجکل کے اہل حدیث اصح الکتاب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں گو دلائل فی غیرہ کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو۔ بہر حال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یا مذکورہ حضرات کہ۔

(۴) عہد فاروقی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی، اگر کہیں کسی مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جاوے۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

(۷) سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سنہ میں؟ کس شہر میں؟

نتیجۃ الحقائق من خیل المصانیم بقلم محب المؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة العبد رشید احمد بن زرقہ اللہ تعالیٰ حبہ وحب اولیائہ۔ والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوة والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ کما یحبہ ویرضی بعدد ما یحبہ ویرضی۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ ہجری

ارشاد القاری الی صحیح البخاری

تألیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی
 یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف
 موصوف نے کئی سال مسلسل دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا،
 زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی
 حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے
 اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک
 منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر
 مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا
 جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار
 کے ساتھ سمودیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک
 دکھائی جاسکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور
 بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروع و امانی میں
 نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ صفحہ ۶۱) قیمت

سید کیمپنی ادب منزل کراچی
 پاکستان چوک